50 تقاریر

بابت

وجودِ باری تعالیٰ

یکے از آن لائن مطبوعات ''مشاہدات''

32

ابو سعید حنیف احمد محمود

وَاِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا

هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ ۝

(البقرہ:164)

ش

50 تقاریر

بابت

وجودِ باری تعالیٰ

یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"

32

ابو سعید حنیف احمد محمود

رابطہ کرنے کے لیے

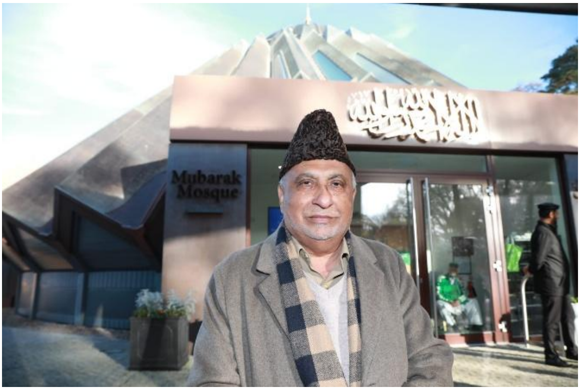

ای میل ایڈریس: hanifahmadmahmood@hotmail.com

ویب سائیٹ: www.mushahedat.com

فون نمبر: +44 73 7615 9966

اَلْاَوَّلُ

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی کم از کم 175 صفات کا تذکرہ ہے۔ حدیث میں 104 صفات کا ذکر ملتا ہے۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اِن کے علاوہ اپنی جن صفات پر اطلاع دی وہ 27 ہیں۔
(الفضل انٹرنیشنل 23/ دسمبر 2025ء)

ان کُل 306 صفات میں سے ایک صفت "**اَلْاَوَّلُ**" بھی ہے یعنی پہلا۔ اِسی صفت کو آج مَیں نے "مشاہدات" کے 32ویں مجموعہ کے پیش لفظ کے عنوان کے طور پر چُنا ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم اور احادیث میں وجودِ الٰہی اور توحیدِ باری تعالیٰ کے ثبوت کے لیے جن صفات کا سہارا لینا ہو گا۔ اُن میں صفت اَلْاَوَّلُ بھی شامل ہے۔ اللہ ہی کی ذات سب سے پہلے ہے۔ تمام انبیاء جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں ہدایت کے لیے بھیجے گئے وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحیدِ باری تعالیٰ کے قائل تھے بلکہ انہوں نے اپنے پیروکاروں کو اِسی کی تعلیم دی۔ اس عظیم ذات کے اَلْاَوَّلُ ہونے کی وجہ سے اُس پر ایمان لانا، اُس کی بڑائی بیان کرنا اور اُس کی توحید پر کامل یقین رکھ کر اُس کی وحدانیت اور اوّلیت کا پرچار کرنا ہم سب مسلمانوں پر فرض ہے۔

استاذی المکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب مرحوم نے ایک دفعہ مسجد مبارک میں اپنے ایک درسِ حدیث میں یہ نصیحت کی تھی اور طلباء جامعہ احمدیہ کو بھی توجہ دلایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت اَلْاَوَّلُ ہے۔ تو ہمیں اس صفت کے مطابق نیکیوں کے میدان میں اوّل رہنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ہم صبغۃُ اللہ کے رنگ میں رنگین رہ سکیں۔

زیرِ نظر کتاب میں اس تعلق میں مختلف عناوین پر 50 تقریر لازماً اللہ تعالیٰ کی طرف ہمارے مسلسل سفر کو مزید سہل کرنے میں ممدّ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان بڑھے گا۔ اُس ذات پر یقین مستحکم ہو گا۔ اُس کی

عبادت میں لطف میں اضافہ ہو گا اور اُس کی رضا کے سامان کے حصول میں آسانیاں پیدا ہوں گی۔
ان شاءاللہ

اِس کتاب میں موجود تقاریر کی تیاری اور کمپوزنگ میں جن احباب وخواتین کا تعاون حاصل رہا اُن میں عزیزم منہاس محمود۔ جرمنی، مکرم حافظ عبدالحمید، مکرم چوہدری ناز احمد ناصر۔ برطانیہ، مکرم عمیر احمد باجوہ، مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی، مسز عطیۃُ العلیم۔ ہالینڈ، مسز فائقہ بشریٰ، مسز بُقعۃُ النورعمران۔ جرمنی شامل ہیں۔ عزیزم زاہد محمود نے اس مجموعہ کو کتابی شکل دی، عزیزم فضل عمر شاہد۔ لٹویا نے اس کتاب کا ٹائیٹل تیار کیا اور عزیزم عامر محمود ملک۔ برطانیہ اور عزیزم سعید الدین احمد۔ برطانیہ کی کوششوں سے یہ کتاب نیٹ کی زینت بنی۔ کئی احباب کے مضامین سے تقاریر کی تیاری کے دوران استفادہ کیا گیا اور بہت سے احباب و مستورات نے ان تقاریر کو دوسروں تک پہنچایا۔ ان سب کے لئے میرے دل میں بے حد تشکّر آمیز جذبات ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو بہترین اجر دے۔ جزاھم اللہ خیراً

مکرم عطاء المنعم صاحب تحریر کرتے ہیں کہ

”مشاہدات کی ویب سائیٹ www.mushahedat.com سے استفادہ کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ ماشاءاللہ بہت زبردست کاوش، قیمتی خزانہ اور صدقہ جاریہ ہے۔ اللہ تمام ٹیم کو اس خدمت کی بہترین جزا سے نوازے۔ آمین“

مکرم عبدالباسط بھٹی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ

”جزاك اللہ خیراً۔ تمام تربیتی مواد اکٹھا مل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ استفادہ و عمل کی توفیق دے۔“

مَیں امید رکھتا ہوں کہ اس کتاب کی تیاری میں جن مرد وخواتین نے تعاون کیا ہے یا اِسے پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلقات کو بڑھائیں گے اُن پر اللہ تعالیٰ جنت کے راستے آسان کرے گا اور اپنے ربّ سے اپنی ملاقات کے سامان کرے گا۔ ان شاءاللہ

”مشاہدات“ کی 32ویں کاوش سالِ نو کے تحفہ کے طور پر آپ قارئین کی نظر ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

خاکسار

ابوسعید حنیف احمد محمود

مربّی سلسلہ حال برطانیہ

(شاہد۔ عربی فاضل)

(سابق ایڈیٹر روزنامہ الفضل ربوہ و الفضل آن لائن لندن و نائب ناظر اصلاح و ارشاد مرکزیہ)

05/ جنوری 2026ء

ویب سائیٹ: www.mushahedat.com

فون نمبر: +44 73 7615 9966

ای میل: hanifahmadmahmood@hotmail.com

تقاریر کے حوالے سے چند باتیں

1. خاکسار نے جو تقاریر تیار کیں وہ سات سے آٹھ منٹ دورانیہ کی ہیں اس میں نیت یہ تھی کہ جماعتی وذیلی تنظیموں کے تربیتی و تبلیغی اجلاسات میں پڑھی جاسکیں۔

2. جہاں تک مقابلہ جات کی تقاریر کا تعلق ہے ان میں ان تقاریر کو ذرا مختصر کرکے حسب پروگرام کی جاسکتی ہیں کیونکہ چھوٹی تحریر کو بڑا کرنا قدرے مشکل ہوتا ہے جبکہ بڑی یا لمبی تحریر بآسانی مختصر کی جاسکتی ہے۔

3. بعض دوست جب کسی عنوان کے تحت تقریر کا مطالبہ کرتے ہیں تو ان کو وہ تقریر عنوان کی قدرے تبدیلی سے جب بھجوائی جاتی ہے وہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ وہ عنوان تو نہیں ہے جبکہ عنوان تبدیل کرکے اگر وہی تقریر کردی جائے تو وہ عین درست ہوتا ہے جیسے آنحضورؐ کا عفو کا مقام اور آنحضورؐ اور غصہ نہ کرنے کی تعلیم۔

4. تقریر کرتے وقت صاحب صدر یا سامعین کو مخاطب کرتے موقع و محل کو مدنظر رکھنا چاہئے کیونکہ صاحب تحریر کے مدنظر بھائی اور بہنیں دونوں ہوتی ہیں۔ اس طرح مخاطب ضمیر بھی بدل جائے گی۔

5. اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ تقریر خود تیار کرنے کی کوشش کیا کریں۔ اس سے کتب بینی کا بھی موقع میسر آتا ہے۔ مطالعہ کتب حضرت مسیح موعودؑ کی بھی توفیق ملتی ہے۔ عنوان کو ذہن میں رکھ کر درود شریف اور دعائے قرآنیہ رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ وَیَسِّرۡ لِیۡۤ اَمۡرِیۡ بار بار پڑھیں۔ اپنے خدا سے مدد مانگیں اور اگر ممکن ہو تو صدقہ بھی دیں۔ اللہ تعالیٰ مضمون سلجھا دے گا اور تقریر لکھنے میں الٰہی مدد و نصرت بھی ملے گی۔

یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"

1۔ جماعت احمدیہ و ذیلی تنظیموں کے عہد اور ہماری ذمہ داریاں
2۔ تقاریر سیرت و شمائل محمد صلی اللہ علیہ وسلم
3۔ 100 تقاریر برائے ممبرات لجنہ اماءاللہ بر موقع صد سالہ جوبلی
4۔ 52 علامات 52 تقاریر بابت پیشگوئی مصلح موعود
5۔ 50 تقاریر بر موقع یوم مسیح موعودؑ (جلد اول)
6۔ 30 دروس بابت رمضان المبارک 2024ء (حصہ اول)
7۔ 50 تقاریر بر موقع یوم خلافت (حصہ اول)
8۔ 25 تقاریر بابت انفاق فی سبیل اللہ
9۔ 65 تقاریر برائے انصار اللہ
10۔ 20 تقاریر بابت محرم الحرام
11۔ 25 تقاریر بابت اہل بیت رسولؐ اور اُن کا مقام و مرتبہ
12۔ 50 تقاریر بابت سیرت و شمائل حضرت محمد ﷺ (حصہ دوم)
13۔ 70 تقاریر برائے خدام الاحمدیہ
14۔ 50 تقاریر بابت قرآن کریم (حصہ اول)
15۔ 50 تقاریر بابت اخلاقیات (حصہ اول)
16۔ 60 تقاریر بابت افراد خاندان حضرت مسیح موعودؑ (حصہ اول)
17۔ 40 تقاریر بابت افراد خاندان حضرت مسیح موعودؑ (حصہ دوم)
18۔ 20 تقاریر بابت فلسفہ دُعا اور اس کی حقیقت
19۔ 30 دروس بابت رمضان المبارک 2025ء (حصہ دوم)
20۔ 30 تقاریر بابت رمضان المبارک 2025ء (جلد اول)

21۔ 50 تقاریر بر موقع یوم مسیح موعودؑ 2025ء (جلد دوم)

22۔ 50 تقاریر بر موقع یوم خلافت 2025ء (حصہ دوم)

23۔ 10 تقاریر بعنوان صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا

24۔ 20 تقاریر بعنوان صحبتِ صالحین

25۔ 50 تقاریر بابت سیرت و شمائل حضرت محمد ﷺ (حصہ سوم)

26۔ 30 تقاریر بابت قولِ سدید و قولِ زور

27۔ 50 تقاریر بابت اخلاقیات (جلد دوم)

28۔ 50 تقاریر بابت اخلاقیات (جلد سوم)

29۔ 50 تقاریر برائے نَوِنہالانِ جماعت

30۔ ”مشاہدات“ کی مالا کے 1000 موتی

31۔ 50 تقاریر بابت اخلاقیات (جلد چہارم)

32۔ 50 تقاریر بابت وجودِ باری تعالیٰ (جلد اول)

زیر ترتیب کتب

1۔ 50 تقاریر بابت عبادات

2۔ 30 دروس بابت رمضان المبارک 2026ء (حصہ سوم)

3۔ 50 تقاریر بر موقع یوم مسیح موعودؑ 2026ء (جلد سوم)

4۔ 50 تقاریر بر موقع یوم خلافت 2026ء (حصہ سوم)

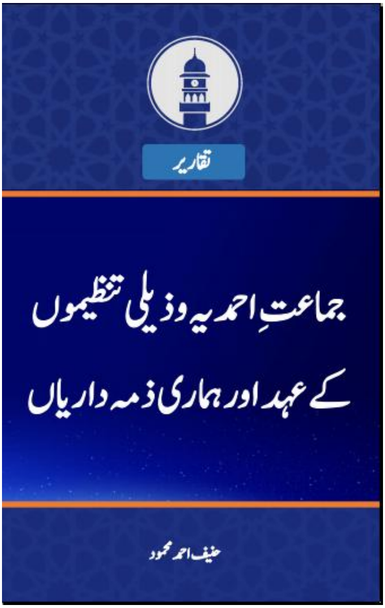
تقاریر
جماعتِ احمدیہ و ذیلی تنظیموں
کے عہد اور ہماری ذمہ داریاں
حنیف احمد محمود

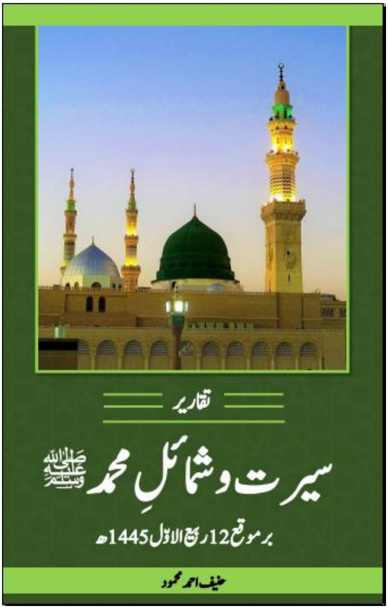
تقاریر
سیرت و شمائلِ محمد ﷺ
بر موقع 12 ربیع الاوّل 1445ھ
حنیف احمد محمود

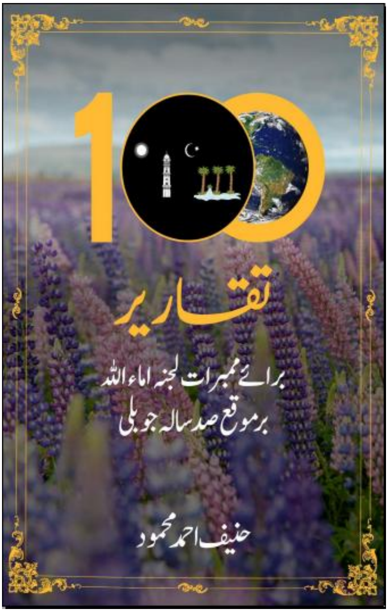
100
تقاریر
برائے ممبرات لجنہ اماء اللہ
بر موقع صد سالہ جوبلی
حنیف احمد محمود

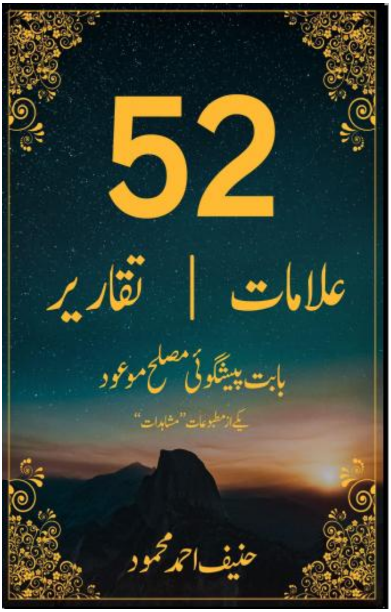
52
علامات | تقاریر
بابت پیشگوئی مصلح موعود
یکے از مطبوعات "مشاہدات"
حنیف احمد محمود

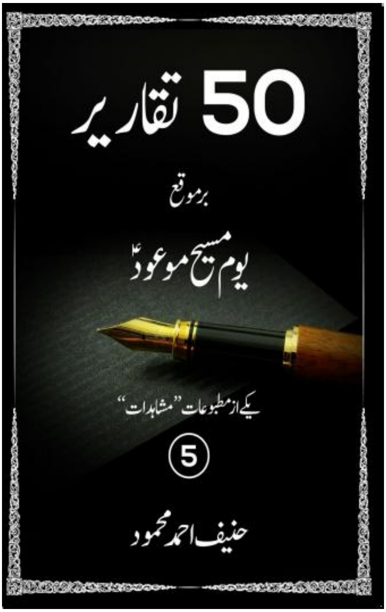
50 تقاریر
برموقع
یوم مسیح موعودؑ
یکے از مطبوعات "مشاہدات"
5
حنیف احمد محمود

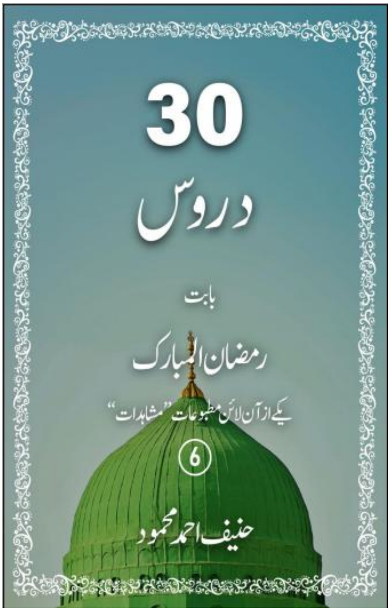
30
دروس
بابت
رمضان المبارک
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
6
حنیف احمد محمود

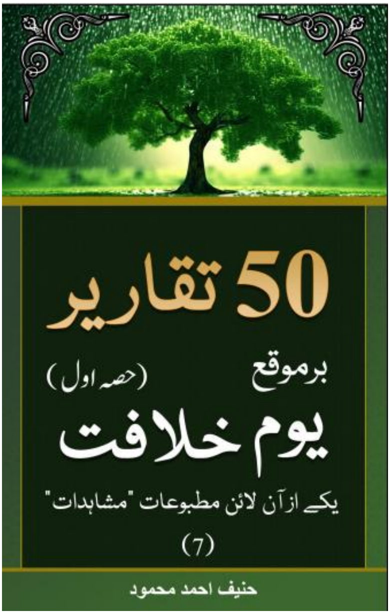
50 تقاریر
برموقع
(حصہ اول)
یوم خلافت
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
(7)
حنیف احمد محمود

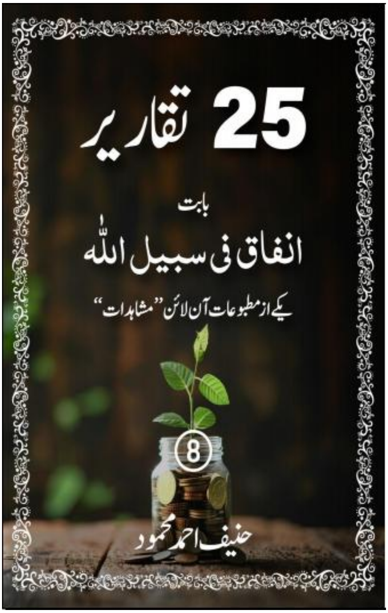
25 تقاریر
بابت
انفاق فی سبیل اللہ
یکے از مطبوعات آن لائن "مشاہدات"
8
حنیف احمد محمود

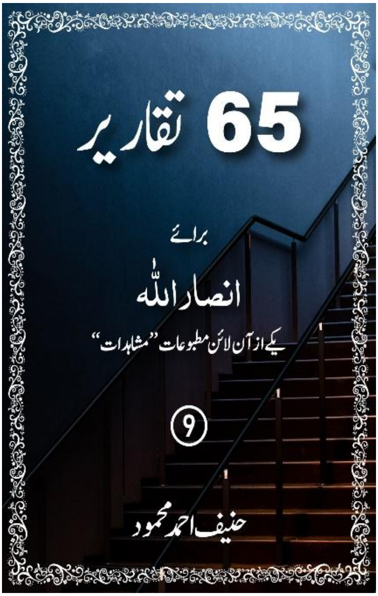
65 تقاریر
برائے
انصار اللہ
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
9
حنیف احمد محمود

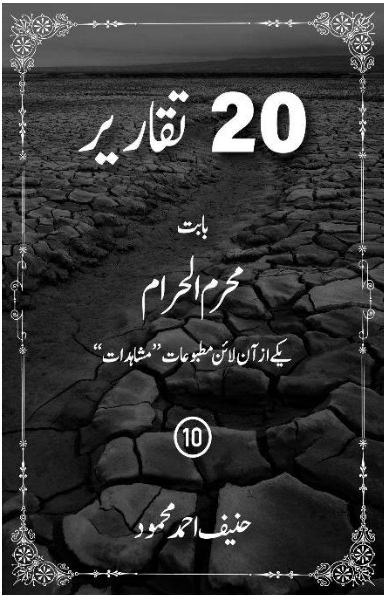
20 تقاریر
بابت
محرم الحرام
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
10
حنیف احمد محمود

25 تقاریر
بابت
اہلِ بیتِ رسولؐ اور اُن کا مقام و مرتبہ
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
11
حنیف احمد محمود

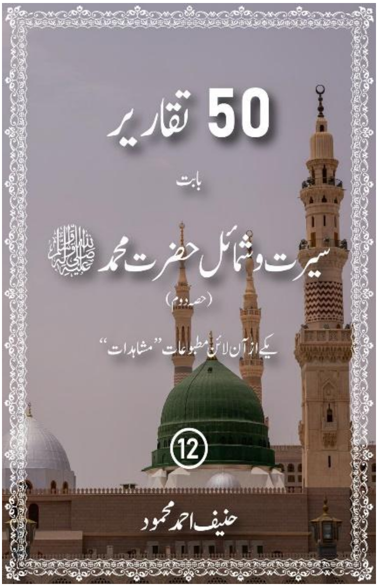
50 تقاریر
بابت
سیرت و شمائل حضرت محمد ﷺ
(حصہ دوم)
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
12
حنیف احمد محمود

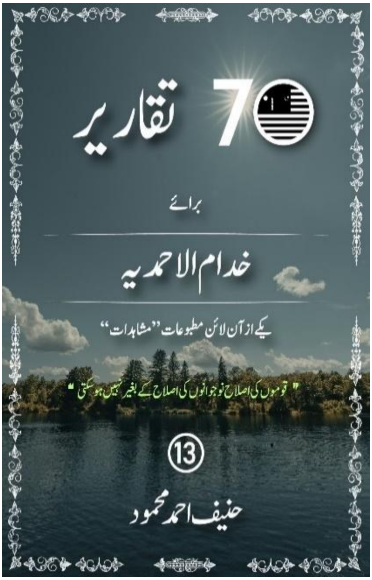
70 تقاریر
برائے
خدام الاحمدیہ
یکے از آن لائن مطبوعات ''مشاہدات''
''قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی''
13
حنیف احمد محمود

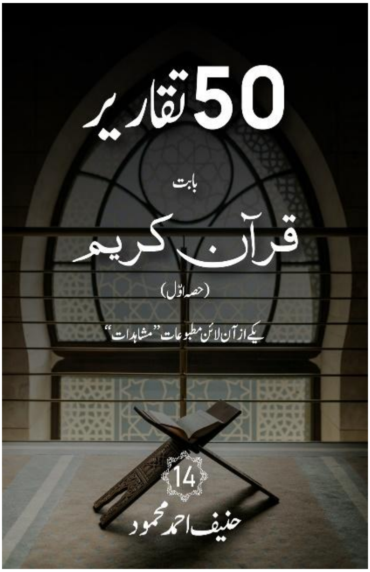
50 تقاریر
بابت
قرآن کریم
(حصہ اوّل)
یکے از آن لائن مطبوعات ''مشاہدات''
14
حنیف احمد محمود

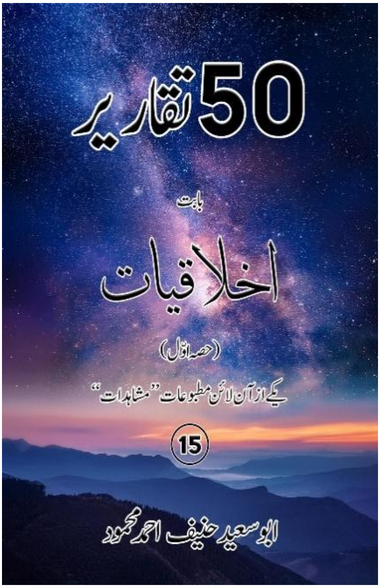
50 تقاریر
بابت
اخلاقیات
(حصہ اوّل)
یکے از آن لائن مطبوعات ''مشاہدات''
15
ابو سعید حنیف احمد محمود

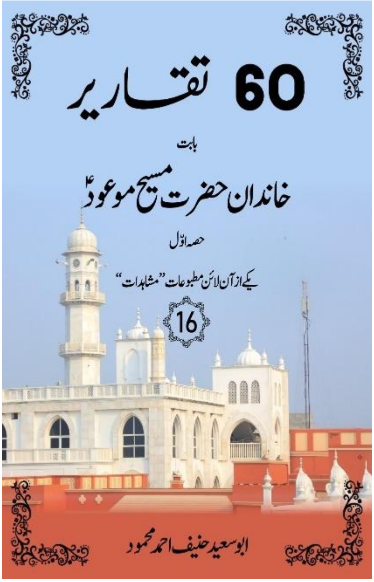
60 تقاریر
بابت
خاندان حضرت مسیح موعودؑ
حصہ اوّل
یکے از آن لائن مطبوعات ''مشاہدات''
16
ابو سعید حنیف احمد محمود

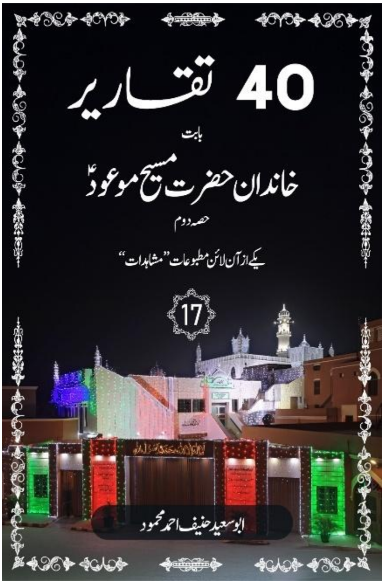
40 تقاریر
بابت
خاندان حضرت مسیح موعودؑ
حصہ دوم
یکے از آن لائن مطبوعات ”مشاہدات“
17
ابوسعید حنیف احمد محمود

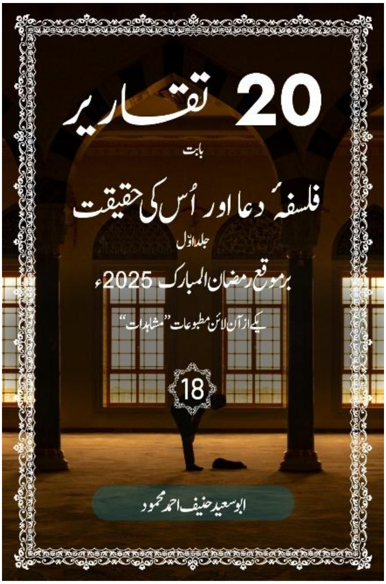
20 تقاریر
بابت
فلسفۂ دعا اور اُس کی حقیقت
جلد اوّل
بر موقع رمضان المبارک 2025ء
یکے از آن لائن مطبوعات ”مشاہدات“
18
ابوسعید حنیف احمد محمود

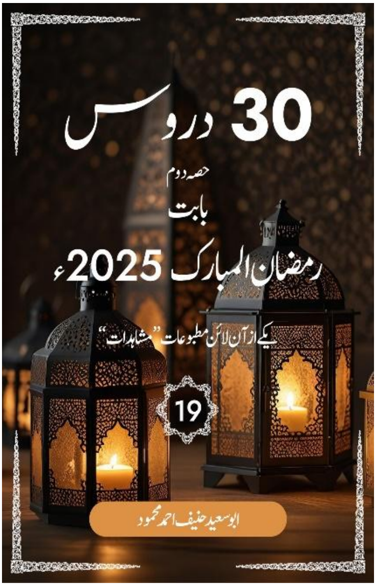
30 دروس
حصہ دوم
بابت
رمضان المبارک 2025ء
یکے از آن لائن مطبوعات ”مشاہدات“
19
ابوسعید حنیف احمد محمود

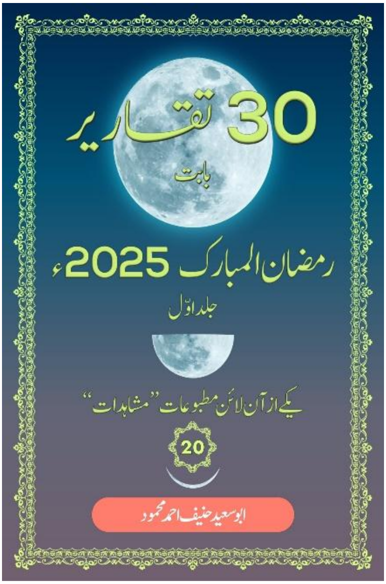
30 تقاریر
بابت
رمضان المبارک 2025ء
جلد اوّل
یکے از آن لائن مطبوعات ”مشاہدات“
20
ابوسعید حنیف احمد محمود

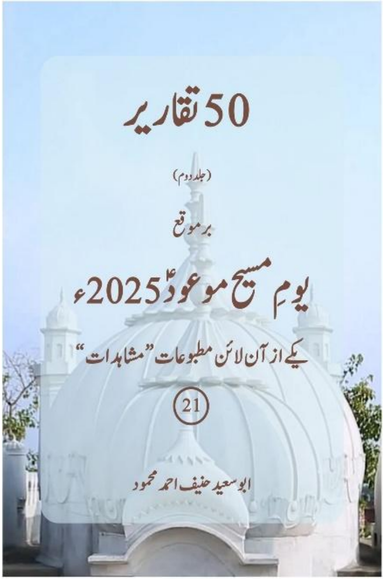
50 تقاریر
(جلد دوم)
بر موقع
یومِ مسیح موعودؑ 2025ء
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
21
ابو سعید حنیف احمد محمود

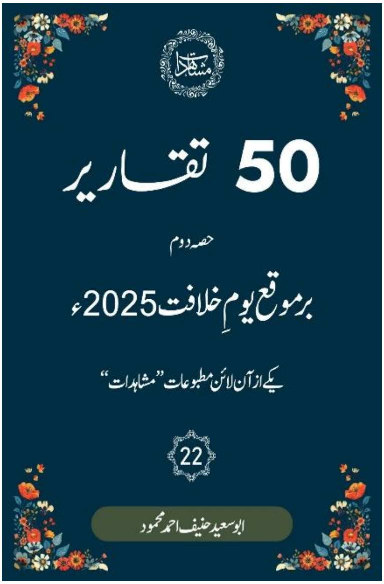
مشاہدات
50 تقاریر
حصہ دوم
بر موقع یومِ خلافت 2025ء
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
22
ابوسعید حنیف احمد محمود

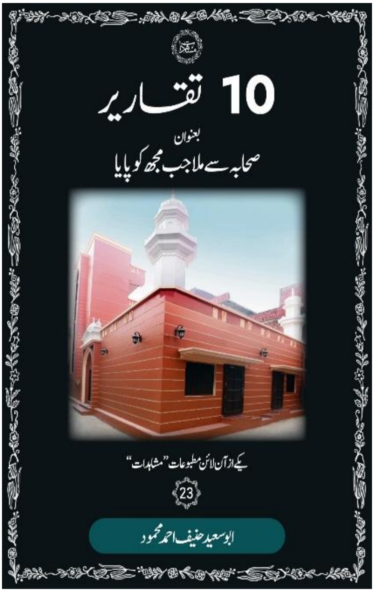
مشاہدات
10 تقاریر
بعنوان
صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
23
ابوسعید حنیف احمد محمود

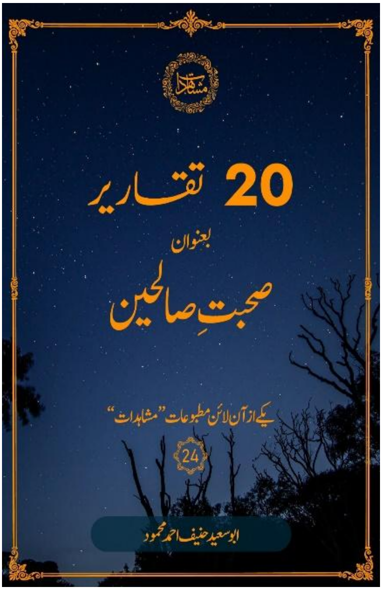
مشاہدات
20 تقاریر
بعنوان
صحبتِ صالحین
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
24
ابوسعید حنیف احمد محمود

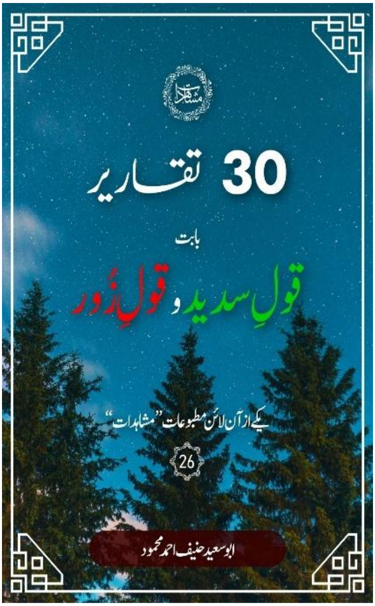
مشاہدات
30 تقاریر
بابت
قولِ سدید و قولِ زُور
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
26
ابوسعید حنیف احمد محمود

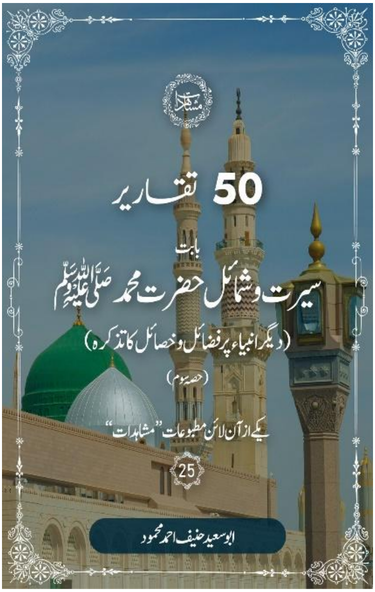
مشاہدات
50 تقاریر
بابت
سیرت و شمائل حضرت محمد ﷺ
(دیگر انبیاء پر فضائل و خصائل کا تذکرہ)
(حصہ سوم)
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
25
ابوسعید حنیف احمد محمود

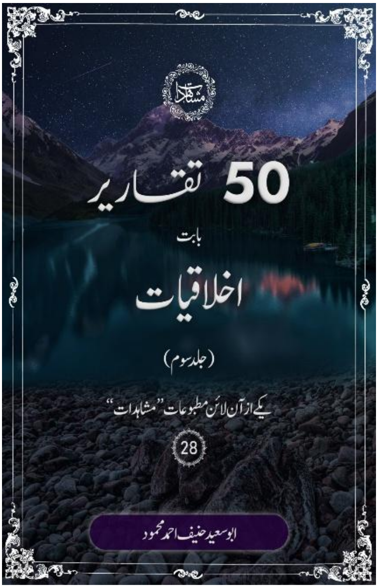
مشاہدات
50 تقاریر
بابت
اخلاقیات
(جلد سوم)
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
28
ابوسعید حنیف احمد محمود

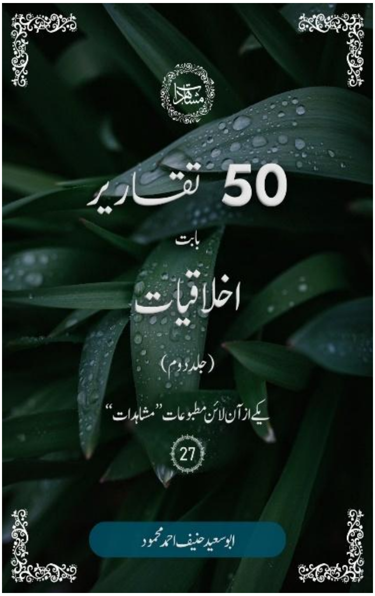
مشاہدات
50 تقاریر
بابت
اخلاقیات
(جلد دوم)
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
27
ابوسعید حنیف احمد محمود

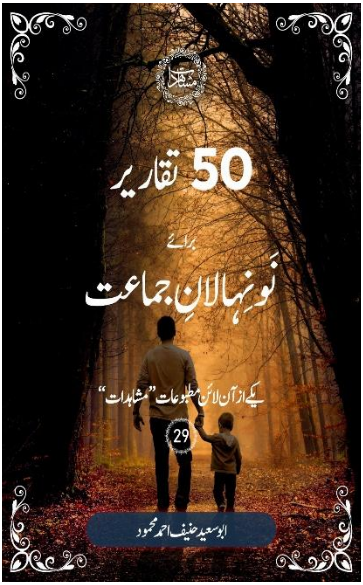

50 تقاریر
برائے
نونہالانِ جماعت
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
29
ابو سعید حنیف احمد محمود

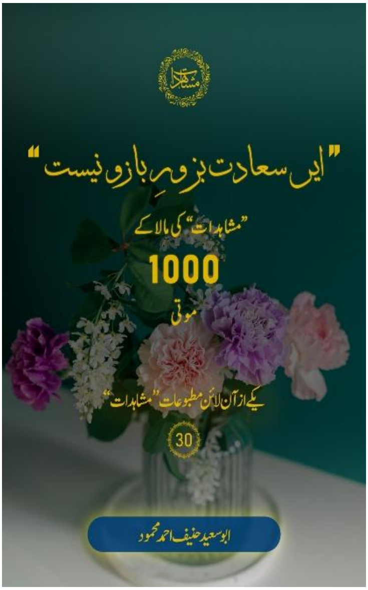

"ایں سعادت بزورِ بازو نیست"
"مشاہدات" کی مالا کے
1000
موتی
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
30
ابو سعید حنیف احمد محمود

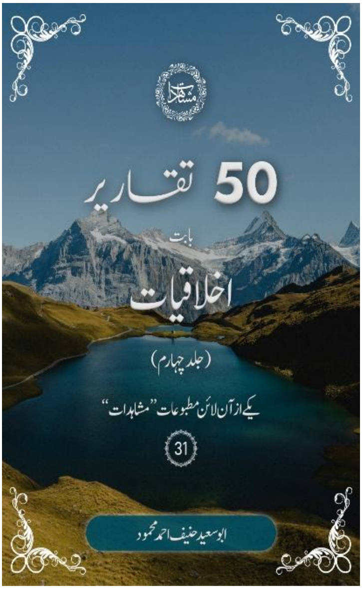

50 تقاریر
بابت
اخلاقیات
(جلد چہارم)
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
31
ابو سعید حنیف احمد محمود

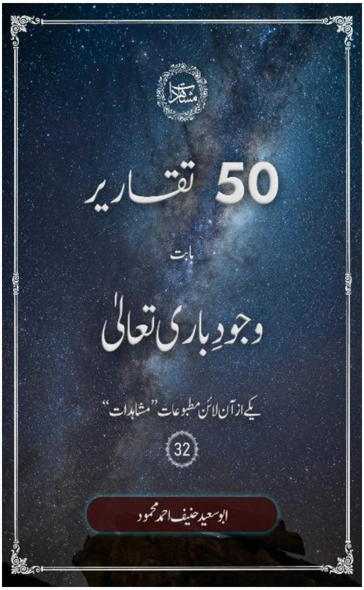

50 تقاریر
بابت
وجودِ باری تعالیٰ
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
32
ابو سعید حنیف احمد محمود

محفوظ قلعے میں داخل ہونے کی تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 23 اگست 2024ء میں یہ تحریک فرمائی کہ بڑی عمر کے افراد **200 مرتبہ**، 15 سے 25 سال کے افراد **100 مرتبہ** یہ دعائیں پڑھیں اور چھوٹے بچوں سے والدین **3، 4 دفعہ** دہرائیں

Hazrat Khalifatul Masih V (may Allah be his helper) instructed in his Friday Sermon on August 23rd, 2024, that adults should recite these prayers **200 times**, individuals aged 15 to 25 should recite them **100 times**, and parents should repeat these prayers with young children **three or four times**:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

پاک ہے اللہ اپنی حمد کے ساتھ۔ پاک ہے اللہ جو بہت عظیم ہے۔ اے اللہ رحمتیں بھیج، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی آل پر۔

Holy is Allah, worthy of all praise and greatness. O Allah, bestow Your blessings upon Muhammad and the people of Muhammad.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

100 times daily | 100 دفعہ ورد کریں

میں اللہ اپنے رب سے بخشش طلب کرتا ہوں۔ اور اسی کی طرف جھکتا ہوں۔

I seek forgiveness from Allah, my Lord, for all my sins and turn to Him.

رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِيْ وَانْصُرْنِيْ وَارْحَمْنِيْ

100 times daily | 100 دفعہ ورد کریں

اے میرے رب! ہر ایک چیز تیری خادم ہے۔ اے میرے رب! پس مجھے محفوظ رکھ اور میری مدد فرما اور مجھ پر رحم فرما۔

My Lord, everything is subservient to You! Protect me, help me, and have mercy on me.

ویب سائیٹ: www.mushahedat.com

فون نمبر: +44 73 7615 9966

انڈیکس

نمبر شمار	مشاہدات	عنوان	صفحہ
1	841	اسلام میں قیامِ توحید کی اہمیت	1
2	941	ہستیٔ باری تعالیٰ، کتبِ مقدّسہ کی روشنی میں	13
3	689	ہستی باری تعالیٰ از روئے قرآنِ پاک (تقریر نمبر 1)	24
4	940	ہستی باری تعالیٰ از روئے قرآنِ کریم (تقریر نمبر 2)	36
5	968	"قبولیتِ دعا ہستی باری تعالیٰ کی زبردست دلیل ہے" (مسیح موعودؑ)	48
6	190	جس بات کو کہے کہ کروں گا میں یہ ضرور ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے	58
7	986	وجودِ باری تعالیٰ پر دس دلائل (از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ) (قسط نمبر 1)	67
8	987	وجودِ باری تعالیٰ پر دس دلائل (از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ) (قسط نمبر 2)	78
9	966	خدا کی ہستی اور انبیاء کی غیبی تائیدات	89
10	967	کائنات اور ایک خدا	98
11	942	عقلی دلائل سے ہستیٔ باری تعالیٰ کے ثبوت	111
12	943	ہستیٔ باری تعالیٰ کے بارے میں سائنسی دلائل (تقریر نمبر 1)	122
13	944	ہستیٔ باری تعالیٰ کے بارے میں سائنسی دلائل (تقریر نمبر 2)	129

14	945	ہستیِ باری تعالیٰ کے بارے میں سائنسی دلائل (تقریر نمبر 3)	138
15	939	سُنو! اب وقتِ توحیدِ اَتمّ ہے	146
16	979	لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ	159
17	558	توکّل علی اللہ	166
18	984	ہُن مَیں چھ مہینے لئی تیرا ربّ نہیں رہیا؟	175
19	573	خدا ایک پیارا خزانہ ہے	186
20	715	اللہ ہمارا بہترین دوست ہے	194
21	791	سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ کا نادر و نایاب نسخہ	199
22	985	"خدا تعالیٰ کہنے میں بڑی برکات ہیں"	205
23	661	وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم	211
24	662	زندہ خدا سے دل کو لگاتے تو خوب تھا	219
25	946	ڈھونڈو خدا کو دل سے نہ لاف و گزاف سے	231
26	633	رحمان خدا اور اُس کے بندے	239
27	699	تعلق باللہ کی اہمیت اور برکات	249
28	7	تعلق باللہ کے مختلف پہلو	257
29	192	صحابہ رسول رِضوانُ اللہ علیہم کا تعلق باللہ اور ذوق عبادت	262
30	747	ذکرِ الٰہی، اطمینانِ قلب کا مُوجب ہے	276

31	862	ذِكۡرُ اللّٰهِ اَنِيۡسِيۡ وَثَمۡرَةُ فُؤَادِيۡ فِيۡ ذِكۡرِهٖ (حضرت محمدؐ) ذکر الٰہی میرا مونس اور میرے دل کا پھل ہے	284
32	847	ذِكۡرُ اللّٰهِ مَالِيۡ (مسیح موعودؑ) یاد الٰہی میری دولت ہے	291
33	860	اَلۡحُبُّ اَسَاسِيۡ (حضرت محمدؐ) محبت میری اساس ہے	302
34	861	اَلشَّوۡقُ مَرۡكَبِيۡ وَشَوۡقِيۡ اِلٰى رَبِّيۡ عَزَّ وَجَلَّ (حضرت محمدؐ) شوق میری سواری ہے اور میرا شوق اپنے رب عزّ وجلّ کی طرف ہے	309
35	867	اَلرَّضَاءُ غَنِيۡمَتِيۡ (حضرت محمدؐ) رضا میری غنیمت ہے	319
36	926	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ پس (اے جنّ و اِنس!) تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے	326
37	965	مکتبۂ عشق	337
38	982	نُورِ الٰہی، نُورِ مصطفویؐ اور نُورِ قرآن احمدی مسمانوں کا ورثہ ہے	344
39	1001	وسیلہ یا واسطہ کا اسلامی فلسفہ (تقریر نمبر 1)	353
40	1002	وسیلہ اور واسطہ کا اسلامی فلسفہ (تقریر نمبر 2)	361
41	1003	وَابۡتَغُوۡۤا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ (از افاضات حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ)	371
42	546	احکامِ الٰہی کی حفاظت کرو تا اللہ کو اپنے سامنے پاؤ (الحدیث)	384
43	97	اللہ تعالیٰ سے کبھی بے وفائی نہ کرنا	389
44	59	صِبۡغَةَ اللّٰهِ ۔ اللہ کا رنگ پکڑیں	400

45	1015	اَحۡسِنۡ کَمَاۤ اَحۡسَنَ اللّٰہُ اِلَیۡکَ (القصص:78) جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے تُو بھی لوگوں پر احسان کر	410
46	794	عشقِ الٰہی وَسے منہ پر وَلیاں ایہہ نشانی	421
47	827	خلافت کے ذریعہ توحید کا قیام	432
48	853	حضرت مسیح موعودؑ کے آنے کی غرض "تالوگ قوتِ یقین میں ترقی کریں" (تقریر نمبر1)	447
49	854	حضرت مسیح موعودؑ کے آنے کی غرض "تالوگ قوتِ یقین میں ترقی کریں" (تقریر نمبر2)	456
50	776	ایمان بالغیب کیوں ضروری ہے؟	465

ضروری نوٹ

ہر مقرر یعنی تقریر کرنے والا تقریر کا آغاز درج ذیل تشہد سے کرے۔

تشہد

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا

عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ / خطاب کے آغاز میں تشہد بھی پڑھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس خطبہ / خطاب میں تشہد نہ ہو وہ یَدِجَذْمَاء یعنی ایک ٹنڈے (کٹے ہوئے) ہاتھ کی مانند ہے۔

(جامع ترمذی، مشکوۃ المصابیح، باب اعلان النکاح، حدیث نمبر 3015)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”مَیں خدا تعالیٰ پر ایسا ایمان پیدا کرانا چاہتا ہوں کہ جو خدا تعالیٰ پر ایمان لاوے وہ گناہ کی زہر سے بچ جاوے اور اس کی فطرت اور سرشت میں ایک تبدیلی ہو جاوے۔ اُس پر موت وارد ہو کر ایک نئی زندگی اُس کو ملے۔ گناہ سے لذّت پانے کی بجائے اُس کے دل میں نفرت پیدا ہو۔ جس کی یہ صورت ہو جاوے وہ کہہ سکتا ہے کہ مَیں نے خدا کو پہچان لیا ہے۔ خدا خوب جانتا ہے کہ اس زمانے میں یہی حالت ہو رہی ہے کہ خدا کی معرفت نہیں رہی۔ کوئی مذہب ایسا نہیں رہا جو اس منزل پر انسان کو پہنچا دے اور یہ فطرت اس میں پیدا کرے۔ ہم کسی خاص مذہب پر کوئی افسوس نہیں کر سکتے۔ یہ بلا عام ہو رہی ہے اور یہ وبا خطرناک طور پر پھیلی ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں خدا پر ایمان لانے سے انسان فرشتہ بن جاتا ہے، بلکہ ملائکہ کا مسجود ہوتا ہے۔ نورانی ہو جاتا ہے۔“

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 493-494 ایڈیشن 1988ء)

❖❖❖❖

﴿1﴾ ﴿مشاہدات۔ 841﴾

اسلام میں قیامِ توحید کی اہمیت

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۚ﴿۲﴾ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۚ﴿۳﴾ لَمۡ یَلِدۡ ۬ۙ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ ۙ﴿۴﴾ وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ٪﴿۵﴾

تو کہہ دے کہ وہ اللہ ایک ہی ہے۔ اللہ بے احتیاج ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔ اور اُس کا کبھی کوئی ہمسر نہیں ہوا۔

جس کو خدائے عزوجل پر یقیں نہیں
اُس بدنصیب شخص کا کوئی بھی دیں نہیں
پر وہ سعید جو کہ نشانوں کو پاتے ہیں
وہ اُس سے مل کے دل کو اُسی سے ملاتے ہیں
وہ اُس کے ہوگئے ہیں اُسی سے وہ جیتے ہیں
ہر دم اُسی کے ہاتھ سے اِک جام پیتے ہیں

معزز سامعین! آج اِس مبارک محفل میں مجھے **"اسلام میں قیامِ توحید کی اہمیت"** بیان کرنی ہے۔

اسلام کا بنیادی مقصد توحیدِ الٰہی کا قیام ہے۔ اس کا ہر حکم، ہر تعلیم اور ہر ہدایت دراصل توحید ہی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اِسی لیے اسلام کی بنیاد کلمہ طیبہ پر ہے، یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ ایک مسلمان بچے کی ولادت پر اُس کے کان میں سب سے پہلی آواز اذان اور اقامت کی صدا ہوتی ہے، جس میں تمام عظمت و جبروت اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ہی منسوب کی گئی ہے۔ آٹھ دس سال کا ہونے پر اُسے نماز کی تلقین کی جاتی ہے اور اُس کا ماحول ایسا ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت توحید کی ندا ہی سنتا ہے۔ اذان، اقامت وغیرہ میں اور پھر نماز

میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے ہی سامنے انتہائی تذلّل کروایا جاتا ہے اور ماسوائے اللہ سے بریّت کروائی جاتی ہے۔ ہر روز پانچ وقت کا یہ سبق ناقابل فراموش ہوتا ہے۔ مرتے وقت کے لئے بھی ارشاد نبویؐ ہے:

”مَن کَانَ آخِرَ کَلَامِہٖ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃِ“

کہ جو شخص آخری وقت میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا پابند ہو گا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

جنازہ پڑھنے اور میت کو لحد میں اُتارنے کے وقت بھی خدا تعالیٰ کی کبریائی کا ہی سبق دیا ہے، چنانچہ فرمایا۔ اپنے قریب المرگ لوگوں کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلقین کرو۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب تلقین الموتیٰ لا الٰہ الا اللہ)

اِسی طرح ایک قریبُ المرگ بچے کے متعلق آپؐ نے شدید خواہش کا اظہار فرمایا کہ کاش! یہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھ کر مسلمان ہو جائے۔ جب اُس بچے نے کلمہ طیبہ پڑھا تو آپؐ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور کہتے جاتے کہ یہ بچہ جنت میں داخل ہو گیا۔

اسلام میں جس طرح توحید پر زور دے کر اس کی اہمیت کو اُجاگر کیا گیا ہے، ویسے ہی توحید کے متبادل شرک کی مذمت بھی بہت کی ہے۔ قرآنِ مجید اس پہلو سے بھی واضح احکام سے بھرا پڑا ہے، جیسا کہ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَاءُ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰی اِثْمًا عَظِیْمًا

(النساء:49)

کہ یقیناً اللہ معاف نہیں کرے گا کہ اُس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ سب کچھ معاف کر دے گا جس کے لئے وہ چاہے اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے تو یقیناً اس نے بہت بڑا گناہ افترا کیا ہے۔

حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی روشنی میں شرک کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ حضرت عبد اللہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ یَا رَسُولَ اللّٰہ! اَیُّ الذَّنْبِ اَعْظَمُ؟ کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: اَن تَجْعَلَ لِلّٰہِ نِدًّا وَھُوَخَلَقَكَ۔ یعنی یہ کہ تُو کسی کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر ٹھہرائے، حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے۔

(سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب فی تعظیم الزنا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی بصیرت نے دیکھا کہ مجھ سے پہلے بعض نبیوں کو لوگوں نے خدا یا خدا کا بیٹا بنایا تھا، ایسا نہ ہو کہ میری اُمّت کے لوگ بھی میرے کاموں کی وجہ سے کبھی شرک کے گندے عقیدے میں مبتلا ہو جائیں، اس لئے آپؐ کسی فرد کے مسلمان ہونے پر اُس سے اقرار لیتے ۔ ''اَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ'' کہ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں ۔ گویا آپؐ نے توحید کو راسخ کرنے کے لئے ابتداء سے ہی ایک مسلمان کو توحید کا سبق دیا۔ نیز انبیاء پرستی، اولیاء پرستی اور قبر پرستی سے بڑی سختی سے منع فرمایا اور بڑی سخت تنبیہ فرمائی۔ چنانچہ اس ضمن میں بڑی واضح اور قطعی احادیث موجود ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو مَیں آپؐ کی قبر کو کھلا رکھتی لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں اُسے بھی مسجد نہ بنا لیا جائے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدعت کے ڈر سے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی:

اَللّٰھُمَّ لَا تَجعَلْ قَبرِیْ وَثَنًا ءً لَعِنَ اللّٰہُ قَوماً اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَا ئِہِمْ مَسَاجِدَ

(مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 246 مطبوعہ بیروت)

کہ اے اللہ! میری قبر کو بت پرستی کی جگہ نہ بنانا، اللہ اس قوم پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو مساجد بنا لیا۔

سامعین! سورۃ اخلاص جس کی مَیں نے تقریر کے آغاز پر تلاوت کی ہے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے توحید کا مضمون بیان فرمایا ہے اور اِس کی تلاوت کو قرآنِ کریم کے تیسرے حصّے کی تلاوت کے برابر ثواب کا کہا گیا ہے۔ ایک حدیث میں سورۃ اخلاص کے مضمون کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (حدیثِ قدسی ہے) کہ مجھے گالی دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا بیٹا بنایا ہے میری ذات صمد ہے یعنی بے نیاز ہے اور نہ میرا کوئی بیٹا ہے اور نہ مَیں جنا گیا ہوں یعنی نہ مَیں کسی کا باپ ہوں اور نہ ہی کوئی میرا ہمسر ہے۔

(ترجمہ از حدیقۃُ الصالحین حدیث نمبر 11)

عورتیں چونکہ زیادہ توہم پرست ہوتی ہیں اور ان میں قبور کو حد سے زیادہ تقدس دینے کا رجحان ہوتا ہے اس لیے آپؐ نے ایسی عورتوں کو بھی سخت تنبیہ فرمائی اور انہیں قبروں وغیرہ پر چراغ اور دیگر ایسی اشیاء، جن سے ان قبروں کی غیر ضروری عقیدت اور احترام ہو، گویا کہ وہ مساجد ہیں، رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے:

لَعِنَ اللّٰہُ زَائِرَاتِ الْقَبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیھَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ

(الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر للامام السیوطی حدیث نمبر 7276)

یعنی اللہ تعالیٰ قبروں کی زیارت کرنے والیوں اور ان پر سجدہ گاہیں بنانے والوں اور چراغ رکھنے والوں پر لعنت کرے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور کی زیارت کرنے والوں پر جو لعنت کی، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو پوجنے یا حد سے زیادہ تقدس دینے کی نیت سے قبروں پر جاتے ہیں، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور جگہ پر خود قبرستان جانے کی تلقین فرمائی ہے، لیکن ساتھ ہی اس کا مقصد بھی بیان فرمادیا ہے۔ کہ فَزُوْرُ الْقَبُوْرَ فَاِنَّھَا تَذْکِرُکُمُ الْمَوْتَ یعنی قبروں پر جایا کرو، کیونکہ یہ تمہیں موت (اور آخرت) کی یاد دلاتی ہیں۔

(سنن النسائی کتاب الجنائز باب زیارۃ قبر المشرک)

پس اسلام نے ہر اُس بات سے جس سے غیر اللہ کے وجود میں مبالغہ ہو، منع فرمایا اور اس بات کو روا نہیں رکھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے حق میں ایسے کلمات کہے جائیں یا اُسے ایسا درجہ دیا جائے جس سے اس کے مافوق البشر ہونے کا شبہ بھی پڑے۔ یہاں تک کہ بعض اقوام میں اپنے سرداروں یا بادشاہوں کو سجدہ کرنے کا رواج تھا لیکن اسلام نے یہ تعلیم دی کہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی جائز ہے۔

حضرت قیسؓ بن سعد روایت کرتے ہیں کہ مَیں ایک مرتبہ حیرہ قوم کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہ اپنے بڑے سردار کو سجدہ کر رہے ہیں۔ مَیں نے دل میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ حقدار ہیں کہ ان کو سجدہ کیا جائے۔ پھر مَیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تو عرض کی: حضورؐ! مَیں نے اس طرح حیرہ قوم کو سجدہ کرتے دیکھا ہے، حالانکہ آپؐ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپؐ کو سجدہ کیا

جائے۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے بتاؤ تو سہی کہ اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرو تو کیا تم بھی میری قبر کو سجدہ کرو گے؟ مَیں نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا: پس تم ایسا نہ کرنا، اگر خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ روا ہوتا تو مَیں عورتوں کو کہتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں، بسبب اس حق کے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عورتوں پر دیا ہے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی حق الزوج علی المرائة)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت اُمِّ حبیبہؓ اور حضرت اُمِّ سلمہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اُس گرجا گھر کا ذکر کیا کہ جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا کہ اس میں تصاویر لگی ہوئی تھیں، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ان لوگوں میں اگر کوئی نیک بندہ ہوتا تھا، جب وہ مر جاتا تو یہ لوگ اس کی قبر پر سجدہ گاہ بنالیتے تھے اور اس میں ایسی تصاویر بنا دیتے تھے، یہی لوگ قیامت کے دن اللہ جل شانہ کے نزدیک مخلوق میں سے بدترین ہوں گے۔

(صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰة، باب المنھی عن بناء المسجد علی القبور)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو نصیحت فرمائی کہ تم میری تعریف میں ویسا مبالغہ نہ کرنا جیسا کہ نصاریٰ نے مسیحؑ کی شان میں غلو سے کام لیا (یعنی مجھے خدا کا بیٹا نہ بنانا) میں تو صرف ایک بندہ ہوں، پس کہو کہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔

(شمائل ترمذی باب ما جاء فی تواضع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم)

پس یہ اسلام کا پیدا کردہ عظیم انقلاب ہے کہ عرب جیسے بت پرست ماحول میں توحید کے سب سے بڑے علمبر دار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے خدائے واحد و یگانہ کی محبت بھر دی، آپ کی ان تعلیمات کی روشنی میں امّتِ مسلمہ توحید الٰہی پر قائم رہی اور ہمیشہ قائم رہے گی، انشاء اللہ۔ اسلام کی پیش کردہ اس مؤحدانہ تعلیم کا خود غیروں نے بھی اقرار کیا ہے۔ ایک انگریز پادری Walter Miller لکھتا ہے:

عیسائیت اور اسلام دونوں مذاہب اپنے بانی مذہب سے حد درجہ اخلاص تک متاثر ہیں، ایک مذہب (عیسائیت) اپنے بانی میں معبود ہونے کا مقام دیکھتا ہے۔ جب کہ دوسرا (اسلام) اس طرزِ عمل سے احتراز

کرتا ہے، تاہم اسلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دونوں جہانوں میں تمام انسانوں میں بلند ترین مقام دیتا ہے۔

(Yesterday and Tomorrow in Northern Nigeria, page 107-108, Student Christian Movement Press, 58 Bloomsburz Street, London, 1938)

اسی طرح مشہور عیسائی مستشرق، A.J. Arbeny، اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

اسلامی تعلیم کا مرکزی بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ خدا ایک ہے، یہ کہ اس کا کوئی شریک یا ہمسر نہیں جو اس کی قدرتِ کاملہ میں حصہ دار یا مقابلہ کرنے والا ہو، اسلام مجسم خدا یا منجی (نجات دہندہ) کو تسلیم نہیں کرتا۔ معاملہ اللہ (رب) اور اس کے بندے (عبد) کے درمیان ہے۔ ہاں کچھ بندے خدا کے نبی کہلاتے ہیں۔ (حضرت) آدمؑ سے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تک، جن کا کام صرف انسانیت کو خدا کی طرف بلانا ہے، وہ نبی انسانیت تک الٰہی پیغام پہنچانے کا ذریعہ ہیں... ورنہ انبیاء دوسرے انسانوں کی طرح انسان ہی ہیں۔ بس یہ فرق ہے کہ خدا نے انہیں اپنی خاص رحمت اور انعام کا مورد بنایا ہے۔ نبی کو بلا شبہ معبود نہیں بنانا چاہیے، کیونکہ یہ شرک اور کفر ہے، ہاں وہ بالبداہت تعظیم و تکریم کا حقدار اور بطور نمونہ ہے، جس کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیے، کیونکہ خدا اس سے کلام کرتا ہے اور اس خدا نے اسے پیغمبر چنا ہے۔

(Sufism, An Account of the Mysite of Islam, page 12, George Allin & Unwin Ltd, Ruskin House, Museum Street, London, 1950)

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی امتوں کے بگاڑ کے نتیجے میں اپنی امت کو اس بگاڑ سے ہوشیار کیا اور اس بدعت میں پڑنے سے سختی سے روکا۔ چنانچہ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ غور سے سنو! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء اور صلحاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو مسجدیں نہ بنا لینا، مَیں تمہیں اس سے سختی سے منع کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ باب النھی عن بناء المسجد علی القبور)

خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ امت محمدیہ اس فرمان محمدیؐ پر کاربند ہے۔ لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں کا ایک طبقہ اپنی جہالت کی وجہ سے قبر پرستی اور اولیاء پرستی جیسی گمراہی میں پڑ گیا۔ حالانکہ ان کے اس فعل کا اسلام

سے دور دور کا بھی تعلق نہیں، جیسا کہ مندرجہ بالا احادیث سے ظاہر ہے۔ اولیاء پرستی کی یہ بدعت بگڑے ہوئے مسلمانوں کا فعل ہے اور مسلمانوں کی اکثریت قبر پرستی کرنے والی اس اقلیت کو ردّ کرتی ہے اور ان کے اس فعل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ پس ایک محدود طبقے کے خود ساختہ اور خود وضع کردہ عقائد و عادات کو پورے اسلام پر چسپاں نہیں کیا جاسکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنی امّت کو اس بگاڑ سے بچنے کی تلقین فرمائی تھی وہاں آخری زمانے میں مسیح موعود و مہدی معہودؑ کے آنے کی خوشخبری بھی دی تھی، جس کے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء پرستی (الوہیت مسیح ناصری، حیات مسیح ناصری اور کفارہ) جیسے عقائد کا قلع قمع اور امّتِ محمدیہ کی اصلاح مقدر کر رکھی تھی۔ چنانچہ الٰہی بشارات کے ماتحت اس آخری زمانے میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام، مسیح و مہدی بن کر مبعوث ہوئے۔ آپؑ نے جس دور میں آنکھ کھولی تو دیکھا کہ ایک طرف تو مسلمانوں کا ایک طبقہ پیروں، فقیروں، سجادہ نشینوں اور قبروں کے سامنے سجدہ ریز ہے اور دوسری طرف عیسائی رَبُّنَا الْمَسِیْح ، رَبُّنَا الْمَسِیْح کے نعرے لگا کر خدا کے ایک معصوم نبی کو خدا بنا رہے ہیں اور اس پر ستم یہ کہ خود اُمّتِ مسلمہ حیاتِ مسیح جیسا خلافِ قرآن و احادیث عقیدہ رکھ کر عیسائیت کی ممدّ و معاون ثابت ہو رہی تھی۔ چنانچہ آپؑ نے اذنِ الٰہی سے ایک مرتبہ پھر دنیا کو توحیدِ الٰہی کا پرچار شروع کیا اور اپنے قول و فعل سے اس عظیم حقیقت کا درس دیا، آپؑ فرماتے ہیں۔ ”افسوس! مسلمانوں کی عقل ماری گئی جو ایک خدا کے ماننے والے تھے وہ اب ایک مردہ کو خدا سمجھتے ہیں اور ان خداؤں کا تو شمار نہیں جو مُردہ پرستوں اور مزار پرستوں نے بنائے ہیں، ایسی حالت اور صورت میں خدا تعالیٰ کی غیرت نے یہ تقاضا کیا ہے کہ ان مصنوعی خداؤں کی خدائی کو خاک میں ملایا جاوے، زندوں اور مردوں میں ایک امتیاز قائم کرکے دنیا کو حقیقی خدا کے سامنے سجدہ کرایا جاوے، اسی غرض کے لئے اُس نے مجھے بھیجا ہے اور اپنے نشانوں کے ساتھ بھیجا ہے“

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 623)

حضرت مسیح پاکؑ نے مزید فرمایا:

”میرا یہ مسلک نہیں کہ مَیں ایسا تند خو اور بھیانک بن کر بیٹھوں کہ لوگ مجھ سے ایسے ڈریں جیسے درندہ سے ڈرتے ہیں اور بت بننے سے سخت نفرت رکھتا ہوں، مَیں تو بت پرستی کو ردّ کرنے آیا ہوں، نہ یہ کہ مَیں

خود بت بنوں اور لوگ میری پوجا کریں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ مَیں اپنے نفس کو دوسروں پر ذرا بھی ترجیح نہیں دیتا۔ میرے نزدیک متکبّر سے زیادہ کوئی بت پرست اور خبیث نہیں، متکبّر کسی خدا کی پرستش نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی پرستش کرتا ہے“

(ملفوظات جلد اول صفحہ 310 جدید ایڈیشن)

اسلام نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کے بھی آداب مقرر فرمائے ہیں اور یہ امر آداب دعا کے صریحاً خلاف ہے کہ خدا کو چھوڑ کر کسی ولی یا اس کی قبر سے مدد طلب کی جائے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام دنیا کو آداب دعا سکھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اب اسلام میں مشکلات ہی اور آپڑی ہیں کہ جو محبت خدا تعالیٰ سے کرنی چاہیے وہ دوسروں سے کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا رتبہ انسانوں اور مردوں کو دیتے ہیں۔ حاجت روا اور مشکل کشا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تھی مگر اب جس قبر کو دیکھو وہ حاجت روا ٹھہرائی گئی ہے۔ مَیں اس حالت کو دیکھتا ہوں تو دل میں درد اٹھتا ہے مگر کیا کہیں کس کو جا کر سنائیں“

فرمایا:

”ہم سب ابرار، اخیار امت کی عزت کرتے ہیں اور ان سے محبت رکھتے ہیں لیکن ان کی محبت اور عزت کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ ہم ان کو خدا بنالیں... یاد رکھو! انبیاء علیہم السلام کو جو شرف اور رتبہ ملا وہ صرف اسی بات سے ملا ہے کہ انہوں نے حقیقی خدا کو پہچانا اور اس کی قدر کی۔ اسی ایک ذات کے حضور انہوں نے اپنی ساری خواہشوں اور آرزوؤں کو قربان کیا، کسی مردہ اور مزار پر بیٹھ کر انہوں نے مرادیں نہیں مانگی ہیں“

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 522-524)

اس قسم کی سینکڑوں تحریریں اور فرمودات آپؑ کی موجود ہیں اور یہ امر صرف قول ہی تک محدود نہیں تھا، آپ نے عملاً بھی دنیا کو اللہ تعالیٰ کی توحید کا سبق دیا اور آپ کی زندگی میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں، مثال کے طور پر چند ایک پیش ہیں:

حضرت ملک برکت علی صاحبؓ بیان کرتے ہیں:

”حضرت اقدسؑ کے زمانے میں چونکہ مسجد چھوٹی ہوا کرتی تھی اس لئے جب احمدی زیادہ ہوتے تو چھت پر، جہاں حضورؑ تشریف فرما ہوتے تھے، جہاں کسی کو جگہ مل جاتی وہ بیٹھ جاتا اور ہمہ تن گوش ہو کر حضورؑ کی

باتوں کو سنتا۔ بعض غیر احمدی معترض ہوتے کہ آپ پیر ہیں اور نیچے بیٹھے ہیں مگر مرید شہ نشین پر اوپر بیٹھے ہیں۔ حضرت صاحبؑ فرماتے کہ معذوری ہے، جگہ تنگ ہے، لوگ مجھے پوجنے کے لئے نہیں آتے بلکہ تقویٰ اور طہارت کی باتیں سننے کے لئے آتے ہیں اور مَیں انسان پرستی کو دور کرنے کے لئے آیا ہوں"

(رجسٹر روایات صحابہ نمبر 10 صفحہ 57)

حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوریؓ بیان فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ سیر سے واپس آرہے تھے، جب حضورؑ احمدیہ چوک میں پہنچے تو ایک سائل نے سوال کیا، تُو داتا ہے! مجھے کچھ دے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا۔ **داتا خدا ہے۔** اُس نے کہا کہ ہاں! مگر تو بھی مجھے کچھ دے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے اس کو ایک روپیہ عطا فرمایا"

(الحکم 21 مارچ 1935 صفحہ 5)

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ بیان فرماتے ہیں:

"چکوال ضلع جہلم میں مولوی محمد خیاط اپنے علاقہ میں ایک مشہور مولوی تھے، خصوصیت سے وہ شیعہ فرقہ کے مسلمانوں سے مباحثات کیا کرتے تھے۔ کرم دین کے مقدمہ کے ایام میں مجھے چکوال جانا پڑا اور ان سے ملاقات ہوئی۔ انہیں اپنے علم اور طریق مناظرہ پر بھی ایک ناز تھا، لیکن حضرت مسیح موعودؑ پر جس چیز نے ان کے ایمان کو بہت مضبوط کیا وہ ایک واقعہ ہے، جس کا ذکر انہوں نے ہمیشہ کیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ جب مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوا تو اتفاق سے میری موجودگی کے ایام میں ایک شخص حضرتؑ کی خدمت میں آیا۔ چونکہ اس زمانہ کے رسمی پیروں کے ہاں لوگ سجدے کرتے ہیں وہ آتے ہی حضرتؑ کے قدموں کی طرف جھکا۔ آپؑ نے اسے روک دیا اور منع فرمایا کہ ایسا نہیں چاہیے اور پھر اسی سلسلہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: کہ مَیں تو شرک اور تعظیم غیر اللہ کو مٹانے کے لئے آیا ہوں تا کہ خدائے واحد کی عظمت کو قائم کروں اور ہر ایک قسم کے شرک سے لوگوں کو بچاؤں۔ مجھے ہر گز پسند نہیں کہ میرے سامنے کوئی شخص اس قدر جھکے جو خدا تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے، ہر ایک انسان خواہ کتنا ہی عظیم المرتبت ہو، وہ آخر انسان ہی تو ہے"

حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ بیان فرماتے ہیں:

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ اپنے مریدوں میں اس طرح مل جل کر بیٹھتے کہ نووارد کو ہرگز پتہ نہ لگتا کہ اس مجلس کا سردار کون ہے؟ اس لئے بعض نووارد غلطی سے کبھی مولوی نورالدین صاحبؓ کو، کبھی مولوی محمد احسن صاحبؓ اور کبھی مولوی عبدالکریمؓ صاحب کو سمجھ لیتے کہ آپ مسیح موعودؑ ہیں۔ چونکہ مَیں خود پیر اور پیروں کے خاندان سے تھا، لہٰذا مجھے اس بات سے تکلیف ہوتی۔ آخر ایک دن مَیں نے عرض کیا۔ حضور! نوواردوں کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے اگر اجازت ہو تو حضور کے نیچے ایک چھوٹا سا غالیچہ اور پیچھے ایک گاؤ تکیہ رکھ دیا جائے۔ یہ سنتے ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"صاحبزادہ صاحب! مَیں اپنی پوجا تو نہیں کرانے آیا، مَیں تو خدا کی پرستش کرانے آیا ہوں"

(الفضل 5 دسمبر 1941ء صفحہ 7)

غرض یہ کہ ہر ایسی بات جس سے انسان پرستی کا تھوڑا سا بھی شائبہ ہو سکتا تھا، آپؑ نے اس سے منع فرمایا اور اُمّتِ مسلمہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اَلاَ فَلاَ تَتَّخِذُوْا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ ،اِنِّیْ اَنْھَاکُمْ عَنْ ذَالِکَ کی عملی تصویر بن کر دکھایا اور ایک مرتبہ پھر توحیدِ الٰہی کی سرسبز و شاداب بیل پر لگی اولیاء پرستی کی اس آکاس بیل کو دور کیا۔

دوسری طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دنیائے عیسائیت میں مسیح ابن مریم کو معبود بنے دیکھا اور اس پر مستزاد یہ کہ امت مسلمہ کو حیاتِ مسیح کے عقیدے میں گم پاکر انبیاء پرستی کے مخفی شرک میں مبتلا پایا تو آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے الہام پاکر وفات مسیح ناصری علیہ السلام کا اعلان کیا اور صدیوں سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھائی اور حیاتِ مسیح کی بنیادوں پر کھڑی ہونے والی عیسائیت کی بظاہر نظر آنے والی پُرشوکت عمارت آپؑ کے اس اعلان کے ساتھ منہدم ہوگئی۔ آپؑ نے دنیا کو مخاطب کرکے فرمایا:

"میں تم کو مسیح پرست نہیں بنانا چاہتا بلکہ مسیح بنانا چاہتا ہوں"

(بدر 6/ جولائی 1911ء صفحہ 6)

اس مسیح پرستی کے خلاف اور توحید کے قیام کی خاطر آپؑ کے دل میں ایک جوش تھا۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:

”عیسائی مذہب کے ساتھ ہمارا مقابلہ ہے، عیسائی مذہب اپنی جگہ آدم زاد کی خدائی منوانی چاہتا ہے اور ہمارے نزدیک وہ اصل اور حقیقی خدا سے دور پڑے ہوئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان عقائد کی (جو حقیقی خداپرستی سے دور پھینک کر مُردہ پرستی کی طرف لے جاتے ہیں) کافی تردید ہو اور دنیا آگاہ ہو جاوے کہ وہ مذہب جو انسان کو خدا بناتا ہے خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتا اور بظاہر اسباب عیسائی مذہب کی اشاعت اور ترقی کے جو اسباب ہیں وہ انسان پرست انسان کو کبھی یقین نہیں دلاتے کہ اس مذہب کا استیصال ہو جاوے گا۔ لیکن ہم اپنے خدا پر یقین رکھتے ہیں کہ اُس نے ہم کو اس کی اصلاح کے لئے بھیجا ہے اور یہ میرے ہاتھ پر مقدر ہے کہ مَیں دنیا کو اس عقیدہ سے رہائی دلاؤں۔ پس ہمارا فیصلہ کرنے والا یہی امر ہو گا“

”ہزاروں ہزار انسان ہیں جو اپنے اہل و عیال اور دوسری حاجتوں کے لئے دعائیں کرتے اور تڑپتے ہیں مگر مَیں سچ کہتا ہوں کہ میرے لئے اگر کوئی غم ہے تو یہی ہے کہ نوع انسان کو اس ظلم صریح سے بچاؤں کہ وہ ایک عاجز انسان کو خدا بنانے میں مبتلا ہو رہی ہے اور اس سے سچے اور حقیقی خدا کے سامنے ان کو پہنچاؤں جو قادر اور مقتدر خدا ہے... مجھے بشارت دی گئی ہے کہ یہ عظیم الشان بوجھ جو میرے دل پر ہے اللہ تعالیٰ اس کو ہلکا کر دے گا اور ایک حیّ و قیوم خدا کی پرستش ہونے لگے گی“

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 646۔647)

اپنی معرکہ آراء کتاب براہین احمدیہ میں مخلوق پرستی کے خاتمے اور توحید کی فتح کے متعلق بشارات دیتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

”جدھر دیکھو! دلائل وحدانیت کے بہادر سپاہیوں کی طرح شرک کے خیالی اور وہمی برجوں پر گولہ اندازی کر رہے ہیں اور توحید کے قدرتی جوش نے مشرکوں کے دلوں پر ایک ہلچل ڈال رکھی ہے اور مخلوق پرستی کی عمارت کا بوداہونا عالی خیال لوگوں پر ظاہر ہوتا جاتا ہے اور وحدانیت الٰہی کی پُرزور بندوقیں شرک کے بدنما جھونپڑوں کو اُڑاتی جاتی ہیں۔ پس ان تمام آثار سے ظاہر ہے کہ اب اندھیرا شرک کا ان اگلے

دنوں کی طرح پھیلنا کہ جب تمام دنیا نے مصنوعی چیزوں کی ٹانگ صانع کی ذات اور صفات میں پھنسار کھی تھی، ممتنع اور محال ہے۔"

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 103 حاشیہ)

ایک اور جگہ آپؑ نے اپنے مولیٰ کے حضور دعا کرتے ہوئے فرمایا:

"اے میرے قادر خدا میری عاجزانہ دعائیں سن لے اور اس قوم کے کان اور دل کھول دے اور ہمیں وہ وقت دکھا کہ باطل معبودوں کی پرستش دنیا سے اٹھ جائے اور زمین پر تیری پرستش اخلاص سے کی جائے اور زمین تیرے راستباز اور موحّد بندوں سے ایسی بھر جائے جیسا کہ سمندر پانی سے بھرا ہوا ہے اور تیرے رسول کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور سچائی دلوں میں بیٹھ جائے۔"

کیا زندگی کا ذوق اگر وہ نہیں ملا
لعنت ہے ایسے جینے پہ گر اُس سے ہیں جدا
اُس رُخ کو دیکھنا ہی تو ہے اصل مدّعا
جنّت بھی ہے یہی کہ مل یارِ آشنا

(بتعاون: چوہدری ناز احمد ناصر۔ برطانیہ)

۞۞۞۞

﴿2﴾ ﴿مشاہدات۔ 941﴾

ہستیٔ باری تعالیٰ، کتبِ مقدّسہ کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَاَشۡهَدَهُمۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ ۚ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰى ۛۚ شَهِدۡنَا ۛۚ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنۡ هٰذَا غٰفِلِيۡنَ (الاعراف:173)

کہ (یاد کرو) جب تیرے ربّ نے بنی آدم کی صُلب سے ان کی نسلوں (کے مادّۂ تخلیق) کو پکڑا اور خود انہیں اپنے نُفوس پر گواہ بنا دیا (اور پوچھا) کہ کیا مَیں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! ہم گواہی دیتے ہیں۔ مبادا تم قیامت کے دن یہ کہو کہ ہم تو اس سے یقیناً بے خبر تھے۔

ہر دم نشانِ تازہ کا محتاج ہے بشر
قصوں کے معجزات کا ہوتا ہے کب اثر
کیونکر ملے فسانوں سے وہ دلبر ازل
گر اِک نشاں ہو ملتا ہے سب زندگی کا پھل

سامعینِ کرام! مجھے آج اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت مسلّمہ الہامی کتب سے دینے ہیں۔ ہستیٔ باری تعالیٰ کے حوالے سے گزشتہ تقاریر میں ہم سُن آئے ہیں کہ دنیا میں جس قدر بھی چھوٹے بڑے مذاہب آئے وہ سب خدا کی واحد ہستی کے قائل تھے۔ مرورِ زمانہ نے اُن میں ایک خدا سے زیادہ کے تصوّر کو تعارف کروایا ورنہ تو خدائے عزّ وجلّ واحد یگانہ ہے اور اُس نے اپنی وحدانیت کے پرچار اور اپنی وحدانیت کے پرستار بنانے کے لئے انبیاء بھیجنے کا سلسلہ جاری کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”اس میں شک نہیں کہ ابتدا میں ان تمام مذاہب کی بنیاد حق اور راستی پر تھی مگر مرورِ زمانہ سے ان میں طرح طرح کی غلطیاں داخل ہو گئیں یہاں تک کہ اصل حقیقت انہی غلطیوں کے نیچے چھپ گئی۔“

(ریویو آف ریلیجنز جلد 3 نمبر 10 صفحہ 352)

آئیں! وقت کی مناسبت سے چند مذاہب میں توحید کی تعلیم کا جائزہ لیں۔ سب سے پہلے ہندو مذہب کو لیتے ہیں۔ ایک ہندو ایک خدا تعالیٰ جسے وہ ایشور کے نام سے پکارتے ہیں کی ہستی کا قائل ہے۔ اس مذہب کے عقائد کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی فرمانبرداری اختیار کرنے پر قائم ہے۔ اس مذہب کی مسلّمہ کتب میں ہستی باری تعالیٰ کے جو ثبوت ملتے ہیں ان میں سے چند حوالے پیش کیے جاتے ہیں۔

رگ وید میں لکھا ہے کہ (ترجمہ) وہ ایک ہی خدا سب کا مالک ہے۔ وہی کمال نگران ہے۔ ہم اپنی بھلائی کے لیے اس کے حکموں پر عمل کرتے ہیں۔

(رگ وید منڈل 8 سوکت 25 منتر 16)

اسی طرح لکھا ہے کہ (ترجمہ) جو خدا تمام انسانی دنیا کا ایک ہی معبود ہے اسی کے لیے ان کلمات سے اچھی طرح عبادت کرو۔ وہی سکھ کی بارش کرنے والا قادر مطلق، حق نما، سب کچھ جاننے والا اور تمام طاقتوں کا مالک ہے۔

(رگ وید منڈل 6 سوکت 22 منتر 1)

اسی طرح سام وید میں لکھا ہے خدا ہمیشہ سب کے ساتھ انصاف کرتا ہے۔ وہ بُرے لوگوں کو سزا دیتا ہے اور نیک لوگوں کو ان کے عمل کے مطابق سکھ بانٹتا ہے۔

(سام وید ادھیائے 1 اکھنڈ 3 منتر 2)

پھر اتھر وید میں توحید کے متعلق لکھا ہے کہ (ترجمہ) "وہ خدا نہ دوسرا ہے نہ تیسرا اور نہ چوتھا کہا جاتا ہے۔ وہ پانچواں، چھٹا اور ساتواں بھی نہیں کہا جاتا ہے۔ وہ آٹھواں، نواں اور دسواں بھی نہیں کہا جاتا ہے۔ وہ خدا تمام دنیا کے جانداروں اور بے جان شے کو دیکھتا ہے۔ اسے سب طاقتیں حاصل ہیں۔ وہ اکیلا ہی موجود ہے۔ اسی میں زمین وغیرہ سبھی دیوتا موجود ہیں۔"

(اتھر وید، کانڈ 13 انواک 4، سوکت 5 منتر 3 تا 8)

سامعین! دنیا کے قدیم مذاہب میں یہودیت کا شمار ہوتا ہے۔ یہودیت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے یہودہ کی طرف منسوب ہے جو ملک فلسطین میں آباد ہوا اور اُس کی نسل یہودی کہلائی۔

یہودی ایک خدا کا اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ تورات میں ہمیں یہ تعلیم ملتی ہے کہ

”مَیں رب تیرا خدا ہوں جو تجھے ملک مصر کے غلامی سے نکال لایا میرے خلاف کسی میرے علاوہ کسی اور معبود کی پرستش نہ کرنا۔ اپنے لیے بت نہ بنانا۔ کسی بھی چیز کی مورت نہ بنانا، چاہے وہ آسمان میں زمین پر یا سمندر میں ہو۔ نہ بتوں کی پرستش نہ ان کی خدمت کرنا کیونکہ مَیں تیرا رب غیور خدا ہوں۔“

(خروج باب 20 آیت 2 تا 5)

باوجود اس کے کہ یہودیت ایک خدا کا اقرار کرتی ہے لیکن یہود کے بعض فرقے حضرت عزیز علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں درج ہے کہ

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ؕ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ

(التوبہ:30)

یعنی یہود نے کہا ہے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ محض ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ ان لوگوں کے قول کی نقل کر رہے ہیں جنہوں نے (ان سے) پہلے کفر کیا تھا۔ اللہ انہیں نابود کرے یہ کہاں الٹے پھیرائے جاتے ہیں۔

یہود کے اس عقیدہ کے بر خلاف اسلام نے توحید خالص کے نظریہ کو پیش فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔ لَمْ يَلِدْ۔ وَلَمْ يُوْلَدْ۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

کہ تو کہہ دے کہ وہ اللہ ایک ہی ہے۔ اللہ بے احتیاج ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہوا۔

یہودی مذہب میں اللہ تعالیٰ کو زمین و آسمان کا خالق قرار دیا گیا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ ان کی پیدائش کے بعد تھک گیا۔ چنانچہ تورات میں لکھا ہے:

”یوں آسمان و زمین اور ان کی تمام چیزوں کی تخلیق مکمل ہوئی۔ ساتویں دن اللہ کا سارا کام تکمیل کو پہنچا۔ اس سے فارغ ہو کر اُس نے آرام کیا۔“　(خروج باب 2 آیت 1 تا 3)

اس کے مقابل پر اسلام یہ نظریہ پیش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا اور پیدا فرمانے میں یا ان کا انتظام کرنے میں اس کو کوئی تھکن محسوس نہیں ہوئی اور نہ اس کو آرام کی ضرورت پیش آئی جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے۔ کہ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ ان کی تخلیق سے تھکا نہیں، اس بات پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کرے؟ کیوں نہیں! یقیناً وہ ہر چیز پر جسے وہ چاہے دائمی قدرت رکھتا ہے۔

(احقاف:34)

الغرض یہودیت کے بنیادی عقائد میں ہستی باری تعالیٰ کا نظریہ نہایت رسوخ کے ساتھ موجود رہا ہے۔ توریت کی مشہور کتاب استثناء میں لکھا ہے:

”سنو اے بنی اسرائیل! ہمارا مالک خدا ہے، وہ ایک مالک ہے۔“

(استثنا باب 6 آیت 4)

سامعین! عیسائی مذہب میں خدا کے تصوّر کے بارے مارس ریلٹن لکھتا ہے:

”عیسائیت کا خدا کے بارے میں یہ تصوّر ہے کہ وہ ایک زندہ جاوید وجود ہے جو تمام امکانی صفات کمال کے ساتھ متصف ہے۔ اسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن پوری طرح سمجھا نہیں جا سکتا۔ اس لیے اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماورا ہے۔ وہ فی نفسہ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں۔“

(بحوالہ عیسائیت کیا ہے؟ صفحہ 7 از محمد تقی عثمانی)

عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم (Persons) سے مرکب ہے۔ باپ، بیٹا اور روح القدس اسی عقیدہ کو تثلیث کہا جاتا ہے۔ بہت سادہ الفاظ میں خدا بیک وقت ایک اکائی جوہر بھی ہے اور اسی آن میں اپنی ذات یا وجود میں تین مختلف اقانیم بھی رکھتا ہے، یعنی ایک تین میں اور تین ایک میں کا عقیدہ ہے۔ اِسے تثلیث بولتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے خدا ہونے کی شدت سے تردید فرمائی ہے اور تثلیث کا عقیدہ رکھنے والوں کے لیے دردناک عذاب دیے جانے کا ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے۔ جبکہ مسیح نے تو یہی کہا تھا اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ یقیناً وہ جو اللہ کا شریک ٹھہرائے اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانہ آگ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوں گے۔ یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے بھی جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے ایک ہے۔ حالانکہ ایک ہی معبود کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور اگر وہ اس سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو ان میں سے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا دردناک عذاب ضرور آلے گا۔

(المائدہ:73-74)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"تثلیث کا عقیدہ بھی ایک عجیب عقیدہ ہے۔ کیا کسی نے سنا ہے کہ مستقل طور پر اور کامل طور پر تین بھی ہوں اور ایک بھی ہو اور ایک بھی کامل خدا اور تین بھی کامل خدا ہو۔"

(چشمہ مسیحی، روحانی خزائن جلد 20 صفحات 348)

پھر آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اے عیسائیو! یاد رکھو کہ مسیح ابن مریم ہرگز ہرگز خدا نہیں ہے تم اپنے نفسوں پر ظلم مت کرو۔ خدا کی عظمت مخلوق کو مت دو۔ ان باتوں کے سننے سے ہمارا دل کانپتا ہے کہ تم ایک مخلوق ضعیف درماندہ کو خدا کر کے پکارتے ہو سچے خدا کی طرف آجاؤ تا تمہارا بھلا ہو اور تمہاری عاقبت بخیر ہو۔"

(کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 55)

سامعین! قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے خدا کا بیٹا ہونے کا بھی شدت سے ردّ فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ مریم آیات 31 تا 37 میں فرماتا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ

اُس نے کہا یقیناً مَیں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ نیز مجھے مبارک بنا دیا ہے جہاں کہیں مَیں ہوں اور مجھے نماز کی اور زکوۃ کی تلقین کی ہے جب تک مَیں زندہ رہوں اور اپنی ماں سے حسن سلوک کرنے والا (بنایا) اور مجھے سخت گیر اور سخت دل نہیں بنایا اور سلامتی ہے مجھ پر جس دن

مجھے جنم دیا گیا اور جس دن مَیں مروں گا اور جس دن مَیں زندہ کر کے مبعوث کیا جاؤں گا۔ یہ ہے عیسیٰ بن مریم۔ (یہ) وہ حق بات ہے جس میں وہ شک کر رہے ہیں۔ اللہ کی شان نہیں کہ وہ کوئی بیٹا بنالے۔ پاک ہے وہ۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اسے محض "ہو جا" کہتا ہے تو وہ ہونے لگتا ہے اور ہو کر رہتا ہے اور یقیناً اللہ ہی میرا رب اور تمہارا رب ہے۔ پس تم اس کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"خدا کے لیے بیٹا تجویز کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی موت کا یقین کرنا ہے۔ کیونکہ بیٹا تو اس لیے ہوتا ہے کہ وہ یادگار ہو۔ اب اگر مسیح خدا کا بیٹا ہے تو پھر سوال ہو گا کہ کیا خدا کو مرنا ہے؟"

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 220 مطبع قادیان 2003)

جبکہ بت پرستی کی مخالفت کرتے ہوئے تورات میں لکھا ہوا ہے:

"میرے علاوہ کوئی خدا نہیں، تمہیں چاہیے کہ میری کوئی تصویر کشی نہ کرو۔ مجھ سے کسی کی مشابہت نہیں ہے، نہ آسمان پر، نہ زمین پر اور نہ پانی کے نیچے۔ لہٰذا تم کسی اور کے سامنے نہ جھکو، ان کی طرف نہ دیکھو، مَیں ہی تمہارا خدا ہوں۔"

(خروج باب 20 آیت 3 تا 5)

اسی طرح سے کتاب استثناء میں لکھا ہوا ہے۔

"میرے علاوہ کوئی اور خدا نہیں، لہٰذا تم میری تجسیم نہ کرو۔ آسمانوں میں زمین کے اوپر اور پانی کی گہرائیوں میں کوئی بھی میرا ہمسر نہیں ہے۔ پس تمہیں چاہیے کہ تم ان کو سجدہ نہ کرو اور نہ ہی ان کی خدمت کرو۔ میں ہی خدا اور مالک ہوں۔"

(استثناء باب 5 آیت 7 تا 9)

سامعین! حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"خدا تعالیٰ کے احکام میں سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل سنو! خداوند ہمارا خدا صرف ایک ہی خدا ہے اور تم اپنے خداوند سے اپنے پورے دل اور اپنی پوری روح اور اپنی پوری جان اور دماغ سے پیار کرنا۔" (مرقس باب 12 آیت 29 تا 30)

پھر فرماتے ہیں۔

”ہر ایک جو مجھے خداوند خداوند کہہ کر پکارتا ہے آسمان کی بادشاہی میں داخل نہ ہو گا۔ صرف وہی داخل ہو گا جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر عمل کرتا ہے۔“

”پہلے اللہ کی بادشاہی اور اس کی راست بازی کی تلاش میں رہو۔ پھر یہ تمام چیزیں بھی تم کو مل جائیں گی۔“

(متی، باب 6 آیت 33)

”جو کلام تم مجھ سے سنتے ہو وہ میرا اپنا کلام نہیں ہے بلکہ باپ کا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔“

(یوحنا، باب 14 آیت 24)

سامعین! زرتشت مذہب دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں سے ہے جو ایران کا قدیم قومی مذہب تھا۔ اس کے بانی حضرت زرتشت علیہ السلام ہیں۔ اس مذہب کے ماننے والوں کو ہندوستان میں پارسی کہا جاتا ہے جو خدا کی ہستی پر یقین رکھتے ہیں خدا کو وہ ”اہورمزدا“ کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ”عقلمند آقا“ کا ہے۔ جس نے کائنات کو پیدا کیا۔ حضرت زرتشت علیہ السلام کا قول ہے:

”اے مالک! مجھے سچ بتا، مَیں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ کس نے زمین کو پختگی سے قائم کیا اور آسمان کو گرنے سے محفوظ رکھا ہوا ہے؟ ندیاں اور درخت کس نے تخلیق کیے ہیں؟ ہواؤں اور بادلوں کو کس نے چلایا ہے؟ اے مزدا! کس نے اچھے خیالات کو پیدا کیا ہے؟

اے خدا! مَیں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ مجھے حقیقت سے آشنا کر۔ تاریکی اور روشنی کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ سونا اور جاگنا کس کی تخلیق ہیں؟ فرض کی ادائیگی کے لیے عقلمند کو یاد دلانے کے طور پر کس نے صبح، دوپہر اور شام کو مقرر کیا ہے؟

(یاسنا صفحہ 44 بحوالہ مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، مصنف لیوس مور صفحہ 84)

زرتشت علیہ السلام ایک خدا کے پرستار تھے۔ انہوں نے عبادت میں کثرت پرستی یعنی کئی دیوتاؤں کی پرستش کو منع کر دیا۔

(بحوالہ اردو انسائیکلوپیڈیا، جلد سوم صفحہ 429)

سامعین! پانچویں نمبر پر بدھ مذہب کی تعلیمات کو لیتے ہیں۔ بدھ مذہب دنیا کا ایک قدیم مذہب ہے۔ اس کے بانی گوتم بدھ کہلاتے ہیں۔ بدھ مذہب گہرا فلسفہ، اعلیٰ روحانیت بلند اخلاقیات اور دینیاتی رسوم وروایات کا امتزاج ہے۔ بدھ مت کی تعلیمات میں دکھوں سے بھری دنیا کو دکھوں سے نجات کا راستہ دکھانا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں بدھ خدا پرست نہیں تھے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بدھ نے ہندوؤں کے کئی خداؤں کے عقیدہ کا انکار کیا اور ویدوں کی گمراہ کن تعلیمات کی تردید کی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بدھ مذہب کے بارے میں فرمایا ہے کہ

"یہ الزام جو بدھ خدا کا منکر ہے، یہ محض افترا ہے بلکہ بدھ ویدانت کا منکر ہے اور ان جسمانی خداؤں کا منکر ہے جو ہندو مذہب میں پائے گئے تھے۔ہاں وہ وید پر بہت نقطہ چینی کرتا ہے اور موجودہ وید کو صحیح نہیں مانتا اور اس کو ایک بگڑی ہوئی اور محرّف ومبدّل کتاب خیال کرتا ہے۔"

(مسیح ہندوستان میں، روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 91)

دراصل بدھ کی تعلیمات کو ان کی وفات کے معاً بعد قلم بند نہیں کیا گیا تھا بلکہ بادشاہ اشوک کے زمانہ میں بدھ کی تعلیمات کو قلم بند کیا گیا۔ اس وقت تک بدھ عقائد میں اختلافات کا آغاز ہو چکا تھا اور راجہ اشوک کے بعد بدھ مذہب کا تنظیمی ڈھانچہ اور بدھ مذہب کے ماننے والے ہندو فلسفہ کے زیر اثر آ گئے تھے لہذا بدھ علیہ السلام کی حقیقی تعلیمات معاندین کی دست بُرد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ جدید محققین جب اس مذہب کے بارے میں تحقیق کرنے آئے تو ان کے ہاتھوں میں وہ محرّف ومبدّل کتب اور ان میں درج تعلیمات لگیں جو بدھ مذہب کے قرون اولیٰ کے اعتقادات سے متضاد تھیں۔ بدھ کی اصل تعلیمات کو جاننے کے لیے راجہ اشوک کے سنگی کتبوں میں ہزاروں سال سے منقش عبارتوں کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اشوک کے کتبوں کو اگر بدھ کی بنیادی تعلیم کے لیے معیار سمجھ لیا جائے تو بدھ لٹریچر کا تجزیہ آسان ہو جاتا ہے۔ بدھ لٹریچر کے جو حصے کتبات اشوک کے مطابق ہیں وہ حقیقی ہیں اور مخالف حصے الحاقی۔ خدا کے متعلق خاموشی یا انکار بدھ لٹریچر میں بات کا اضافہ ہے۔ ابتدائی بدھ صحائف میں واضح طور پر خدا، اس کے دیوتاؤں اور اس کے بادشاہت کا ذکر موجود تھا۔

اشوک نے اپنے کتبات میں واضح طور پر خدا تعالیٰ کا ذکر کیا ہے۔ اشوک کے کتبے جس رسم الخط اور زبان میں ہیں وہ متروک ہے۔ اس کے لیے علماء کو بعض جگہ متن کی تعیین میں سخت دقت پیش آئی۔ کچھ الفاظ مٹ گئے ہیں وہاں مناسب الفاظ تجویز کیے گئے۔Princep جو کہ اشوک کتبے کا پہلا پڑھنے والا محقّق ہے ستونی کتبہ ہفتم اور دھولی کے کتبہ میں تین جگہ "ایسانہ" لفظ کا ذکر پاتا ہے جس کے معنی ایشور کی ہیں۔ بعد کے علماء نے "ایسانہ" سے پہلے سے مٹے ہوئے حروف ایسے تجویز کیے کہ یہ الگ لفظ نہ رہا۔ بلکہ تجویز کردہ الفاظ کا حصہ بن گیا۔Princep نے واضح طور پر "ایسانہ" پڑھ کر اس کے معنی خدا کے کیے ہیں۔ اس نے کتبہ دھولی کو یوں پڑھا ہے:

"خدا (ایسانہ) پر ایمان لاؤ اور اس کی ہستی کا اقرار کرو کیونکہ وہی اس بات کا سزاوار ہے کہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے۔"

(دھولی کا پہلا کتبہ)

مشہور محقّق آرتھر للی 1887ء میں لندن سے شائع شدہ اپنی کتاب Buddhidm in Christendom میں یہ اقتباس تحریر کرنے کے بعد دیکھتے ہیں کہ اشوک کے وقت کے براہمن خدا تعالیٰ کو ایسانہ کہتے تھے۔

(صفحہ 219 بحوالہ فردوس گم گشتہ، مصنفہ عبد القادر، صفحہ 16)

الغرض بدھ مذہب کا اس کے محفوظ مصادر کی مدد سے مطالعہ کرنے سے یہ امر عیاں ہو جاتا ہے کہ اس مذہب کی بنیادی تعلیمات میں ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت واشگاف طور پر موجود ہیں۔

سامعین! سکھ مذہب کی بنیاد خدا پرستی پر قائم ہے۔ کسی دیوی دیوتا یا کسی مورتی کی پرستش سکھ میں جائز نہیں۔ سکھ مذہب کی ابتدا حضرت بابا نانک رحمہ اللہ سے ہوتی ہے جنہوں نے اپنی عمر اسلامی ارکان و عقائد پر پابند رہتے ہوئے، اسلامی اولیاء اور مقدس مقامات کی زیارت اور ان سے استفادہ کرتے ہوئے گزاری۔ ڈیرہ بابا نانک کے مقام پر موجود ان کا مقدس چولہ سکھ مذہب میں نہایت متبرّک اور قیمتی اثاثہ خیال کیا جاتا ہے۔ اس چولہ پر قرآنی آیات اور ایسی عبارتیں لکھی ہیں جن سے ہستی باری تعالیٰ کے متعلق نانک صاحب کے راسخ عقائد کی عکاسی ہو رہی ہے۔

سکھ مذہبی لٹریچر میں ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت بکثرت موجود ہیں۔ سکھوں کی مقدس کتاب "گرو گرنتھ صاحب" کے سارے کلام میں "مول منتر" (بنیادی کلمہ) کو سب سے مقدس سمجھا جاتا ہے جس کے الفاظ یوں ہیں:

ایک اونکار، ست نام، کرتا پرکھ، نر بھو، نرو
اکال مورت، اجونی، سے بھنگ، گر پرساد

(سری گورو گرنتھ صاحب جلد 1 صفحہ !ناشر بھائی چتر سنگھ جیون سنگھ بازار مائی سیواں امرتسر)

یعنی خدا ایک ہے، اسی کا نام سچ ہے، وہی قادر مطلق ہے، وہ بے خوف ہے، اسے کسی سے دشمنی نہیں، وہ ازلی ابدی ہے، بے شکل وصورت ہے، قائم بالذات ہے، خود اپنی رضا اور توفیق سے حاصل ہو جاتا ہے۔ مول منتر کے بعد دوسرا درجہ "جپ جی" کو حاصل ہے۔ سکھ مذہب میں بنیادی طریق عبادت "نام سمرن" یعنی ذکر الہیٰ ہے۔ یہ خدا کا نام لیتے رہنے کا ایک عام طریقہ ہے، جس کے لیے چھوٹی تسبیح کا بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اجتماعی شکل میں باجماعت موسیقی کے ساتھ گرنتھ صاحب کے کلام کا ورد بھی ہوتا ہے۔ گرو گرنتھ صاحب راگ رام کلی محلہ 5 میں لکھا ہوا ہے:

صاحب میرا ایکو ہے، ایکو ہے بھائی ایکو ہے
آپے مارے آپے چھوڑے، آپ لیو دیئے
آپے دیکھے وگے، آپے نذر کریئے
جو کچھ کرنا سو کر رہیا، اور نہ کرنا جائی
جیسا درتے تیسو کہیے ،سب تیری وڈیائی

ترجمہ اِس کا یہ ہے کہ میرا مالک ایک ہے، ہاں ہاں بھائی! وہ ایک ہے۔ وہی ماننے والا ہے اور زندہ کرنے والا ہے وہی دے کر خوش ہوتا ہے۔ وہی جس میں چاہتا ہے اپنے فضلوں کی بارش کر دیتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے

کرتا ہے، اس کے بغیر اور کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے ہم وہی بیان کرتے ہیں، ہر چیز اس کی حمد بیان کر رہی ہے۔

الغرض اسلام کے علاوہ دیگر تمام ادیان کی کتب مقدسہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب میں ایک تعلیم مشترک پائی جاتی ہے کہ انسان کو سوائے ایک خدا کے کسی اور کی عبادت نہیں کرنی چاہیے اسی ایک حقیقت کو اجاگر کرنے کے لیے تمام انبیاء علیہ السلام دنیا کے الگ الگ مقامات پر مبعوث ہوئے ہیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”خدا آسمان و زمین کا نور ہے۔ یعنی ہر ایک نور جو بلندی اور پستی میں نظر آتا ہے خواہ وہ ارواح میں ہے خواہ اجسام میں اور خواہ ذاتی ہے اور خواہ عرضی اور خواہ ظاہری ہے اور خواہ باطنی اور خواہ ذہنی ہے خواہ خارجی اسی کے فیض کا عطیہ ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت رب العالمین کا فیض عام ہر چیز پر محیط ہو رہا ہے اور کوئی اس کے فیضلے خالی نہیں۔ وہی تمام فیوض کا مبدء ہے اور تمام انوار کا علت العلل اور تمام رحمتوں کا سرچشمہ ہے۔ اسی کی ہستی حقیقی تمام عالم کی قیوم اور تمام زیر و زبر کی پناہ ہے۔ وہی ہے جس نے ہر یک چیز کو ظلمت خانہ عدم سے باہر نکالا اور خلعت وجود بخشا۔ بجز اس کے کوئی ایسا وجود نہیں ہے کہ جو فی حد ذاتہ واجب اور قدیم ہو۔ یا اس سے مستفیض نہ ہوں بلکہ خاک اور افلاک اور انسان اور حیوان اور حجر اور شجر اور روح اور جسم سب اُسی کے فیضان سے وجود پذیر ہیں۔“

(براہین احمدیہ حصہ سوم، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 191 حاشیہ نمبر 11)

اللہ کرے کہ انسان اپنی حقیقی خالق و مالک کو پہچانے اور اسی کی عبادت کرے اور اس کے آگے سجدہ ریز ہو۔ آمین

(خاکسار نے اِس تقریر کی تیاری میں مکرم قمر الحق خان صاحب آف قادیان کے ایک مضمون سے مدد لی ہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ)

(کمپوزڈ: مسز عطیۃ العلیم۔ ہالینڈ)

﴿3﴾ ﴿مشاہدات۔689﴾

ہستی باری تعالیٰ از روئے قرآنِ پاک

(تقریر نمبر1)

اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتا ہے۔

وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَنِيۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَاَشۡهَدَهُمۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ‌ ۚ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ‌ ؕ قَالُوۡا بَلٰى‌ ۛۚ شَهِدۡنَا ‌ۛۚ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنۡ هٰذَا غٰفِلِيۡنَ (الاعراف:173)

یعنی (یاد کرو) جب تیرے ربّ نے بنی آدم کی صُلب سے ان کی نسلوں (کے مادّہء تخلیق) کو پکڑا اور خود انہیں اپنے نُفوس پر گواہ بنادیا (اور پوچھا) کہ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! ہم گواہی دیتے ہیں۔ مبادا تم قیامت کے دن یہ کہو کہ ہم تو اس سے یقیناً بے خبر تھے۔

کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے، وہی خدا ہے
دکھائی بھی جو نہ دے، نظر بھی جو آرہا ہے وہی خدا ہے

معزز سامعین! یہ ایک ایسا اہم موضوع ہے جس پر کئی پہلوؤں سے تقاریر کی جا سکتی ہیں یا مضامین اور کتابیں لکھی جا سکتی ہیں جیسے از روئے قرآن، از روئے احادیث، ازروئے سنت، از روئے عقل، ازروئے ارشادات مامورِ زمانہ حضرت مسیحِ موعودؑ و خلفائے کرام اور از روئے منکرینِ خدا یعنی دہریہ (atheist) کے دلائل کا ردّ وغیرہ وغیرہ۔ آج مجھے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآنِ کریم کی روشنی میں ہستی باری تعالیٰ پر وقت کے اندر رہتے ہوئے چند دلائل پیش کرنے ہیں۔

ہستی باری تعالیٰ سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں ایک ایسی ہستی ابتدائے آفرینش سے موجود ہے جو اِس ساری کائنات کی خالق و مالک ہے اور اِسے با حسن طریق چلا رہی ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب اور مذہبی فرقوں نے نہ صرف خدا تعالیٰ کی موجودگی کا تصوّر پیش کیا ہے بلکہ اُس کی طرف لوگوں کو دلائل کے ساتھ دعوت بھی دی ہے اور اِس ہستی سے تعلق پیدا کرنے اور اِس کی محبت اور قرب کے حصول کی راہیں بھی بتائی ہیں۔

ہاں! دنیا کے آغاز سے ہی کچھ لوگ ایسے رہے ہیں جو خدا کے وجود کے مُنکر تھے اور ہیں۔ حال ہی میں اہلِ مذاہب کے غلط رویوں، حرکات اور بد اعمال و اخلاقِ سیئہ سے تنگ آکر اِن دہریہ لوگوں کی تعداد میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوا ہے جو ابھی بھی جاری ہے جس کی وجہ سے ہستی باری تعالی کے وجود کو مختلف زاویوں سے ثابت کرنے کے لئے دلائل تیار کرنے کی ضرورت ہے اور تقاریر و مضامین بھی لکھے جانے چاہیئے۔

سامعین! ہم دنیا میں روزانہ ہی مختلفُ النوع اشیاء کو دیکھتے ہیں اور دیکھتے وقت فورًا ذہن میں اُس کے صانع، اُس کے بنانے والے اور تخلیق کار کا نام ذہن میں آتا ہے جیسے حضرت مصلح موعودؓ نے ایک جگہ یہ مثال دی ہے کہ اگر کسی رستہ پر اونٹ کی مینگنیاں پڑی آپ کو نظر آئیں تو لازمًا یہ گمان ذہن میں اُبھرتا ہے کہ یہاں سے اونٹ گزرا ہے۔ اِسی طرح دنیا کو دیکھ کر یہ خیال پختہ ہوتا ہے کہ اِس دنیا کو بنانے والی، اِس کو وجود میں لانے والی کوئی ہستی بھی موجود ہے۔ اسلام ایک زندہ مذہب ہے جس نے خدا کو ایک زندہ حقیقت کے طور پر پیش کیا ہے۔ روحانی طور پر ترقی کرنے کے لئے اس پر ایمان لانا از بس ضروری قرار دیا اور اِس کے بغیر روحانی زندگی کی کوئی ضمانت نہیں۔ انسان کو جتنا زیادہ خدا کی ہستی پر ایمان، یقین اور معرفت حاصل ہوتی جاتی ہے اُتنا ہی وہ گناہ کی آلودگی سے نجات پاتا جاتا ہے اور روحانی ترقی حاصل کرتا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (لقمان:26)

کہ اگر تم اِن (کفار اور مشرکوں) سے پوچھو کہ کس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا تو وہ فورًا کہہ اُٹھیں گے کہ اللہ نے اِس ساری کائنات کو پیدا کیا ہے جس پر چند معدودے کے علاوہ دنیا کی تمام قومیں متفق ہیں کہ ہمارا کوئی نہ کوئی پرمیشر ہے، کوئی نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے اور ہماری ربوبیت کرنے والا موجود ہے۔ اِسی صداقت کو اِس آیت میں بیان کیا گیا ہے جس کے سیاق و سباق کی تمام آیات بھی ہستیٔ باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ سورۃ لقمان کے تعارفی نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"کائنات میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کے جو اَسرار پھیلے پڑے ہیں ان پر کوئی حساب احاطہ نہیں کر سکتا یہاں تک کہ تمام سمندر بھی اگر روشنائی بن جائیں اور تمام درخت قلم بن جائیں تو سمندر خشک ہو جائیں گے اور قلم ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے اَسرار کا بیان ابھی باقی ہو گا۔

اس کے بعد ایک ایسی آیت (نمبر 29) آتی ہے جو انسانی تخلیق کے رازوں پر سے عجیب رنگ میں پردہ اٹھا رہی ہے۔ انسان کو متوجہ کیا گیا کہ اگر وہ رحمِ مادر میں تشکیل پانے والے جنین پر غور کرے کہ وہ تخلیق کے کن بے انتہا مراحل میں سے گزرتا ہے تو اسے اپنی پہلی پیدائش کی پُر اسرار حکمتوں کا کسی قدر علم ہو سکتا ہے۔ چنانچہ سائنسدان قطعیت سے یہ بیان کرتے ہیں کہ حمل کے آغاز سے لے کر جنین کی تکمیل تک جنین میں وہ ساری تبدیلیاں واقع ہو رہی ہوتی ہیں جو آغازِ زندگی سے لے کر تمام ارتقائی کہانی کو دہراتی ہیں۔ یہ ایک بہت ہی وسیع اور گہرا مضمون ہے جس پر تمام اہلِ علم سائنس دان متفق ہیں۔ فرمایا یہ تمہاری پہلی پیدائش ہے۔ جس طرح ایک حقیر کیڑے سے ترقی کرتے ہوئے تم اپنی بشری صلاحیتوں کی انتہا تک پہنچے اسی طرح تم اپنی نئی پیدائش میں قیامت تک اتنی ترقی کر چکے ہو گے کہ اس تکمیل شدہ صورت کے مقابل پر انسان کی وہی حیثیت ہو گی جیسے انسان کے مقابل پر اس بے حیثیت کیڑے کی تھی جس سے زندگی کا آغاز کیا گیا۔"

(قرآن کریم اردو ترجمہ مع سورتوں کا تعارف صفحہ 710)

سامعین! جس اتفاق کا ذکر مَیں اوپر کر آیا ہوں اُس عظیم الشان اتفاق اور بے نظیر اجماع کی وجہ صرف فطرت کی گواہی ہے کیونکہ ہم میں سے ہر ایک فطرت اور اُس کی سوچ، اُس کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے خالق کا اعتراف کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ قَالُوۡا بَلٰی (اعراف: 173) کہ جب خدا نے اُن سے پوچھا کہ کیا مَیں تمہارا خدا نہیں ہوں تو اُن تمام نے متفقہ طور پر کہا کیوں نہیں؟۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اِس آیت کے تحت فٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"انسانی سرشت میں ہی اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان داخل ہے۔ پس تمام دنیا میں جو خدا تعالیٰ کا تصوّر پایا جاتا ہے یہ اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ یہ انسانی سرشت میں مُرتَسم ہے۔"

پہلی دلیل ہی کے ضمن میں سورۃ ابراہیم کی آیت 11 پیش کر کے آگے بڑھتا ہوں جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ کیا کوئی خدا تعالیٰ کے وجود میں ذرا بھی کوئی شک کی نگاہ سے دیکھ سکتا ہے۔ فرماتا ہے۔ اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ پس ہستی باری تعالی کی پہلی دلیل یہ ہے کہ دنیا کی تمام قومیں خدا تعالیٰ کے وجود کی اقرار کرنے والی ہیں۔

دوسری دلیل

پیارے بھائیو! قرآنِ کریم سے ہستیٔ باری تعالیٰ کی دوسری دلیل دعاؤں کا سننا اور اُن کی قبولیت ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔ جسے تمام مذاہب والے بطور ہستیٔ باری تعالیٰ کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے آئے ہیں۔

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ (البقرہ:187)

کہ جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں تو یقیناً میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ پس چاہئے کہ وہ بھی میری بات پر لبّیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت پائیں۔

اِس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے وجود کی ایک زبردست دلیل بیان ہوئی ہے کہ وہ اپنے بندوں کی دعاؤں اور اُن کی پُکار کو سنتا، اُنہیں قبول کرتا ہے اور ثمرات سے نوازتا ہے۔ ہم سب اِس دلیل کے گواہ ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی مادی اور روحانی دنیا کی اصلاح اور بہتری کے لئے اپنے اللہ کے حضور جھکتا اور مِنّت سماجت کرتا ہے، روتا اور بچوں کی طرح بِلکتا ہے تو اللہ تعالیٰ جو ماؤں سے کہیں بڑھ کر اپنی مخلوق جو اولاد کی طرح ہے سے محبت اور رحم کا سلوک کرتا اور اُن سے پیار کرتا ہو اُس کی دعاؤں کو درجہ قبولیت سے نوازتا ہے۔ ہماری روزمرہ کی تاریخ گواہ ہے کہ اُس اللہ نے سینکڑوں اپنے بندوں کی شبانہ روز کی التجاؤں کو قبول کرتے ہوئے شادی کے دس دس، بارہ بارہ سال بعد بلکہ اِس سے کہیں زیادہ عرصہ کے بعد اُن کو بھی اولاد کی نعمت سے نوازا۔ جن کی کوکھ کو ڈاکٹر حضرات بنجر زمین قرار دیکھ چکے تھے۔ پھر اُسی اللہ تعالیٰ نے دعاؤں

کے صلہ میں اُن کو نرینہ اولاد سے نوازا جن کو ڈاکٹر حضرات پیدائش سے قبل لڑکی قرار دے چکے تھے اُسی وجود کو اللہ تعالیٰ نے لڑکی سے لڑکا بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔

جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ مَیں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

سامعین! دعاؤں کے طفیل قبولیتِ دعا کے اِن دو معجزوں کا تو مَیں خود بھی زندہ گواہ ہوں کہ خلفائے کرام اور بہن بھائیوں و عزیز و اقارب کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے مجھے تین بچیوں کے بعد ایک ہونہار بچے سے نوازا جس کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے پیدائش سے بہت عرصہ قبل مجھے سیر الیون میں بذریعہ خط یہ نوید سُنا رکھی تھی کہ ”فکر نہ کریں۔ اِس دفعہ اللہ تعالیٰ آپ کو چندِ ماہتاب بیٹے سے نوازے گا۔ اِن شاء اللہ“

اِسی طرح میری بڑی بیٹی عزیزہ قرۃ العین سلمہا اللہ کو شادی کے بارہ سال بعد حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی دعاؤں کے طفیل اولاد عنایت فرمائی اور اللہ نے اپنی ہستی اور موجودگی کا ثبوت دیا۔ اِس طرح کی ہزاروں لاکھوں خواتین اور بہنیں دنیا میں موجود ہیں جو اولاد جیسی نعمت اور نرینہ اولاد جیسے انعام سے دعاؤں کے طفیل نوازے گئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی کا ثبوت دیا۔

تیسری دلیل

سامعین! دوسری دلیل جو مَیں اوپر بیان کر آیا ہوں اُسی کی تائید میں تیسری دلیل آیتِ کریمہ اَنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ (القمر: 11) کے الفاظ میں آپ حاضرین کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے انبیاء کا سلسلہ جاری ہوُا اور سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہوُا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر پہنچا۔ اِن تمام ایک لاکھ چوبیس ہزار سے زائد انبیاء و رُسُل کی شدید ترین مخالفتیں ہوئیں۔ کوئی نبی بھی پھولوں کی سیج پر نہ پلا، نہ بڑھا ہوا اور نہ اُس نے ترقی پائی۔ یہ لوگ اپنے بھجوانے والے اللہ کی طرف جھکے، اُسی قادر مُقتدر ہستی کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے اُسی کے سامنے اپنی مصیبتوں کا اظہار کرتے رہے کہ اِن کے تمام دشمن ایک ایک کرکے ہلاک ہوتے گئے اور اِن خدائی بندوں کی مصیبتوں کا خاتمہ

ہوتا گیا۔ ظاہری اسباب اِن انبیاء کے مخالف ہوتے ہوئے بھی اگر یہ فلاح پاتے رہے اور کامیاب ہوتے رہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ایک قادر مُقتدر ہستی موجود ہے جو مصیبتوں میں گھرے اِن انبیاء کی نہ صرف حفاظت فرماتا رہا بلکہ اِن کو ترقیات اور فتوحات سے نواز کر بلند سے بلند مقام پر لے جاتا رہا۔ دیکھو! حضرت نوحؑ اکیلے تھے اور ساری قوم مخالف تھی۔ مگر جب آپؑ نے اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (القمر:11) کی دردِ دل سے دعا کی تو ایک خدا کا بندہ بچا لیا گیا اور ساری قوم پانی کے آگے بے بس ہو گئی۔ حضرت ابراہیمؑ کو جلتی آگ میں ڈالا گیا مگر آپؑ دعاؤں کے طفیل پنپتے اور ہوا کی بلندیوں میں سفر کرتے دیکھے گئے اور آج دنیا میں اربوں کی تعداد میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَبَارِکْ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ کی دعا کرتے پائے جاتے ہیں اور کہاں ہے نمرود؟ پھر حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی تمام دعائیں قبول ہوئیں۔ ہاں! ہاں! حضرت عیسیٰؑ کی ساری رات کی، کی ہوئی یہ دعا کہ الٰہی! یہ موت کا پیالہ مجھ سے ٹال دے کی بدولت ایسا ٹلا کہ آپ 35۔36 سال کی عمر سے 120 سال عمر پاکر فوت ہوئے اور آپ کو تکالیف میں جکڑنے والے ایک ایک کرکے صفحہ ہستی سے مٹادیئے گئے۔

سامعین! آئیں! اب سب سے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی کا جائزہ لیں۔ آپؐ کو جن صعوبتوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اِن کے مقابل پر دیگر انبیاء کی مشکلات کوئی درجہ نہیں رکھتیں۔ آپؐ کو نہ صرف قتل کی دھمکیاں دی گئیں بلکہ قتل کے منصوبے تیار ہوئے، قتل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ آپ کی تبلیغ میں روڑے اٹکائے گئے۔ آپؐ کو محبوس کر دیا گیا۔ آپ کے خلاف جنگی جدّوجہد کی گئی۔ آپؐ کے صحابہ کو شہید کیا گیا مگر محمدؐ کا نام آج بھی زندہ ہے اور پہلے سے بڑھ کر زندہ و تابندہ ہے اور اِن شاء اللہ آئندہ بھی بلند سے بلند تر ہوتا رہے گا جبکہ ابو جہل جیسے مخالفت کرنے والے نیست و نابود ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

”وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پُشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے۔ اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دُنیا میں یکدفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا

اور نہ کسی کان نے سُنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دُعائیں ہی تھیں جنہوں نے دُنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اُس اُمی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّم وَ بَارِكْ عَلَيْهِ وَآلِهٖ بِعَدَدِ ھَمِّہٖ وَ غَمِّہٖ وَحُزْنِہٖ لِھٰذِہِ الْاُمَّةِ وَ اَنْزِلْ عَلَيْهِ اَنْوَارَ رَحْمَتِكَ اِلَى الْاَبَدِ

(برکات الدعا، روحانی خزائن جلد6 صفحہ 10-11)

اِس تیسری دلیل کے آخر پر اگر مَیں مامورِ زمانہ حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کی کامل ہستی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت اور فتوحات و ترقیات کا ذکر نہ کروں تو میری تقریر کا مضمون ادھورا رہ جائے گا۔ اِس ضمن میں حضرت مسیح موعودؑ سے ذکر کا آغاز کروں تو آپؑ کو بھی اپنوں اور غیروں سے شدید مخالفت کا سامنا رہا اور نِت نئی تکالیف دینے کے رستے ڈھونڈے گئے مگر آپؑ اور آپؑ کا فرقہ فتح نصیب ٹھہرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو ابراہیم کے لقب سے نوازا۔ ایک دفعہ حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب (خلیفۃُ المسیح الاوّلؓ) نے ایک موقع پر حضرت ابراہیمؑ کی آگ کو مجازی آگ قرار دے دیا اِس کا جب حضورؑ کو علم ہوا تو آپؑ نے اپنے اللہ پر یقینِ کامل رکھتے ہوئے بڑے جوش سے فرمایا کہ مَیں بھی اِس زمانے کا ابراہیم ہوں مجھے بھی کوئی حقیقی آگ میں ڈال کر دیکھے وہ بھسم کر دی جائے گی۔ آج نوجوان نسل کے ایمانوں کو جلا بخشنے کے لئے آج کے دَور کے ایک دو واقعات آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں اُن میں سے ایک بُھٹو تھا جو پاکستان میں نوّے سالہ مسئلہ حل کرنے کا دعویدار تھا مگر وہ الہام حضرت مسیح موعودؑ کے تابع باون سال کی عمر میں صلیب کی لعنتی موت سے مرا جبکہ جماعتِ احمدیہ نوّے سال گزار کر جماعت کا اور خلافت کا سو سالہ جشن بھرپور طور پر منانے کے بعد بڑی شان سے 136 سال پورے کر کے 137ویں سال میں داخل ہو رہی ہے۔ 220 سے زائد ممالک و جزائر میں وہ آواز پہنچ چکی ہے جس ایک آواز کو دبانے اور مٹانے کے زُعم میں یہ لوگ اُٹھے تھے۔ پھر فوجی ڈکٹیٹر جنرل ضیاء الحق کو لیتے ہیں جو جماعت احمدیہ کو معاشرے کا کینسر قرار دیتے ہوئے اِس کے علاج کے لئے نکلا تھا مگر ایک طیارے کے حادثے میں ہلاک ہو کر اُس آسمانی علاج کا مُوجب ہوا جو اُس وراء الوراء ہستی کے ہاتھ میں ہے جو تمام مخالفینِ انبیاء کا علاج کرنا جانتا ہے اور اِس دشمنِ بدنوا کا مستقل علاج دریائے ستلج کے قریب بستی لال کمال

میں اُس جگہ پر ہوا جو تقسیمِ ہندو پاک سے پہلے ہندوؤں کے مُردے جلانے کی جگہ شمشان گھاٹ کے نام سے موسوم تھی۔ یوں یہ اِس زمانے کا لیکھرام ٹھہرا۔

سامعین! روزنامہ جنگ لاہور مورخہ 13 دسمبر 1983ء سے ایک حقیقت افروز اقتباس آپ سامعین کے ایمان وایقان کو مزید مضبوط کرنے کے لئے پیش ہے جس میں تحریر ہے کہ

"پاکستان میں پہلی مرتبہ جناب دولتانہ نے قادیانی مسٔلہ کو اٹھایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُس کے بعد آج تک وہ اقتدار کی کرسی سے محروم رہے۔ پھر جناب ایّوب خان نے اپنے اقتدار کے ڈوبتے ہوئے دَور میں اِسی مسٔلہ کا سہارا لینا چاہا۔ انہوں نے اپنے بارہ میں مرزائیت سے بریّت کے بیانات اخبارات اور ریڈیو پر نشر کیے۔ صدر کے ایماء پر اُس وقت کے گورنر مغربی پاکستان امیر محمد خان نے مرزا غلام احمد قادیانی کی اہم کتاب کو ضبط کیا۔ مگر یہ ان کے متزلزل اقتدار کو طول نہ دے سکا بلکہ رُسوا ہو کر اقتدار سے علیحدہ ہوئے۔ پھر بھٹو جِن کی پارٹی اور حکومت بذاتِ خود مرزائیوں کی امداد اور اعانت سے برسرِ اقتدار آئی تھی نے اپنی گرتی ہوئی ساکھ اور ڈولتے ہوئے اقتدار کو سنبھالا اور طول دینے کے لیے اپنی محسن مرزائی جماعت کی گردن پر وار کیا اور ایسا وار کہ 90 سالہ مسٔلہ حل کر ڈالا۔ بھٹو کا خیال تھا کہ اِس مسٔلہ کو حل کرنے کے بعد اب اُنہوں نے پاکستانی عوام کے دِل جیت لیے ہیں اور اب وہ تاحیات پاکستان کے وزیرِ اعظم رہیں گے۔ لیکن اِن کا یہ خیال شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ اب صدر جنرل ضیاء الحق صاحب نے مرزائیت سے بریّت کا اعلان موشگاف الفاظ میں کیا ہے اور مرزائیوں کو کلیدی آسامیوں سے علیحدہ کرنے کا عہد کیا ہے۔ لیکن ماضی کو سامنے رکھتے ہوئے دل کانپ جاتا ہے کیونکہ ماضی میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جنہوں نے بھی قادیانی مسٔلہ کو اٹھایا یا چھیڑا وہ اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے اَس کے پسِ پردہ کون سے عوامل یا غیبی طاقت کارفرما ہے وہ پوری قوم کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔"

سامعین! پس آج اگر کسی نے ہستیٔ باری تعالیٰ کا ثبوت دیکھنا ہے تو یہ دیکھ لے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا۔ آپؑ نے بھی لوگوں کو خدائے واحد کی طرف بلایا اور فرمایا کہ اللہ نے مجھے خبر دی ہے کہ وہ آپ کی تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچائے گا۔ ہر مذہب کے ماننے والوں نے آپؑ کی مخالفت کی۔ آپؑ کو اپنے مشن میں ناکام کرنا چاہا اور آپ کے پیغام کو دبانے کی کوشش کی۔ لیکن آپؑ کے

مخالفین نے ہر محاذ پر شکست کھائی اور اللہ نے آپؑ کو اور آپؑ کی جماعت کو کامیاب فرمایا۔ مخالفین کی آوازیں معدوم ہوتی گئیں۔ دشمن کی زمین گھٹتی گئی اور گھٹتی جارہی ہے جبکہ اسلام احمدیت کی زمین پھیلتی گئی اور مسلسل پھیلتی جارہی ہے۔ خدا کے رسولوں کا ہر دفعہ غالب آنا اور اُن کے مخالفین کا خائب و خاسر رہنا اس بات کی مضبوط دلیل ہے کہ سب طاقتوں کی مالک ہستی موجود ہے جس کی تائید و نصرت سے انبیاء کامیاب ہوتے ہیں اور اِن کے مخالفین ناکام و نامراد رہتے ہیں۔

قُدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے
جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ مَیں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

سامعین! اِس زمانے میں اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان کو مستحکم کرنے اور اس سے مضبوط اور قریبی تعلق پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو مبعوث فرمایا ہے۔ وہ لوگ جو فلسفیانہ خیالات کے اثر کے وجہ سے دہریت کا شکار ہو گئے تھے حضرت مسیح موعودؑ نے اسلام کی پُر حکمت اور زندگی بخش تعلیم کو اس طرح پیش فرمایا کہ اس کی بدولت دہریت کا سحر ٹوٹ گیا۔ جس نے بھی آپؑ کی تحریرات اور ملفوظات سے استفادہ کیا اُس کی دہریت ہمیشہ ہمیش کے لئے کافور ہو گئی اور وہ نہ صرف یہ کہ خدا کی ہستی کا قائل ہو گیا بلکہ روحانی طور پر بھی خدا کے فضل سے اس کی کایا پلٹ گئی۔ حضرت مسیح موعودؑ کے ایک صحابی میاں محمد الدین صاحب جن کا تعلق کھاریاں سے تھا اور جو آریہ برہمو کے لیکچروں کے بد اثر کی وجہ سے دہریہ ہو چکے تھے اور لایعنی زندگی بسر کر رہے تھے انہیں حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب براہین احمدیہ کہیں سے مل گئی۔ اس کے مطالعہ نے آپ کی دہریت کو پاش پاش کر دیا۔ آپ اس بارے میں خود بیان فرماتے ہیں کہ

”جب مَیں ہستی باری تعالیٰ کے دلائل کو پڑھتا پڑھتا صفحہ 90 کے حاشیہ نمبر 3 اور صفحہ نمبر 149 کے حاشیہ نمبر 11 پر پہنچا تو معاً میری دہریت کافور ہو گئی اور میری آنکھ ایسے کھلی جس طرح کہ کوئی سویا ہوا یا مرا ہوا جاگ کر زندہ ہو جاتا ہے۔ سردی کا موسم تھا جنوری 1893ء کی 19ر تاریخ تھی۔ آدھی رات کا وقت تھا

کہ... معاً توبہ کی، کورا گھڑا پانی کا بھرا ہوا باہر صحن میں پڑا تھا۔ سرد پانی سے لاچا تہ بند پاک کیا۔ میرا ملازم مسمّٰی منگتو سو رہا تھا۔ وہ جاگ پڑا اور مجھ سے پوچھا کیا ہوا، کیا ہوا، لاچا مجھ کو دو مَیں دھوتا ہوں۔ مگر مَیں اس وقت ایسی شراب پی چکا تھا کہ جس کا نشہ مجھے کسی سے کلام کرنے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ آخر منگتو اپنا سارا زور لگا کر خاموش ہو گیا اور گیلا لاچا پہن کر نماز پڑھنی شروع کی اور منگتو دیکھتا گیا۔ محویت کے عالَم میں نماز اس قدر لمبی ہوئی کہ منگتو تھک کر سو گیا اور مَیں نماز میں مشغول رہا۔ پس یہ نماز براہین نے پڑھائی کہ بعد ازاں اب تک مَیں نے نماز نہیں چھوڑی۔ عین جوانی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ ایمان جو ثریا سے شاید اوپر ہی گیا ہوا تھا اُتار کر میرے دل میں داخل کیا اور مسلماں را مسلماں باز کردن کا مصداق بنایا۔ جس رات مَیں بحالت کفر داخل ہوا تھا اُس کی صبح مجھ پر بحالت اسلام ہوئی۔"

(رجسٹر روایات صحابہ نمبر 7 صفحہ 46-47)

حضرت مسیح موعودؑ اپنے زندہ خدا سے اپنے زندہ تعلق کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

"ہمارا زندہ حیٌّ و قیوم خدا ہم سے انسانوں کی طرح باتیں کرتا ہے ہم ایک بات پوچھتے ہیں۔ ہم ایک بات پوچھتے اور دُعا کرتے ہیں تو وہ قدرت کے بھرے ہوئے الفاظ کے ساتھ جواب دیتا ہے۔ اگر یہ سلسلہ ہزار مرتبہ تک بھی جاری رہے تب بھی وہ جواب دینے سے اعراض نہیں کرتا۔ وہ اپنے کلام میں عجیب در عجیب غیب کی باتیں ظاہر کرتا ہے اور خارق عادت قدرتوں کے نظارے دکھلاتا ہے یہاں تک کہ وہ یقین کرا دیتا ہے کہ وہ وہی ہے جس کو خدا کہنا چاہئے۔ دُعائیں قبول کرتا ہے اور قبول کرنے کی اطلاع دیتا ہے۔ وہ بڑی بڑی مشکلات حل کرتا ہے اور جو مُردوں کی طرح بیمار ہوں ان کو بھی کثرتِ دُعا سے زندہ کر دیتا ہے اور یہ سب ارادے اپنے قبل از وقت اپنے کلام سے بتلا دیتا ہے۔ خدا وہی خدا ہے جو ہمارا خدا ہے وہ اپنے کلام سے جو آئندہ کے واقعات پر مشتمل ہوتا ہے ہم پر ثابت کرتا ہے کہ زمین و آسمان کا وہی خدا ہے۔ وہی ہے جس نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ مَیں تجھے طاعون کی موت سے بچاؤں گا اور نیز ان سب کو جو تیرے گھر میں نیکی اور پرہیز گاری کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں بچاؤں گا۔ اس زمانہ میں کون ہے جس نے میرے سوا ایسا الہام شائع کیا اور اپنے نفس اور اپنی بیوی اور اپنے بچوں اور دوسرے نیک انسانوں کے لئے جو اس کی چار دیواری کے اندر رہتے ہیں خدا کی ذمہ داری ظاہر کی۔"

(نسیم دعوت، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 448-449)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ اِس مضمون کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس زندہ خدا کا پیغام اس زمانے کے امام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق کی اتباع میں دنیا کو پہنچانے والے ہوں اور دنیا کو یہ احساس دلانے والے ہوں کہ زندہ خدا ہے، موجود ہے، اب بھی سنتا ہے، نشان بھی دکھاتا ہے۔ اس کی طرف لَوٹو۔ اس کی طرف آؤ اور ہم خود بھی اس خدا سے زندہ تعلق پیدا کرنے والے ہوں اور اس تعلیم پر عمل کرنے والے ہوں۔ اس کی عبادت کا حق ادا کرنے والے ہوں۔ اس کی صفات کا صحیح ادراک حاصل کرنے والے ہوں۔ اس کے انعامات کے وارث ہوں۔ ہماری نسلیں بھی اور ہم بھی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے شرک سے ہر طرح محفوظ رہیں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 18 اپریل 2014ء)

پھر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" پس کیا ہی پیارا ہے ہمارا خدا جو سب طاقتوں کا مالک ہے اور اس سے تعلق پیدا کر کے انسان ہر قسم کے خوفوں اور غموں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ مگر افسوس کہ دنیا کا ایک بڑا حصہ خدا تعالیٰ کا در چھوڑ کر دوسروں کے در پہ پڑا ہوا ہے اور نہ صرف اس کا در چھوڑ کر دوسرے کے دَر پہ پڑا ہوا ہے بلکہ بغاوت پہ تُلا ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ کے خلاف کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کے متعلق بحثیں چل پڑی ہیں کہ خدا تعالیٰ ہے بھی کہ نہیں؟ اور خدا تعالیٰ کے کسی قسم کے حق ادا کرنے اور اس کی عبادت بجالانے کی طرف توجہ نہیں ہے۔ ایک بہت بڑی دنیا اس بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی اور نتیجۃً آگ کے گڑھے کی طرف تیزی سے انسان بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ پس بڑے خوف کا مقام ہے۔ بہت زیادہ توجہ اور استغفار کی ضرورت ہے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 13 نومبر 2009)

پھر آپ ایدہ اللہ تعالیٰ ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

"ہر احمدی کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہم مسیح محمدی کے ماننے والے ہیں ہمیں اپنے ربّ کے ساتھ تعلق میں بہت مضبوط ہونا چاہئے۔ مشکلات کے جو حالات اصحاب کہف پر آئے اس کا تو کچھ بھی حصہ ہمارے حصہ میں نہیں آیا۔ لیکن انہوں نے ان حالات کے باوجود اپنے ربّ کو نہیں چھوڑا۔ ہم تو اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے ماننے والے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے دین کامل کیا ہے۔ جہاں احمدیت مشکل ترین دور سے گزر رہی ہے وہاں بھی دَور اتنا مشکل نہیں ہے جو دَور ان پر آئے تھے یا مختلف اوقات میں آتے رہے... ہمیں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ہم اُس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے دین کامل کیا۔ ہمیں اُن لوگوں سے زیادہ اپنے ربّ کا فہم و ادراک دیا جتنا اصحاب کہف کو تھا.... دوسرے ان مغربی ممالک میں، بلکہ اب تمام دنیا میں ہی جو لوگ اپنے خدا کو بھولتے جارہے ہیں، ایک خدا کو چھوڑ کر، جس کو اختیار کرنے کی وجہ سے ان کو انعام ملا تھا، تین خداؤں کے چکر میں آگئے اور پھر نتیجۃً مذہبی طور پر عملاً ایک طرح سے دیوالیہ ہوگئے، جو کہ ظاہر ہے اس حالت میں ہونا تھا اور پھر ان میں سے بہت بڑی تعداد خدا کی بھی منکر ہوگئی۔ تو مسیح محمدی کے ماننے والوں کا یہ کام ہے کہ اپنے ربّ کی صحیح پہچان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی یہ بتائیں کہ اُن مضبوط ایمان والوں کے اپنے ربّ کے ساتھ چمٹے رہنے کا نتیجہ تھا کہ آج عیسائیت دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس لئے اپنے خدا کی جو ربّ العالمین ہے پہچان کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے انبیاء کی صحیح تعلیم پر غور کرو، ان پیشگوئیوں پر غور کرو اور اس خاتم الانبیاء کو پہچانو جس کے بارے میں پیشگوئی تھی۔ یہی تمہاری نجات کا ذریعہ ہے، یہی تمہاری بے چینیوں کو دور کرنے کا حل ہے کیونکہ اس کے بغیر تمہاری زندگیوں میں سکون نہیں آسکتا۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 17 نومبر 2006ء)

لوگو! سنو! کہ زندہ خدا وہ خدا نہیں
جس میں ہمیشہ عادتِ قدرت نما نہیں
جس کو خدائے عزوجل پر یقیں نہیں
اُس بدنصیب شخص کا کوئی بھی دیں نہیں

﴾4﴿　　﴾مشاہدات۔940﴿

ہستی باری تعالیٰ ازروئے قرآنِ کریم

(تقریر نمبر2)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ فَاعۡبُدُوۡہُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ وَّکِیۡلٌ ۔ لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ وَھُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ وَھُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ (الانعام:103-104)

قُدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے
جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ مَیں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

معزز سامعین! مجھے آج قرآنِ کریم کی روشنی میں ہستیٔ باری تعالیٰ پر دلائل دینے ہیں۔ اِس عنوان پر یہ میری دوسری تقریر ہے۔ ہستی کا لفظ ہست سے ماخذ ہے جو فارسی سے اردو میں آیا ہے۔ جس کے معانی وجود، قیام، موجودگی کے ہیں۔ جو مخلوق، ذی روح کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جب یہ لفظ انسان کے لئے استعمال ہو رہا ہو تو اِس کے معانی حیثیت، بساط، مجال کے ہوتے ہیں جیسے کسی کو اُس کی حیثیت بتلانی مقصود ہو تو کہتے ہیں۔ تیری ہستی ہی کیا ہے؟۔ لیکن تصوّف میں یہ لفظ وجودِ حق یعنی خدا تعالیٰ اور اُس کی ذات کے لئے مستعمل ہے اُس کے لئے ہستی کے ساتھ باری تعالیٰ کے الفاظ استعمال ہوں گے اور معنی یہ ہوں گے کہ کائنات میں ایک ایسی ہستی موجود ہے جو اِس کی خالق اور مالک ہے۔ جس کی تصدیق اور تائید ہمارے تمام انبیاء اور رسول ابتدائے دنیا سے کرتے آرہے ہیں۔ انہوں نے اللہُ واحدٌ کی تعلیم اپنے ماننے والوں کو دی اور واحد معبود کی عبادت کی تعلیم دیتے رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ بعض مذاہب کے لوگوں نے اپنی پریکٹس میں ایک سے زیادہ معبودوں کی عبادت کو شامل کر لیا اور آہستہ آہستہ اِن مذاہب

کے ماننے والوں کا ایمان اور یقین اس غالب اور مقتدر ہستی پر کمزور پڑ تا گیا حتّٰی کہ بعض بد قسمت لوگوں نے اِس کے وجود کا سرے سے انکار کر دیا اور دہریہ کہلائے۔ مگر یہ حقیقت بر مبنی ہے کہ دنیا کے تمام بڑے بڑے مسلّمہ مذاہب نے صرف ایک خدا کا تصوّر پیش کیا اور اُس کی طرف لوگوں کو دعوت دی اور اُس سے تعلق پیدا کرنے اور اُس کی محبت اور قرب کے حصول کی راہیں بھی سکھلائیں۔

اسلام کا نبی ایک زندہ نبی ہے۔ اِس نبی کا لایا ہوا مذہب ایک زندہ مذہب ہے۔ اِس نے خدا کو ایک زندہ حقیقت کے طور پر پیش کیا ہے۔ روحانی طور پر ترقی کرنے کے لئے اس پر ایمان لانا از بس ضروری قرار دیا، اِس کے بغیر روحانی زندگی کی کوئی ضمانت نہیں۔ انسان کو جتنا زیادہ خدا کی ہستی پر ایمان، یقین اور معرفت حاصل ہوتی جاتی ہے اُتنا ہی وہ گناہ کی آلودگی سے نجات پاتا جاتا ہے اور روحانی ترقی حاصل کرتا جاتا ہے۔

خدا تعالیٰ ایک وراء الوراء ہستی ہے۔ وہ اپنی لطافت اور غیر محدود ہونے کی وجہ سے انسان کو مادی آنکھوں سے نظر نہیں آسکتا۔ انسان ایک حد تک خدا تعالیٰ کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ لیکن یہ مشاہدہ ایسا نہیں جیسا کہ ہم مادی چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ جب انسان خدا تعالیٰ کے مشاہدہ کے لئے قدم آگے بڑھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اپنا آپ اس پر ظاہر کرتا ہے۔ اسے اپنی طرف راستہ دیکھاتا ہے۔ جیسا کہ وہ سورۃ الانعام میں فرماتا ہے جس کی تلاوت مَیں اپنی تقریر کے آغاز پر کر آیا ہوں۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ یہ ہے اللہ تمہارا ربّ۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہر چیز کا خالق ہے۔ پس اُسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر نگران ہے۔ آنکھیں اِس کو نہیں پا سکتیں ہاں وہ خود آنکھوں تک پہنچتا ہے اور وہ بہت باریک بین اور ہمیشہ باخبر رہنے والا ہے۔

اِن آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آسکتا اس لئے وہ بصارتوں تک خود پہنچتا ہے اور خود اپنا چہرہ اپنے پیاروں پر ظاہر فرماتا ہے تا کہ اُس کے لطیف ہونے اور نظروں سے پوشیدہ ہونے کے باوجود اُس کا یقین اور عرفان حاصل ہو سکے۔

سامعین! پھر خدا کی ہستی پر دلیل وہ آواز بھی ہے جو انسانی فطرت میں پنہاں ہے۔ جب انسان اپنے وجود پر غور کرتا ہے کہ کیا میرا وجود محض اتفاق کا نتیجہ ہے یا مجھے واقعی کسی ہستی نے پیدا کیا ہے۔ تو اس کے اندر سے یہی جواب آتا ہے کہ اس کی پیدائش اتفاقاً نہیں بلکہ ایک قادر و مقتدر ہستی ہے جس نے اُس کو پیدا کیا

ہے اور وہی اس کا مالک ہے۔ قرآن کریم نے اس فطری آواز اور اندرونی گواہی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚۛ شَهِدْنَا ۚۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ (الاعراف:173)

اِس کا ترجمہ یہ ہے کہ (یاد کرو) جب تیرے ربّ نے بنی آدم کی صُلب سے ان کی نسلوں (کے مادّۂ تخلیق) کو پکڑا اور خود انہیں اپنے نُفوس پر گواہ بنا دیا (اور پوچھا) کہ کیا مَیں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! ہم گواہی دیتے ہیں۔ مبادا تم قیامت کے دن یہ کہو کہ ہم تو اس سے یقیناً بے خبر تھے۔

بعض اوقات بیرونی اثرات فطرت کی اس آواز کو دبا دیتے ہیں اور انسان اس کو پوری طرح سے سن نہیں پاتا اور پھر خدا کی ذات کے حوالے سے شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتا ہے۔ جب وہ کسی انتہائی مصیبت اور آفت کا شکار ہوتا ہے تو بیرونی اثرات کے پردے چھٹ جاتے ہیں اور ایسے حالات میں یہ اندرونی فطری آواز اس کو سنائی دیتی ہے اور وہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بڑے سے بڑا دہریہ بھی رام رام، اللہ اللہ پکارنا شروع کر دیتا ہے اور یہ بات بارہا ہمارے مشاہدے میں آئی ہے۔ قرآن نے اس حقیقت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۔ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۔ وَكَانَ الْإِنسَانُ كَفُورًا (بنی اسرائیل:68)

یعنی جب تمہیں سمندر میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے سوا ہر وہ ذات جس کو تم پکارتے ہو تمہاری نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف بچا کر لے جاتا ہے تو تم اس سے اعراض کرتے ہو اور انسان بہت ہی ناشکرا ہے۔

انسانی نفوس میں چھپی خدا کی ہستی کی اس فطری دلیل کے حوالے سے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (الذاریات:22) کہ خود تمہارے نفوس کے اندر بھی۔ پس کیا تم دیکھتے نہیں؟۔ یعنی یہ کہ تمہاری تو اپنی ذات میں اور تمہارے نفوس میں اللہ نے اپنی ہستی کے نشانات رکھ چھوڑے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ جب ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو ہمارا خیال اس کے بنانے والے کی طرف جاتا ہے۔ جیسے میز اور کرسی کو دیکھتے ہی اُس کے بنانے والے کی طرف دھیان جاتا ہے۔ حضرت خلیفۃُ المسیح الثانیؓ نے خدا کے وجود پر اونٹ کی مینگنیوں کی مثال دی ہے اگر وہ جنگل میں پڑی نظر آجائیں تو فوراً خیال گزرتا ہے کہ یہاں سے اونٹ گزرا ہو گا۔ صحرا میں ریت پر کسی آدمی کے پاؤں کے نشان دیکھ کر انسان یقین کر لیتا ہے کہ یہاں سے کوئی مسافر گزرا ہے تو کیا یہ زمین و آسمان، سورج، چاند اور ستاروں کو دیکھ کر خیال اس طرف نہیں جاتا کہ ان کا بھی کوئی بنانے والا ہو گا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اپنے وجود پر شک کرنے والوں کو یہی دلیل دیتے ہوئے ان کی عقلوں کو ان الفاظ میں جھنجوڑتا ہے۔ اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (ابراھیم:11) کہ اے لوگو! کیا تمہیں اس خدا کی ہستی پر شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔

پس اس کائنات کی تخلیق اور اس میں پائی جانے والی ترتیب اور نظام اور پھر اس کا بے عیب اور بے نقص ہونا اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ اس کائنات کا ایک صانع یعنی بنانے والا موجود ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ بعض اوقات ہم دنیا میں ایک کام محض احتیاطاً اختیار کرتے ہیں گو ویسے کسی معقول بنا پر ضروری نہ ہو۔ مثلاً اگر ہم رات کے وقت کسی جنگل بیابان میں ڈیرہ لگاتے ہیں تو احتیاطاً پہرہ کا انتظام کر لیتے ہیں۔ اسی اصول کے ماتحت اگر ہم ہستیٔ باری تعالیٰ کو دیکھیں تو ہماری عقل یہی فیصلہ کرتی ہے کہ خدا تعالیٰ پر ایمان لے آنا انکار کر دینے سے بہر حال زیادہ امن اور زیادہ احتیاط کا طریق ہے۔ اگر تو کوئی خدا نہیں اور یہ سارا کارخانۂ عالم محض کسی اتفاق کا نتیجہ ہے تو ظاہر ہے کہ خدا پر ایمان لانا کسی طرح نقصان دہ نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی خدا ہے تو ہمارا یہ ایمان لاریب سراسر مفید اور فائدہ مند ہو گا۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ہمارا خدا میں اس دلیل کو احتیاطی دلیل کا نام دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس حوالے سے قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

فَاَیُّ الۡفَرِیۡقَیۡنِ اَحَقُّ بِالۡاَمۡنِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ۔ (الانعام:82)

یعنی سوچو کہ کون گروہ امن کے زیادہ قریب ہے، انکار کرنے والا یا ایمان لانے والا؟

کسی نے حضرت علیؓ سے پوچھا تھا کہ خدا کی ہستی کا کیا ثبوت ہے؟ تو آپؓ نے یہی جواب دیا کہ دیکھو! تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اگر تو کوئی خدا نہیں ہے تو مان لینے والے اور نہ ماننے والے سب برابر ہیں۔ کسی کا کوئی نقصان نہیں ہے اور اگر خدا ہے تو خوب یاد رکھو کہ انکار کرنے والے کی خیر نہیں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم ہر چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر نہیں مانتے بلکہ بعض چیزوں کے وجود کا ہم سن کر بھی اقرار کر لیتے ہیں۔ مثلاً ہم میں سے بہت سارے ہیں جنہوں نے ملک چین کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا بلکہ وہ لوگ جو وہاں سے آئے یا جو وہاں گئے انہوں نے آکر ہمیں بتایا اور ہم نے ان پر اعتبار کر کے ان کی بات کو مانا اور اس بات پر یقین کر لیا کہ اس دنیا میں ایک ملک چین نام کا موجود ہے۔ جب ہم نے عام دنیادار لوگوں کی گواہی کو تسلیم کر لیا اور ملک چین کے وجود کے قائل ہو گئے تو پھر کس طرح ہم ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں راستبازوں اور صادقوں کی گواہی کو ردّ کر سکتے ہیں۔ وہ ایسے سچے تھے کہ وہ سچ کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔ جب یہ راستباز اور صادق اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ایک بالا ہستی جس کو خدا کہتے ہیں موجود ہے اور وہ ان سے باتیں کرتی ہے اور اُنہیں آئندہ کی خبریں دیتی ہے اور وہ باتیں جو وہ خدا کے بتانے پر زمانہ مستقبل کے بارے میں کرتے ہیں وہ مِن وعَن پوری بھی ہوتی ہیں تو پھر کیسے ان کی اس پختہ گواہی کو ردّ کر کے خدا کے وجود کا انکار کیا جا سکتا ہے اور ایسے لوگ دنیا کی ہر قوم، ہر ملک اور ہر علاقے میں ظاہر ہوئے۔ الغرض تمام دنیا کی مختلف قوموں کے راستبازوں کا متفق ہو کر خدا کے وجود کا اقرار کرنا اس کے واقعہ میں موجود ہونے کا ایک بڑا بھاری ثبوت ہے۔

پھر خدا کی ہستی کی ایک بھاری دلیل یہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے دعویٰ کیا کہ خدا ہے اور یہ کہ وہ خدا کی طرف سے آئے ہیں وہ ضرور کامیاب ہوئے اور وہ جنہوں نے ان کا انکار کیا ان کو جھٹلایا وہ ناکام و نامراد ہوئے۔ یہ صرف دعویٰ نہیں بلکہ تاریخ انبیاء اس پر شاہد ہے۔ حضرتِ موسیٰؑ کے مقابلہ میں فرعون آیا وہ ایک جابر بادشاہ تھا اُسے بڑی طاقت حاصل تھی حضرت موسیٰؑ ایک کمزور شخص تھے لیکن خدا پر ایمان اور اس کی تائید و نصرت کے وعدے آپ کے ساتھ تھے۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ خدا نے کس طرح فرعون کو تہس نہس کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کامیاب و کامران کیا۔ یہی صورتحال ہمیں حضرت ابراہیمؑ، حضرت عیسیٰؑ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے حوالے سے نظر آتی ہے۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ

وسلم جو سب انبیاء کے سردار تھے آپ نے مکہ والوں کے سامنے خدا کا وجود پیش کیا۔ وہ جنہوں نے انکار کیا کیسے تباہی و بربادی اُن کا مقدر بنی یہ کسی سے مخفی نہیں۔ اللہ نے آپؐ کی زندگی میں آپؐ کو فتح اور غلبہ سے ہمکنار فرمایا۔ آج اس زمانے میں دیکھ لیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا۔ آپؑ نے بھی لوگوں کو خدائے واحد کی طرف بلایا اور فرمایا کہ اللہ نے مجھے خبر دی ہے کہ وہ آپ کی تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچائے گا۔ ہر مذہب کے ماننے والوں نے آپؑ کی مخالفت کی آپؑ کو اپنے مشن میں ناکام کرنا چاہا اور آپؑ کو پیغام کو دبانے کی کوشش کی۔ لیکن ہم گواہ ہیں کہ آپؑ کے مخالفین نے ہر محاذ پر شکست کھائی اور اللہ نے آپؑ کو اور آپؑ کی جماعت کو کامیاب فرمایا۔ یہی وہ بات ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں کئی جگہ پر فرمایا ہے۔ سورۃ مجادلہ آیت 22 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات مقدّر کر چھوڑی ہے کہ وہ یعنی اللہ اور اس کے رسول غالب آئیں گے۔ اب خدا کے رسولوں کا ہر دفعہ غالب آنا اور ان کے مخالفین کا خائب و خاسر رہنا اس بات کی مضبوط دلیل ہے کہ سب طاقتوں کی مالک ہستی موجود ہے جس کی تائید و نصرت سے انبیاء کامیاب ہوتے ہیں اور ان کے مخالفین ناکام و نامراد رہتے ہیں۔

اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان کو مستحکم کرنے اور اس سے مضبوط اور قریبی تعلق پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو مبعوث فرمایا ہے۔ وہ لوگ جو فلسفیانہ خیالات کے اثر کے وجہ سے دہریت کا شکار ہو گئے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اسلام کی پُر حکمت اور زندگی بخش تعلیم کو اس طرح پیش فرمایا کہ اس کی بدولت دہریت کا سحر ٹوٹ گیا۔ جس نے بھی آپؑ کی تحریرات اور ملفوظات سے استفادہ کیا۔ اس کی دہریت ہمیشہ ہمیش کے لئے کافور ہو گئی اور وہ نہ صرف یہ کہ خدا کی ہستی کا قائل ہو گیا بلکہ روحانی طور پر بھی خدا کے فضل سے اس کی کایا پلٹ گئی۔ حضرت مسیح موعودؑ کے ایک صحابی میاں محمد الدین صاحب جن کا تعلق کھاریاں سے تھا اور جو آریہ برہمو کے لیکچروں کے بد اثر کی وجہ سے دہریہ ہو چکے تھے اور لایعنی زندگی بسر کر رہے تھے انہیں حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب براہین احمدیہ کہیں سے مل گئی۔ اس کے مطالعہ نے آپ کی دہریت کو پاش پاش کر دیا۔

آپ اس بارے میں خود بیان فرماتے ہیں کہ

”جب مَیں پڑھتے پڑھتے ہستی باری تعالیٰ کے دلائل کو پڑھتا پڑھتا صفحہ 90 کے حاشیہ نمبر 3 اور صفحہ نمبر 149 کے حاشیہ نمبر 11 پر پہنچا تو معاً میری دہریت کافور ہو گئی اور میری آنکھ ایسے کھلی جس طرح کہ کوئی سویا ہوا یا مرا ہوا جاگ کر زندہ ہو جاتا ہے۔ سردی کا موسم تھا۔ جنوری 1893ء کی 19/ تاریخ تھی۔ آدھی رات کا وقت تھا کہ جب یہی ہونا چاہئے اور ہے کہ مقام پر پہنچا۔ معاً توبہ کی، کورا گھڑا پانی کا بھرا ہوا باہر صحن میں پڑا تھا۔ سرد پانی سے لاچا تہ بند پاک کیا۔ میرا ملازم مسمّٰی منگتو سو رہا تھا۔ وہ جاگ پڑا اور مجھ سے پوچھا کیا ہوا، کیا ہوا، لاچا مجھ کو دو مَیں دھوتا ہوں۔ مگر مَیں اس وقت ایسی شراب پی چکا تھا کہ جس کا نشہ مجھے کسی سے کلام کرنے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ آخر منگتو اپنا سارا زور لگا کر خاموش ہو گیا اور گیلا لاچا پہن کر نماز پڑھنی شروع کی اور منگتو دیکھتا گیا۔ محویت کے عالَم میں نماز اس قدر لمبی ہوئی کہ منگتو تھک کر سو گیا اور مَیں نماز میں مشغول رہا۔ پس یہ نماز براہین نے پڑھائی کہ بعد ازاں اب تک مَیں نے نماز نہیں چھوڑی۔ عین جوانی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ ایمان جو ثریا سے شاید اوپر ہی گیا ہوا تھا اُتار کر میرے دل میں داخل کیا۔ اور مسلماں را مسلماں باز کردن کا مصداق بنایا۔ جس رات مَیں بحالت کفر داخل ہوا تھا اس کی صبح مجھ پر بحالت اسلام ہوئی۔“

(رجسٹر روایات صحابہ نمبر 7 صفحہ 46-47)

حضرت مسیح موعودؑ کا ایک اقتباس پیش ہے۔ آپؑ زندہ خدا سے اپنے زندہ تعلق کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

”ہمارا زندہ حیؒ و قیوم خدا ہم سے انسانوں کی طرح باتیں کرتا ہے۔ ہم ایک بات پوچھتے اور دُعا کرتے ہیں تو وہ قدرت کے بھرے ہوئے الفاظ کے ساتھ جواب دیتا ہے۔ اگر یہ سلسلہ ہزار مرتبہ تک بھی جاری رہے تب بھی وہ جواب دینے سے اعراض نہیں کرتا۔ وہ اپنے کلام میں عجیب در عجیب غیب کی باتیں ظاہر کرتا ہے اور خارق عادت قدرتوں کے نظارے دکھلاتا ہے یہاں تک کہ وہ یقین کرا دیتا ہے کہ وہ وہی ہے جس کو خدا کہنا چاہئے۔ دُعائیں قبول کرتا ہے اور قبول کرنے کی اطلاع دیتا ہے۔ وہ بڑی بڑی مشکلات حل کرتا ہے اور جو مُردوں کی طرح بیمار ہوں ان کو بھی کثرتِ دُعا سے زندہ کر دیتا ہے اور یہ سب ارادے اپنے

قبل از وقت اپنے کلام سے بتلا دیتا ہے۔ خدا وہی خدا ہے جو ہمارا خدا ہے وہ اپنے کلام سے جو آئندہ کے واقعات پر مشتمل ہوتا ہے ہم پر ثابت کرتا ہے کہ زمین و آسمان کا وہی خدا ہے۔ وہی ہے جس نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ مَیں تجھے طاعون کی موت سے بچاؤں گا اور نیز ان سب کو جو تیرے گھر میں نیکی اور پرہیز گاری کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں بچاؤں گا۔ اس زمانہ میں کون ہے جس نے میرے سوا ایسا الہام شائع کیا اور اپنے نفس اور اپنی بیوی اور اپنے بچوں اور دوسرے نیک انسانوں کے لئے جو اس کی چار دیواری کے اندر رہتے ہیں خدا کی ذمہ داری ظاہر کی۔"

(نسیم دعوت، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 448-449)

معزز سامعین! پس اسلام کا بنیادی مقصد توحیدِ الٰہی کا قیام ہے۔ اس کا ہر حکم، ہر تعلیم اور ہر ہدایت دراصل توحید ہی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اِسی لیے اسلام کی بنیاد کلمہ طیبہ پر ہے، یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ ایک مسلمان بچے کی ولادت پر اُس کے کان میں سب سے پہلی آواز اذان اور اقامت کی صدا ہوتی ہے، جس میں تمام عظمت و جبروت اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ہی منسوب کی گئی ہے۔ آٹھ دس سال کا ہونے پر اُسے نماز کی تلقین کی جاتی ہے اور اُس کا ماحول ایسا ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت توحید کی آواز ہی سنتا ہے۔ اذان، اقامت وغیرہ میں اور پھر نماز میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے ہی سامنے انتہائی تذلّل کروایا جاتا ہے اور ماسوائے اللہ سے بریّت کروائی جاتی ہے۔ ہر روز پانچ وقت کا یہ سبق ناقابل فراموش ہوتا ہے۔ مرتے وقت کے لئے بھی ارشاد نبویؐ ہے "مَن کَانَ آخِرَ کَلَامِہٖ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃِ" کہ جو شخص آخری وقت میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا پابند ہو گا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ جنازہ پڑھنے اور میت کو لحد میں اُتارنے کے وقت بھی خدا تعالیٰ کی کبریائی کا ہی سبق دیا ہے، چنانچہ فرمایا۔ اپنے قریب المرگ لوگوں کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلقین کرو۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز باب تلقین الموتیٰ لاالٰہ الا اللہ)۔ اِسی طرح ایک قریبُ المرگ بچے کے متعلق آپؐ نے شدید خواہش کا اظہار فرمایا کہ کاش! یہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھ کر مسلمان ہو جائے۔ جب اُس بچے نے کلمہ طیبہ پڑھا تو آپؐ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور کہتے جاتے کہ یہ بچہ جنت میں داخل ہو گیا۔

اسلام میں جس طرح توحید پر زور دے کر اس کی اہمیت کو اُجاگر کیا گیا ہے، ویسے ہی توحید کے متبادل شرک کی مذمت بھی بہت کی ہے۔ قرآنِ مجید اس پہلو سے بھی واضح احکام سے بھرا پڑا ہے، جیسا کہ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا

(النساء:49)

کہ یقیناً اللہ معاف نہیں کرے گا کہ اُس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ سب کچھ معاف کردے گا جس کے لئے وہ چاہے اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے تو یقیناً اس نے بہت بڑا گناہ افترا کیا ہے۔

حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی روشنی میں شرک کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ حضرت عبد اللہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَيُّ الذَّنْبِ اَعْظَمُ؟ کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ۔ یعنی یہ کہ تُو کسی کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر ٹھہرائے، حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے۔

(سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب فی تعظیم الزنا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی بصیرت نے دیکھا کہ مجھ سے پہلے بعض نبیوں کو لوگوں نے خدا یا خدا کا بیٹا بنایا تھا، ایسا نہ ہو کہ میری اُمّت کے لوگ بھی میرے کاموں کی وجہ سے کبھی شرک کے گندے عقیدے میں مبتلا ہو جائیں، اس لئے آپؐ کسی فرد کے مسلمان ہونے پر اُس سے اقرار لیتے۔

"اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"

کہ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

گویا آپؐ نے توحید کو راسخ کرنے کے لئے ابتداء سے ہی ایک مسلمان کو توحید کا سبق دیا۔ نیز انبیاء پرستی، اولیاء پرستی اور قبر پرستی سے بڑی سختی سے منع فرمایا اور بڑی سخت تنبیہ فرمائی۔ چنانچہ اس ضمن میں بڑی واضح اور قطعی احادیث موجود ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو مَیں آپؐ کی قبر کو کھلا رکھتی

لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں اُسے بھی مسجد نہ بنالیا جائے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدعت کے ڈر سے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی:

اَللّٰھُمَّ لَا تَجعَلْ قَبرِیْ وَثَنَاءً لَعِنَ اللّٰہُ قَوماً اِتَّخَذُوْا قَبُورَ اَنبِیَاءِھِمْ مَسَاجِدَ

(مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 246 مطبوعہ بیروت)

کہ اے اللہ! میری قبر کو بت پرستی کی جگہ نہ بنانا، اللہ اس قوم پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو مساجد بنالیا۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی امتوں کے بگاڑ کے نتیجے میں اپنی امت کو اس بگاڑ سے ہوشیار کیا اور اس بدعت میں پڑنے سے سختی سے روکا۔ چنانچہ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ غور سے سنو! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء اور صلحاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو مسجدیں نہ بنالینا، مَیں تمہیں اس سے سختی سے منع کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ باب النھی عن بناء المسجد علی القبور)

خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ امت محمدیہ اس فرمان محمدیؐ پر کاربند ہے۔ لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں کا ایک طبقہ اپنی جہالت کی وجہ سے قبر پرستی اور اولیاء پرستی جیسی گمراہی میں پڑ گیا۔ حالانکہ ان کے اس فعل کا اسلام سے دور دور کا بھی تعلق نہیں، جیسا کہ مندرجہ بالا احادیث سے ظاہر ہے۔ اولیاء پرستی کی یہ بدعت بگڑے ہوئے مسلمانوں کا فعل ہے اور مسلمانوں کی اکثریت قبر پرستی کرنے والی اس اقلیت کو ردّ کرتی ہے اور ان کے اس فعل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ پس ایک محدود طبقے کے خود ساختہ اور خود وضع کردہ عقائد و عادات کو پورے اسلام پر چسپاں نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"پس نشان دکھانا اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا ہے۔ آپؐ نے ہمیں ان آیات کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر اُتاریں یہ بتادیا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لئے اس کی راہ میں کوشش اور جہاد ضروری ہے۔ پس یہ نشانی بتادی۔ اب کوشش کرنا تمہارا کام ہے۔ علامات بتادیں، دلائل دے دیے

کہ خدا ہے اور ہونا چاہئے۔ دنیا کو پیدا کرنے والا ہے، زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا ہے لیکن اس تک پہنچنے کے لئے تمہاری کوشش ضروری ہے۔

پس اللہ تعالیٰ پیروں فقیروں کے ذریعہ سے نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے آپؐ کو بتائے ہوئے جو طریق ہیں ان پر عمل کرنے اور چلنے سے ملتا ہے اور پھر اگر خدا تعالیٰ کی علامتوں کا پتہ کرنا ہے تو پھر معجزات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھائے۔ وہ معجزے بھی، اعجازی نشان بھی سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی دکھائے ہیں۔ پیروں فقیروں کے اعجازی نشان زیادہ نہیں ہو سکتے۔ اُن اعجازی نشانوں کو چھوڑ کر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھائے یہ جو نام نہاد فقیروں کے معجزات ہیں، پیروں فقیروں کے معجزات کے نام پر جو دھوکے ہیں ان کو خدا سے ملنے کا ذریعہ نہیں سمجھنا چاہئے۔ یہ خود اپنے نفس پر بھی ایک بہت بڑا دھوکہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانات کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس اللہ اس تک خود پہنچتا ہے جو ان علامات کے مطابق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائیں اسے تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اُس طریق کے مطابق تلاش کرتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آیات میں بیان کئے ہیں۔ پس اس کے مطابق ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو تلاش کریں۔"

(خطبہ جمعہ 21 دسمبر 2007ء)

فرمایا:

" دنیا کو تباہی سے بچانے کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ لوگ رحمن خدا کو سمجھیں ورنہ رحمن خدا کے احسانوں کی قدر نہ کرنے کی وجہ سے ایسے عذابوں میں مبتلا ہوں گے جو کبھی بیماریوں کی صورت میں آتا ہے۔ کبھی ایک دوسرے کی گردنیں مارنے کی صورت میں آتا ہے۔ کبھی ایک قوم دوسری قوم پر ظالمانہ رنگ میں چڑھائی کر کے ان سے ظالمانہ سلوک کر کے عذاب کو دعوت دیتی ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمینی اور سماوی عذاب آتے ہیں۔ پس دنیا کو ان عذابوں سے بچانے کی کوشش کرنا ہمارا کام ہے، جس کا بہترین ذریعہ جیسا کہ مَیں نے کہا اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ پر معاملہ چھوڑنا ہے کیونکہ مُردوں کو زندگی دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ پس یہ ایک بہت بڑا فرض ہے جو احمدیت میں شامل ہونے کے بعد ہم پر عائد ہوتا

ہے۔ اپنے اپنے ماحول میں، اپنے عمل سے بھی اور دوسرے ذرائع سے بھی رحمن خدا کا یہ پیغام پہنچائیں۔ اس انعام کا دوسروں کے سامنے بھی اظہار کریں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے اور یہ کرنے سے ہی پھر ہم بھی رحمن خدا سے ڈرنے والوں میں شمار ہوں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہی، اللہ تعالیٰ کا ایسا خوف جو اس کی محبت حاصل کرنے کے لئے ہو، اس کا یہ پیغام پہنچا رہے ہوں گے۔"

(خطبہ جمعہ 19 جنوری 2007ء)

پیارے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس زندہ خدا کا پیغام اس زمانے کے امام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق کی اتباع میں دنیا کو پہنچانے والے ہوں اور دنیا کو یہ احساس دلانے والے ہوں کہ زندہ خدا ہے، موجود ہے، اب بھی سنتا ہے، نشان بھی دکھاتا ہے۔ اس کی طرف لَوٹو۔ اس کی طرف آؤ۔ اور ہم خود بھی اس خدا سے زندہ تعلق پیدا کرنے والے ہوں اور اس تعلیم پر عمل کرنے والے ہوں۔ اس کی عبادت کا حق ادا کرنے والے ہوں۔ اس کی صفات کا صحیح ادراک حاصل کرنے والے ہوں۔ اس کے انعامات کے وارث ہوں۔ ہماری نسلیں بھی اور ہم بھی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے شرک سے ہر طرح محفوظ رہیں۔"

(خطبہ جمعہ 18 اپریل 2014ء)

(اِس تقریر کی تیاری میں گوگل پر موجود ایک مضمون سے مدد لی گئی ہے)

﴿5﴾ ﴿مشاہدات۔968﴾

"قبولیتِ دعا ہستی باری تعالیٰ کی زبردست دلیل ہے"

(مسیح موعودؑ)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ (البقرۃ:187)

کہ جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں تو یقیناً مَیں قریب ہوں۔ مَیں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ پس چاہئے کہ وہ بھی میری بات پر لبّیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

وقت کے رنگ پھر کیا سے کیا ہو گئے
سارے نمرود و فرعون ہوا ہو گئے
سطوت کجکلاہی ملی خاک میں
اور دیئے ہم فقیروں کے جلتے رہے

سامعین کرام! کچھ دنوں سے خاکسار اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلائل دے رہا ہے۔ اس ضمن میں 10 کے قریب تقاریر تیار ہو کر ویب سائیٹ پر آویزاں کر دی گئی ہیں۔ اِن میں سے ایک دلیل دُعا اور اس کی قبولیت کے حوالہ سے ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ "قبولیتِ دعا ہستی باری تعالیٰ کی زبردست دلیل ہے" (ملفوظات جلد 3 صفحہ 6) انہی الفاظ کو مَیں نے آج کی تقریر کا عنوان بنایا ہے۔ آج کی تقریر کو "دُعا کی آنکھیں" کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جس کو خدائی کا جلوہ دیکھنا ہو اُسے چاہئے کہ دُعا کرے۔ اِن آنکھوں سے وہ نظر نہیں آتا بلکہ دُعا کی آنکھوں سے نظر آتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 618)

دعا گو ایک تین حرفی لفظ ہے۔ لیکن اہمیت، برکات اور انعامات و افضال کے لحاظ سے ایک بہتا اور ٹھاٹیں مارتا سمندر اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ جس طرح گہرے سمندر سے مہنگے موتی اور مونگے تلاش کرنے کے لئے غوطہ زن غوطے لگاتا اور گُھپ اندھیرے سمندر کی گہرائیوں سے قیمتی ہیرے جواہرات تلاش کرتا ہے اِسی طرح دُعا کرنے والا جب اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر دنیا ومافیہا کے سب سے قیمتی ہیرے اللہ تعالیٰ کی تلاش کے لئے نکلتا ہے۔ نمازیں، نوافل، رات کی عبادات اور تسبیح و تحمید سے اللہ تعالیٰ کو ڈھونڈتا ہے تو دنیا کے سب سے قیمتی ہیرے کو وہ پا لیتا ہے۔ سمندر کے ہیرے جواہرات اور اللہ جیسے قیمتی، بے مِثل ہیرے میں فرق یہ ہے کہ سمندر کے ہیرے جواہرات کو تلاش کرنے والے کو اِن جواہرات تک خود پہنچنا پڑتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی تلاش میں اللہ بھی متلاشی کی طرف بڑھتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگر مؤمن ایک قدم اللہ کی طرف بڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ دو قدم متلاشی مؤمن کی طرف اُٹھاتا ہے۔ کیونکہ دُعا ایسی شئے ہے جو انسان اور خدا کے درمیان رابطہ کا کام کرتی ہے اور اُس رشتہ اور تعلق کو استوار کرتی ہے جو ازل سے خدا اور بندے کے درمیان قائم ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کی عظمت کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

"ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے ہماری اعلیٰ لذّات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوب صورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھادوں۔ کس دَف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سُن لیں اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سُننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔

اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگے گا تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اُسے دیکھے گا اور اس کے منصوبے کو توڑے گا تم ابھی تک نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدرتیں ہیں۔ اور اگر تم جانتے تو تم پر کوئی ایسا دن نہ آتا کہ تم دنیا کے لئے سخت غمگین ہو جاتے ایک شخص جو ایک خزانہ اپنے پاس رکھتا ہے کیا وہ ایک پیسہ کے ضائع ہونے سے روتا ہے اور چیخیں مارتا ہے اور ہلاک ہونے لگتا ہے پھر اگر تم کو اس خزانہ کی اطلاع ہوتی کہ خدا تمہارا ہر ایک حاجت کے وقت کام آنے والا ہے تو تم دنیا کے لئے ایسے بے خود کیوں ہوتے خدا ایک پیارا خزانہ ہے اُس کی قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے تم بغیر اُس کے کچھ بھی نہیں اور نہ تمہارے اسباب اور تدبیریں کچھ چیز ہیں... میں تمہیں حد اعتدال تک رعایت اسباب سے منع نہیں کرتا بلکہ اس سے منع کرتا ہوں کہ تم غیر قوموں کی طرح نرے اسباب کے بندے ہو جاؤ اور اُس خدا کو فراموش کر دو جو اسباب کو بھی وہی مہیا کرتا ہے اگر تمہیں آنکھ ہو تو تمہیں نظر آجائے کہ خدا ہی خدا ہے اور سب ہیچ ہے۔“

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 21-22)

اور دُعا کے حوالے سے آپؑ فرماتے ہیں:

”دُعا میں خدا تعالیٰ نے بڑی قوتیں رکھی ہیں۔ خدا نے مجھے بار بار الہامات کے ذریعہ یہی فرمایا ہے کہ جو کچھ ہو گا دُعا کے ذریعہ سے ہو گا۔ ہمارا ہتھیار تو دعا ہی ہے اور اس کے سوا کوئی ہتھیار میرے پاس نہیں ہے۔ جو کچھ ہم پوشیدہ خدا سے مانگتے ہیں۔ خدا اس کو ظاہر کر کے رکھ دیتا ہے۔“

(سیرت حضرت مسیح موعود از یعقوب علی عرفانیؓ صفحہ 518)

سامعین! اوپر جو مضمون خاکسار نے بیان کیا ہے اس کی تصدیق میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

”دُعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اُس کے رب میں ایک تعلق جاذبہ ہے یعنی پہلے خدا تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ پھر بندہ کے صدق کی کشش سے خدا تعالیٰ اُس سے نزدیک ہو جاتا ہے اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواصِ عجیبہ پیدا کرتا ہے۔ سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ

جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردہ کو چیرتا ہوا فنا کے میدان میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہِ الوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔“

سامعین! جہاں تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد ”دُعا کی آنکھیں“ کا تعلق ہے جن سے خدا کو دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ مضمون سورۃ الانعام کی آیت 104 میں یوں بیان فرمایا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں ہاں وہ خود آنکھوں تک پہنچتا ہے اور وہ بہت باریک بین اور ہمیشہ باخبر رہنے والا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اِس آیت کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔

”عوام النّاس سمجھتے ہیں کہ نظر آنکھ کی پُتلی سے نکل کر دور کی چیزوں کو دیکھتی ہے حالانکہ اِس آیت میں اِس کا واضح ردّ ہے اور بتایا گیا ہے کہ روشنی خود آنکھ تک پہنچتی ہے اور یہی مضمون اللہ تعالیٰ کی بصیرت رکھنے والوں پر صادق آتا ہے۔ کسی کو اختیار نہیں کہ وہ خود خدا تعالیٰ کو اپنے دل کی آنکھ سے بھی دیکھ سکے۔ ہاں! خدا جب خود چاہے تو اپنے نیک بندوں پر ظاہر بھی ہوتا ہے“

(ترجمۃ القرآن صفحہ 225)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس آیت کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ:

”انسان اپنے علم کے زور سے اُسے نہیں دیکھ سکتا مگر خدا تعالیٰ اپنے فضل سے اُس کے پاس آکر جلوہ گر ہوتا ہے اور اس طرح انسان کو اس کی رؤیت ہوتی ہے۔“

(فٹ نوٹ زیر آیت سورۃ الانعام:104)

یہ تمام کام دن رات کی آنسوؤں سے بھیگی آنکھوں کے پانی سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابھی دُور کی بات نہیں۔ پاکستان میں ایک مطلق العنان جابر حکمران جنرل ضیاء الحق کی سیاہ کاریوں کی سیاہی ابھی نہیں سوکھی کہ آج بھی پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ پاکستان میں کلاشنکوف کا کلچر ضیاء کی دین ہے۔ دہشت گردی، فرقہ واریت اِسی کی پیداوار ہے۔

کسی نے اِس ڈکٹیٹر کو مخاطب ہو کر کہا کہ

جان تیری نوں رونے پئے آں
آج بھی لاشاں ڈھونے پئے آں

یہی وہ شخص تھا جس نے جماعت احمدیہ کو اسلام کے لئے کینسر قرار دیا تھا اور یہ اعلان کیا تھا کہ مَیں اِس کو نکال باہر پھینکوں گا۔ یہی وہ شخص تھا جس نے جماعت احمدیہ میں خلافت جیسے مبارک نظام کو ختم کرنے اور کروانے کی کوششیں کیں۔ یہی وہ شخص تھا جس نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کو قید کرکے جیل میں ڈالنے کے اشارے دئے اور یہی وہ شخص تھا جس نے حضور رحمہ اللہ کو بیرون ملک جانے سے روکنے کے احکامات جاری کر رکھے تھے۔ مگر حضورؒ اور احباب جماعت کی دعاؤں سے ہم نے زندہ خدا کو زمین پر اُترتے اور اِس شیطانی صفت اِس شخص کو اپنی گرفت میں لیتے دیکھا۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اِس کو للکارا اور سات دن کے اندر اندر اِس کو اللہ تعالیٰ نے ہوا میں اُڑا دیا اور اس کا نام ونشان دنیا سے مٹا دیا گیا۔ وہ گو ظاہری طور پر مسجد فیصل اسلام آباد کے احاطہ میں مدفون ہے۔ مگر اِس کی خاک کے ساتھ امریکی سفیر اور رافیل کے کُتے کی خاک بھی موجود ہے۔ جہاں اِس جابر مطلق العنان کی قبر ہے وہاں اِس چوک کو ”جبڑا چوک“ کا نام دے دیا گیا کہ اس قبر میں صرف اس شخص کا جبڑا دفن ہے۔ اِسی پر بس نہیں بلکہ جہاں اس فرعون آخر الزماں کا دریائے ستلج کے قریب بستی لال کمال پر اس کا محفوظ ترین جہاز ہوا میں اُڑا اور ملبہ جہاں گرا وہ تقسیم ہند سے قبل شمشان گھاٹ تھی جہاں ہندو اپنے مُردے جلایا کرتے تھے۔ یہ تھا اِس کا بے ہانک انجام جس نے احمدیت کو کینسر قرار دیا۔ خدا نے اِس کا خاتمہ ایسا کیا کہ اس کو طبعی موت نصیب نہ ہوئی اور حضورؒ کے الفاظ کہ خدا اِسے ہوا میں اُڑا دے گا پورے ہوئے۔

”پاکستان میں پہلی مرتبہ جناب دولتانہ نے قادیانی مسئلہ کو اُٹھایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اِس کے بعد آج تک وہ اقتدار کی کرسی سے محروم رہے۔ پھر جناب ایوب خان نے اپنے اقتدار کے ڈوبتے ہوئے دور میں اِسی مسئلہ کا سہارا لینا چاہا۔ انہوں نے اپنے بارہ میں مرزائیت سے بریّت کے بیانات اخبارات اور ریڈیو پر نشر کئے۔ صدر کے ایماء پر اس وقت کے گورنر مغربی پاکستان امیر محمد خان نے مرزا غلام احمد قادیانی کی اہم کتاب کو ضبط کیا۔ مگر یہ ان کے متزلزل اقتدار کو طول نہ دے سکا۔ بلکہ رسوا ہو کر اقتدار سے علیحدہ ہوئے۔ پھر بھٹو جن کی پارٹی اور حکومت بذات خود مرزائیوں کی اِمداد اور اعانت سے بر سر اقتدار آئی تھی نے اپنی گرتی ہوئی ساکھ اور ڈوبتے ہوئے اقتدار کو سنبھالا اور طول دینے کے لئے اپنی محسن مرزائی جماعت کی گردن پر وار کیا اور ایسا وار کہ 90 سالہ مسئلہ حل کر ڈالا۔ بھٹو کا خیال تھا کہ اِس مسئلہ کو حل کرنے کے بعد اب اُنہوں

نے پاکستانی عوام کے دِل جیت لئے ہیں اور اب وہ تاحیات پاکستان کے وزیر اعظم رہیں گے۔ لیکن ان کا یہ خیال شر مندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ اب صدر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے مرزائیت سے بریّت کا اعلان واشگاف الفاظ میں کیا ہے اور مرزائیوں کو کلیدی آسامیوں سے علیحدہ کرنے کا عہد کیا ہے۔ لیکن ماضی کو سامنے رکھتے ہوئے دل کانپ جاتا ہے کیونکہ ماضی میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جنہوں نے بھی قادیانی مسئلہ کو اٹھایا یا چھیڑا وہ اِقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اِس کے پس پردہ کون سے عوامل یا غیبی طاقت کار فرما ہے وہ پوری قوم کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔"

(روزنامہ جنگ لاہور 13 دسمبر 1982ء)

سامعین! ہم نے زندہ خدا کی خدائی کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دَور میں بارہا دیکھا کہ دعاؤں کی قبولیت سے خدا نے اپنی خدائی کے جلوے دکھلائے جیسے ایک طالب علم عبد الکریم کے نام سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے قادیان آیا تھا۔ جسے ایک باؤلے کتے نے کاٹ کھایا۔ جس سے وہ خود پاگل ہو گیا۔ اُس کو علاج کی غرض سے رسولی بھجوایا گیا۔ جہاں سے ڈاکٹرز نے غور و خوض کے بعد یہ تار بھجوائی کہ

Sorry, nothing can be done for Abdul Karim

کہ افسوس! عبد الکریم کے لئے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔

تب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ کی طرف رجوع کیا اور دعائیں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور عبد الکریم صحت مند ہوا اور اُن صحابہ نے جو اُس وقت موجود تھے زندہ خدا کو دیکھا اور زندہ خدا کی گواہی دی۔

سامعین! قبولیت دعا کے ذریعہ خدا کی خدائی کا ایک واقعہ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوری سے سنیئے۔ آپ فرماتے ہیں:

"حیات بقاپوری کے انگریزی ایڈیشن کی اشاعت کا خیال تھا۔ جس کا انگریزی ترجمہ مکرم ماسٹر محمد علی صاحب بی اے۔ بی ٹی نے کیا تھا۔ اس ترجمہ کے متعلق بعض بزرگان کی رائے تھی کہ چونکہ یہ کتاب یورپ و امریکہ میں بھیجنی ہے۔ اس لئے، اگر اس ترجمہ پر مکرم اخوند عبد القادر صاحب پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ نظر ثانی فرمالیں تو بہتر ہے۔ کیونکہ انہیں انگریزی میں اعلیٰ دسترس ہے۔ اتفاق

سے اسی شام کے وقت اخوند صاحب موصوف میرے مکان پر تشریف لائے اور اپنے بیٹے کے متعلق فرمایا کہ اس سال اس نے بی۔اے کا امتحان دینا ہے۔ اس کی اعلیٰ نمبروں پر کامیابی کے لئے دعا فرمائیں۔ مَیں نے جان لیا کہ یہ تقریب اللہ تعالیٰ نے میری کتاب کے ترجمہ کی نظر ثانی کے لئے پیدا فرمائی ہے اور وہ اپنے فضل و کرم سے اس کے لڑکے کو بھی کامیاب فرمائے گا۔ مَیں نے اخوند صاحب موصوف سے وعدہ کیا کہ مَیں آپ کے لڑکے کے لئے ان شاء اللہ تعالیٰ دعا کروں گا۔ لیکن میرا ابھی ایک کام ہے۔ وہ آپ سرانجام فرمادیں اور بتایا اس پر انہوں نے فرمایا۔ پرسوں آپ کی کتاب لے جاؤں گا اور دعا کا نتیجہ بھی جو ظاہر ہوا سن جاؤں گا۔ مَیں نے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے بندہ نوازی فرماتے ہوئے اطلاع دی کہ "وہ اعلیٰ نمبروں پر پاس ہو جائے گا۔" دوسرے دن اخوند صاحب بھی آگئے۔ انہیں یہ خوشخبری سنائی گئی اور وہ خوش خوش میری کتاب بھی لے گئے۔ الحمد للہ نتیجہ نکلنے پر ان کا لڑکا کامیابی میں اول نمبر پر آیا اور میری کتاب کا ترجمہ بھی شاندار طور پر مقبول ہوا۔ چنانچہ یہ کتاب جلسہ سالانہ 1956ء پر شائع ہوئی اور زبان دانی کے لحاظ سے اس کی انگریزی ہائی نکلی۔ فالحمد للہ۔"

(حیات بقاپوری حصہ سوم صفحہ 121-123)

سامعین! اِسی طرح لکھتے ہیں کہ جون 1957ء کا واقعہ ہے کہ

"عزیز قاضی لئیق احمد کا خط نیروبی افریقہ سے آیا کہ جولائی 1957ء میں میرا سالانہ امتحان ہونے والا ہے۔ خاص کامیابی کے لئے دعا کی درخواست ہے۔ مَیں نے اس کے لئے متواتر کئی دنوں تک دعا کی۔ جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ ہوا کہ لئیق احمد اعلیٰ نمبروں میں کامیاب ہو گا۔ مَیں نے یہ خوش خبری اس کو لکھ کر بھیج دی۔ جو بر وقت اُسے مل گئی۔ بعد امتحان و ظہور نتیجہ اس کی طرف سے مندرجہ خط ملا۔

امید ہے۔ آپ بفضلہٖ تعالیٰ بخیریت و عافیت سے ہوں گے۔ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مَیں امتحان میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ آپ نے شروع میں ہی مجھے اپنی قبولیت دعا کی بشارت دے دی تھی۔ الحمد للہ۔ ثم الحمد للہ کہ ایسا ہی ہوا۔ یہ دو سال کا کورس تھا۔ جو مَیں نے ایک سال میں ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔ پھر مَیں دوران امتحان میں بعارضہ انفلوئنزا بیمار رہا۔ اس کے باوجود میرا پاس

ہو جانا اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و احسان ہے جو سراسر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خاص توجہ اور آپ جیسے بزرگان کرام کی دعاؤں کے طفیل ہے۔"

(حیات بقاپوری حصہ سوم صفحہ 126-128)

قبولیتِ دعا کے ذریعہ خدا کے وجود کی گواہی کے لئے ایک اور واقعہ پیش ہے۔

"چوہدری حمید اللہ خان صاحب کے لئے امتحان میں کامیابی کے لئے دعا کی تھی۔ انہوں نے ایل ایل بی کا امتحان دیا تھا۔ اثناء دعا القاء ہوا کہ

"اگر وہ تمہارے مکان پر آجائے تو کامیاب ہوگا۔"

بات دراصل یہ تھی کہ 30 کی صبح کو جبکہ مَیں مکرم ظہور احمد صاحب باجوہ کے مکان پر گیا تھا اور چوہدری صاحب بھی وہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں ہی آپ نے مجھے دعا کے لئے کہا۔ جس کا مَیں نے وعدہ کر لیا تھا ۔ مگر الٰہی منشاء یہ تھا کہ انہیں میرے مکان پر آنا چاہئے چنانچہ اس کی اطلاع چوہدری صاحب کی ہمشیرہ کے ذریعہ انہیں بھجوادی۔ جس کے بعد وہ تین دفعہ میرے مکان پر آئے۔ 6 اگست کو نتیجہ نکلا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے چوہدری صاحب کامیاب رہے۔ فالحمدللہ۔"

(حیات بقاپوری حصہ سوم صفحہ 131)

سامعین! مکرم حافظ عبد الرحمٰن بٹالوی حضرت مولوی شیر علی صاحب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت مولوی شیر علی صاحب کا معمول تھا کہ یونیورسٹی کے امتحانات جب شروع ہوتے تھے تو حضرت مولوی صاحب بلاناغہ روز تشریف لاتے اور لڑکوں کی معیت میں نہایت الحاح سے دعا کرتے پھر تمام لڑکے ہال میں داخل ہو جاتے۔ ایک دفعہ حضرت مولوی صاحب دعا کر کے آرہے تھے کہ ہائی سکول کے بورڈنگ کے قریب ملے۔ مَیں نے عرض کیا کہ حضور! میری بچی حفیظۃ الرحمٰن نے ایف اے فلاسفی کا امتحان دینا ہے۔ اس کے لئے دعا فرمائیں۔ تو وہ شفقت کا پیکر بغیر کچھ جواب دیئے میرے ساتھ ہولیا اور دوبارہ ہائی سکول کے برآمدہ میں پہنچ کر میری بچی کے لئے لمبی دعا کی۔ آپ پر خاص رقّت کی کیفیت تھی۔ دعا کے بعد فرمایا کہ آپ کی بچی کامیاب ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ فلاسفی میں ضلع گورداسپور بھر میں فرسٹ آئی۔"

(سیرت حضرت مولانا شیر علی صاحب صفحہ 234)

مکرم عبد المجید صاحب سیال حضرت مولانا شیر علی صاحب کا ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں:

"غالباً 1943ء کا ذکر ہے کہ مجھے میٹرک کے امتحان میں شریک ہونا تھا۔ ہم 5-6 ماہ کا طویل عرصہ بے حد مصروف گزر جانے کے باعث میری ہمت جواب دے رہی تھی اور مَیں عجیب قسم کی ذہنی پریشانی میں مبتلا تھا۔ ان دنوں میری رہائش "بیت الظفر" کوٹھی چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب (دارالانوار قادیان) میں تھی اور حضرت مولوی صاحب Guest House میں ترجمۃ القرآن کا کام کرتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب کے ساتھ قرابت نیز مہربانی وتلطّف کے تعلق خاص کی وجہ سے ان کو میرے تمام حالات کا بخوبی علم تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ مَیں میٹرک کے امتحان میں ضرور شریک ہوں۔ چنانچہ آپ کے ہمت دلانے پر مَیں نے لیٹ فیس کے ساتھ داخلہ بھیج دیا۔ آپ نے مجھے تاکید فرمائی کہ جب پہلا پرچہ ہو جائے تو مجھے بتانا کیسا ہوا ہے مَیں ان شاء اللہ دعا کروں گا۔ تم بغیر کسی فکر کے دلجمعی کے ساتھ امتحان دیتے جاؤ۔ جب مَیں انگلش کا پرچہ دے کر آیا تو نہایت مایوسی کے لہجہ میں حضرت مولوی صاحب سے ذکر کیا کہ صرف دو چار نمبر کا پرچہ کر سکا ہوں۔

آپ اس وقت اپنے گھر کے چبوترہ پر تشریف فرما تھے۔ میری کارگزاری سن کر مسکرائے اور فرمایا۔ مَیں نے تمہارے لئے خاص دعا کی ہے مجھے بتایا گیا ہے کہ "مجید کو کہو کہ پرچوں پر رول نمبر تو لکھ آئے۔ باقی ذمہ داری ہم لے لیں گے۔" نیز یہ بھی فرمایا جب تک نتیجہ نہ نکلے اس بات کا کسی سے ذکر نہ کریں۔

یہ حقیقت ہے کہ میرے تمام پرچے نہایت ہی خراب ہوئے تھے جن میں سے کسی ایک میں بھی کامیابی کی امید نہ تھی۔ لیکن میری حیرانی کی حد نہ رہی جب میٹرک کا نتیجہ نکلا تو میں 444 نمبر لے کر سیکنڈ ڈویژن میں کامیاب ہوا۔"

(سیرت حضرت مولانا شیر علی صاحب صفحہ 253-254)

سامعین! ایک واقعہ سُنا کر مَیں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔

"اکتوبر 1899ء میں حضرت ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب جالندھری نے ایف اے امتحان پرائیویٹ طور پر دینے کا ارادہ کر لیا اور چھ ماہ میں نصاب کی بعض کتب پوری اور بعض قریباً نصف کتب کی تیاری کر لی۔ عربی نصاب بھی دیکھا۔ اس کی تیاری بھی آپ خود ہی کرتے تھے۔ کوئی پڑھانے والا نہ تھا۔ اس کا منظوم حصہ ایسا

مشکل تھا کہ آپ کو سمجھ نہیں آتا تھا اور بوجہ نو احمدی ہونے کے زبان عربی سے زیادہ رابطہ بھی نہیں ہوا تھا۔ آپ نے جناب الٰہی میں گریہ وزاری سے دعا کی۔ اے مولا کریم! مَیں نو احمدی ہوں۔ اکثر لوگ نو واردوں سے نیک سلوک کرتے ہیں۔ عربی نصاب میں سے جو سوال آنا ہے مہربانی کرکے مجھے بتادے چنانچہ خواب میں آپ کو وہ پرچہ دکھایا گیا۔ بعد بیداری آپ کو قافیہ کے الفاظ یادرہ گئے چنانچہ آپ نے یہ حصہ اچھی طرح ازبر کرلیا بلکہ دیگر دوستوں کو بھی بتادیا۔ بعد امتحان دعا کی کہ یا الٰہی! میری تیاری مکمل نہ تھی ازراہ کرم مجھے کامیاب کردے تو خواب میں آپ کو آواز آئی محمد خاں افضل خاں نتیجہ امتحان پھر دوسری مرتبہ الہام ہوا ''سبع معلقه'' جس کا آپ نے حضرت مسیح موعودؑ سے ذکر کیا۔ حضورؑ نے فرمایا تم پاس ہو جاؤ گے۔ مگر زیر تجویز رہ کر پاس ہوگے۔ کیوں کہ سال کا لفظ تکمیل کو چاہتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ زیر تجویز رہ کر ایف اے میں پاس ہو گئے۔''

(اصحابِ احمد جلد ہفتم صفحہ 26)

حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

''یاد رکھیں کہ وہ سچے وعدوں والا خدا ہے۔ وہ آج بھی اپنے پیارے مسیح کی اس پیاری جماعت پر ہاتھ رکھے ہوئے ہے۔ وہ ہمیں کبھی نہیں چھوڑے گا اور کبھی نہیں چھوڑے گا اور کبھی نہیں چھوڑے گا۔

وہ آج بھی اپنے مسیح سے کیے ہوئے وعدوں کو اسی طرح پورا کر رہا ہے جس طرح وہ پہلی خلافتوں میں کرتا رہا ہے۔ وہ آج بھی اسی طرح اپنی رحمتوں اور فضلوں سے نواز رہا ہے۔ جس طرح پہلے وہ نواز تا رہا ہے اور ان شاء اللہ نواز تا رہے گا...... پس دعائیں کرتے ہوئے اور اس کی طرف جھکتے ہوئے اور اس کا فضل مانگتے ہوئے ہمیشہ اس کے آستانہ پر پڑے رہیں اور اس مضبوط کڑے کو ہاتھ ڈالے رکھیں تو پھر کوئی بھی آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔''

(خطبات مسرور جلد 2 صفحہ 354)

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

﴿6﴾ ﴿مشاہدات۔190﴾

جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ مَیں ضرور ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَیَجۡعَلُکُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ (النمل:63)

ترجمہ: وہ کون ہے جو بے قرار کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اُسے پکارے اور تکلیف دور کر دیتا ہے اور تمہیں زمین کے وارث بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے؟ بہت کم ہے جو تم نصیحت پکڑتے ہو۔

وَقَالَ رَبُّکُمُ ادۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِیۡ سَیَدۡخُلُوۡنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیۡنَ

(المومن:61)

ترجمہ: اور تمہارے ربّ نے کہا مجھے پکارو مَیں تمہیں جواب دوں گا۔ یقیناً وہ لوگ جو میری عبادت کرنے سے اپنے تئیں بالا سمجھتے ہیں ضرور جہنّم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔

وَ اَسِفًا عَلٰی فِرَاقِ قومٍ

هُمُ الۡمَصَابِیۡحُ وَالۡحُصُوۡنُ

وَالۡمُدۡنُ وَالۡمُزۡنُ وَالرَّوَاسِیۡ

وَالۡخَیۡرُ وَالۡاَمۡنُ وَالسَّکُوۡنُ

ترجمہ: ہائے افسوس! اُن لوگوں کی جدائی پر جو دُنیا کے لئے سُورج کا کام دے رہے تھے۔ جو دُنیا کے لئے قلعوں کا رنگ رکھتے تھے۔ لوگ اُن سے نور حاصل کرتے تھے اور انہی کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے عذابوں اور مصیبتوں سے دُنیا کو نجات ملتی تھی۔

وہ شہر تھے جن سے دُنیا آباد تھی۔ وہ بادل تھے جو سُوکھی ہوئی کھیتیوں کو ہَرا کر دیتے تھے۔ وہ پہاڑ تھے جن سے دُنیا کا استحکام تھا۔ وہ تمام بھلائیوں کے جامع تھے اور دُنیا ان سے امن اور سکون حاصل کر رہی تھی۔

حاضرین و سامعین! مجھے آج حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اِس شعر پر کچھ کہنے کی جسارت کرنی ہے جو یہ ہے۔

جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ مَیں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

اِس شعر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا کی خدائی کا پُر زور طریق پر اقرار فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے متعلق بارہا **كُنْ فَيَكُوْن** کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں کہ جس چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہونے لگتی ہے اور وہ ہو کر رہتی ہے۔ یہی وہ مضمون ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِس شعر میں بیان فرمایا ہے اور مطلب اِس کا یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جس بات کے کرنے کا پختہ ارادہ کرے وہ بات یا کام ہو کر رہتا ہے یہی اُس کی خدائی کا ایک حُسن ہے۔

سامعین! یہ مضمون اتنا وسیع و بلیغ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے ذاتی اسم کے علاوہ 100 کے قریب صفاتی اسماء کے ساتھ ساتھ سینکڑوں آیات میں مختلف انداز اور مختلف پیراہوں میں اپنی خدائی کا اظہار کیا ہے۔ اِس شعر کی تشریح میں بہت کچھ کہا اور لکھا جاسکتا ہے جیسے دعا اور قبولیت و ردِّ دعا میں جو فلسفہ قرآن کریم میں بیان ہوا ہے اُس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بعض امور میں انسان کے صدقات و خیرات اور دعائیں اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے اور بلائیں اور مصائب ٹل جاتیں ہیں۔ اِسے تقدیر مُعلّق کہتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

” بعض دفعہ سخت خطرناک صورتیں پیش آتی ہیں اور انسان بالکل مایوس ہو جاتا ہے لیکن دُعا و صدقات وخیرات سے آخرکار وہ صورت ٹل جاتی ہے۔“

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 67)

دوسری تقدیر مُبرَم ہے جو اٹل ہوتی ہے اور دُعا، صدقات و خیرات سے بھی نہیں ٹلتی۔ حضورؑ فرماتے ہیں کہ جب تقدیر مُبرَم ہو تو پھر ایسے اسباب دُعا کی قبولیت کے بہم نہیں پہنچتے۔ طبیعت تو دُعا کو چاہتی ہے مگر توجہ کامل میسر نہیں آتی اور دل میں گداز پیدا نہیں ہوتا۔ نماز سجدہ وغیرہ جو کچھ کرتا ہے اُس میں بدمزگی پاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انجام خیر نہیں اور تقدیر مُبرَم ہے۔

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 67)

سامعین! آج کی تقریر کے عنوان کا تعلق اِسی تقدیر مُبرَم سے ہے۔ ایک تو اِس کا اپنوں سے تعلق ہے۔ اگر ہم میں کوئی اپنے عزیز پر موت کے ٹلنے کی دعا کرے تو موت تو یقینی ہے اِس پر دعائیں کام نہیں کریں گی۔ موت تو اٹل ہے ہاں اللہ اُن دعاؤں کو اور رنگ میں قبول کرلے گا جو دعا کرنے والے کے حق میں بہتر ہوں گی۔ اور دوسرا غیروں اور دشمنوں کے لئے بددُعا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اِس شعر میں دشمنِ احمدیت ہی مخاطب ہیں۔ مذہبی جماعتوں اور اللہ کے فرستادے کے مخالفین جب مخالفت میں انتہا کرجاتے ہیں تو پھر اِن کی تباہی کی صورت میں تقدیر مُبرَم لکھ دی جاتی ہے۔ تقدیر مُعلّق میں دعاؤں اور خشوع و خضوع سے بڑے سے بڑا عذاب بھی ٹل جاتا ہے لیکن تقدیر مُبرَم جس میں دشمنوں اور مخالفین کی ہلاکت کا فیصلہ اللہ کے ہاں ہوچکا ہو تو وہ بچا نہیں کرتے۔ جیسے جنگ بدر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اللہ سے اطلاع پاکر مخالفین کی ہلاکت کا اعلان فرمایا کہ فُلاں فُلاں دشمن فُلاں فُلاں کے ہاتھوں فُلاں جگہ پر قتل ہوگا۔ بدر کے میدان میں قتل کی جگہ کی تعیین بھی فرمادی اور جس کے ہاتھوں اُس دشمن نے اپنے انجام کو پہنچنا تھا اُس کا بھی نہ صرف ذکر فرمادیا بلکہ اپنے اللہ کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق انہی صحابہؓ کو دشمنانِ اسلام کے مقابل پر میدان میں اُتارا جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے پیشگوئی میں فرمایا تھا اور دشمنوں کی لاکھ کوششوں کے باوجود کہ انہوں نے بدر کے میدان میں جنگی نقطہ نگاہ سے اونچی جگہ کا انتخاب کیا۔ باوجود سامانِ جنگ کی بہتات اور باوجود Well Equipped ہونے کے جب صحابہؓ میدان میں اُترے تو آناًفاناً کایاپلٹ گئی اور سردارانِ قریش پیشگوئی کے مطابق وقت اور جگہ کے مطابق قتل ہوئے کیونکہ

جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ مَیں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

سامعین! انبیاء کی حفاظت اور اُن کے گروہوں و جماعتوں کی فتوحات کے سفر کا آغاز تو حضرت آدم علیہ السلام سے ہوتا ہے اور حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ سے ہوتا ہوا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ہی ختم نہیں ہوتا بلکہ آپؐ کے روحانی فرزند مسیح دوراں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام اور آپؑ کی جماعت کی حفاظت اور فتوحات تک جاری ہے۔ قبل اِس کے مَیں یہ ایمان افروز داستان بیان کروں اِس سے متعلق ایک بنیادی حدیث آپ سامعین کے سامنے رکھنا ضروری ہے۔ حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیًّا اَرَدْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ آدَمَ کہ مَیں ایک مخفی خزانہ تھا مَیں نے چاہا کہ جانا اور پہچانا جاؤں سو مَیں نے آدم کو پیدا کیا۔ گویا انبیاء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا وجود ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تو مسلّمہ بات ہے کہ تمام انبیاء کی مخالفت ہوئی اور ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خدائی ظاہر کرنے کے لئے نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ اُس کے ماننے والوں کو ترقیات اور فتوحات سے نوازتا چلا گیا۔ کیا حضرت نوحؑ کا طوفان سے محفوظ رہنا، حضرت ابراہیمؑ کا جلتی ہوئی آگ سے محفوظ رہنا اور آج ایک کثیر وقت گزر جانے کے بعد بھی دنیا میں موجود کروڑوں لوگوں کا "صَلِّ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ" کہنا کیا، جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ مَیں ضرور، کا ثبوت نہیں۔ جس کی کوکھ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کی فیملی سے ہی سیدنا حضرت محمدؐ نے توحید کا عَلَم دُنیا میں بلند کیا۔ مَیں یہاں اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بے انتہا مخالفت اور آپؑ کو سولی پر لٹکانے اور پھر خدا کی خدائی کے اظہار میں اُن کی حفاظت اور فتوحات کا ذکر نہ کروں تو میری تقریر ادھوری رہ جائے گی کیونکہ میرا سفر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام کی طرف جاری ہے کیونکہ وہ مثیلِ عیسیٰ تھے اُن کی اور آپؑ کی جماعت کی اُسی طرح حفاظت کی جانی تھی جس طرح عیسیٰ اول کی گئی تھی۔ آپؑ حضرت محمدؐ کی پیشگوئیوں کے مطابق آئے تھے اور آپؑ کی اپنے دشمنوں سے حفاظت بھی اُسی طرح مقدر تھی جس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ جس کی ایک مثال مَیں اوپر دے آیا ہوں۔ یہی وہ وجود تھے جن کے ذریعہ اللہ جانا پہچانا گیا۔ یہی وہ مبارک وجود تھا جن کے ذریعہ خدا کی خدائی ظاہر ہوئی۔

سامعین! آئیں! اب 'جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ مَیں ضرور' کو آخری زمانہ کے مامور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کی جماعت پر چسپاں کرکے اپنے ایمانوں کو جلا بخشتے ہیں۔ آریہ سماج کے لیڈر

مخالفِ اسلام پنڈت لیکھرام نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اپنی نسبت نشان کا مطالبہ کیا اور خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق پیشگوئی کر دی کہ "یہ شخص (حضرت مسیح موعودؑ) تین سال کے اندر ہیضہ سے مر جائے گا" نیز یہ بھی لکھا کہ "اس کی ذُریّت میں سے کوئی بھی نہیں رہے گا"

(تکذیب براہین احمدیہ حصہ دوم بحوالہ کلیات آریہ مسافر صفحہ:160)

اُدھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ سے خبر پا کر 20 فروری 1893ء کو اس شاتمِ رسول کے عبرتناک انجام کی خبر دی کہ آج سے عرصہ 6 برس کے اندر لیکھرام پر ایک دردناک عذاب آئے گا جس کا نتیجہ موت ہوگی۔

چنانچہ اسلام کے خدا کی فتح ہوئی اور 6 مارچ 1897ء کو یہ اپنی بدزبانی کی وجہ سے عبرت ناک انجام کو پہنچا اور ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے کا نظارہ ہمارے بزرگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ہم آج جماعت کی کتب میں پڑھ کر اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتے ہیں۔

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دور میں اِس عنوان کے تحت ہم دوسرا واقعہ ڈاکٹر جان الیگزنڈر ڈوئی کا پیش کرتے ہیں۔ یہ امریکہ کا ایک مشہور اور مالدار شخص تھا۔ اِس نے صیہون نامی ایک شہر آباد کروایا اور ریوز آف ہیلنگ کے نام سے ایک اخبار نکالتا تھا۔ اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اُس سے مباہلہ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہے اُسے دوسرے کی زندگی میں اللہ ہلاک کرے مَیں 70 سال کے قریب ہوں اور ڈوئی 50 برس کا جوان ہے۔ اِس کے مقابل پر ڈوئی نے بڑی رعونت سے اعلان کیا کہ مَیں اِن مچھروں اور مکھیوں کا جواب کیا دوں۔ اگر مَیں اِن پر اپنا پاؤں رکھوں تو ان کو کچل کر مار دوں۔

دونوں کی طرف سے اپنے اپنے خدا سے دعائیں مانگنے اور اپنی پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے لئے الحاح کے ساتھ اللہ کے حضور جھکنے کا سلسلہ جاری تھا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب اور قہر عین اُس وقت فالج کے حملہ کی صورت میں ڈوئی پر نازل ہوا جب وہ صیہون شہر میں ہزاروں کے مجمع سے خطاب کر رہا تھا۔ اُس کی زبان دورانِ گفتگو گُنگ ہوگئی اور کسمپرسی کی حالت میں اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر دیئے۔ شہر تباہ ہوا۔ اخبار بند ہوا۔ علاج الٹا پڑ گیا۔

ڈونول گزٹ 7 جون 1907ء نے اِس کی ہلاکت پر لکھا کہ

اگر احمد اور اُن کے پیرو اِس پیشگوئی کے جو چند ماہ ہوئے پوری ہو گئی ہے نہایت صحت کے ساتھ پورا ہونے پر فخر کریں تو اِن پر کوئی الزام نہیں۔

اور یوں ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے کا اعلان ایک بڑی شان کے ساتھ پورا ہوا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے 2022ء میں امریکہ کے دورہ کے دوران صیحون شہر کا تاریخ ساز دورہ فرمایا اور مسجد "فتحِ عظیم" کا افتتاح فرمایا۔ اب اس شہر میں اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور ڈوئی کی آواز دب چکی ہے۔

سامعین! وقت کی مناسبت سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دَور کے دیگر واقعات کو چھوڑتے ہوئے خلفاء کے دور میں رونما ہونے والے دو ایسے Remarkable واقعات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس کے ہم لوگ بھی گواہ ہیں۔ جن میں ایک ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی ہے۔ جو جماعت کے ووٹوں کے تعاون سے برسر اقتدار آیا اور پھر مخالفت کی انتہاء کر دی اور شدید مخالف بن کر اُبھرا۔ قومی اسمبلی سے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دلوایا اور پھر اِس کو اپنا 90 سالہ مسئلہ حل کرنے کا کارنامہ قرار دیتا رہا۔ وہ خدا کی پکڑ میں آیا اور ایسا آیا کہ عدالت کی طرف سے پھانسی کی سزا سنائی گئی اور یوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام کہ 52 سال کی عمر ایک دشمنِ احمدیت کے ہلاکت کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ پیشگوئی کے الفاظ یوں ہیں کہ

"ایک شخص کی موت کی نسبت خدا تعالیٰ نے اعداد تہجی میں مجھے خبر دی جس کا ماحصل یہ ہے کَلْبٌ یَمُوْتُ عَلٰی کَلْبٍ یعنی وہ کتا ہے اور کُتے کے عدد پر مرے گا جو باون سال پر دلالت کر رہے ہیں یعنی اس کی عمر 52 سال سے تجاوز نہیں کرے گی جب 52 سال کے اندر قدم دھرے گا تب اُسی سال کے اندر اندر راہی مُلک بقا ہو گا۔"

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 190)

سامعین! ہمارے مخالفین نے اِس پیشگوئی کو پورا ہوتا ہوا دیکھ کر حکومت پاکستان سے درخواست کی کہ اِس کی پھانسی کو مؤخر کر دیں ورنہ احمدی بغلیں بجائیں گے مگر دوسری طرف خدا کی خدائی کام کر رہی تھی اور 52 سال میں قدم رکھتے ہی اُسے پھانسی کی سزا دے دی گئی اور عنوانِ بالا جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ مَیں ضرور بڑی شان کے ساتھ جماعتِ احمدیہ کے حق میں پورا ہوا۔

ہم نے زندہ خدا کو جانا ہے
جانا پہچانا ہے تو مانا ہے

سامعین! دوسرا ایمان افروز واقعہ سابق صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے متعلق ہے جس نے جماعت احمدیہ کو کینسر قرار دے کر ختم کرنے کا اعلان کیا۔ مختلف قوانین بنا کر جماعت احمدیہ پر اسلام کے اظہار پر پابندی لگا دی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے اِسے مباہلہ کا چیلنج دے کر احباب جماعت سے دُعا کی درخواست کی اور بار بار اِس ظالم کو راہ راست پر آنے کی دعوت دی مگر یہ گستاخی میں بڑھتا چلا گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ

"(یہ) چیلنج قبول کریں یا نہ کریں چونکہ تمام آئمۃ المکفرین کے امام ہیں اور تمام اذیت دینے والوں میں سے سب سے زیادہ ذمہ داری اِس ایک شخص پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے معصوم احمدیوں پر ظلم کئے...... ایسے شخص کا زبان سے چیلنج قبول کرنا ضروری نہیں ہوا کرتا۔ اس کا اپنے ظلم و ستم میں اسی طرح جاری رہنا اس بات کا نشان ہوتا ہے کہ اس نے چیلنج کو قبول کر لیا ہے۔"

(خطبہ جمعہ یکم جولائی 1988ء)

حضورؒ نے اپنے ایک خطبہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس مصرع "حیلے سب جاتے رہے اِک حضرتِ توّاب ہے" کو احمدی دلوں کی آواز قرار دیا۔ بالآخر حضورؒ نے 5 اگست 1988ء کو فرمایا:

"مَیں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ خدا کی چکّی حرکت میں آچکی ہے اور جب خدا کی تقدیر کی چکّی حرکت میں آجائے تو کوئی نہیں جو اس کو روک سکے اور کوئی دنیا کی طاقت نہیں ہے کہ جو خدا چاہے کہ کوئی اس چکی میں پیسا جائے تو اس چکی کے عذاب سے بچا سکے۔"

(خطبات طاہر جلد 7 صفحہ 543)

پھر 12 اگست 1988 کو واضح رنگ میں فرمایا:

"یہ شخص خدا کی پکڑ اور سزا سے بچ نہیں سکے گا اُسے اس کی ہلاکت سے دنیا کی کوئی طاقت بچا نہیں سکتی اس کا نام و نشان مٹ جائے گا۔"

سامعین! ہمارا خدا ایک بار پھر جیتا اور دشمن کو شکست ہوئی۔ ہمارے خدا نے پھر اپنی خدائی کا مظاہرہ کیا اور 17 اگست 1988ء کو یہ بدبخت دشمنِ احمدیت اپنے بد انجام کو اس وقت پہنچا جب وہ بہاولپور سے ایک ایسے طیارے پر روانہ ہوا جو تمام حفاظتی ضمانت لئے ہوئے تھا اور ہندوؤں کی مرگھٹ جگہ پر جہاز گر کر رافیل کے کتے کی راکھ کے ساتھ اپنی موت آپ مرا۔ خاکسار کی تحقیق "تیغِ دُعا" کے مطابق دشمنِ اسلام لیکھرام کی خصلتیں لئے اِس دُنیا سے حسرت کے ساتھ رخصت ہوا۔

ہے ترے پاس کیا گالیوں کے سوا، ساتھ میرے ہے تائید ربّ الورٰی
کل چلی تھی جو لیکھو پہ تیغِ دعا، آج بھی، اِذن ہو گا تو چل جائے گی

روزنامہ جنگ لاہور نے پاکستان میں احمدیوں کے بیتے گئے حالات پر ایک حقیقت افروز تبصرہ یوں کیا۔

"پاکستان میں پہلی مرتبہ جناب دولتانہ نے قادیانی مسئلہ کو اٹھایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے بعد آج تک وہ اقتدار کی کرسی سے محروم رہے۔ پھر جناب ایوب خان نے اپنے اقتدار کے ڈوبتے ہوئے دور میں اسی مسئلہ کا سہارا لینا چاہا۔ انہوں نے اپنے بارہ میں مرزائیت سے بریت کے بیانات اخبارات اور ریڈیو پر نشر کئے۔ صدر کے ایماء پر اس وقت کے گورنر مغربی پاکستان امیر محمد خان نے مرزا غلام احمد قادیانی کی اہم کتاب کو ضبط کیا۔ مگر یہ ان کے متزلزل اقتدار کو طول نہ دے سکا۔ بلکہ رسوا ہو کر اقتدار سے علیحدہ ہوئے۔ پھر بھٹو جن کی پارٹی اور حکومت بذات خود مرزائیوں کی امداد اور اعانت سے برسر اقتدار آئی تھی نے گرتی ہوئی ساکھ اور ڈولتے ہوئے اقتدار کو سنبھالا اور طول دینے کے لئے اپنی محسن مرزائی جماعت کی گردن پر وار کیا اور ایسا وار کہ 90 سالہ مسئلہ حل کر ڈالا۔ بھٹو کا خیال تھا کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے بعد اب انہوں نے پاکستانی عوام کے دل جیت لئے ہیں اور اب وہ تاحیات پاکستان کے وزیر اعظم رہیں گے۔ لیکن ان کا یہ خیال شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ اب صدر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے مرزائیت سے بریت کا اعلان واشگاف الفاظ میں کیا ہے اور مرزائیوں کو کلیدی آسامیوں سے علیحدہ کرنے کا عہد کیا ہے۔ لیکن ماضی کو سامنے رکھتے ہوئے دل کانپ جاتا ہے کیونکہ ماضی میں ثابت ہو چکا ہے کہ جنہوں نے بھی قادیانی مسئلہ کو اٹھایا یا

چھیڑا وہ اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کے پسِ پردہ کون سے عوامل یا غیبی طاقت کارفرما ہے وہ پوری قوم کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔"

(روزنامہ جنگ لاہور 12 دسمبر 1983ء)

یہ صدائے فقیرانہ حق آشنا، پھیلتی جائے گی شش جہت میں سدا
تیری آواز اے دشمن بد نوا! دو قدم دور دو تین پل جائے گی

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

"ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان میں بھی اور بعض اور جگہوں پر بھی احمدیوں کے لاکھوں اور کروڑوں کے کاروبار مخالفین نے تباہ کئے اور جلائے بلکہ ایک وقت میں پاکستان کے ایک وزیر اعظم نے یہ بھی کہا کہ احمدیوں کے ہاتھ میں کشکول پکڑا دوں گا اور اب یہ مانگتے پھریں گے کیونکہ مَیں نے کشکول پکڑا دیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ پر توکل رکھنے والے ان احمدیوں نے نہ حکومت سے مانگا، نہ کشکول لے کر کسی اَور سے مانگا بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل کی وجہ سے اُن کا ہزاروں اور لاکھوں کا جو کاروبار تباہ ہوا تھا وہ کروڑوں میں بدل گیا۔"

(خطبہ جمعہ 5 مئی 2017ء)

سامعین! پس ہمارا خدا اشدید العقاب (الانفال:26) ہے جو وہ کہتا ہے تو کر کے دکھاتا ہے اور اپنے پیاروں کی لاج رکھتا اور اُن کی صداقت پر آئے روز مہر ثبت کرتا رہتا ہے یہی تو وہ خدائی ہے جس کا مظاہرہ ہمیں آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جماعت کو دن دونی رات چوگنی ترقی دیتا چلا جائے۔ آمین

خدا کے پاک لوگوں کو خدا سے نصرت آتی ہے
جب آتی ہے تو پھر عالَم کو اِک عالَم دکھاتی ہے
وہ بنتی ہے ہَوا اور ہر خسِ رَہ کو اُڑاتی ہے
وہ ہو جاتی ہے آگ اور ہر مخالف کو جلاتی ہے

✧✧✧✧

﴿7﴾ ﴿مشاہدات۔986﴾

وجودِ باری تعالیٰ پر دس دلائل

(از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ)

(قسط نمبر 1)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ وَهُوَ يُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ (الانعام:104)

یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ نظریں اس تک نہیں پہنچ سکتیں بلکہ وہ نظروں تک پہنچتا ہے اور وہ لطیف اور خبر دار ہے۔

وہ دیکھتا ہے غیروں سے کیوں دل لگاتے ہو
جو کچھ بتوں میں پاتے ہو اُس میں وہ کیا نہیں
سورج پہ غور کر کے نہ پائی وہ روشنی
جب چاند کو بھی دیکھا تو اُس یار سا نہیں

معزز سامعین! موجودہ سائنس کے دور میں دہریہ لوگ یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر خدا موجود ہے تو ہمیں دکھاؤ۔ ہم بغیر دیکھے اُسے کیونکر مان لیں۔ چونکہ اِس وقت کی ہوا نے اکثر نوجوانوں کے دلوں میں اس پاک ذات کے نقش کو مٹا دیا ہے اور کالجوں کے سینکڑوں طالب علم اور بیرسٹر وغیرہ وجودِ باری کے منکر ہو رہے ہیں اور ان کی تعداد روز افزوں ہے اور ہزاروں آدمی ایسے پائے جاتے ہیں جو بظاہر قوم و ملک کے خوف سے اظہار تو نہیں کرتے لیکن فی الحقیقت اپنے دلوں میں وہ خدا پر کچھ یقین نہیں رکھتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے قرآنِ کریم سے انتہائی مدلّل لیکن عام فہم انداز میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت میں دس موٴثر دلائل بیان فرمائے۔ جن کو دو تقاریر کی صورت میں آپ سامعین کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ آج پہلی قسط میں چار دلائل پیش کروں گا۔

حضورؓ فرماتے ہیں کہ دہریوں کا پہلا سوال یہ ہے کہ اگر خدا ہمیں دکھا دو تو ہم مان لیتے ہیں۔

مجھے اس سوال کے سننے کا کئی بار موقع ملا ہے لیکن ہمیشہ اس کے سننے سے حیرت ہوتی ہے۔ انسان مختلف چیزوں کو مختلف حواس سے پہچانتا ہے۔ کسی چیز کو دیکھ کر، کسی کو چھو کر، کسی کو سونگھ کر، کسی کو سن کر، کسی کو چکھ کر، رنگ کا علم دیکھنے سے ہو سکتا ہے، سونگھنے یا چھونے یا چکھنے سے نہیں پھر اگر کوئی شخص کہے کہ مَیں تو رنگ کو تب مانوں گا کہ اگر مجھے اس کی آواز سنواؤ تو کیا وہ شخص بیوقوف ہے یا نہیں؟۔ اِسی طرح آواز کا علم سننے سے ہوتا ہے لیکن اگر کوئی شخص کہے کہ مجھے فلاں شخص کی آواز دکھاؤ؟۔ پھر مَیں دیکھ کر مانوں گا کہ وہ بولتا ہے تو کیا ایسا شخص جاہل ہو گا یا نہیں۔ ایسا ہی خوشبو سونگھ کر معلوم ہوتی ہے لیکن اگر کوئی شخص طلب کرے کہ اگر تم مجھے گلاب کی خوشبو چکھا دو تو تب مَیں مانوں گا تو کیا ایسے شخص کو دانا کہہ سکیں گے۔ اس کے خلاف چکھ کر معلوم کرنے والی چیزوں یعنی ترشی، شیرینی، کڑواہٹ، نمکینی کو اگر کوئی سونگھ کر معلوم کرنا چاہے تو کبھی نہیں کر سکتا۔ پس یہ کوئی ضروری نہیں کہ جو چیز سامنے نظر آئے اُسے تو ہم مان لیں اور جو چیز سامنے نظر نہ آئے اُسے نہ مانیں۔ ورنہ اِس طرح تو گلاب کی خوشبو، لیموں کی تُرشی، شہد کی مٹھاس، مصبّر (مشہور کڑوی دوا) کی کڑواہٹ، لوہے کی سختی، آواز کی خوبی سب کا انکار کرنا پڑے گا کیونکہ یہ چیزیں تو نظر نہیں آتیں بلکہ سونگھنے، چکھنے، چھونے اور سننے سے معلوم ہوتی ہیں پس یہ اعتراض کیسا غلط ہے کہ خدا کو ہمیں دکھاؤ تب ہم مانیں گے۔ کیا یہ معترض گلاب کی خوشبو کو دیکھ کر مانتے ہیں یا شہد کی شیرینی کو سونگھ کر پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق یہ شرط پیش کی جاتی ہے کہ دکھا دو تب مانیں گے۔

علاوہ ازیں انسان کے وجود میں خود ایسی چیزیں موجود ہیں کہ جن کو بغیر دیکھے کے یہ مانتا ہے اور اُسے ماننا پڑتا ہے۔ کیا سب انسان اپنے دل جگر دماغ انتڑیاں پھیپھڑے اور تلی کو دیکھ کر مانتے ہیں یا بغیر دیکھے کے۔ اگر ان چیزوں کو اس کے دکھانے کے لئے نکالا جاوے تو انسان اُسی وقت مر جائے اور دیکھنے کی نوبت ہی نہ آئے۔

یہ مثالیں تو مَیں نے اس بات کی دی ہیں کہ سب چیزیں صرف دیکھنے سے ہی معلوم نہیں ہوتیں بلکہ پانچ مختلف حواس سے ان کا علم ہوتا ہے۔ اب مَیں بتاتا ہوں کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا علم بلاواسطہ

ان پانچوں حواس سے بھی نہیں ہوتا بلکہ ان کے معلوم کرنے کا ذریعہ ہی اَور ہے۔ مثلاً عقل یا حافظہ یا ذہن ایسی چیزیں ہیں کہ جن کا انکار دنیا میں کوئی بھی نہیں کرتا۔ لیکن کیا کسی نے عقل کو دیکھا ہے یا سنا یا چکھا یا سونگھا یا چھوا ہے پھر کیونکر معلوم ہو کہ عقل کوئی چیز ہے یا حافظہ کا کوئی وجود ہے پھر قوت ہی کو لے لو ہر انسان میں تھوڑی بہت قوت موجود ہے کوئی کمزور ہو یا طاقتور مگر کچھ نہ کچھ طاقت ضرور رکھتا ہے مگر کیا قوت کو آج تک کسی نے دیکھا یا سنا یا چھوا یا چکھا ہے پھر کیونکر معلوم ہوا کہ قوت بھی کوئی چیز ہے اس بات کو ایک جاہل سے جاہل انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ ان چیزوں کو ہم نے اپنے حواس سے معلوم نہیں کیا بلکہ ان کے اثرات کو معلوم کر کے ان کا پتہ لگایا ہے۔ مثلاً جب ہم نے دیکھا کہ انسان مختلف مشکلات میں گھر کر کچھ دیر غور کرتا ہے اور کوئی ایسی تدبیر نکالتا ہے جس سے وہ اپنی مشکلات دور کر لیتا ہے۔ جب اس طرح مشکلات کو حل ہوتے ہوئے ہم نے دیکھا تو یقین کر لیا کہ کوئی چیز ایسی انسان میں موجود ہے جو ان موقعوں پر اس کے کام آتی ہے اور اس چیز کا نام ہم نے عقل رکھا۔ پس عقل کو بلاواسطہ ہم نے پانچوں حواسوں میں سے کسی سے بھی دریافت نہیں کیا بلکہ اس کے کرشموں کو دیکھ کر اس کا علم حاصل کیا۔ اسی طرح جب ہم نے انسان کو بڑے بڑے بوجھ اُٹھاتے دیکھا تو معلوم کیا کہ اس میں کچھ ایسا مادہ ہے جس کی وجہ سے یہ بوجھ اُٹھا سکتا ہے۔ اپنے سے کمزور چیزوں کو قابو کر لیتا ہے اور اس کا نام قوت یا طاقت رکھ دیا۔

اس طرح جس قدر لطیف سے لطیف اشیاء کو لیتے جاؤ گے ان کے وجود انسانوں کی نظروں سے غائب ہی نظر آئیں گے اور ہمیشہ ان کے وجود کا پتہ ان کے اثر سے معلوم ہو گا نہ کہ خود انہیں دیکھ کر یا سونگھ کر یا چکھ اور چھو کر۔

پس اللہ تعالیٰ کی ذات جو الطف سے الطف ہے اس کا علم حاصل کرنے کے لئے ایسی ایسی قیدیں لگانی کس طرح جائز ہو سکتی ہیں کہ آنکھوں کے دیکھے بغیر اُسے نہیں مانیں گے۔ کیا بجلی کو کہیں کسی نے دیکھا پھر کیا الیکٹریسٹی کی مدد سے جو تار خبریں پہنچتی ہیں یا مشینیں چلتی ہیں یا روشنی کی جاتی ہے اس کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ ایتھر کی تحقیقات نے فزیکل علوم کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ لیکن کیا اب تک سائنس کے ماہرین اس کے دیکھنے، سننے، سونگھنے، چھونے یا چکھنے کا کوئی ذریعہ نکال سکے۔ لیکن اس کا وجود نہ مانیں تو پھر یہ بات حل ہی نہیں ہو سکتی کہ سورج کی روشنی دنیا تک پہنچتی کیونکر ہے۔ پس کیسا ظلم ہے کہ ان شواہد کے ہوتے

ہوئے کہا جاتا ہے کہ خدا کو دکھاؤ تو ہم مانیں گے۔ اللہ تعالیٰ نظر تو آتا ہے لیکن انہیں آنکھوں سے جو اس کے دیکھنے کے قابل ہیں۔ ہاں اگر کوئی اس کے دیکھنے کا خواہش مند ہو تو وہ اپنی قدرتوں اور طاقتوں سے دنیا کے سامنے ہے اور باوجود پوشیدہ ہونے کے سب سے زیادہ ظاہر ہے۔ قرآن شریف میں اس مضمون کو نہایت ہی مختصر لیکن بے نظیر پیرایہ میں اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الانعام 104:) یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ نظریں اس تک نہیں پہنچ سکتیں بلکہ وہ نظروں تک پہنچتا ہے اور وہ لطیف اور خبردار ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ تیری نظر اس قابل نہیں کہ خدا کی ذات کو دیکھ سکے کیونکہ وہ تو لطیف ذات ہے اور لطیف اشیاء تو نظر نہیں آتیں۔ جیسا کہ قوت ہے، عقل ہے، روح ہے، بجلی ہے، ایتھر ہے، یہ چیزیں کبھی کسی کو نظر نہیں آتیں پھر خدا کی لطیف ذات تک انسان کی نظریں کب پہنچ سکتی ہیں۔ ہاں پھر خدا کو لوگ کس طرح دیکھ سکتے ہیں اور اُس کی معرفت کے حاصل کرنے کا کیا طریق ہے۔ اس کا جواب دیا کہ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ یعنی خود وہ نظروں تک پہنچتا ہے اور باوجود اس کے کہ انسانی نظر کمزوری کی وجہ سے اس کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتی وہ اپنی طاقت اور قوت کے اظہار سے وہ اپنی صفات کاملہ کے جلوہ سے اپنا وجود آپ انسان کو دکھاتا ہے اور گو نظر انسانی اس کو دیکھنے سے قاصر ہے۔ مگر وہ خود اپنا وجود اپنی لاانتہاء قوتوں اور قدرتوں سے مختلف پیرائیوں میں ظاہر کرتا ہے۔ کبھی قہری نشانوں سے، کبھی انبیاء کے ذریعہ سے، کبھی آثارِ رحمت سے اور کچھ قبولیت دعا سے۔

اب اس بات کے ثابت کرچکنے کے بعد کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ماننا اس بات پر منحصر کیا جائے کہ ہم اسے دکھا دیں اور سوائے دیکھنے کے کسی چیز کو مانا ہی نہ جائے تو دنیا کی قریباً 4 ـ 5 اشیاء کا انکار کرنا پڑے گا اور بعض فلاسفروں کے قول کے مطابق تو کُل اشیاء کا۔ کیونکہ ان کا مذہب ہے کہ دنیا میں کوئی چیز نظر نہیں آتی بلکہ صرف صفات ہی صفات نظر آتی ہیں۔

حضورؓ فرماتے ہیں۔ اب مَیں اس طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ کون سے دلائل ہیں جن سے وجودِ باری تعالیٰ کا پتہ لگتا ہے اور انسان کو یقین ہوتا ہے کہ میرا خالق کوئی اَور ہے اور مَیں ہی اپنا خالق نہیں۔

دلیل اوّل: مَیں اپنے عقیدہ کے ماتحت کہ قرآنِ شریف نے کمالاتِ روحانی کے حصول کے تمام ذرائع بیان فرمائے ہیں۔ ہستی باری کے کل دلائل قرآنِ شریف سے ہی پیش کروں گا۔ وَمِنَ اللّٰہِ التَّوْفِیْقُ اور چونکہ سب سے پہلا علم جو انسان کو اس دنیا میں آکر ہوتا ہے وہ کانوں سے ہوتا ہے۔ اس لئے مَیں بھی سب سے پہلے سماعی دلیل ہی لیتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ایک جگہ فرماتا ہے کہ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ۔ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ۔ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ۔ وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ۔ اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ۔ صُحُفِ اِبْرَاھِیْمَ وَمُوْسٰی (الاعلیٰ:15-20)

یعنی مظفر و منصور ہو گیا وہ شخص کہ جو پاک ہوا اور اُس نے اپنے رب کا زبان سے اقرار کیا اور پھر زبان سے ہی نہیں بلکہ عملی طور پر عبادت کر کے اپنے اقرار کا ثبوت دیا لیکن تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہو حالانکہ انجام کار کی بہتری ہی اصل بہتری اور دیرپا ہے اور یہ بات صرف قرآنِ شریف ہی پیش نہیں کرتا بلکہ سب پہلی کتابوں میں یہ دعویٰ موجود ہے چنانچہ ابراہیمؑ اور موسیٰؑ نے جو تعلیم دنیا کے سامنے پیش کی اُس میں بھی یہ تعلیم موجود ہے۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مخالفینِ قرآن پر یہ حجت پیش کی ہے کہ اپنی نفسانی خواہشوں سے بچنے والے خدا کی ذات کا اقرار کرنے والے اور پھر اس کا سچا فرمانبردار بننے والے ہمیشہ کامیاب اور مظفر ہوتے ہیں اور اِس تعلیم کی سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ یہ بات پہلے مذاہب میں مشترک ہے۔ چنانچہ اس وقت کے بڑے مذاہب مسیحی، یہودی اور کفارِ مکہ پر حجت کے لئے حضرت ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کی مثال دیتا ہے کہ اِن کو تو تم مانتے ہو انہوں نے بھی یہ تعلیم دی ہے پس قرآنِ شریف نے ہستی باری تعالیٰ کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ بھی دیا ہے کہ کُل مذاہب اس پر متفق ہیں اور سب اقوام کا یہ مشترک مسئلہ ہے۔ چنانچہ جس قدر اِس دلیل پر غور کیا جائے نہایت صاف اور سچی معلوم ہوتی ہے۔ حقیقت میں کُل مذاہب دنیا اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی ہستی ہے جس نے کُل جہان کو پیدا کیا۔ مختلف ممالک اور احوال کے تغیّر کی وجہ سے خیالات اور عقائد میں بھی فرق پڑتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے جس قدر تاریخی مذاہب ہیں، سب اللہ تعالیٰ کے وجود پر متفق اللّسان ہیں۔ گو اس کی صفات کے متعلق ان میں اختلاف ہو۔ موجودہ مذاہب یعنی اسلام، مسیحیت،

یہودیت، بدھ ازم، سکھ ازم، ہندوازم اور زرتشتی سب کے سب ایک خدا ایلو ہیم، پرم ایشور، پرم آتما، ست گرو، یا یزدان کے قائل ہی ہیں مگر جو مذاہب دنیا کے پردہ سے مٹ چکے ہیں ان کے متعلق بھی آثار قدیمہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سب کے سب ایک خدا کے قائل اور معتقد تھے۔ خواہ وہ مذاہب امریکہ کے جدا شدہ ملک میں پیدا ہوئے ہوں یا افریقہ کے جنگلوں میں، خواہ روما میں خواہ انگلستان میں خواہ جاوا سماٹرا میں خواہ جاپان اور چین میں خواہ سائبریا و منچوریا میں۔ یہ اتفاق مذاہب کیونکر ہوا اور کون تھا جس نے امریکہ کے رہنے والے باشندوں کو ہندوستان کے عقائد سے یا چین کے باشندوں کو اہل افریقہ کے عقائد سے آگاہ کیا۔ پہلے زمانہ میں ریل و تار اور ڈاک کا یہ انتظام تو تھا نہیں جو اَب ہے۔ نہ اس طرح جہازوں کی آمد ورفت کی کثرت تھی، گھوڑوں اور خچروں کی سواری تھی اور بادبانی جہاز آجکل کے دنوں کا سفر مہینوں میں کرتے تھے اور بہت سے علاقے تو اُس وقت دریافت بھی نہ ہوئے تھے۔ پھر ان میں مختلف المذاق اور مختلف الرسوم اور ایک دوسرے سے ناآشنا ممالک میں اس ایک عقیدہ پر کیونکر اتفاق ہو گیا۔

مَن گھڑت ڈھکوسلوں میں تو دو آدمیوں کا اتفاق ہونا مشکل ہوتا ہے۔ پھر کیا اس قدر قوموں کا اور ملکوں کا اتفاق جو آپس میں کوئی تبادلہ خیالات کا ذریعہ نہ رکھتی تھیں اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ عقیدہ ایک امر واقعہ ہے اور کسی نامعلوم ذریعہ سے جسے اسلام نے کھول دیا ہے ہر قوم پر اور ہر ملک میں اس کا اظہار کیا گیا ہے۔ اہل تاریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس مسئلہ پر مختلف اقوام کے مؤرخ متفق ہو جاویں اس کی راستی میں شک نہیں کرتے۔ پس جب اس مسئلہ پر ہزاروں لاکھوں قوموں نے اتفاق کیا ہے تو کیوں نہ یقین کیا جائے کہ کسی جلوہ کو دیکھ کر ہی سب دنیا اس خیال کی قائل ہوئی ہے۔

دلیلِ دوم:

سامعین! حضورؓ دوسری دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ جو قرآن شریف میں ہستی باری تعالیٰ کے متعلق دی ہے ان آیات سے معلوم ہوتی ہے کہ وَ تِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰهَاۤ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ۔ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَیْنَا وَنُوْحًا هَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ وَاَیُّوْبَ وَیُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۔ وَزَكَرِیَّا وَ یَحْیٰى وَعِیْسٰى وَاِلْیَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ (الانعام:84-87) پھر کچھ آیات کے بعد فرمایا کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ

فَبِھُدَاھُمُ اقْتَدِہْ (الانعام: 91) یعنی ایک دلیل ہے جو ہم نے ابراہیمؑ کو اُس کی قوم کے مقابل میں دی اور ہم جس کے درجات چاہتے ہیں، بلند کرتے ہیں۔ تحقیق تیرا ربّ بڑا حکمت والا اور علم والا ہے اور ہم نے اُسے اسحاق ویعقوب دیئے۔ ہر ایک کو ہم نے سچا راستہ دکھایا اور نوح کو بھی ہم نے سچا راستہ دکھایا۔ اس سے پہلے اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو بھی اور ہم نیک اعمال میں کمال کرنے والوں کے ساتھ اسی طرح سلوک کیا کرتے ہیں اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو بھی راہ دکھایا اور یہ سب لوگ نیک تھے اور اسماعیل اور یسع اور لوط کو بھی راستہ دکھایا اور ان سب کو ہم نے اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دی تھی اور پھر فرماتا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے کہ جن کو خدا نے ہدایت دی۔ پس تو ان کے طریق کی پیروی کر۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس قدر نیک اور پاک لوگ جس بات کی گواہی دیتے ہیں وہ مانی جائے یا وہ بات جو دوسرے ناواقف لوگ کہتے ہیں اور اپنے چال چلن سے ان کے چال چلن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ سیدھی بات ہے کہ انہی لوگوں کی بات کو وقعت دی جاوے گی جو اپنے چال چلن اور اپنے عمل سے دنیا پر اپنی نیکی اور پاکیزگی اور گناہوں سے بچنا اور جھوٹ سے پرہیز کرنا ثابت کر چکے ہیں۔ پس ہر ایک شخص کا فرض ہے کہ وہ انہی کا تتبّع کرے اور ان کے مقابل میں دوسرے لوگوں کی بات کا انکار کر دے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر نیکی اور خلق کے پھیلانے والے گزرے ہیں اور جنہوں نے اپنے اعمال سے دنیا پر اپنی راستی کا سکّہ بٹھا دیا تھا وہ سب کے سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ایک ایسی ہستی ہے جسے مختلف زبانوں میں اللہ یا گاڈ (God) یا پرمیشور کہا گیا ہے۔ ہندوستان کے راستباز رامچندرؑ، کرشنؑ، ایران کا راستباز زرتشتؑ، مصر کا راستباز موسیٰؑ، ناصرہ کا راستباز مسیحؑ، پنجاب کا ایک راستباز نانکؒ۔ پھر سب راستبازوں کا سرتاج عرب کا نور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسل جس کو اُس کی قوم نے بچپن سے صادق کا خطاب دیا اور جو کہتا ہے فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا (یونس: 17)۔ مَیں نے تو تم میں اپنی عمر گزاری ہے۔ کیا تم میرا کوئی جھوٹ ثابت کر سکتے ہو اور اُس کی قوم کوئی اعتراض نہیں کرتی اور اِن کے علاوہ ہزاروں راستباز جو وقتاً فوقتاً دنیا میں ہوئے ہیں، یک زبان ہو کر پکارتے ہیں کہ ایک خدا ہے اور یہی نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس سے ملاقات کی اور اس سے ہم کلام ہوئے۔ بڑے سے بڑے فلاسفر جنہوں نے دنیا میں کوئی کام کیا ہو وہ ان میں سے ایک کے کام کا ہزارواں حصہ بھی پیش نہیں کر سکتے بلکہ اگر

ان لوگوں اور فلاسفروں کی زندگی کا مقابلہ کیا جائے تو فلاسفروں کی زندگی میں اقوال سے بڑھ کر افعال کے باب بہت کم نظر آئیں گے۔ وہ صدق اور راستی جو انہوں نے دکھائی وہ فلاسفر کہاں دکھا سکے؟ وہ لوگوں کو راستی کی تعلیم دیتے ہیں مگر خود جھوٹ سے پرہیز نہیں کرتے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں وہ لوگ جن کا نام مَیں اوپر لے چکا ہوں صرف راستی کی خاطر ہزاروں تکلیفوں کو برداشت کرتے رہے لیکن کبھی ان کا قدم اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ اِن کے قتل کرنے کے منصوبے کئے گئے۔ اِن کو وطنوں سے خارج کیا گیا، اِن کو گلیوں اور بازاروں میں ذلیل کرنے کی کوشش کی گئی، اِن سے کل دنیا نے قطع تعلق کر لیا مگر انہوں نے اپنی بات نہ چھوڑی اور کبھی نہ کیا کہ لوگوں کی خاطر جھوٹ بول کر اپنے آپ کو بچا لیتے اور ان کے عمل نے، ان کی دنیا سے نفرت نے، نمائش سے علیحدگی نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ وہ بے غرض تھے اور کسی نفسانی غرض سے کوئی کام نہ کرتے تھے۔ پھر ایسے صادق ایسے قابل اعتبار یک زبان ہو کر کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی، اس کی آواز سنی اور اس کے جلوے کا مشاہدہ کیا تو ان کے قول کا انکار کرنے کی کسی کے پاس کیا وجہ ہے۔ جن لوگوں کو ہم روز جھوٹ بولتے سنتے ہیں وہ بھی چند مل کر ایک بات کی گواہی دیتے ہیں تو ماننا پڑتا ہے۔ جن کے احوال سے ہم بالکل ناواقف ہوتے ہیں وہ اخباروں میں اپنی تحقیقات شائع کرتے ہیں تو ہم تسلیم کر لیں گے مگر نہیں مانتے تو ان راستبازوں کا کلام نہیں مانتے۔ دنیا کہتی ہے کہ لندن ایک شہر ہے اور ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔ جغرافیہ والے لکھتے ہیں کہ امریکہ ایک برّاعظم ہے اور ہم اُس کی تصدیق کرتے ہیں۔ سیاح کہتے ہیں کہ سائبیریا ایک وسیع اور غیر آباد علاقہ ہے۔ ہم اس کا انکار نہیں کرتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ بہت سے لوگوں کی گواہی اس پر ہو گئی ہے۔ حالانکہ ہم ان گواہوں کے حالات سے واقف نہیں کہ وہ جھوٹے ہیں یا سچے مگر اللہ تعالیٰ کے وجود پر عینی گواہی دینے والے وہ لوگ ہیں کہ جن کی سچائی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ انہوں نے اپنے مال و جان وطن عزت و آبرو کو تباہ کر کے راستی کو دنیا میں قائم کیا پھر ان سیاحوں اور جغرافیہ والوں کی بات کو ماننا اور ان راستبازوں کی بات کو نہ ماننا کہاں کی راستبازی ہے۔ اگر لندن کا وجود چند لوگوں سے سن کر ثابت ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا وجود ہزاروں راستبازوں کی گواہی پر کیوں ثابت نہیں ہو سکتا۔

غرضیکہ ہزاروں راستبازوں کی شہادت جو اپنے عینی مشاہدہ پر خدا تعالیٰ کے وجود کی گواہی دیتے ہیں کسی صورت میں بھی ردّ کے قابل نہیں ہو سکتی۔ تعجب ہے کہ جو اس کوچہ میں پڑے ہیں وہ تو سب باتفاق کہہ رہے ہیں کہ خدا ہے لیکن جو روحانیت کے کوچہ سے بالکل بے بہرہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ان کی بات نہ مانو کہ خدا ہے حالانکہ اصول شہادت کے لحاظ سے اگر دو برابر کے راستباز آدمی بھی ایک معاملہ کے متعلق گواہی دیں تو جو کہتا ہے کہ مَیں نے فلاں چیز کو دیکھا اس کی گواہی کو اس گواہی پر جو کہتا ہے مَیں نے اس چیز کو نہیں دیکھا ترجیح دی جائے گی کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ان میں سے ایک کی نظر اس چیز پر نہ پڑی ہو لیکن یہ ناممکن ہے کہ ایک نے نہ دیکھا ہو اور سمجھ لے کہ میں نے دیکھا ہے۔ پس خدا کے دیکھنے والوں کی گواہی اس کے منکروں پر بہر حال حجت ہو گی۔

دلیل سوم:

سامعین! تیسری دلیل جو قران شریف سے معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ انسان کی فطرت خود خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک دلیل ہے کیونکہ بعض ایسے گناہ ہیں کہ جن کو فطرتِ انسانی قطعی طور پر ناپسند کرتی ہے۔ ماں، بہن اور لڑکی کے ساتھ زنا ہے، پاخانہ پیشاب اور اس قسم کی نجاستوں کے ساتھ تعلق ہے، جھوٹ ہے، یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے ایک دہریہ بھی پرہیز کرتا ہے مگر کیوں؟ اگر کوئی خدا نہیں تو کیوں؟ وہ کیوں ماں اور بہن اور دوسری عورتوں میں کچھ فرق جانتا ہے۔ جھوٹ کو کیوں بُرا جانتا ہے۔ کیا دلائل ہیں کہ جنہوں نے مذکورہ بالا چیزوں کو اس کی نظر میں بدنما قرار دیا ہے۔ اگر کسی بالائی طاقت کا رعب اس کے دل پر نہیں تو وہ کیوں ان سے احتراز کرتا ہے؟ اس کے لئے تو جھوٹ اور سچ، ظلم اور انصاف سب ایک ہی ہونا چاہئے۔ جو دل کی خوشی ہوئی کر لیا۔ وہ کون سی شریعت ہے جو اس کے جذبات پر حکومت کرتی ہے۔ جس نے دل پر ایک تخت رکھا ہے۔ اور گو ایک دہریہ زبان سے اس کی حکومت سے نکل جائے لیکن وہ اس کی بنائی ہوئی فطرت سے باہر نہیں نکل سکتا اور گناہوں سے اجتناب یا ان کے اظہار سے اجتناب اس کے لئے ایک دلیل ہے کہ کسی بادشاہ کی جوابدہی کا خوف ہے جو اس کے دل پر طاری ہے گو وہ اس کی بادشاہت کا انکار ہی کرتا ہے۔ قرآن شرف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (القیٰمۃ: 2۔3) یعنی جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نہ خدا ہے نہ جزا سزا ہے۔ ایسا نہیں بلکہ ہم ان

امور کی شہادت کے لئے دو چیزیں پیش کرتے ہیں۔ ایک تو اس بات کو کہ ہر بات کے لئے ایک قیامت کا دن مقرر ہے۔ جس میں کہ اس کا فیصلہ ہوتا ہے اور نیکی کا بدلہ نیک اور بدی کا بدلہ بدی مل جاتا ہے۔ اگر خدا نہیں تو جزا و سزا کیونکر مل رہی ہے اور جو لوگ قیامتِ کبریٰ کے مُنکر ہیں وہ دیکھ لیں کہ قیامت تو اس دنیا سے شروع ہے۔ زانی کو آتشک و سوزاک ہوتا ہے۔ شادی شدہ کو تو نہیں ہوتا حالانکہ دونوں ایک ہی کام کر رہے ہوتے ہیں۔ دوسری شہادت نفسِ لوّامہ ہے یعنی انسان کا نفس خود ایسے گناہ پر ملامت کرتا ہے کہ یہ بات بُری ہے اور گندی ہے۔ دہریہ بھی زنا اور جھوٹ کو بُرا جانیں گے۔ تکبّر اور حسد کو اچھا نہ سمجھیں گے مگر کیوں؟ ان کے پاس تو کوئی شریعت نہیں۔ اس لئے نہ کہ ان کا دل بُرا مانتا ہے اور دل اسی لئے بُرا مانتا ہے کہ مجھے اس فعل کی ایک حاکمِ اعلیٰ کی طرف سے سزا ملے گی گو وہ لفظوں میں اُسے ادا نہیں کر سکتا۔ اِسی کی تائید میں ایک اور جگہ قرآن شریف میں ہے۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (الشمس:9) اللہ تعالیٰ نے ہر نفس میں نیکی اور بدی کا الہام کر دیا ہے۔ پس نیکی بدی کا احساس خود خدا کی زبردست دلیل ہے۔ اگر خدا نہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک چیز کو نیک اور ایک کو بد کہا جاوے جو دل میں آئے لوگ کیا کریں۔

چوتھی دلیل:

سامعین! چوتھی دلیل جو قرآن شریف سے ذاتِ باری کے متعلق معلوم ہوتی ہے یہ ہے۔ وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى۔ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى۔ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا۔ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى (النجم:43-47) یعنی یہ بات ہر ایک نبی کی معرفت ہم نے پہنچا دی ہے کہ ہر ایک چیز کا انتہاء اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی جا کر ہوتا ہے اور خواہ خوشی کے واقعات ہوں یا رنج کے وہ خدا ہی کی طرف سے آتے ہیں اور موت اور حیات سب اُسی کے ہاتھ میں ہیں اور اُس نے مرد و عورت دونوں کو پیدا کیا ہے ایک چھوٹی سی چیز سے جس وقت وہ ڈالی گئی۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح متوجہ کیا ہے کہ ہر ایک فعل کا ایک فاعل ہوتا ہے اور ضرور ہے کہ ہر کام کے کرنے والا بھی کوئی ہو۔ پس اس تمام کائنات پر اگر غور کرو گے تو ضرور تمہاری رہنمائی اس طرف ہوگی کہ سب اشیاء آخر جا کر ذات باری پر ختم ہوتی ہیں اور وہی انتہاء ہے تمام اشیاء کی اور اسی کے اشارے سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی ابتدائی حالت کی طرف متوجہ

کر کے فرمایا ہے کہ تمہاری پیدائش تو ایک نطفہ سے ہے اور تم تو جوں جوں پیچھے جاتے ہو اَور حقیر ہوتے جاتے ہو پھر تم کیونکر اپنے خالق ہو سکتے ہو۔ جب خالق کے بغیر کوئی مخلوق ہو نہیں سکتی اور انسان اپنا آپ خالق نہیں ہے کیونکہ اس کی حالت پر جس قدر غور کریں وہ نہایت چھوٹی اور ادنیٰ حالت سے ترقی کر کے اس حالت کو پہنچتا ہے اور جب وہ موجودہ حالت میں خالق نہیں تو اس کمزور حالت میں کیونکر خالق ہو سکتا تھا۔ تو ماننا پڑے گا کہ اس کا خالق کوئی اور ہے جس کی طاقتیں غیر محدود اور قدرتیں لاانتہاء ہیں۔ غرضیکہ جس قدر انسان کی درجہ بدرجہ ترقی پر غور کرتے جائیں اس کے اسباب باریک سے باریک تر ہوتے جاتے ہیں اور آخر ایک جگہ جا کر تمام دنیاوی علوم کہہ دیتے ہیں کہ یہاں اب ہمارا دخل نہیں اور ہم نہیں جانتے کہ یہ کیوں ہو گیا اور وہی مقام ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کام کر رہا ہوتا ہے اور ہر ایک سائنس دان کو ماننا پڑتا ہے کہ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَھٰی یعنی ہر ایک چیز کی انتہاء ہوتی ہے اور آخر ایک ایسی ہستی پر ہوتی ہے کہ جس کو وہ اپنی عقل کے دائرہ میں نہیں لا سکتے اور وہی خدا ہے۔ یہ ایک موٹی دلیل ہے کہ جسے ایک جاہل سے جاہل انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔

کہتے ہیں کہ کسی نے ایک بدوی سے پوچھا تھا کہ تیرے پاس خدا کی کیا دلیل ہے۔ اس نے جواب دیا کہ جنگل میں ایک اونٹ کی مینگنی پڑی ہوئی ہو تو میں دیکھ کر بتا دیتا ہوں کہ یہاں سے کوئی اونٹ گزرا ہے۔ پھر اتنی بڑی مخلوقات کو دیکھ کر میں معلوم نہیں کر سکتا کہ اس کا کوئی خالق ہے۔ واقعی یہ جواب ایک سچا اور فطرت کے مطابق جواب ہے اور اس مخلوقات کی پیدائش کی طرف اگر انسان توجہ کرے تو آخر ایک ہستی کو ماننا پڑتا ہے کہ جس نے یہ سب پیدا کیا۔ لکھا ہے کہ

اَلْبَعْرَۃُ تَدُلُّ عَلَی الْبَعِیْرِ وَاَثَرُ الْقَدَمِ السَّفِیْرِ فَالسَّمَآءُ ذَاتُ الْبُرُوْجِ وَالْاَرْضُ ذَاتُ فِجَاجٍ اَمَا تَدُلُّ عَلٰی قَدِیْرٍ۔

(تشحیذ الاذہان مارچ 1913ء)

۞۞۞۞

﴿8﴾ ﴿مشاہدات۔987﴾

وجودِ باری تعالیٰ پر دس دلائل

(از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ)

(قسط نمبر 2)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

مَنۡ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ھُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ (المائدہ:57)

یعنی جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی کرتا ہے۔

واحِد ہے لاشریک ہے اور لازوال ہے
سب موت کا شکار ہیں اُس کو فنا نہیں
سب خیر ہے اِسی میں کہ اُس سے لگاؤ دِل
ڈھونڈو اُسی کو یارو! بُتوں میں وفا نہیں

معزز سامعین! حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہستیٔ باری تعالیٰ پر بیان فرمودہ دس دلائل بیان ہو رہے ہیں۔ اِن دس میں سے چار دلائل مَیں کل اپنی تقریر میں بیان کر آیا ہوں۔ باقی چھ دلائل آج آپ کے سامنے رکھنے جارہا ہوں۔ پانچویں دلیل کے متعلق فرماتے ہیں۔

پانچویں دلیل ہستی باری تعالیٰ کی جو قرآن شریف نے دی ہے گو اِسی رنگ کی ہے لیکن اس سے زیادہ زبردست ہے اور وہاں استدلال بالاَولیٰ سے کام لیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تَبٰرَكَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡكُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُ۔ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا وَھُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡغَفُوۡرُ۔ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ھَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ۔ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡكَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّھُوَ حَسِیۡرٌ (الملک:2۔5)

یعنی بہت برکت والا ہے وہ جس کے ہاتھ میں ملک ہے وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا ہے تاکہ دیکھے کہ تم میں سے کون زیادہ نیک عمل کرتا ہے اور وہ غالب ہے، بخشندہ ہے۔ اُس نے ساتوں آسمان بھی پیدا کئے اور اُن میں آپس میں موافقت اور مطابقت رکھی ہے تُو کبھی کوئی اختلاف اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں نہیں دیکھے گا۔ پس اپنی آنکھ کو لوٹا، کیا تجھے کوئی شگاف نظر آتا ہے۔ دوبارہ اپنی نظر کو لوٹا کر دیکھ، تیری نظر تیری طرف تھک کر اور ماندہ ہو کر لوٹے گی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تمام کائنات اتفاقاً پیدا ہو گئی اور اتفاقی طور پر مادہ کے ملنے سے یہ سب کچھ بن گیا اور سائنس سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ ہو سکتا ہے کہ دنیا خود بخود جڑ کر آپ ہی چلتی جائے اور اس کا پھرانیوالا کوئی نہ ہو۔ لیکن ان کا جواب اللہ تعالیٰ ان آیات میں دیتا ہے کہ اتفاقی طور سے جڑنے والی چیزوں میں کبھی ایک سلسلہ اور انتظام نہیں ہوتا بلکہ بے جوڑی ہوتی ہے۔ مختلف رنگوں سے مل کر ایک تصویر بنتی ہے۔ لیکن کیا اگر مختلف رنگ ایک کاغذ پر پھینک دیں تو اس سے تصویر بن جائے گی۔ اینٹوں سے مکان بنتا ہے لیکن کیا اینٹیں ایک دوسرے پر پھینک دینے سے مکان بن جائے گا۔ بفرض محال اگر یہ مان لیا جائے کہ بعض واقعات اتفاقاً بھی ہو جاتے ہیں لیکن نظامِ عالم کو دیکھ کر کبھی کوئی انسان نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب کچھ آپ ہی ہو گیا۔ مانا کہ خود بخود ہی مادہ سے زمین پیدا ہو گئی اور یہ بھی مان لیا کہ اتفاقاً ہی انسان پیدا ہو گیا لیکن انسان کی خلقت پر نظر تو کرو کہ ایسی کامل پیدائش کبھی خود بخود ہو سکتی ہے۔ عام طور سے دنیا میں ایک صفت کی خوبی سے اس کے صنّاع کا پتہ لگتا ہے۔ ایک عمدہ تصویر کو دیکھ کر فوراً خیال ہوتا ہے کہ کسی بڑے مصوّر نے بنائی ہے۔ ایک عمدہ تحریر کو دیکھ کر سمجھا جاتا ہے کہ کسی بڑے کاتب نے لکھی ہے اور جس قدر ربط بڑھتا جائے اسی قدر اس کے بنانے یا لکھنے والے کی خوبی اور بڑائی ذہن نشین ہوتی جاتی ہے پھر کیونکر تصوّر کیا جاتا ہے کہ ایسی منتظم دنیا خود بخود اور یونہی پیدا ہو گئی۔ ذرا اس بات پر تو غور کرو کہ جہاں انسان میں ترقی کرنے کے قویٰ ہیں وہاں اسے اپنے خیالات کو عملی صورت میں لانے کے لئے عقل دی گئی ہے اور اس کا جسم بھی اس کے مطابق بنایا گیا ہے۔ چونکہ اس کو محنت سے رزق کمانا تھا اس لئے اُسے مادہ دیا کہ چل پھر کر اپنا رزق پیدا کرلے۔ درخت کا رزق اگر زمین میں رکھا ہے تو اُسے جڑیں دیں کہ وہ اس کے اندر سے اپنا پیٹ بھر لے۔ اگر شیر کی خوراک گوشت رکھی تو اُسے شکار مارنے کے لئے ناخن

دیئے اور گھوڑے اور بیل کے لئے گھاس کھانا مقدّر کیا تو ان کو ایسی گردن دی جو جھک کر گھاس پکڑ سکے اور اگر اونٹ کے لئے درختوں کے پتّے اور کانٹے مقرر کئے تو اس کی گردن بھی اونچی بنائی۔ کیا یہ سب کارخانہ اتفاق سے ہوا۔ کیا اتفاق نے اس بات کو معلوم کر لیا تھا کہ اونٹ کو گردن لمبی دوں اور شیر کو پنجے اور درخت کو جڑیں اور انسان کو ٹانگیں۔ ہاں کیا یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ جو کام خود بخود ہو گیا اس میں اس قدر انتظام رکھا گیا ہو۔ پھر اگر انسان کے لئے پھیپھڑا بنایا تو اس کے لئے ہوا بھی پیدا کی۔ اگر پانی پر اس کی زندگی رکھی تو سورج کے ذریعہ بادلوں کی معرفت اسے پانی پہنچایا اور اگر آنکھیں دیں تو ان کے کارآمد بنانے کے لئے سورج کی روشنی بھی دی تا کہ وہ اس میں دیکھ بھی سکے۔ کان دیئے تو ساتھ اس کے خوبصورت آوازیں بھی پیدا کیں۔ زبان کے ساتھ ذائقہ دار چیزیں بھی عطا فرمائیں۔ ناک پیدا کیا تو خوشبو بھی مہیا کر دی۔ ممکن تھا کہ اتفاق انسان میں پھیپھڑا پیدا کر دیتا لیکن اس کے لئے یہ ہوا کا سامان کیوں کر پیدا ہو گیا اور ممکن تھا کہ آنکھیں انسان کی پیدا ہو جاتیں لیکن وہ عجیب اتفاق تھا کہ جس نے کروڑوں میلوں پر جا کر ایک سورج بھی پیدا کر دیا تا کہ وہ اپنا کام کر سکیں۔ اگر ایک طرف اتفاق نے کان پیدا کر دیئے تھے تو یہ کون سی طاقت تھی جس نے دوسری طرف آواز بھی پیدا کر دی۔ برفانی ممالک میں مان لیا کہ کتّے یا ریچھوں کو تو اتفاق نے پیدا کر دیا لیکن کیا سبب کہ ان کتّوں یا ریچھوں کے بال اتنے لمبے بن گے کہ وہ سردی سے محفوظ رہ سکیں۔ اتفاق ہی نے ہزاروں بیماریاں پیدا کیں۔ اتفاق ہی نے ان کے علاج بنا دیئے۔ اتفاق ہی نے بچھو بُوٹی جس کے چھونے سے خارش ہونے لگ جاتی ہے، پیدا کی اور اُس نے اُس کے ساتھ پالک کا پودا اُگا دیا کہ اس کا علاج ہو جائے۔ دہریوں کا اتفاق بھی عجیب ہے کہ جن چیزوں کے لئے موت تجویز کی ان کے ساتھ توالد کا سلسلہ بھی قائم کر دیا اور جن چیزوں کے ساتھ موت نہ تھی وہاں یہ سلسلہ ہی نہیں رکھا۔ انسان اگر پیدا ہوتا اور مرتا نہیں تو کچھ سالوں میں ہی دنیا کا خاتمہ ہو جاتا۔ اس لئے اس کے ساتھ فنا لگا دی لیکن سورج اور چاند اور زمین نہ نئے پیدا ہوتے ہیں نہ اگلے فنا ہوتے ہیں۔ کیا یہ انتظام کچھ کم تعجّب انگیز ہے کہ زمین اور سورج میں چونکہ کشش رکھی ہے اس لئے ان کو ایک دوسرے سے اتنی دور رکھا کہ آپس میں ٹکرا نہ جاویں۔ کیا یہ باتیں اس بات پر دلالت نہیں کرتی ہیں کہ ان سب چیزوں کا خالق وہ ہے جو نہ صرف علیم ہے بلکہ غیر محدود علم والا ہے۔ اس کے قواعد ایسے منضبط ہیں کہ ان

میں کچھ اختلاف نہیں اور نہ کچھ کمی ہے۔ مجھے تو اپنی انگلیاں بھی اس کی ہستی کا ایک ثبوت معلوم ہوتی ہیں۔ مجھے جہاں علم دیا تھا اگر شیر کا پنجہ مل جاتا تو کیا مَیں اس سے لکھ سکتا تھا۔ شیر کو علم نہیں دیا اسے پنجے دیئے، مجھے علم دیا لکھنے کے لئے انگلیاں بھی دیں۔

سلطنتوں میں ہزاروں مدبّر ان کی درستی کے لئے رات دن لگے رہتے ہیں لیکن پھر بھی دیکھتے ہیں کہ ان سے ایسی ایسی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں کہ جن سے سلطنتوں کو خطرناک نقصان پہنچ جاتا ہے بلکہ بعض اوقات بالکل تباہ ہو جاتی ہیں لیکن اگر اس دنیا کا کاروبار صرف اتفاق پر ہے تو تعجب ہے کہ ہزاروں دانا دماغ تو غلطی کرتے ہیں لیکن یہ اتفاق تو غلطی نہیں کرتا۔ لیکن سچی بات یہی ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے جو بڑے وسیع عالم کا مالک اور عزیز ہے اور اگر یہ نہ ہوتا تو یہ انتظام نظر نہ آتا۔ اب جس طرف نظر دوڑا کر دیکھو۔ تمہاری نظر قرآن شریف کے ارشاد کے مطابق خائب و خاسر واپس آئے گی اور ہر ایک چیز میں ایک انتظام معلوم ہو گا۔ نیک جزاء اور بدکار سزا پا رہے ہیں۔ ہر ایک چیز اپنا مفوّضہ کام کر رہی ہے اور ایک دم کے لئے سُست نہیں ہوئی۔

دلیل ششم:

سامعین! قرآنِ شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منکر ہمیشہ ذلیل وخوار ہوتے ہیں اور یہ بھی ایک ثبوت ہے ان کے باطل پر ہونے کا کیونکہ اللہ اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ فتوحات دیتا ہے اور وہ اپنے مخالفوں پر غالب رہتے ہیں۔ اگر کوئی خدا نہیں تو یہ نصرت اور تائید کہاں سے آتی ہے۔ چنانچہ فرعون موسیٰ کی نسبت فرماتا ہے کہ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى (النّٰزعٰت:25-26) یعنی جب حضرت موسیٰؑ نے اُسے اطاعتِ الٰہی کی نسبت کہا تو اُس نے تکبّر سے جواب دیا کہ خدا کیسا، خدا تو مَیں ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُسے اِس جہاں میں بھی اور اگلے جہاں میں بھی ذلیل کر دیا چنانچہ فرعون کا واقعہ ایک بیّن دلیل ہے کہ کس طرح خدا کے منکر ذلیل وخوار ہوتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں دنیا میں کبھی کوئی سلطنت دہریوں نے قائم نہیں کی بلکہ دنیا کے فاتح اور ملکوں کے مصلح اور تاریخ کے بنانے والے وہی لوگ ہیں کہ جو خدا کے قائل ہیں۔ کیا یہ ان کی ذلّت ونکبت اور قوم کی صورت میں کبھی دنیا کے سامنے نہ آنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔

ساتویں دلیل:

سامعین! اللہ تعالیٰ کی ہستی کی یہ ہے کہ اُس کی ذات کے ماننے والے اور اُس پر حقیقی ایمان رکھنے والے ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں اور باوجود لوگوں کی مخالفت کے ان پر کوئی مصیبت نہیں آتی۔ خدا تعالیٰ کی ہستی کے منوانے والے ہر ملک میں پیدا ہوئے ہیں اور جس قدر اُن کی مخالفت ہوئی ہے اُتنی اور کسی کی نہیں لیکن پھر دنیا اس کے خلاف کیا کر سکی۔ رامچندر کو بن باس دینے والوں نے کیا سکھ پایا؟ اور راون نے کون سی عشرت حاصل کر لی؟ کیا رامچندر کا نام ہزاروں سال کے لئے زندہ نہیں ہو گیا اور کیا راون کا نام ہمیشہ کے لئے بدنام نہیں ہوا؟ اور کرشنؑ کی بات کا ردّ کر کے کوروں نے کیا فائدہ حاصل کیا۔ کیا وہ کورو چھتر کے میدان میں تباہ نہ ہوئے؟ فرعون بادشاہ جو بنی اسرائیل سے اینٹیں پتھواتا تھا۔ اس نے موسیٰؑ جیسے بے کس انسان کی مخالفت کی مگر کیا موسیٰؑ کا کچھ بگاڑ سکا؟ وہ غرق ہو گیا اور موسیٰؑ بادشاہ ہو گئے۔ حضرت مسیحؑ کی دنیا نے جو کچھ مخالفت کی وہ بھی ظاہر ہے اور ان کی ترقی بھی جو کچھ ہوئی پوشیدہ نہیں۔ ان کے دشمن تو تباہ ہوئے اور ان کے غلام ملکوں کے بادشاہ ہو گئے۔ ہمارے آقا بھی دنیا میں سب سے زیادہ اس پاک ذات کے نام کے پھیلانے والے تھے۔ یہاں تک کہ ایک یورپ کا مصنّف کہتا ہے کہ ان کو خدا کا جنون تھا (نعوذباللہ) ہر وقت خدا خدا ہی کہتے رہتے تھے۔ ان کی سات قوموں نے مخالفت کی۔ اپنے پرائے سب دشمن ہو گئے مگر کیا پھر آپ کے ہاتھ پر دنیا کے خزانے فتح نہیں ہوئے؟ اگر خدا نہیں تو یہ تائید کس نے کی؟ اگر یہ سب کچھ اتفاق تھا تو کوئی مبعوث تو ایسا ہوتا جو خدا کی خدائی ثابت کرنے آتا اور دنیا اسے ذلیل کر دیتی مگر جو کوئی خدا کے نام کو بلند کرنے والا اُٹھا، وہ معزّز و ممتاز ہی ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ مَنۡ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ (المائدہ:57) اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی کرتا ہے۔ پس یاد رکھنا چاہئے کہ یہی لوگ خدا کے ماننے والے ہی غالب رہتے ہیں۔

دلیل ہشتم:

سامعین! آٹھویں دلیل جو قرآنِ شریف سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت میں ملتی ہے یہ ہے کہ وہ دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ جب کوئی انسان گھبرا کر اُس کے حضور میں دعا کرتا ہے تو وہ اُسے قبول کرتا ہے اور یہ بات

کسی خاص زمانہ کے متعلق نہیں بلکہ ہر زمانہ میں اُس کے نظارے موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْالِیْ وَلْیُؤْمِنُوْابِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ (البقرہ: 187) یعنی جب میرے بندے میری نسبت سوال کریں تو انہیں کہہ دو کہ مَیں ہوں اور پھر قریب ہوں، پکارنے والے کی دعا کو سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ پس چاہئے کہ وہ بھی میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت پائیں۔ اب اگر کوئی شخص کہے کہ کیونکر معلوم ہو کہ دعا خدا سنتا ہے کیوں نہ کہا جائے کہ اتفاقاً بعض دعا کرنے والے کے کام ہو جاتے ہیں۔ جیسے بعض کے نہیں بھی ہوتے۔ اگر سب دعائیں قبول ہو جائیں تب بھی کچھ بات تھی لیکن بعض کے قبول ہونے سے کیونکر معلوم ہو کہ اتفاق نہ تھا۔ بلکہ کسی ہستی نے قبول کر لیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ دعا کی قبولیت اپنے ساتھ نشان رکھتی ہے۔ چنانچہ ہمارے آقا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ثبوتِ باری تعالیٰ کی دلیل میں یہ پیش کیا تھا کہ چند بیمار جو خطرناک طور پر بیمار ہوں چُنے جائیں اور بانٹ لئے جائیں اور ایک گروہ کا ڈاکٹر علاج کریں اور ایک طرف مَیں اپنے حصہ والوں کے لئے دعا کروں پھر دیکھو کہ کس کے بیمار اچھے ہوتے ہیں۔ اب اس طریقِ امتحان میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ایک سگ گزیدہ جسے دیوانگی ہوگئی اور جس کے علاج سے کسولی کے ڈاکٹروں نے قطعاً انکار کر دیا تھا اور لکھ دیا تھا کہ اس کا کوئی علاج نہیں۔ اس کے لئے آپ نے دعا کی اور وہ اچھا ہو گیا۔ حالانکہ دیوانے کتّے کے کاٹے ہوئے دیوانہ ہو کر کبھی اچھے نہیں ہوتے۔ پس دعاؤں کی قبولیت اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی ایسی ہستی موجود ہے جو انہیں قبول کرتی ہے اور دعاؤں کی قبولیت کسی خاص زمانہ سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ ہر زمانے میں اس کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں جیسے پہلے زمانہ میں دعائیں قبول ہوتی تھیں ویسے ہی اب بھی ہوتی ہیں۔

دلیل نہم:

سامعین! نویں دلیل قرآنِ شریف سے وجودِ باری کی الہام معلوم ہوتی ہے۔ یہ دلیل اگرچہ مَیں نے نویں نمبر پر رکھی ہے لیکن درحقیقت نہایت عظیم الشان دلیل ہے جو خدا تعالیٰ کے وجود کو یقینی طور سے ثابت کر دیتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی

الْاٰخِرَةِ (ابراہیم: 28) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اس دنیا اور اگلی دنیا میں پکی باتیں سنا سنا کر مضبوط کرتا رہتا ہے۔ پس جب کہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ایک بڑی تعداد کے ساتھ ہم کلام ہوتا رہتا ہے تو پھر اس کا انکار کیونکر درست ہو سکتا ہے اور نہ صرف انبیاء اور رسولوں کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے بلکہ اولیاء سے بھی باتیں کرتا ہے اور بعض دفعہ اپنے کسی غریب بندہ پر بھی رحم کر کے اس کی تشفی کے لئے کلام کرتا ہے۔ چنانچہ اس عاجز سے بھی اس نے کلام کیا اور اپنے وجود کو دلائل سے ثابت کیا۔ پھر یہی نہیں بعض دفعہ نہایت گندے اور بدباطن آدمیوں سے بھی ان پر حجت قائم کرنے کے لئے بول لیتا ہے۔ چنانچہ بعض دفعہ چوہڑوں چماروں کنچنیوں تک کو خوابیں اور الہام ہو جاتے ہیں اور اس بات کا ثبوت کہ وہ کسی زبردست ہستی کی طرف سے ہیں یہ ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ان میں غیب کی خبریں ہوتی ہیں جو اپنے وقت پر پوری ہو کر بتا دیتی ہیں کہ یہ انسانی دماغ کا کام نہ تھا اور نہ کسی بدہضمی کا نتیجہ تھا اور بعض دفعہ سینکڑوں سال آگے کی خبریں بتائی جاتی ہیں تاکہ کوئی یہ نہ کہہ دے کہ موجودہ واقعات خواب میں سامنے آگئے اور وہ اتفاقاً پورے بھی ہو گئے۔ چنانچہ توریت اور قرآنِ شریف میں مسیحیوں کی ان ترقیوں کا جن کو دیکھ کر اب دنیا حیران ہے، پہلے ذکر موجود تھا اور پھر صریح لفظوں میں تفصیل کے ساتھ۔ بلکہ ان واقعات کا بھی ذکر ہے جو آئندہ پیش آنے والے ہیں۔ مثلاً اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر: 5) یعنی ایک وقت آتا ہے کہ اونٹنیاں بیکار ہو جائیں گی اور حدیث مسلم میں اس کی تفسیر یہ ہے وَلَيُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا یعنی اونٹنیوں سے کام نہ لیا جائے گا چنانچہ اس زمانے میں ریل کے اجراء سے یہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ ریل کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ایسے ایسے اشارے پائے جاتے ہیں جن سے ریل کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے اور یقین ہو جاتا ہے کہ کلام نبوت میں بھی سواری (مراد) ہے جو حبس ماء (steam) سے چلے گی اور اپنے آگے دھوئیں کا ایک پہاڑ رکھے گی اور سواری اور بار برداری کے لحاظ سے حمار کی طرح ہو گی اور چلتے وقت ایک آواز کرے گی وَغَيْرُ ذٰلِكَ۔

دوم: اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (التکویر: 11) یعنی کتابوں اور نوشتوں کا بہ کثرت شائع ہونا۔ آجکل بباعث چھاپہ کی کلوں کے جس قدر اس زمانہ میں کثرت اشاعت کتابوں کی ہوئی ہے اس کے بیان کی ضرورت نہیں۔

سوم:۔ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (التکویر:8) نوع انسان کے باہمی تعلقات کا بڑھنا اور ملاقاتوں کا طریق سہل ہو جانا کہ موجودہ زمانے سے بڑھ کر متصوّر نہیں۔

چہارم: تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ (النّٰزِعٰت:6) متواتر اور غیر معمولی زلزلوں کا آنا یہاں تک کہ زمین کانپنے والی بن جائے۔ سو یہ زمانہ اس کے لئے بھی خصوصیت سے مشہور ہے۔

پنجم: وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا (بنی اسرائیل:59) کوئی ایسی بستی نہیں جس کو ہم قیامت سے پہلے پہلے ہلاک نہیں کریں گے یا کسی حد تک اس پر عذاب وارد نہیں کریں گے۔ چنانچہ اسی زمانہ میں طاعون اور زلزلوں اور طوفان اور آتش فشاں پہاڑوں کے صدمات اور باہمی جنگوں سے لوگ ہلاک ہو رہے ہیں اور اس قدر اسباب موت کے اس زمانہ میں جمع ہوئے ہیں اور اس شدت سے وقوع میں آئے ہیں کہ اس مجموعی حالت کی نظیر کسی پہلے زمانہ میں پائی نہیں جاتی۔ پھر اسلام تو ایسا مذہب ہے کہ ہر صدی میں اس کے ماننے والوں میں سے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں جو الہام الٰہی سے سرفراز ہوتے رہتے ہیں اور خارق عادت نشانات سے ظاہر کرتے ہیں کہ ایک قادر و توانا، مدبّر بالارادہ ہستی ہے۔ چنانچہ اس زمانہ کے مامور پر نہایت بے بسی و گمنامی کی حالت میں خدا نے وحی نازل کی يَاْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔ يَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰهِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ (دیکھو براہین احمدیہ مطبوعہ 1881ء صفحہ 241۔ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 267 حاشیہ) کہ ہر ایک راہ سے لوگ تیرے پاس آئیں گے اور ایسی کثرت سے آئیں گے کہ وہ راہیں عمیق ہو جائیں گی۔ تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کے دلوں میں ہم آپ القاء کریں گے۔ مگر چاہئے کہ تُو خدا کے بندوں سے جو تیرے پاس آئیں گے، بدخُلقی نہ کرے اور چاہئے کہ تُو ان کی ملاقاتوں سے تھک نہ جائے۔ ایک شخص ایک گاؤں میں رہنے والا جس کے نام سے مہذب دنیا میں سے کوئی آگاہ نہ تھا، یہ اعلان کرتا ہے پھر باوجود سخت مخالفتوں اور روکوں کے ایک دنیا دیکھتی ہے کہ امریکہ اور افریقہ سے لے کر تمام علاقوں کے لوگ یہاں حاضر رہتے ہیں اور آدمیوں کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ ان سب سے مصافحہ و ملاقات کرنا معمولی آدمی کا کام نہیں ایک مقتدر جماعت اپنے پیارے وطن کو چھوڑ کر یہاں رہنا اختیار کرتی ہے اور قادیان کا نام تمام دنیا میں مشہور ہو جاتا ہے۔ کیا یہ چھوٹی سی بات ہے اور یہ ایسا نشان ہے جسے معمولی نظر سے ٹال دیا جائے؟

دوم: عیسائیوں میں سے ڈوئی نے امریکہ میں نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے یہ ناپاک کلمات شائع کئے کہ "مَیں خدا سے دعا کرتا ہوں وہ دن جلد آئے کہ اسلام دنیا سے نابود ہو جائے۔ اے خدا! تو ایسا ہی کر۔ اے خدا! اسلام کو ہلاک کر"۔ تو صرف یہ حضور مسیح موعود ہمارے امام علیہ السلام ہی تھے جنہوں نے اس کے مقابلہ میں اشتہار دیا کہ اے شخص! جو مدعی نبوت ہے آ اور میرے ساتھ مباہلہ کر۔ ہمارا مقابلہ دعا سے ہو گا اور ہم دونوں خدا تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ ہم میں سے جو شخص کذّاب ہے وہ پہلے ہلاک ہو (ٹیلیگراف 5؍ جولائی 1903ء) لیکن اُس نے رعونت سے کہا۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ مَیں ان مچھروں اور مکھیوں کا جواب دوں گا۔ اگر مَیں اپنا پاؤں ان پر رکھوں تو ان کو کچل کر مار ڈالوں۔ (ڈوئی کا پرچہ دسمبر 1903ء) مگر حضورؑ نے فرمایا تھا اور اسی اشتہار 23؍ اگست 1903ء میں شائع کیا تھا کہ اگر ڈوئی مقابلہ سے بھاگ گیا تب بھی یقیناً سمجھو کہ اس کے صیحون پر جلد آفت آنے والی ہے۔ اے خدا اور کامل خدا! یہ فیصلہ جلد کر اور ڈوئی کا جھوٹ لوگوں پر ظاہر کر دے۔ پھر اس کے بعد معزز ناظرین سنو کیا ہوا۔ وہ جو شہزادوں کی زندگی بسر کرتا تھا جس کے پاس سات کروڑ نقد تھا، اُس کی بیوی اور اُس کا بیٹا دشمن ہو گئے اور باپ نے اشتہار دیا کہ وہ ولد الزنا ہے۔ آخر اس پر فالج گرا پھر غموں کے مارے پاگل ہو گیا۔ آخر مارچ 1907ء میں بڑی حسرت اور دکھ کے ساتھ جیسا کہ خدا نے اپنے مامور کو پہلے اطلاع دی اور جیسا کہ حضرت اقدسؑ نے 20؍ فروری 1907ء کے اشتہار میں شائع فرمایا تھا۔ خدا فرماتا ہے کہ "مَیں ایک تازہ نشان ظاہر کروں گا۔ جس میں فتح عظیم ہو گی۔ وہ تمام دنیا کے لئے ایک نشان ہو گا۔" ہلاک ہو کر خدا کی ہستی پر گواہی دے گیا۔ یہ عیسائی دنیا، پرانی دنیا، نئی دنیا دونوں پر حضور کی فتح تھی۔

سوم: اس ملک میں آریوں کا زور ہے۔ ان کا زعیم لیکھرام تھا، رسالہ کرامات الصادقین مطبوعہ صفر 1311ھ میں یہ پیشگوئی درج کی کہ لیکھرام کی نسبت خدا نے میری دعا قبول کر کے مجھے خبر دی ہے کہ وہ چھ سال کے اندر ہلاک ہو گا اور اس کا جرم یہ ہے کہ وہ خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا تھا اور بُرے لفظوں کے ساتھ توہین کرتا تھا۔ پھر 22؍ فروری 1893ء کے اشتہار میں اس کے مرنے کی صورت بھی بتا دی۔ عِجْلٌ جَسَدٌ لَّہٗ خُوَارٌ لَّہٗ نَصَبٌ وَعَذَابٌ یعنی لیکھرام گوسالہ سامری ہے جو بے جان ہے اور اس میں محض ایک آواز ہے جس میں روحانیت نہیں۔ اس لئے اس کو عذاب دیا جاوے گا جو گوسالہ سامری کو

دیا گیا تھا۔ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ گوسالہ سامری کو ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا تھا اور پھر جلایا گیا اور دریا میں ڈالا گیا تھا۔ پھر 2، اپریل 1893ء کو آپ نے ایک کشف دیکھا۔ (دیکھو برکات الدعا کا حاشیہ، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 33) ایک قوی مہیب شکل جو گویا انسان نہیں ملائکِ شدّاد اور غلاّظ سے ہے، وہ پوچھتا ہے کہ لیکھرام کہاں ہے؟۔ پھر کرامات الصادقین کے اس شعر سے دن بھی بتا دیا۔

وَ بَشَّرَنِیْ رَبِّیْ وَ قَالَ مُبَشِّرًا
سَتَعْرِفُ یَوْمَ الْعِیْدِ وَ الْعِیْدُ اَقْرَبُ

یعنی عید سے دوسرے دن ہفتہ والے دن اور

الا اے دشمنِ نادان و بے راہ
بترس از تیغِ برانِ محمدؐ

پانچ سال پہلے شائع کر کے قتل کی صورت بھی بتا دی۔ آخر لیکھرام 6، مارچ 1897ء کو قتل کیا گیا اور سب نے متفق اللفظ مان لیا کہ یہ پیشگوئی بڑی صفائی کے ساتھ پوری ہو کر اللہ کی ہستی کے لئے حجتِ ناطقہ ٹھہری پس الہام الٰہی ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے خدا کا انکار کرنا نہایت بے حیائی بے شرمی ہو گی۔

دلیل دہم:

سامعین! دسویں دلیل جو ہر ایک نزاع کے فیصلہ کے لئے قرآن شریف نے بیان فرمائی ہے۔ اس آیت سے نکلتی ہے کہ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: 70) یعنی جو لوگ ہمارے متعلق کوشش کرتے ہیں، ہم اُن کو اپنی راہ دکھا دیتے ہیں اور اس آیت پر جن لوگوں نے عمل کیا وہ ہمیشہ نفع میں رہے ہیں۔ وہ شخص جو خدا تعالیٰ کا منکر ہو اُسے تو ضرور خیال کر لینا چاہیئے کہ اگر خدا ہے تو اس کے لئے بہت مشکل ہو گی پس اس خیال سے اگر سچائی کے دریافت کرنے کی اس کے دل میں تڑپ ہو تو اسے چاہیئے کہ گڑگڑا کر اور بہت زور لگا کر وہ اس رنگ میں دعا کرے کہ اے خدا! اگر تو ہے اور جس طرح تیرے ماننے

والے کہتے ہیں تو غیر محدود طاقتوں والا ہے۔ تو مجھ پر رحم کر اور مجھے اپنی طرف ہدایت کر اور میرے دل میں بھی یقین اور ایمان ڈال دے تا کہ مَیں محروم نہ رہ جاؤں۔ اگر اس طرح سچے دل سے کوئی شخص دعا کرے گا اور کم سے کم چالیس دن تک اُس پر عمل کرے گا تو خواہ اس کی پیدائش کسی مذہب میں ہوئی ہو اور وہ کسی ملک کا باشندہ ہو، ربّ العالمین اس کو ضرور ہدایت کرے گا اور وہ جلد دیکھ لے گا کہ اللہ تعالیٰ ایسے رنگ میں اس پر اپنا وجود ثابت کر دے گا کہ اُس کے دل سے شک و شبہ کی نجاست بالکل دور ہو جائے گی اور یہ تو ظاہر ہے کہ اس طریق فیصلہ میں کسی قسم کا دھوکہ نہیں ہو سکتا پس سچائی کے طالبوں کے لئے اس پر عمل کرنا کیا مشکل ہے؟

(تشحیذ الاذہان مارچ 1913ء)

۞۞۞۞

﴿9﴾ ﴿مشاہدات۔966﴾

خدا کی ہستی اور انبیاء کی غیبی تائیدات

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی ۔ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰی ۔ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا۔ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی ۔ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰی (النجم:43-47)

کہ یہ بات ہر نبی کی معرفت ہم نے پہنچادی ہے کہ ہر ایک چیز کا انتہا اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی جا کر ہوتا ہے اور خواہ خوشی کے واقعات ہوں یا رنج کے وہ خدا کی طرف سے ہی آتے ہیں اور موت و حیات سب اسی کے ہاتھ میں ہے اور اُس نے مرد اور عورت دونوں کو پیدا کیا۔ ایک چھوٹی سی چیز سے جس وقت وہ ڈالی گئی۔

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے
بات کو کہے کہ کروں گا یہ مَیں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

سامعینِ کرام! آج مجھے ہستیٔ باری تعالیٰ کے ثبوت میں خداوند کریم کی طرف سے انبیاء کی غیبی تائیدات پر روشنی ڈالنی ہے ۔ ہم جب قرآنِ کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو انبیاء علیہم السلام اور اُن کی نیک اور فرمانبردار اولادوں کی حفاظت اور ترقی کے نہ صرف بے شمار واقعات ملتے ہیں بلکہ یہ بھی درج ہے کہ جو بھی الٰہی فرستادہ بنا کر اِس دنیا میں بھیجا جائے گا وہ اپنے مخالفین کی شدید مخالفتوں کے باوجود اپنے اللہ کی امان میں رہتے ہوئے ترقیات و فتوحات کی منازل طے کرتا چلا جاتا ہے اور دشمن خائب و خاسر ٹھہرتا ہے۔ یہ امر اپنی ذات میں ہستیٔ باری تعالیٰ کے وجود کی اپنی ذات میں بہت بڑی دلیل ہے۔ اِس ضمن میں چند ایک مثالیں سامعین کے سامنے پیش ہیں۔

سب سے پہلے حضرت یوسف ابن حضرت یعقوب علیہما السلام کا واقعہ پیش ہے جب آپؑ کے سوتیلے بھائیوں نے آپؑ کو والدین کی نظرِ التفات اور نظرِ شفقت اُس کی طرف ہوتے دیکھ کر اُن کو ایک اندھے کنویں میں پھینک گئے۔ جہاں وہ بغیر کسی متکفّل اور ولی کے ہلاک ہو جائیں اور اس کے بعد اُن کا وجود ان کی رقابت اور رشک کی آگ کو اشتعال دلانے والا نہ رہے اور والدین کی محبت اُن کی طرف مائل ہو جائے۔ تا وہ اِس صغر سنی میں تڑپ تڑپ کر اور سسک سسک کر ہلاک ہو جائیں۔ لیکن خدا کی کتاب ہمیں یہ بتاتی ہے کہ اِس بھیانک اور خوفناک منظر میں اُس نحیف بچے کو ایک آواز آتی ہے لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ کہ مَیں تجھے قسم کھا کر یقین دلاتا ہوں کہ تجھ پر ایک وقت آنے والا ہے کہ تیری پوزیشن اس وقعت اُس بلند پایہ کی ہو گی کہ تو اپنی شان و شوکت اور جلال میں ان لوگوں کو جنہوں نے تجھ سے یہ مفسدانہ کارروائی کی ہے ان کی اس شرارت اور مفسدہ کی خبر لے گا اور وہ اپنی پست اور ذلیل حالت اور تیری شوکت اور جلالت کے سبب سے تجھے نہیں پہچانتے ہوں گے۔

اِس آیت میں درج عظیم الشان پیشگوئی کے الفاظ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ میں لام تاکید اور نون ثقیلہ لا کر اس میں رہنمائی کی ہے کہ یہ آواز اس بچہ کے اندر سے پھوٹی ہوئی نہیں بلکہ یہ آواز اس ہستی کی طرف سے اس ناتواں بچے کے کان میں آئی جو عالَم تصرّف پر قادر ہے۔ تب مصر کا ایک قافلہ جو کسی غرض کے لئے دُور دراز سفر کو نکلا ہوا تھا اس کنوئیں کے پاس فروکش ہوا جہاں یہ بیکس اور معصوم بچہ پڑا تھا۔ اِس قافلے کا ایک فرد پانی کی تلاش میں اس کنوئیں پر آتا ہے اور اپنا ڈول پانی کے لئے کنویں میں ڈالتا ہے تو بجائے پانی کے ایسی گراں بہا دولت پاتا ہے کہ وہ چیخ اُٹھتا ہے کہ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلَامٌ۔ اے قافلہ والو! تمہیں بشارت ہو۔ یہاں تو ایک خوبصورت لڑکا ہے۔ بالآخر وہ اِس لڑکے کو مصر لے جا کر مملکت کے بادشاہ کے سپرد کر دیتے ہیں جہاں اُسے عالی شان، نہایت ہی ممتاز اور اعلیٰ عہدہ پر فائز کر دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف کنعان میں غلّہ کی قلّت کی وجہ سے کنعانیوں نے مصر جو غلّہ کی تجارت کی ایک بڑی مشہور منڈی تھی کی طرف آنا شروع کیا۔ اِن میں سے حضرت یعقوب کے بیٹے بھی اپنے باپ سے رخصت لے کر غلہ کی تجارت کے لئے مصر میں آئے۔ جہاں اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں ایک ایسے عظیم الشان شخص کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے جسے وہ تو نہیں پہچانتے مگر وہ انہیں جانتا ہے۔ اس وقت اِس عاجز نے اِس گروہ کو کہا اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ

عَلَيۡنَا ؕ اِنَّهٗ مَنۡ يَّتَّقِ وَيَصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ہاں مَیں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان کیا اور اس رتبہ پر ہمیں پہنچایا۔ اللہ کا یہ دائمی قانون قدرت ہے کہ وہ متقی اور صابر کو کبھی ضائع نہیں کرتا کہ غرور اور تکبّر سے اَٹے گیارہ بھائیوں کو بے بس اور سائل بنا کر اُس بھائی کے سامنے کھڑا کر دیا جس کو اِن ظالم بھائیوں نے کنوئیں مَیں پھینک کر یہ سمجھ لیا تھا کہ اب ہم والدین کی آنکھوں میں پیارے بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف کو جاہ وجلال اور دینی و دُنیوی ترقیات سے نواز کر اپنی ہستی کا ثبوت دیا۔

سامعین! اوپر بیان واقعہ میں بھائیوں کی مخالفت کے مقابل پر ایک نبی یوسف کو کامیابیوں سے نوازا گیا۔ اب ایک ایسا واقعہ مَیں آپ حاضرین کے سامنے رکھنے جارہا ہوں۔ جو ایک سوتن کے ظلم اور حسد کے سبب حضرت حاجرہ اور آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ نے بے آب و گیاہ جنگل اور وادیٔ غیر ذی زرع میں بے سر وسامانی کے عالَم میں نہ صرف حفاظت فرمائی بلکہ ایسی بے مثال ترقی سے نوازا کہ وہ علاقہ گُل و گُلزار میں بدل گیا اور آج دنیا بھر سے مسلمان آپ کے اپنے والد کے ساتھ مل کر تعمیر کردہ خانہ کعبہ میں اکھٹے ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور باقی مسلمان آپ کی یاد میں ہر سال جانوروں کی قربانی کرتے ہیں۔ پھر آپؑ کی نسل سے نجات دہندہ آخری رسول خَاتَمُ الانبیاء حضرت محمد رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ کیا یہ کامیابی اور کامرانی ایک خدا کے وجود پر دلالت نہیں کرتی۔

آئیں! اب مختصراً جائزہ لیں کہ کس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے آپؐ کے استیصال کے لئے منصوبے بنائے۔ مکہ میں تیرہ برس تک وہ دکھ دیے جو ایک معمولی انسان کے تباہ کرنے کے لئے بہت کافی تھے۔ آخر کار مکہ سے آپؐ کو نکلنے پر مجبور کیا اور اپنے وطن سے بہت دور ایک بیگانہ سر زمین میں آپؐ پناہ گزیں ہوئے۔ عرب کی متفقہ قوموں نے اس نبی کے استیصال کے لئے بہت کوششیں کیں مگر وہ کامیاب ہوا اور ایسا کامیاب ہوا کہ اس کی کامیابی کی کوئی نظیر دنیا میں نہیں۔

وہی شخص جو ناقابل بیان ظلموں کا نشانہ بنتے ہوئے سفر کی تنگیوں کے بہت دنوں کے بعد مدینہ میں پہنچا تھا۔ آخر دس ہزار جانثاروں کے ساتھ اس زمین میں داخل ہوتا ہے جہاں سے اس کے دشمن اسے نکال کر اپنے آپ کو بڑا کامیاب اور بامراد سمجھتے اور اس کے بھاگ جانے کی خوشی پر اس زمین کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر

چراغاں کی روشنی کرتے ہیں۔ آج وہ ان کی تمام سرزمینوں اور املاک پر اور سب سے زیادہ ان کے مقدس معبد پر متصرّف ہو کر اس کے دروازے میں کھڑا ہوتا اور ان کے تمام معبودوں کو جن کی تاثیر اور ضرر اور نفع پر وہ تمام مادی لوگ بھروسہ کرتے اور انہیں متصرّف عالم مانتے تھے توڑنے کا حکم دیتا ہے اور اس کے سامنے وہ بڑے بڑے صنادید اور عمائد اسی طرح کھڑے ہوتے ہیں جس طرح یعقوب کے فرزند یوسف کے ساتھ دست بستہ کھڑے ہوئے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو عرف اور شریعت اور عقل کے نزدیک اپنے ناجائز افعال کے ذریعہ سے واجب القتل ٹھہر چکے ہوئے تھے اور وہ خود بھی اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ وہ اب کسی طرح قابل عفو نہیں۔ وہ کامیاب انسان ان سے پوچھتا ہے کہ تم میری نسبت اب کس قسم کے سلوک کی توقع رکھتے ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ تو کریم ہے اس لئے ہم تجھ سے کرم اور رحم کی توقع رکھتے ہیں۔ وہ ان کے جواب میں لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ کہہ کر ثابت کرتا ہے کہ تمام سورۂ یوسف در حقیقت اسی کے واقعات زندگی کی نسبت پیشگوئی تھی۔

اسی طرح جنگ خندق یا احزاب کا واقعہ ہے کہ جب مدینہ کی حفاظت کے لیے شہر کے ارد گرد خندق کھودی جارہی تھی تو ایک جگہ ایک پتھر نکلا جو کسی سے ٹوٹ نہیں رہا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی تو آپؐ وہاں تشریف لائے اور اپنی کدال سے اس زور سے پتھر پر مارا کہ اس پتھر سے روشنی نکلی۔ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ اکبر! دوبارہ آپؐ نے کدال ماری تو پھر روشنی نکلی آپؐ نے پھر فرمایا۔ اللہ اکبر! آپؐ نے پھر تیسری مرتبہ کدال ماری اور پھر پتھر سے روشنی نکلی اور پتھر ٹوٹ گیا اس موقع پر بھی آپؐ نے فرمایا۔ اللہ اکبر!۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپؐ نے تین مرتبہ اللہ اکبر کیوں فرمایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ تینوں مرتبہ مجھے اسلام کی آئندہ ترقیات کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے دکھایا۔ پہلی دفعہ روشنی میں مملکت قیصر کے شام کے محلات دکھائے گئے اور اُس کی کنجیاں مجھے دی گئیں دوسری دفعہ مدائن کے سفید محلات دکھائے گئے اور مملکت فارس کی کنجیاں مجھے دی گئیں تیسری دفعہ کی روشنی میں صنعا کے دروازے مجھے دکھائی گئے اور مملکت یمن کی کنجیاں مجھے دی گئیں۔ پس تم خدا تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھو۔ دشمن تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

(سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 140 بحوالہ نبیوں کا سردار صفحہ 151-152)

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ایک شخص پورے عرب کے قبائل کے نرغے میں ہے، کہیں بھی جائے پناہ نہیں، جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کے مصفّٰی غیب پر اس قدر بھروسہ ہے کہ اپنے ساتھیوں کو دشمن کی ناکامی اور خدا کی ہی حفاظت کی بشارت دے رہا ہے اور اس سے عجیب تر بات یہ ہے کہ ضعیفی اور کمزوری اور بے سروسامانی کے عالم میں کہی ہوئی باتیں سولہ سترہ سال کے بعد کے عرصہ میں حیرت انگیز طور پر پوری ہو جاتی ہیں۔ مملکت شام، مملکت ایران اور مملکت یمن سب پر اسلامی پرچم لہراتا ہے جو اس بات کا یقینی ثبوت ہے کہ یہ خبریں خدائے عالم الغیب ہی کی طرف سے تھیں۔

سامعین! یہاں اِس مردِ جواں حضرت نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس واقعہ کا ذکر نہ کروں تو میری تقریر کا مضمون ادھورہ رہ جائے گا۔ جس کی ایک جھلک اوپر سُن آئے ہیں۔ جب غارِ ثور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وفادار ساتھی کے ساتھ موجود تھے اور آپؐ کی جان کا پیاسا دشمن غار کے کنارے کھڑا آپؐ کی تلاش میں تھا تو آپؐ اپنے ساتھی کو لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کہہ کر تسلّی دیتے ہیں اور لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کے الفاظ اپنی ذات میں دنیا میں ایک خدا کے وجود کی طرف دلالت کر رہے ہیں جس نے آپؐ اور آپؐ کے ساتھی کی نا صرف حفاظت فرمائی بلکہ اسلام کو بھی بچایا۔

اِس دلچسپ واقعہ کی مزید ایمان افروز تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ والوں کی شدید مخالفت اور حضور کے قتل کے منصوبوں کی وجہ سے جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو مشرکین نے آپ کو زندہ یا مردہ گرفتار کر کے لانے والے کو دس اونٹ کا انعام مقرر کیا۔ مخالفین تو اس میں ناکام رہے لیکن ایک شخص سراقہ بن مالک انعام کے لالچ میں آپؐ کا پیچھا کرتا ہوا مدینہ کی سڑک پر آپؐ کو جا لیا لیکن اس کے گھوڑے نے دو دفعہ ٹھوکر کھائی اور گر پڑا۔ اس نے عربوں کے دستور کے مطابق فال نکالی تو دونوں دفعہ فال بُری نکلی۔ تب اُس نے سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی امان میں ہیں۔ اس لیے اُس نے آواز دی کہ ٹھہرو! میری بات سنو۔ سراقہ کا بیان ہے کہ جب وہ لوگ میرے پاس آئے تو مَیں نے اپنا ارادہ بتایا اور کہا کہ اب مَیں نے اپنا ارادہ بدل لیا ہے اور واپس جا رہا ہوں کیونکہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے۔ جب سراقہ واپس لوٹنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے سراقہ کے آئندہ حالات آپؐ پر غیب سے ظاہر فرما دیے اور اُن کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سراقہ!

اُس وقت تیرا کیا حال ہو گا جب تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن ہوں گے۔ سراقہ نے حیران ہو کر پوچھا کسریٰ بن ہُرمز شہنشاہِ ایران کے ؟ آپؐ نے فرمایاہاں!۔ آپؐ کی یہ پیش گوئی کوئی سولہ سترہ سال بعد جا کر لفظ با لفظ پوری ہوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں ایران فتح ہوا۔ جو مال ایرانی حکومت کا اسلامی فوجوں کے قبضہ میں آیا اُس میں کسرٰی کے کڑے بھی تھے۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب اموال غنیمت لا کر رکھے گئے اور انہوں نے کسریٰ کے کنگن دیکھے تو سب نقشہ آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا وہ کمزوری اور ضعف کا دَور جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو وطن سے بے وطن ہونا پڑا، سراقہ کا تعاقب اور حضورؐ کا سراقہ سے یہ کہنا کہ سراقہ !اُس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن ہوں گے۔ کتنی بڑی پیش گوئی تھی، کتنا مصفّٰی غیب تھا۔ خدا کی قدرت آپؓ کی آنکھوں کے سامنے پھر گئی اور سراقہ کو بلا کر کسریٰ کے کنگن ان کے ہاتھوں میں پہنائے تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی ظاہراً بھی پوری ہو جائے۔

ہستیٔ باری تعالی کے ثبوت میں قرآن شریف کی رو سے چوتھا واقعہ بنی اسرائیل کے نبی حضرت موسیٰؑ کا بیان کیا جا سکتا ہے جبکہ وہ فرعونِ مصر کی طرف بھیجے گئے اور اس متکبّر بادشاہ کے تخت کے سامنے کھڑے ہو کر کس شان، شوکت اور قوت سے اس کو کہا تھا۔" قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى "ہم تیرے پاس اپنی سچائی کا نشان لائے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جو حق پر ہے وہ سلامت رہے گا اور اس کا مخالف ہلاک ہو جائے گا۔ گویا ایک غریب مسکین شخص بادشاہ کو کہہ رہا تھا کہ جو کمزور ہے وہ غالب رہے گا اور جو قوی ہے وہ نیست و نابود ہو جائے گا اور کیا یہ دعوی ایک ناتواں اور کمزور انسان اپنی طاقت کے بَل بوتے کر سکتا ہے۔ نہیں۔ ہر گز نہیں! یہ اُس خدا پر توکّل تھا جو تمام کائنات کا واحد خدا ہے۔

چنانچہ ایسا ہوا کہ دریا اپنی پوری طغیانی کے ساتھ راہ میں حائل ہے، کوئی پُل نہیں، کوئی کشتی نہیں، بھاگنے والے تردّد اور اضطراب میں دریا کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اتنے میں ایک شدید آندھی اور غبار کے نمودار ہونے اور چھٹنے کے بعد فرعون اور اس کا جرّار لشکر تعاقب کرتا ہوا نمودار ہوتا ہے۔ مظلوم بنی اسرائیل ان دشمنوں کو دیکھ کر اپنے نجات دہندہ سے کہتے ہیں "یَا مُوْسٰۤی اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ "یعنی اے موسیٰ! اب اس میں کوئی شک نہیں اور یہ قطعی بات ہے کہ اب ہم پکڑے گئے اور ہمارے لئے کوئی نجات کی راہ اور مفر نہیں۔

مگر موسیٰ ان کے جواب میں کہتے ہیں۔ " كَلَّآ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ "یعنی ایسا ہر گز نہیں ہو گا جیسا کہ تم گمان کرتے ہو۔ اس لئے کہ میرا ربّ یقیناً میرے ساتھ ہے اور وہ ضرور مجھے کامیابی اور نجات کی راہ دکھائے گا۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ الفاظ موسیٰ کے علم اور اس کی قوت کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ الفاظ اُس کے منہ میں اُس قادر ہستی کے ڈالے ہوئے ہیں جس کا دستِ تصرّف اس عالَم کے ذرہ ذرہ پر کھلے طور پر حکمران ہے۔

ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت میں یہ دلیل بہت مضبوط ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منکر ہمیشہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں اور خدا پر ایمان لانے والے خدا کی ہستی کے قائل اپنے مخالفوں پر ہمیشہ غالب آیا کرتے ہیں۔ اگر کوئی خدا نہیں ہے تو یہ غیر معمولی تائید و نصرت کہاں سے آتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرعون اور موسیٰ کی نسبت جس کا ذکر ہم اختصار سے اوپر کر آئے ہیں مزید فرماتا ہے: فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی ۔ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰی (النّٰزِعٰت: 25-26) یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اطاعت خداوندی کی تلقین کی تو اُس نے تکبّر سے جواب دیا کہ کیسا خدا؟ خدا تو مَیں ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُسے اِس جہاں میں بھی اور اگلے جہان میں بھی ذلیل کر دیا۔ چنانچہ فرعون جیسے طاقتور بادشاہ کا انجام ایک بیّن دلیل ہے کہ خدا کے منکر ذلیل و خوار ہوتے ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ (المجادلہ: 22) اللہ نے فیصلہ کر چھوڑا ہے کہ مَیں اور میرے رسول غالب آئیں گے اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی اور ذات کو ماننے والے اور اس پر حقیقی ایمان رکھنے والے ہمیشہ کامیاب ہوتے آئے ہیں اور لوگوں کی شدید مخالفت کے باوجود کامیاب ہوتے آئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ہستی منوانے والے ہر ملک میں پیدا ہوئے ہیں اور جس قدر اُن کی مخالفت ہوئی ہے اتنی کسی اور کی مخالفت نہیں ہوئی لیکن پھر دنیا ان کے خلاف کیا کر سکی؟ کچھ نہیں۔ ناکام ہی رہی۔ رام چندر جی کو بن باس بھیجنے والوں نے کیا سکھ پایا لیکن رام چندر جی کا نام امر ہو گیا۔ کرشن جی کی بات ردّ کر کے مخالفوں نے کیا پھل پایا آخر وہ کورو کشیتر کے میدان میں تباہ ہو گئے اور کرشن جی کے ماننے والے غالب آئے۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کی مخالفت کی، خود خدائی کا دعویٰ کیا آخر کار ذلت سے سمندر میں غرق ہوا اور حضرت موسیٰؑ بادشاہ ہو گئے۔ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر لٹکانے والے تباہ و برباد ہو گئے اور ان کے غلام دنیا میں بادشاہ بن گئے۔ ہمارے

آقا سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب اقوام نے مخالفت کی۔ اپنے پرائے سب دشمن بن گئے لیکن اخر کار آپؐ کے ہاتھ پر دنیا کے خزانے فتح ہوئے۔ اگر خدا نہیں تو یہ تائید کس نے کی؟ اور تائید و نصرت بھی ایسی جو قاعدہ کلیہ کے طور پر ہر زمانے میں ہوتی آئی۔

ہمارے اس زمانے میں حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت مسیح و مہدی علیہ السلام کے دعویٰ پر 136 سال کا عرصہ گزر رہا ہے۔ مخالفین نے حد درجہ ایڑی چوٹی کا زور آپؑ کی مخالفت میں لگایا ہر ممکن حربہ آزمایا لیکن نتیجہ کیا رہا؟ آخر کار مخالفین ناکام ہوئے اور اب تک ناکام ہوتے چلے آرہے ہیں اور جس قدر ان کی مخالفت تیز ہوتی ہے۔ جماعت احمدیہ اُسی قدر زیادہ ترقیات کی منازل طے کرتی چلی جاتی ہے۔ اگر یہ سب کچھ اتفاق تھا تو پھر کوئی تو ایسا مبعوث ہونے والا ہوتا جو خدا کی خدائی ثابت کرنے آتا اور دنیا اسے ناکام اور ذلیل کر دیتی۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہوا جو کوئی خدا کے نام کو بلند کرنے اٹھا وہ معزز و ممتاز ہی ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَمَنۡ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ھُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ (المائدہ:57)

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی کرتا ہے بس یاد رکھنا چاہیے کہ یہی لوگ خدا تعالیٰ کے ماننے والے ہی غالب رہتے ہیں۔

سامعین! ایک اور بڑی دلیل ثبوت ہستی باری تعالیٰ پر یہ ہے کہ کوئی مامور مرسل اور نبی ہلاک نہیں ہوا اور نہ کسی کے ہاتھوں قتل ہے اور نہ ہی جذام، برص، صرع، نابینائی، فالج اور ایسے خبیث امراض و اسقام میں مبتلا ہوا جو عُرفِ عام میں لوگوں کے تنفّر اور کراہت کا باعث ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ اگر یہ لوگ ایسے گھناؤنے امراض میں مبتلا ہوتے تو وہ اصلاح عالم کا کام جس کے لئے وہ آئے تھے کبھی پورا نہ کرسکتے اور یہ امراض ہی ان کی تکذیب کے لئے کافی دلیل ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی سورۃ الحاقّۃ میں جھوٹے انبیاء کے لئے یہ پیشگوئی کر رکھی ہے کہ

وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَیۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِیۡلِ۔ لَاَخَذۡنَا مِنۡہُ بِالۡیَمِیۡنِ۔ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡہُ الۡوَتِیۡنَ۔ فَمَا مِنۡکُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ عَنۡہُ حٰجِزِیۡنَ (الحاقۃ:45-48)

کہ اگر وہ بعض باتیں جھوٹے طور پر ہماری طرف منسوب کر دیتا۔ تو ہم اُسے ضرور داہنے ہاتھ سے پکڑ لیتے۔ پھر ہم یقیناً اُس کی رگ جان کاٹ ڈالتے۔ پھر تم میں سے کوئی ایک بھی اُس سے (ہمیں) روکنے والا نہ ہوتا۔

جبکہ اللہ تعالیٰ سچے فرستادوں کے حق میں فرماتا ہے۔

کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیۡ (المجادلہ:22)

کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے لکھ رکھا ہے کہ ضرور مَیں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔

حضرت خلیفۃُ المسیح الرابعؒ نے فٹ نوٹ میں تحریر فرمایا ہے کہ

”امرِ واقعہ یہ ہے کہ جھوٹے دعویداروں کے پیچھے ضرور کوئی دُنیاوی طاقت ہوتی ہے۔ اِس کے باوجود اِن کے مددگار ہلاک کر دئے جاتے ہیں۔ پس رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یہ عظیم الشان ثبوت ہے کیونکہ آپؐ کے دعویٰ کے بعد سارا عرب آپؐ کا مخالف ہو گیا تھا۔ اِس آیت میں یہ بہت ہی لطیف نکتہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر سارا عرب آپؐ کا مخالف نہ بھی ہوتا بلکہ تائید میں کھڑا ہو جاتا تب بھی اِس رسول کو اللہ کی پکڑ سے بچا نہیں سکتا تھا۔ اگر اِس نے ایک معمولی سا جھوٹ بھی خدا پر بولا ہوتا۔“

(ترجمہ قرآن صفحہ 1071)

پھر سورۃ المجادلہ کے تعارفی نوٹ میں حضورؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

”جو بھی اللہ اور رسول کو اپنے طعنوں سے چِڑ کے لگاتے ہیں وہ نامراد ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر فرض کر لیا ہے کہ وہ اور اُس کے رسول ضرور غالب آئیں گے۔“

(ترجمہ قرآن صفحہ 1002)

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ہستی پر پختہ ایمان نصیب کرے۔ آمین

(خاکسار نے یہ تقریر حضرت مولوی عبدالکریم سیالکوٹیؓ کے ایک مضمون سے اخذ کی ہے)

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

﴿10﴾ ﴿مشاہدات۔967﴾

کائنات اور ایک خدا

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ ہَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ۔ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ ہُوَ حَسِیۡرٌ (الملک:4-5)

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم
اب بھی اُس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

سامعین کرام! مجھے آج کائنات اور ایک خدا پر اظہارِ خیال کرنا ہے۔ مَیں اِس سے قبل بھی اپنی تقریر میں یہ بتا آیا ہوں کہ انسان کی فطرت اور اُس کی نیچر میں خدا تعالیٰ نے اپنی ہستی کا اقرار رکھ چھوڑا ہے یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ کٹّر سے کٹّر دہریہ انسان پر جب کبھی مصیبت کی گھڑی آتی ہے تو وہ بے اختیار خدا کو پکارنے لگ جاتا ہے اور مَیں نے بہت سی مثالیں دی تھیں کہ زلزلوں، طوفانوں کے وقت منکرینِ خدا کے مونہوں سے بھی بے اختیار ''او مائی گاڈ'' کے الفاظ نکلتے ہیں۔ ہم اکثر خوفناک جھولوں میں بچوں کو دیکھتے ہیں جیسے Rollar Coaster جب لُوپنگ پر جاتا ہے تو بچے شور مچاتے ہیں اور اِس شور شرابے میں ''O My God'' کی آوازیں بھی سنائی دے رہی ہوتی ہیں۔

حضرت مرزا وسیم احمد صاحب مرحوم سابق ناظر اعلیٰ و امیر مقامی قادیان ایک واقعہ سناتے ہیں کہ حضرت میر محمد اسماعیل صاحب رضی اللہ عنہ جب تعلیم حاصل کر رہے تھے تو ان کے ساتھ ایک دہریہ بھی پڑھتا تھا۔ ایک مرتبہ اچانک زلزلہ آیا تو بے اختیار اس کے منہ سے رام رام کے الفاظ نکل گئے۔ حضرت میر صاحبؓ نے اُس سے پوچھا کہ تم تو خدا کی ذات کے منکر ہو پھر تم نے رام رام کیوں کہا؟ تو اُس نے جواب دیا مجھ سے غلطی ہو گئی۔ لیکن ہم پھر کہتے ہیں کہ یہی وہ غلطی ہے جو ہر منکر خدا سے ایسے وقت میں ہوتی ہے کیونکہ یہ فطرت کا تقاضا ہے۔ قرآن مجید نے اس فطری تقاضا کا ذکر اس طرح فرمایا ہے کہ وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّکَ

مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی ۚۛ شَهِدْنَا (الاعراف :173) اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں میں سے اُن کی اولادوں کو لیا اور اُن کو اپنی جانوں پر گواہ ٹھہرایا اور پوچھا کیا مَیں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا، ہاں ہاں! ہم (اس بات کی) گواہی دیتے ہیں۔ گویا ہستی باری تعالیٰ کا اقرار فطرتِ انسانی کا ایک حصہ اور لازمہ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آج کل کی مادی چکا چوند اور سائنسی ترقی نے انسان کے اندر ایک جاہلیت والا تکبر پیدا کر دیا ہے کہ ہمیں خدا کی ضرورت نہیں۔ بلکہ خدا ہے ہی نہیں تا کہ مذہبی اور اخلاقی طور پر جو پابندیاں عائد ہوتی ہیں اُن سے آزاد اور بے باک زندگی گزاری جاسکے۔ چنانچہ کیمونسٹ خیالات کے شاعر گوپال متل نے کہا کہ

فطرت میں آدمی کے ہے مبہم سا ایک خوف
اس خوف کا کسی نے خدا نام رکھ دیا!

سامعین! انسان کی فطرتِ صحیحہ میں اللہ اللہ کی پکار ودیعت کئے جانے کے ثبوت کے بعد ہم چلتے ہیں کُل مذاہب عالَم کی طرف جو اِس بات پر متفق ہیں کہ ایک بالا ہستی موجود ہے جس نے کُل جہان کو پیدا کیا ہے۔ مختلف ممالک اور مختلف حالات کے باوجود جس قدر تاریخی مذاہب ہیں سب خدا تعالیٰ کی ہستی کے قائل ہیں گو خدا کی صفات کے متعلق اُن میں اختلاف ہو تو ہو مگر خدا کی ہستی پر متفق ہیں۔ موجودہ مذاہب یعنی اسلام، مسیحت، یہودیت، بدھ ازم، سکھ ازم، ہندو ازم اور زرتشتی مذہب سب کے سب ایک اللہ، خدا، الوہیم، پرمیشور، پرماتما، واہ گرُو یا نِروان کے قائل ہیں اور جو مذاہب دنیا کے پردے سے مٹ چکے ہیں اُن کے متعلق بھی آثارِ قدیمہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سب کے سب ایک خدا کے قائل تھے۔ اسی حقیقت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح فرمایا ہے کہ اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی۔ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی (الاعلیٰ:19-20) یعنی یہ بات کہ خدا تعالیٰ کی ذات کا اقرار کرنے والے اور پھر اس کا سچا فرمانبردار بننے والے ہمیشہ کامیاب و کامران ہوتے آئے ہیں اور اس تعلیم کی سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ یہ بات تمام مذاہب میں مشترک ہے۔ پہلے صحیفوں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے جو تعلیم دنیا کے سامنے پیش کی اس میں بھی یہی بیان ہے۔ پس مذاہبِ عالم سب کا خدا کی ذات پر اتفاق ہونا یقیناً خدا تعالیٰ کی ہستی کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے۔

اسی ضمن میں قرآن کریم نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل آنے والے انبیاء کا نام بنام ذکر کرکے فرمایا کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام:91) یہ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ نے ہدایت دی پس تو ان کے طریق کی پیروی کر۔ اِس آیت کریمہ میں اور اس سے قبل کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس قدر نیک اور پاک لوگ جس بات کی گواہی دیتے ہیں وہ مانی جائے، ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جس قدر بھی راست باز اور نیک لوگ آئے اُن سب نے اِس بات کی گواہی دی کہ اس دنیا کے خالق ومالک ایک بالا ہستی ہے جسے مختلف زمانوں میں پرمیشور، God یا اللہ لکھا گیا ہے۔

چنانچہ ہندوستان کے راست باز رام چندر کرشن، ایران کے زرتشت، مصر کے موسیٰ، ناصرہ کے مسیح، پنجاب کے بابانانک اور سب راست بازوں کے سردار حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں آپ کی قوم نے بچپن ہی سے صادق اور امین کا خطاب دیا تھا جنہوں نے برملا اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (یونس:17) کہ مَیں نے تم میں اپنی عمر گزاری ہے کیا تم میرا کوئی جھوٹ ثابت کر سکتے ہو؟۔ آپؐ نے کہا کہ میرا اور آپ تمام کا ایک خدا ہے تو ہر ایک کو مان لینا چاہئے کیونکہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

سامعین! تیسرے ثبوت میں ہم گواہ ہیں کہ دنیاوی لحاظ سے ہر چیز کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہوتا ہے یا ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہر فعل کا ایک فاعل یعنی کرنے والا ہوتا ہے۔ ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ روٹی خود بخود نہیں بنتی بلکہ ماں یانان بائی یا بیکر اس کو بناتا اور تیار کرتا ہے۔ کاغذ، قلم، کپڑا، میز، کرسی اور بڑی بڑی بلڈنگز خود بخود نہیں بن جایا کرتیں بلکہ ان کے بنانے میں سینکڑوں ہزاروں ہاتھوں کا دخل ہوتا ہے تو پھر اتنی بڑی کائنات خود بخود یا اتفاق سے کیسے پیدا ہو سکتی ہے؟ قرآن مجید نے اس دلیل کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ـ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ـ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ـ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ـ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى (النجم:43-47)

یعنی یہ بات ہر نبی کی معرفت ہم نے پہنچا دی ہے کہ ہر ایک چیز کا انتہا اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی جا کر ہوتا ہے اور خواہ خوشی کے واقعات ہوں یا رنج کے وہ خدا کی طرف سے ہی آتے ہیں اور موت و حیات سب اسی کے ہاتھ میں ہے اور اُس نے مرد اور عورت دونوں کو پیدا کیا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ اس تمام کائنات پر اگر غور کرو گے تو ضرور تمہاری رہنمائی اس طرف ہو گی کہ سب اشیاء آخر جا کر ذات باری پر ختم ہوتی ہیں۔ وہی انتہا ہے تمام اشیاء کی اور اُسی کے اشارے سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی ابتدائی حالت کی طرف متوجہ کر کے فرمایا کہ تمہاری پیدائش تو ایک نطفہ سے ہے اور تم جوں جوں پیچھے جاتے ہو کمزور ہی ہوتے جاتے ہو۔ تم کیوں کر اپنے خالق ہو سکتے ہو؟ جب خالق کے بغیر کوئی مخلوق نہیں ہو سکتی اور انسان اپنا خالق نہیں ہو سکتا کیونکہ جس قدر غور کریں وہ نہایت چھوٹی اور ادنٰی حالت سے ترقی کر کے اس حالت کو پہنچتا ہے اور جب وہ موجودہ حالت میں خالق نہیں تو اس کمزور حالت میں کیوں کر خالق ہو سکتا تھا؟ تو ماننا پڑے گا کہ اس کا خالق کوئی اَور ہے جس کی طاقتیں غیر محدود اور قدرتیں لاانتہا ہیں اور ہر ایک سائنسدان کو آخر کار ماننا پڑتا ہے کہ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى یعنی ہر ایک چیز کی انتہا آخر ایک ایسی ہستی پر ہوتی ہے کہ جس کو وہ اپنی عقل کے دائرہ میں نہیں لا سکتے اور وہی خدا ہے۔ یہ ایک ایسی موٹی دلیل ہے جسے ایک جاہل سے جاہل انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بدّو سے کسی نے پوچھا کہ تیرے پاس خدا کی کیا دلیل ہے؟ تو اُس نے برجستہ جواب دیا کہ جنگل میں پڑی ایک مینگنی دیکھ کر مَیں سمجھ جاتا ہوں کہ یہاں سے ایک اونٹ گزرا ہے اور قدموں کے نشان سے یہ پتہ لگ جاتا ہے کہ یہاں سے کوئی مسافر گزرا ہے تو پھر یہ وسیع زمین و آسمان اور نظام کائنات کیوں کر خدائے خالق و مالک کی نشاندہی نہیں کر سکتے؟ اور واقعی یہ جواب نہایت سچا اور عین فطرت انسانی کے مطابق ہے۔

علاوہ ازیں قرآن کریم نے اسی ضمن میں ہستی باری تعالیٰ کی ایک اور زبردست دلیل یہ بھی دی ہے جس کی تلاوت مَیں آغاز پر کر آیا ہوں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تو کبھی کوئی اختلاف اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں نہیں

دیکھے گا۔ پس اپنی آنکھ کو لوٹا۔ کیا تجھے کوئی شگاف نظر آتا ہے؟ دوبارہ اپنی نظر کو لوٹا کر دیکھ تیری نظر تیری طرف تھک کر اور درماندہ ہو کر لوٹے گی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تمام کائنات اتفاقاً پیدا ہو گئی اتفاقی طور پر مٹیریل (Material) کے مِلنے سے یہ سب کچھ بن گیا لیکن اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت میں ان کا یہ جواب دیتا ہے کہ اتفاقی طور پر جڑنے والی چیزوں میں کبھی ایک سلسلہ اور انتظام نہیں ہوتا۔ تصویر رنگوں سے ضرور بنتی ہے مگر یہ نہیں ہوتا کہ مختلف رنگ ایک کاغذ پر بکھیر دیے جائیں تو اس سے تصویر بن جائے۔ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ اینٹوں سے مکان بنتا ہے مگر کیا اینٹوں کو ایک دوسرے پر پھینک دیں تو کبھی بھی اتفاقاً کوئی بلڈنگ بن سکی ہے؟ ہر گز نہیں۔ لیکن نظام عالَم کی یکسانیت اور باقاعدگی اس بات کی تردید کا بڑا واضح ثبوت ہے کہ یہ کائنات اتفاقاً پیدا ہو گئی ہے۔ ایک سائنس دان نے اس دلیل کو یوں بیان کیا ہے کہ ایک سے لے کر دس تک گنتی کے کارڈ کسی تھیلے میں ڈال کر خوب ہلا دیں اور پھر اس میں سے ہاتھ ڈال کر یکے بعد دیگرے دس کارڈ نکالیں تو کبھی یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک سے دس تک کے نمبر ترتیب وار نکل سکیں۔ ہزار مرتبہ بھی کوشش کر کے دیکھ لیں کبھی بھی ترتیب قائم نہیں رہے گی۔ جب 10 عدد کارڈز اتفاق سے ترتیب پر نہیں نکل سکتے تو پھر نظام کائنات کی ترتیب میں یکسانیت اور باقاعدگی کو کیوں کر اتفاق کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے؟ یہ ایک لغو اور بیکار بات ہو گی۔ اسی دلیل کو خدا تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ کائنات عالم کا یہ ابلغ، احسن اور بے نقص نظام ایک مدبّر اور بالارادہ ہستی کا ثبوت باہم پہنچاتا ہے اور پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہر جاندار کو اس کی غذا کے مطابق اعضاء دیے ہیں اور ہر جاندار کے اعضاء میں ایک تناسب رکھا ہے۔ برفانی علاقوں کے جانداروں کے لیے لمبے بال اور فر دیے۔ میدانی علاقوں کے جانداروں کو لمبے بال اور فر نہیں دیے اور جن چیزوں کے لیے موت تجویز کی ان کے ساتھ توالد کا سلسلہ قائم کر دیا۔ سورج، چاند، ستاروں اور زمین کے فاصلے اتنے رکھے کہ یہ آپس میں ٹکرا نہ جائیں اور پھر ان کے قواعد ایسے مُنضبط ہیں کہ ان میں کوئی اختلاف اور کمی نہیں۔ ہماری نظریں تھک جائیں گی مگر کائنات عالم کے نظام میں کوئی رخنہ نظر نہ آئے گا اور یہ خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی موجود ہونے کی ایک عظیم دلیل ہے۔

عقل انسانی کائنات پر غور کر کے اور مختلف امور کا مشاہدہ اور مطالعہ کر کے محض اس نتیجہ پر تو پہنچ سکتی ہے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا کوئی خالق اور مدبّر ارادہ ہستی ہونی چاہیے لیکن کیا وہ حقیقت میں موجود بھی ہے؟ اس کا ثبوت تو خدا تعالیٰ خود اَنَا الْمَوْجُوْد کہہ کر دیتا ہے۔ اُس کا الہام اور اُس کا کلام وجود باری تعالیٰ کی ایک نہایت زبردست اور عظیم الشان دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (ابراھیم:28)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اس دنیا اور اگلی دنیا میں پکی باتیں سنا سنا کر مضبوط کرتا رہتا ہے۔ پس جب کہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ایک بڑی تعداد کے ساتھ ہم کلام ہوتا رہتا ہے تو پھر ان کا انکار کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم
اب بھی اُس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

اور نہ صرف انبیاء اور رسولوں سے ہم کلام ہوتا ہے بلکہ اولیاء سے بھی بات کرتا ہے اور بعض دفعہ اپنے کسی غریب بندہ پر رحم کر کے اس کی تشفّی کے لیے کلام کرتا ہے۔ جماعت احمدیہ کے خلفاء اور بعض دیگر بزرگوں سے بھی اس نے کلام کیا اور اپنے وجود کا ثبوت دیا۔ پھر یہی نہیں بعض دفعہ نہایت گندے اور بدباطن آدمیوں سے بھی ان پر حجت قائم کرنے کے لیے بول لیتا ہے اور اس بات کا ثبوت کہ وہ کسی زبردست ہستی کی طرف سے ہیں یہ ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ان میں غیب کی خبریں ہوتی ہیں جو اپنے وقت پر پوری ہو کر بتا دیتی ہیں کہ یہ انسانی دماغ کا کام نہ تھا اور نہ کسی بدہضمی کا نتیجہ تھا اور بعض دفعہ سینکڑوں سال آگے کی خبریں بتائی جاتی ہیں تاکہ کوئی یہ نہ کہہ دے کہ موجودہ واقعات خواب میں سامنے آگئے اور وہ اتفاقاً پورے بھی ہو گئے بلکہ خدا تعالیٰ کا کلام غَیبِ مصفّٰی اپنے ساتھ رکھتا ہے۔

سامعین! اب مَیں روحانی کائنات میں بھیجے جانے والے موعود امام سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت مسیح موعود و امام مہدی علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت میں دیے جانے والے نشانات کا ذکر اختصار سے کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام ہے

جس کو ہم پیشگوئی کے طور پر پیش کر سکتے ہیں اور وہ اِن الفاظ میں ہے۔ ''یَاتُوۡنَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ یَاتِیۡکَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ'' (براہین احمدیہ صفحہ 241) یعنی لوگ تیرے پاس زمین کی اطراف واکناف سے جوق درجوق آئیں گے۔ تیرے پاس زمین کی ہر طرف سے تحائف اور ہدیے آئیں گے۔ ہم اِن الفاظ کو خدا تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت کے طور پر پیش کر سکتے ہیں کیونکہ جب مدعی کے منہ سے یہ پُرزور لفظ نکلے تو آپؑ ایسے گمنامی کے گوشے میں زندگی بسر کر رہے تھے کہ قرب وجوار کے بہت سے لوگ بھی آپؑ کو نہ جانتے تھے۔ آپؑ خود بھی گوشۂ تنہائی میں زندگی بسر کر رہے تھے مگر آپؑ پر ایسا وقت آیا کہ جس نے اس غیب کی خبر کو حرفاً حرفاً پورا کیا اور آج ایک عالم اپنی آنکھوں سے اس کی سچائی کا بے اختیار اعتراف کرتا ہے۔ اور ایک اور وحی بھی اس کی مؤید ہے جو یہ ہے۔ ''لَا تُصَعِّرۡ لِخَلۡقِ اللّٰہِ وَلَا تَسۡئَمۡ مِنَ النَّاسِ''۔ یعنی خدا کی مخلوق سے تکبّر اور تحقیر سے پیش نہ آنا اور خلقت کی کثرت اور ہجوم سے ملول اور دلگیر نہ ہونا۔ اِن دونوں پیشگوئیوں کے الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ ایک وقت آنے والا ہے جب آپؑ خَلۡقُ اللّٰہ کا مرجع ومآب ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اب اس خبر غیب کی سچائی کے اتنے گواہ ہیں کہ جن کا گننا نہایت مشکل ہے۔ اِس پیشگوئی میں یَاتُوۡنَ کے الفاظ اللہ کی مخلوق کی طرف اشارہ کرتے ہیں جبکہ یَاتِیۡکَ میں اُن اموال، چندوں اور تحائف کی طرف اشارہ ہے جو یہ لوگ اپنے ساتھ لائیں گے یا کسی کے ہاتھ بھجوائیں گے۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کس شان کے ساتھ یہ الفاظ پورے ہوئے اور ابھی بھی پورے ہو رہے ہیں اور آئندہ بھی اِس سے کہیں بڑھ کر شان کے ساتھ پورے ہوں گے کیونکہ یہ مبارک الفاظ اُس بالا ہستی کے ہیں جو اَنَا الۡمَوۡجُوۡد کا دعویٰ کرتی ہے اور جو کہتی ہے وہ کر دکھلاتی ہے۔ ایک جلسہ سالانہ ہی کو لیں۔ آج سے 134 سال قبل قادیان میں اِس کا آغاز 75 افراد سے ہوا تھا اور آج 100 کے قریب ممالک میں یہ جلسے بڑی شان وشوکت اور بڑی آن بان کے ساتھ منعقد ہوتے ہیں۔ جن میں شامل ہونے والوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ ابھی 2025ء کے جلسہ ہائے سالانہ جرمنی اور برطانیہ میں شامل ہونے والوں کی تعداد 50، 50 ہزار کے لگ بھگ تھی جو ساری دنیا سے آئے تھے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ یورپ جیسے ترقی یافتہ ممالک کے سفروں میں الہام کے الفاظ فَجٍّ عَمِیۡقٍ پورے نہیں اُترتے یہاں تو ہر قسم کی سہولتیں موجود ہیں۔ مَیں اِس موقع پر افریقہ اور تیسری دنیا کے ممالک کی مثال دینا چاہوں گا جہاں ٹوٹے پھوٹے راستے، سفر کی سہولیات ناپید،

غربت اور مالی تنگی الگ سے مگر جلسہ ہائے سالانہ مَیں شامل ہونے والوں کی تعداد ہزاروں میں اور ایسے موقع پر اپنے اپنے ملک کی کرنسی کے اعتبار سے لاکھوں بلکہ کروڑوں یا خرچ کر کے جاتے ہیں یا جماعت کی ترقی اور بہبود کی خاطر خرچ کر جاتے ہیں۔ مجھے 2019ء میں سیر الیون مغربی افریقہ کے جلسہ سالانہ میں بطور مرکزی نمائندہ شمولیت کی توفیق ملی جس میں حاضرین کی تعداد 24 ہزار 700 تھی اور جنگلوں، پہاڑوں اور میدانوں کے دشوار ترین علاقوں کا پیدل، پوڈا پوڈا پر سفر کر کے جلسہ سے لطف اندوز ہونے کے لیے پہنچے تھے۔ اِن جلسوں میں شمولیت کا شوق کس ہستی نے اُن کے دلوں ڈالا وہ صرف اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے۔ جو سخت ترین مخالفتوں اور رکاوٹوں کے ایشیا، یورپ، امریکہ، افریقہ سے لے کر تمام علاقوں کے لوگ یہاں حاضر ہوتے ہیں اور آدمیوں کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ ان سب سے مصافحہ اور ملاقات کرنا کسی آدمی کا کام نہیں ہو سکتا اور آج کی اس ترقی یافتہ دنیا کے 220 ممالک میں جماعت احمدیہ کا پھیلنا، پھلنا اور پھولنا، ساری دنیا میں قادیان کا نام مشہور ہو جانا کیا یہ چھوٹی سی بات ہے؟ کیا یہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا زبردست ثبوت نہیں؟ اس پیش گوئی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب سراج منیر صفحہ 63-64 میں فرماتے ہیں۔

"سبحان اللہ! یہ کس شان کی پیش گوئی ہے اور آج سے 17 برس پہلے اس وقت بتلائی گئی ہے کہ جب میری مجلس میں شاید دو تین آدمی آتے ہوں گے اور وہ بھی کبھی کبھی۔ اس سے کیسا علم غیب خدا کا ثابت ہوتا ہے۔"

نیز آپؑ فرماتے ہیں :

مَیں تھا غریب و بے کس و گمنام و بے ہنر
کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر
لوگوں کی اس طرف کو ذرا بھی نظر نہ تھی
میرے وجود کی بھی کسی کو خبر نہ تھی
دیکھتے ہو کیسا رجوع جہاں ہوا
اِک مرجع خواص یہی قادیاں ہوا

آیئے! امریکہ میں عیسائیوں سے ایک شخص ڈاکٹر الیگزینڈر ڈوئی کی ہلاکت کی بات کریں جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے یہ ناپاک کلمات شائع کیے کہ

''مَیں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ دن جلد آئے کہ اسلام دنیا سے نابود ہو جائے۔ اے خدا! تو ایسا ہی کر۔ اے خدا! اسلام کو ہلاک کر۔''

اس وقت تو علمائے اسلام اور دیگر مسلم تنظیمیں خواب غفلت میں سو رہی تھیں۔ کسی نے اس کا نوٹس نہیں لیا۔ صرف اور صرف اسلام کے بطل جلیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی تھے جنہوں نے اس کے مقابلے میں اشتہار دیا کہ

''اے جو مدعی نبوت ہے آ اور میرے ساتھ مقابلہ کر۔ ہمارا مقابلہ دعا سے ہو گا اور ہم دونوں خدا تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ ہم میں سے جو شخص کذاب ہے وہ پہلے ہلاک ہو۔''

(ٹیلیگراف آف امریکہ 5 جولائی 1903ء)

لیکن ڈوئی نے رعونت سے کہا:

''کیا تم خیال کرتے ہو کہ مَیں مچھروں اور مکھیوں کا جواب دوں گا۔ اگر مَیں اپنا پاؤں ان پر رکھوں تو ان کو کچل کر مار ڈالوں گا۔''

(ڈوئی کا پرچہ نیوز آف ہیلنگ دسمبر 1903ء)

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی اشتہار 23 اگست 1903ء میں شائع کیا تھا کہ

''اگر ڈوئی مقابلہ سے بھاگ گیا تب بھی یقیناً سمجھو کہ اس کے صیحون پر جلد تر آفت آنے والی ہے۔ اے خدا اور کامل خدا! یہ فیصلہ جلد کر اور ڈوئی کا جھوٹ لوگوں پر ظاہر کر دے۔''

اس کے بعد ایسا ہوا کہ ڈوئی جو شہزادوں کی زندگی بسر کیا کرتا تھا جس کے پاس سات کروڑ روپیہ تھا اس کی بیوی اور اس کا بیٹا اس کے دشمن ہو گئے اور باپ نے اشتہار دیا کہ وہ ولد الزنا ہے۔ آخر اس پر فالج گرا پھر غموں کے مارے پاگل ہو گیا۔ آخر مارچ 1907ء میں بڑی حسرت اور دکھ کے ساتھ جیسا کہ خدا نے اپنے

مامور کو پہلے سے اطلاع دی اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 10 فروری 1907ء کے اشتہار میں شائع فرمایا تھا کہ

”خدا فرماتا ہے کہ مَیں ایک تازہ نشان ظاہر کروں گا جس میں فتح عظیمہ ہو گی۔ وہ تمام دنیا کے لیے ایک نشان ہو گا۔“

ڈوئی ہلاک ہو کر خدا کی ہستی پر گواہی دے گیا۔ یہ عیسائی دنیا پُرانی اور نئی دونوں پر حضور علیہ السلام کی فتح تھی اور آج یہ حال ہے کہ ڈوئی کے شہر صیحون میں ڈوئی کو جاننے والا کوئی نہیں ہے اور امریکہ میں جماعت احمدیہ روز بروز ترقی کر رہی ہے۔ ابھی چند سال قبل اِس پیشگوئی کے سو سال پورے ہونے پر ایک جشن منایا گیا جس میں شکرانے کے طور پر شمولیت کے لئے حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے لندن سے امریکہ کا سفر اختیار فرمایا تھا۔

حضور انور ایدہ اللہ نے امریکہ کے شہر زائن (Zion) میں مسجد فتح عظیم کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا:

”آج سے ایک سو بیس سال پہلے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر جس جھوٹے دعویدار اور دشمنِ اسلام کی ہلاکت کی پیش گوئی آپؑ نے فرمائی تھی آج اس کے شہر میں جس کے بارے میں اس کا اعلان تھا کہ کوئی مسلمان یہاں داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ عیسائی نہیں ہو جاتا اللہ تعالیٰ نے جماعت کو مسجد بنانے کی توفیق دی۔ پس یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے کام۔ ایک ارب پتی اور دنیاوی جاہ و حشمت رکھنے والے کو اللہ تعالیٰ نے جھوٹا کر دیا، ختم کر دیا اور پنجاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہنے والے اپنے فرستادے کا دعویٰ جو اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ دنیا کے دو سو بیس ممالک میں گونجنے کے سامان پیدا کر دیے۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 30 ستمبر 2022ء)

سامعین! ایک اور عظیم الشان نشان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا کہ آریوں کا ایک نامی لیڈر لیکھرام جو اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نہایت بیباکی سے بدزبانی کیا کرتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کو بدزبانی سے باز رہنے کی کئی دفعہ تلقین کی مگر وہ باز نہ آیا۔ آخر کار آپؑ نے رسالہ کرامت الصادقین مطبوعہ صفر 1308 ہجری میں یہ پیش گوئی درج کی کہ لیکھرام کی نسبت خدا نے میری دعا قبول کر کے مجھے خبر دی ہے کہ وہ چھ سال کے اندر ہلاک ہو گا اور

اس کا جرم یہ ہے کہ وہ خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا تھا اور بُرے لفظوں کے ساتھ توہین کرتا تھا۔ پھر 20 فروری 1893ء کے اشتہار میں اس کے مرنے کی صورت بھی بتادی ”عِجْلٌ جَسَدٌ لَهُ خَوارٌ لَهٗ نَصَبٌ وَعَذَاب“۔

(اشتہار 20 فروری 1893ء مشمولہ آئینہ کمالات اسلام)

یعنی لیکھرام گوسالہ سامری ہے جو بے جان ہے اور اس میں محض ایک آواز ہے جس میں روحانیت نہیں۔ اس لیے اس کو ایسا عذاب دیا جائے گا جو گوسالہ سامری کو دیا گیا تھا۔ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ گوسالہ سامری کو ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا اور پھر جلایا گیا اور دریا میں ڈالا گیا تھا پھر 2 اپریل 1893ء کو آپؑ نے ایک کشف دیکھا جو برکات الدعا حاشیہ صفحہ 4 طبع اول میں درج ہے کہ ایک قوی مہیب شکل جو گویا انسان نہیں ملائک شدّاد اور غلّاظ سے ہے وہ پوچھتا ہے کہ لیکھرام کہاں ہے؟ پھر کرامات الصادقین کے ایک شعر سے اس کی ہلاکت کا دن بھی بتادیا۔

وَ بَشَّرَنِیْ رَبِّیْ وَ قَالَ مُبَشِّرًا
سَتَعْرِفُ یَوْمَ الْعِیْدِ وَ الْعِیْدُ اَقْرَبُ

الا اے دشمنِ نادان و بے راہ
بترس از تیغِ برّانِ محمدؐ

پانچ سال پہلے شائع کر کے قتل کی صورت بھی بتادی۔ آخر لیکھرام 6 مارچ 1897ء کو قتل کیا گیا اور سب نے ایک زبان ہو کر بیان کیا کہ یہ پیش گوئی بڑی صفائی کے ساتھ پوری ہو کر اللہ کی ہستی کے لیے حجتِ ناطقہ کا اور عظیم الشان نشان ٹھہری۔ پس حقیقت یہی ہے کہ

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے
بات کو کہے کہ کروں گا یہ مَیں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

غرض خدا تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت کے لئے اخبار غیب کی پیشگوئیوں سے بڑھ کر اور کوئی دلیل نہیں۔ منجملہ خدا کی ہستی کے ثبوتوں کے ایک یہ ثبوت ہے جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے بڑی قوت اور تحدّی سے دنیا میں شائع کی ہے کہ قریب نوّے برس تک اس کی عمر ہوگی اور اس اثناء میں اس کی آنکھیں اور اس کے مفاصل ان ناتوانیوں اور تباہیوں سے محفوظ رہیں گے جو عادتاً ایسے اوقات میں بوڑھوں پر نازل ہوا کرتی ہیں۔ یہ دعویٰ متفرق کتابوں میں صاف صاف لفظوں میں مشتہر کیا گیا ہے۔ بڑی خوبصورتی اس پیشگوئی کی اس وقت معلوم ہوتی ہے جب یہ دیکھا جاوے کہ مدعی کی جسمانی حالت دعووں کے وقت مادی نگاہ میں کس قسم کی ہے یہ بات تمام واقفوں پر روشن ہے کہ وہ بیماریاں اس شخص کے ساتھ ہمیشہ لازم رہتی ہیں۔ ایک بیماری جسم کے اوپر کے حصہ یعنی سر سے تعلق رکھتی ہے جس کے شدید جوش کے وقت برد اطراف کا غلبہ ہوتا ہے کہ گرم کیا ہوا لوہا بھی جسم پر لگانے سے بے اثر ثابت ہوتا ہے۔ دوسری بیماری جسم کے حصہ زیریں سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ ہے پیشاب کی کثرت اور ہضم کا اپنے اعتدال پر نہ رہنا۔ یہ دو مرضیں اس قسم کی ہیں کہ عام انسان ان میں مبتلا ہو کر بہت تھوڑی زندگی پاتے ہیں لیکن بایں ہمہ ایک شخص بڑی قوت سے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ خدا نے مجھ کو کہا ہے کہ میں تجھے حیات طیبہ کا شرف بخشوں گا اور تو اتنی لمبی عمر میں ارذل عمر کے نشانوں میں سے کوئی نشان نہ دیکھے گا۔ یہ دعویٰ بلا تکلف ثابت کرتا ہے کہ وہ اس توانا ہستی کی طرف سے ہے جس کی حکومت کا جوا طوعاً و کرہاً ہر ایک ذرّہ عالم نے گردن پر اٹھا رکھا ہے۔ ورنہ اگر عرف اور عادت میں ایسا دعویٰ کرنے کی کسی عام منہ کو جرأت ہو سکتی ہے۔ تو اس کی نظیر بتاؤ۔

سامعین! آخر میں مَیں اپنی تقریر کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک اقتباس پر ختم کرتا ہوں جو سے لیا گیا ہے جس میں آپؑ نے ہستی باری تعالیٰ کو اپنے ذاتی تجربہ سے ثابت فرمایا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

”ہمارا زندہ حیّ و قیوم خدا ہم سے انسان کی طرح باتیں کرتا ہے۔ ہم ایک بات پوچھتے ہیں اور دعا کرتے ہیں تو قدرت کے بھرے ہوئے الفاظ کے ساتھ جواب دیتا ہے۔ اگر یہ سلسلہ ہزار مرتبہ تک بھی جاری رہے تب بھی وہ جواب دینے سے اعراض نہیں کرتا۔ وہ اپنے کلام میں عجیب در عجیب غیب کی باتیں ظاہر کرتا

ہے اور خارق عادت قدرتوں کے نظارے دکھلاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ یقین کرا دیتا ہے کہ وہی ہے جس کو خدا کہنا چاہیے۔ دعائیں قبول کرتا ہے اور قبول کرنے کی اطلاع دیتا ہے۔ وہ بڑی بڑی مشکلات حل کرتا ہے اور جو مُردوں کی طرح بیمار ہوں اُن کو بھی کثرت دعا سے زندہ کر دیتا ہے اور یہ سب ارادے اپنے قبل از وقت اپنے کلام سے بتلا دیتا ہے۔ خدا وہی خدا ہے جو ہمارا خدا ہے۔ وہ اپنے کلام سے جو آئندہ کے واقعات پر مشتمل ہوتا ہے ہم پر ثابت کرتا ہے کہ زمین و آسمان کا وہی خدا ہے۔"

(نسیم دعوت صفحہ 82)

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی محبت میں بڑھائے۔ آمین

(اِس تقریر کی تیاری میں حضرت مرزا وسیم احمد مرحوم ناظر اعلیٰ و امیر مقامی قادیان کی ایک تقریر سے استفادہ کیا گیا ہے)

(کمپوزڈ: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴿11﴾ ﴿مشاہدات۔942﴾

عقلی دلائل سے ہستیٔ باری تعالیٰ کے ثبوت

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ۔ وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ (یٰسٓ:78-79)

وہ رہ جو اُس کے ہونے پہ محکم دلیل ہے
وہ رہ جو اُس کے پانے کی کامل سبیل ہے
اُس نے ہر ایک کو وہی رستہ دکھا دیا
جتنے شکوک و شبہ تھے سب کو مٹا دیا

معزز سامعین! آج مجھے اللہ تعالیٰ کے وجود یعنی ہستیٔ باری تعالیٰ پر عقلی دلائل دینے ہیں۔ کسی چیز کے وجود یا یوں کہہ لیں کہ نیست اور ہست کے ثبوت کے لیے کچھ دلائل تو مذہبی کتب سے دیے جاسکتے ہیں، کچھ دلائل بزرگانِ دین کے واقعات اور اقوال سے دیے جاسکتے ہیں اور ایک بڑا ذریعہ عقل اور سوچ کا ہے۔ جیسے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک دلیل یہ دی کہ اگر راستے پر چلتے اونٹ کی مینگنیاں پڑی نظر آئیں تو ہم گمان کرتے ہیں کہ یہاں سے اونٹ ضرور گزرا ہو گا۔ پھر اتنی بڑی کائنات زمین و آسمان کی پیدائش اور اس کی ترتیب پر کسی وجود پر ایمان نہ لانا سمجھ سے بالا ہے۔

ہستیٔ باری تعالیٰ کے متعلق عقلی دلائل بالعموم دہریوں اور لادینیت کی طرف مائل لوگوں کے لیے دیے جاسکتے ہیں۔ جن کا خیال ہوتا ہے کہ یہ کائنات خود بخود معرضِ وجود میں آگئی ہے اور اس کا کوئی خالق نہیں اور نہ یہ کائنات کسی کی مخلوق ہے۔ وہ اللہ کے تصوّر اور اس کے وجود اور اس بارے عقیدہ سے کلیتاً انکاری ہوتے ہیں۔ عصر حاضر میں یہ اللہ تعالیٰ کا بے انتہا کرم ہے کہ اس نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو مسیح موعود اور مہدی معہود بنا کر بھیجا جس نے اللہ تعالیٰ سے رہنمائی پا کر دہریوں کے مدلّل جواب

دیے کہ دہریوں کی کمر ٹوٹ گئی اور مسلسل 136 سالوں سے خلفاء کرام کی رہنمائی میں جماعتِ احمدیہ دہریوں کے مقابل کھڑی ہو کر اللہُ واحدٌ کی نہ صرف تعلیم دے رہی ہے بلکہ اللہ اکبر کے صدائیں اِس زور سے بلند ہو رہی ہیں کہ دہریوں کو جائے پناہ ملنی مشکل ہو جاتی ہے اور بہت سی سعید روحیں دہریت کی دلدل سے نکل کر خدائے واحد یگانہ کو قبول کر کے جماعت کے مخلصین میں شامل ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ حضرت میاں محمد دین پٹواری صاحب کو آریہ اور دہریہ کے لیکچروں کے بد اثر سے متاثر ہو کر لایعنی زندگی بسر کر رہے تھے کہ براہین احمدیہ میں ہستیٔ باری تعالیٰ کے دلائل پڑھ کر آپ کی دہریت کافور ہو گئی اور لکھتے ہیں کہ اس کے مطالعہ سے میری آنکھ ایسے کھلی جس طرح سویا ہوا یا مرا ہوا زندہ ہو جاتا ہے۔

(الحکم 14 اکتوبر 1938ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بڑھتی ہوئی ملحدانہ سوچ کے متعلق فرماتے ہیں کہ

”آج مسیحیت تو اپنی کمزوری کی طرف بڑھ رہی ہے گو کہ ایک مقابلہ ان کے ساتھ بھی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی جو اُبھرنے والا خطرہ ہے اور اُبھرتا چلا جا رہا ہے وہ ہے دہریت۔ دوسرے مذاہب نے خدا تعالیٰ سے براہ راست تعلق نہ پا کر براہ راست خدا تعالیٰ کے تعلق کو نہ دیکھ کر دین سے دوری اختیار کرنی شروع کر دی ہے، اکثریت ان میں سے لامذہب ہو گئی ہے بلکہ دہریہ ہو گئی ہے۔ آپ لوگوں نے آج دہریت کا خاتمہ بھی کرنا ہے توحید کا قیام کرنا ہے۔“

(خطاب بر تقریب تقسیمِ اسناد جامعہ احمدیہ برطانیہ 25 مارچ 2018ء)

سامعین! انسان کی فطرت ہی اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی دلیل ہے۔ اگر انسان سے پوچھا جائے تُو پیدا کیسے ہوا، کیوں پیدا ہوا۔ تمہاری پیدائش کا مقصد کیا ہے تو وہ فوراً جواب دے گا کہ اللہ نے پیدا کیا۔ یہ اُس عظیم ہستی کا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو سورۃ یٰس آیت 78۔79 میں بیان فرمایا ہے جن کی تلاوت مَیں اپنی تقریر کے آغاز پر کر آیا ہوں جس کا ترجمہ یہ ہے۔

”کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا تو پھر یہ کیا انقلاب ہوا کہ وہ ایک کھلا کھلا جھگڑالو بن گیا اور ہم پر باتیں بنانے لگا اور خِلقت کو بھول گیا۔ کہنے لگا۔ کون ہے جو ہڈیوں کو زندہ کرے گا جبکہ وہ گل سڑ چکی ہوں گی؟“

ان آیات کی روشنی میں ایک دہریہ سے یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ تمہاری تخلیق کا آغاز رِحمِ مادر میں ہوا۔ وہاں آکسیجن کس نے مہیا کی وہاں تمہاری خوراک کا انتظام کس نے کیا۔ اگر اب سوچے گا تو کسی ہستی کے موجود ہونے کی طرف خیال جائے گا۔ انسان کی اپنی تخلیق پر غور کرنے اور ہستیٔ باری تعالیٰ پر یقین کرنے کے بعد اگلی سوچ اور عقل تخلیق کائنات کی طرف جاتی ہے۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بے شمار آیاتِ قرآنیہ میں کیا ہے۔ جبکہ سورت ابراہیم آیت 11 میں فرمایا ہے:

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ یَدْعُوْكُمْ لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ۔

یعنی ان کے رسولوں نے کہا۔ کیا اللہ کے بارہ میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟ وہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ وہ تمہارے گناہ بخش دے اور تمہیں آخری معین مدت تک کچھ اور مہلت دے دے۔ انہوں نے کہا کہ تم نہیں ہو مگر ہماری طرح کے بشر۔ تم چاہتے ہو کہ ہمیں اُن (بتوں) سے روک دو جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کیا کرتے تھے۔ پس ہمارے پاس کوئی کھلی کھلی غالب آنے والی حجت تو لاؤ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہستیٔ باری تعالیٰ سے انکاری لوگوں سے سوال کرتے ہوئے پوچھا ہے کہ کائنات کا لاکھوں سال سے احسن طور پر چلتے چلے جانا کیا اس بات کی عکاسی نہیں کرتا کہ اِسے کوئی چلا رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک دہریہ مسلمان بادشاہ کے پاس آکر کہنے لگا کہ مَیں اللہ کے وجود کو نہیں مانتا اور مجھے یقین ہے کہ یہ کائنات خودبخود معرضِ وجود میں آئی ہے نیز اِس ملحد دہریہ نے بادشاہ سے کسی عالِم کے ساتھ اس موضوع پر بحث کرنے کی خواہش کا اظہار بھی کیا۔ بادشاہ نے دریا کی دوسری جانب ایک بزرگ عالِم کو کہلا بھیجا۔ وہ بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر ملحد کے سامنے یہ کہنے لگے کہ بادشاہ سلامت! دریا عبور کرنے کے لیے کوئی کشتی وغیرہ نہ تھی مَیں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ایک ملحد دہریہ سے تیری شان اور تیرے وجود پر گفتگو کے لیے جانا ہے کوئی انتظام کر دے تو اچانک دریا میں سے لکڑی کے چند تختے نمودار ہوئے جو آپس میں جڑتے گئے اور ایک کشتی تیار ہو کر میرے پاس کنارے پر آ کھڑی ہوئی تو مَیں اس پر بیٹھ کر آ گیا ہوں جبکہ اس کا کوئی کشتی بان بھی نہ تھا۔

اس پر ملحد دہریہ بہت سر پٹایا کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ لکڑی کے تختے پانی کے اندر سے نمودار ہو کر آپس میں جڑتے جائیں اور ایک کشتی کی شکل اختیار کر جائیں۔ مَیں اس غیر معقول بات کو نہیں مانتا۔ جس پر وہ مسلمان بزرگ بولا کہ جب تم اس کشتی کو معرضِ وجود میں آنے پر یقین نہیں کرتے تو پھر تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہ کائنات خود بخود معرضِ وجود میں آگئی ہے۔ بس اس کائنات کا ایک خالق موجود ہے۔

صحیح بخاری میں خدا کے وجود پر ایک قصّہ موجود ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے کسی سے قرض لیا اور اس کی ایک میعاد مقرر کی۔ وہ شخص قرض لے کر ایک لمبا دریائی سفر کر کے اپنے گھر واپس پہنچ گیا۔ جب قرض واپسی کا وقت آیا تو وہ ہر روز دریا کے کنارے جاتا کہ اُسے کوئی کشتی مل جائے اور وہ اس پر بیٹھ کر قرض واپس کر آئے۔ مگر باوجود تلاش کے کشتی نہ ملی اسی اثنا میں اُس نے دریا میں ایک تیرتی ہوئی لکڑی دیکھی وہ اسے گھر لے آیا اور اس میں سوراخ کر کے اشرفیاں ڈال کر اوپر سے سیل بند کر کے خدا سے دعا مانگتے ہوئے اس پر بھروسہ کرتے ہوئے دریا میں چھوڑ دیا کہ اے خدایا! مَیں اس قرض کو جو تجھے ضامن بنا کر لیا تھا بروقت واپس کرنا چاہتا ہوں مگر کوئی وسیلہ نہیں بن پا رہا۔ تجھے مَیں نے ضامن بنایا تھا پس یہ قرض اُس شخص تک پہنچا دے جس سے مَیں نے قرض لیا تھا اور گھر واپس آکر دوبارہ اشرفیاں جوڑنی شروع کر دیں۔ اُدھر دوسری طرف قرض دینے والا قارض بھی روزانہ ہی دریا کے کنارے جا کر مقروض کا انتظار کرتا تھا تا اس کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ ایک دن اُس نے دریا کے کنارے ایک بھاری بھرکم لکڑی دیکھی۔ اس نیت سے وہ اِسے اپنے گھر لے آیا کہ جلانے کے کام آئے گی۔ اُس نے جب اِسے چیرا تو اُس کے اندر مطلوبہ رقم مع خط پایا۔ کچھ عرصہ کے بعد قرض لینے والے شخص کو ناؤ یعنی کشتی مل گئی وہ اس میں مطلوبہ اشرفیاں لے کر قارض کے پاس پہنچا تو اس نے بتایا کہ مجھے تو آپ کی رقم مل گئی تھی۔ یہ ایک سچا اور حقیقت بر مبنی واقعہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنایا اور خدا کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس مضمون کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ

”اے سعید انسان! تو ایسا مت کر۔ تیرا خدا وہ ہے جس نے بے شمار ستاروں کو بغیر ستون کے لٹکا دیا اور جس نے زمین و آسمان کو محض عدم سے پیدا کیا۔ کیا تو اس پر بد ظن رکھتا ہے؟“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 21)

حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنے ملحد مخالفین کو یہی دلیل دی۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں سورۃ نوح آیت 14 تا 17 میں کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ

"تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ سے کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے؟ حالانکہ اُس نے تمہیں مختلف طریقوں پر پیدا کیا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسے سات آسمانوں کو طبقہ بر طبقہ پیدا کیا؟ اور اُس نے ان میں چاند کو ایک نُور بنایا سُورج کو ایک روشن چراغ۔"

ان آیات میں سورج چاند کی بناوٹ اور ان کی روشنی کا ذکر فرمایا ہے۔ ہم گھروں میں روشنی کے لیے دیا یعنی چراغ وغیرہ بناتے ہیں۔ اِس کے لیے کتنی دقت کرنی پڑتی ہے۔ وقت درکار ہوتا ہے۔ پھر چاند اور سورج کو بنانے والی تو کوئی ہستی ہو گی۔

فلکیات میں زمین و آسمان اور سورج چاند کے گھومنے اور ترتیب میں رہ کر گھومنے کا ذکر تو اوپر ہو چکا ہے۔ مگر رات دن کا ذکر کرنا ابھی باقی ہے اللہ تعالیٰ نے اس غیر معمولی ترتیب اور دنیا بھر میں رات اور دن کے سفر کو قرآنِ کریم میں مختلف جگہوں پر بیان فرمایا ہے۔ کیا حسین امتزاج ہے کہ دنیا کے کچھ حصے رات کے اندھیروں میں لپٹے ہوتے ہیں اور بعض حصّوں میں دین کی وجہ سے گہما گہمی ہوتی ہے اور کچھ حصے ایسے بھی ہیں جہاں دن چھ مہینے تک طول پکڑ جاتا ہے اور رات چھ مہینے لمبی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ آل عمران آیت 191 میں فرماتا ہے کہ دن کے بعد رات کا آنا اور رات کے بعد دن کا آنا اللہ تعالیٰ کی ہستی کی بڑی دلیل ہے۔ زمین گول ہے اور اپنے محور میں گھوم رہی ہے اس کا جو حصہ سورج کے سامنے ہوتا ہے وہاں دن ہوتا ہے اور جو حصہ سورج سے پوشیدہ ہوتا ہے وہاں رات ہوتی ہے۔ رات دن کا یہ سفر اپنے آرام اور سکون سے جاری ہے کہ دن کے یا رات کے آنے سے ذرا بھی جھٹکا یا ہلچل محسوس نہیں ہوتی۔ کیا یہ عقلی دلیل نہیں کہ خدا کی ہستی ہے جو اس پیچیدہ نظام کو چلا رہی ہے؟

کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے، وہی خدا ہے
دکھائی بھی جو نہ دے، نظر بھی جو آرہا ہے وہی خدا ہے
تلاش اُس کو نہ کر بتوں میں، وہ ہے بدلتی ہوئی رُتوں میں
جو دن کو رات اور رات کو دن بنا رہا ہے، وہی خدا ہے

وہی ہے مشرق وہی ہے مغرب، سفر کریں سب اُسی کی جانب
ہر آئینے میں جو عکس اپنا دکھا رہا ہے، وہی خدا ہے
کسی کو سوچوں نے کب سراہا، وہی ہوا جو خدا نے چاہا
جو اختیارِ بشر پہ پہرے بٹھا رہا ہے، وہی خدا ہے
نظر بھی رکھے، سماعتیں بھی، وہ جان لیتا ہے نیتیں بھی
جو خانہء لاشعور میں جگمگا رہا ہے، وہی خدا ہے
کسی کو تاجِ وقار بخشے، کسی کو ذلت کے غار بخشے
جو سب کے ماتھے پہ مہرِ قدرت لگا رہا ہے، وہی خدا ہے
سفید اُس کا سیاہ اُس کا، نفس نفس ہے گواہ اُس کا
جو شعلہء جاں جلا رہا ہے، بُجھا رہا ہے، وہی خدا ہے

(مظفر وارثی)

سامعین! ایک عقلی دلیل دعاؤں کی قبولیت کی ہے۔ اس کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے 10 دلائل ہستیٔ باری تعالیٰ کے صفحہ 21 پر بطور چیلنج کے پیش فرمایا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ چند بیمار جو خطرناک طور پر بیمار ہوں ان کو بانٹ لیا جائے۔ کچھ کا علاج ڈاکٹرز کریں اور ایک گروہ کے حق میں مَیں دعا کروں تو پھر دیکھیں کس کے مریض اچھے ہوتے ہیں اور لاعلاج مریض شفا پاتے ہیں۔ جیسے قادیان میں پڑھنے کے لیے آنے والے ایک طالب علم عبد الکریم کو دیوانے کتے نے کاٹ لیا۔ اس طالب علم کو کسولی بھجوایا گیا۔ ڈاکٹرز نے ٹیلی گرام کے ذریعہ اطلاع بھجوائی کہ

Sorry, nothing can be done for Abdul Karim

کہ افسوس عبد الکریم کے واسطے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِس لاعلاج مریض کے لیے دعا کی اور وہ شفایاب ہو گیا۔ یہ بھی اللہ کی موجودگی پر ایک دلیل ہے۔

مکرم ڈاکٹر فہیم یونس قریشی صاحب نائب امیر جماعت احمدیہ امریکہ نے جلسہ سالانہ برطانیہ 2023ء کے موقع پر ہستیٔ باری تعالیٰ کے سائنسی دلائل پر ایک تقریر کے دوران بتایا کہ

"خاکسار کو اللہ تعالیٰ نے 25 ہزار سے زائد پیچیدہ Infectious diseases مریضوں کا علاج کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ مَیں یہ مکمل اعتماد سے آپ کو کہہ سکتا ہوں کہ سوا سو سال کے بعد بھی اگر کسی Unvaccinated انسان کو Rabies کے مرض کی علامات ظاہر ہو جائیں تو آج بھی موت سو فیصد یقینی ہے۔ جن صحابہؓ نے عبد الکریم کی معجزانہ شفا کا مشاہدہ کیا ہو گا، آپ سمجھتے ہیں کہ ان کو ہستیٔ باری تعالیٰ کے بارے میں کسی اور دلیل کی ضرورت رہ گئی ہو گی؟"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی میں 200 سے زائد نشان قبولیتِ دعا کے بیان فرمائے ہیں اور چیلنج دیتے ہوئے فرمایا کہ

"اگر کوئی چالاکی اور گستاخی سے اِس معجزہ میں میرا مقابلہ کرے اور یہ مقابلہ ایسی صورت میں کیا جائے کہ مثلاً قرعہ اندازی سے 20 بیمار میرے حوالے کیے جائیں اور 20 اُس کے حوالے کیے جائیں تو خدا تعالیٰ اِن بیماروں کو جو میرے حصہ میں آئیں شفایابی میں صریح طور پر فریق ثانی کے بیماروں سے زیادہ رکھے گا اور یہ نمایاں معجزہ ہو گا۔"

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 91)

کیونہ ڈاکٹرز کے علاج سے شاید شفاء مِل جائے مگر دعاؤں والی سائنس سے شفاء بھی ملتی ہے اور زندہ خدا بھی مل جاتا ہے جیسا کہ عبد الکریم کی شفایابی سے تمام موجود صحابہؓ کو خدا ملا۔

سامعین! عقلی دلائل دیتے ہوئے یہ بات ذہن نشین رہے کہ عقلی دلائل بھی اُس وقت تک اثر انداز نہیں ہوتے جب تک دلائل دینے والے کا تعلّق خدا کے ساتھ نہ ہو۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ

عقل کو دین پہ حاکم نہ بناؤ ہرگز
یہ تو خود اندھی ہے گر نیّرِ الہام نہ ہو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابل پر نام نہاد فلاسفرز نے تکبّر اور شیخی کو عقل کا نام دے کر ہستیٔ باری تعالیٰ پر اطلاق کرنے کی ناکام کوشش کی۔ اس کے مقابل پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

آواز آرہی ہے یہ فونو گراف سے
ڈھونڈو خدا کو دل سے نہ لاف و گزاف سے

چنانچہ آپ علیہ السلام نے خود بھی اور آپؑ کی اقتداء میں صحابہ اور بعد میں احباب جماعت نے اپنے اللہ کو دل کی گہرائیوں سے دعاؤں کے ساتھ تلاش کرتے دیکھا اور ان شاء اللہ تا قیامت جب تک جماعت ہے دعاؤں سے اپنے خدا کو دیکھتے اور حاصل کرتے رہیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اِس مناسبت سے فرماتے ہیں:

"محض عقلی دلائل مذہب کی سچائی کے لیے کامل شہادت نہیں ہو سکتے اور یہ ایسی مہر نہیں ہے کہ کوئی جعلساز اس کے بنانے پر قادر نہ ہو بلکہ یہ تو عقل کے چشمۂ عام کی ایک گداگری متصوّر ہو سکتی ہے۔ پھر اس بات کا کون فیصلہ کرے کہ عقلی باتیں جو ایک کتاب نے لکھی در حقیقت وہ الہامی ہیں یا کسی اور کتاب سے چرا کر لکھی گئی ہے اور اگر فرض بھی کرلیں کہ وہ چرائی ہوئی نہیں ہے تو پھر بھی ہستیٔ باری تعالیٰ پر وہ کب دلیل قاطع ہو سکتی ہیں اور کب کسی طالبِ حق کا نفس اس بات پر پوری تسلی پا سکتا ہے کہ فقط وہی عقلی باتیں یقینی طور پر آیت خدا نما ہیں اور کب یہ اطمینان بھی ہو سکتا ہے کہ وہ باتیں بکلی غلطی سے مبرا ہیں۔ بس اگر ایک مذہب صرف چند باتوں کو عقل یا فلسفہ کی طرف منسوب کر کے اپنی سچائی کی وجہ بیان کرتا ہے اور آسمانی نشانوں اور خارق عادت امور کے دکھلانے سے قاصر ہے تو ایسے مذہب کا پیرو فریب خوردہ یا فریب دہندہ ہے اور وہ تاریکی میں مرے گا۔

غرض محض عقلی دلائل سے تو خدائے تعالیٰ کا وجود بھی یقینی طور پر ثابت نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ کسی مذہب کی سچائی اس سے ثابت ہو جائے اور جب تک ایک مذہب اس بات کا ذمہ دار نہ ہو کہ وہ خدا کی ہستی کو یقینی طور پر ثابت کر کے دکھلائے تب تک وہ مذہب کچھ چیز نہیں ہے اور بد قسمت ہے وہ انسان جو ایسے مذہب

پر فریفتہ ہو۔ ہر ایک وہ مذہب لعنت کا داغ اپنی پیشانی پر رکھتا ہے جو انسان کی معرفت کو اس مرحلہ تک نہیں پہنچا سکتا جس سے گویا وہ خدا کو دیکھ لے اور نفسانی تاریکی روحانی حالت سے بدل جائے اور خدا کے تازہ نشانوں سے تازہ ایمان حاصل ہو جائے اور نہ صرف لاف کے طور پر بلکہ واقعی طور پر ایک پاک زندگی مل جائے۔"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 60)

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"وہ عالمُ الشہادۃ ہے یعنی کوئی چیز اس کی نظر سے پردہ میں نہیں ہے۔ یہ جائز نہیں کہ وہ خدا کہلا کر پھر علم اشیاء سے غافل ہو۔ وہ اس عالم کے ذرہ ذرہ پر اپنی نظر رکھتا ہے لیکن انسان نہیں رکھ سکتا۔ وہ جانتا ہے کہ کب اس نظام کو توڑ دے گا اور قیامت برپا کر دے گا اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ایسا کب ہو گا؟ سو وہی خدا ہے جو ان تمام وقتوں کو جانتا ہے۔ پھر فرمایا هُوَ الرَّحْمٰنُ یعنی وہ جانداروں کی ہستی اور ان کے اعمال سے پہلے محض اپنے لطف سے نہ کسی غرض سے اور نہ کسی عمل کے پاداش میں ان کے لئے سامان راحت میسر کرتا ہے۔ جیسا کہ آفتاب اور زمین اور دوسری تمام چیزوں کو ہمارے وجود اور ہمارے اعمال کے وجود سے پہلے ہمارے لئے بنا دیا۔ اس عطیہ کا نام خدا کی کتاب میں رحمانیت ہے۔ اور اس کام کے لحاظ سے خدائے تعالیٰ رحمٰن کہلاتا ہے۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 372)

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اور مبدأ ہے تمام مخلوق کا... اور سرچشمہ ہے تمام فیضوں کا... اور مالک ہے تمام جزا سزا کا اور مرجع ہے تمام امور کا... اور نزدیک ہے باوجود دُوری کے اور دُور ہے باوجود نزدیکی کے۔ وہ سب سے اُوپر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس کے نیچے کوئی اور بھی ہے... اور وہ سب چیزوں سے زیادہ پوشیدہ ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس سے کوئی زیادہ ظاہر ہے۔ وہ زندہ ہے اپنی ذات سے اور ہر ایک چیز اس کے ساتھ زندہ ہے ...وہ قائم ہے اپنی ذات سے اور ہر ایک چیز اس کے ساتھ قائم ہے۔ اُس نے ہر یک چیز کو اٹھا رکھا ہے اور کوئی چیز نہیں جس نے اس کو اٹھا رکھا ہو... کوئی چیز نہیں جو اس کے بغیر خود بخود پیدا ہوئی ہے یا اس کے بغیر خود بخود جی سکتی

ہے۔ وہ ہر یک چیز پر محیط ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ کیسا احاطہ ہے۔ وہ آسمان اور زمین کی ہر یک چیز کا نور ہے اور ہر یک نُور اسی کے ہاتھ سے چمکا اور اُسی کی ذات کا پَرتَوہ ہے۔ وہ تمام عالموں کا پروردگار ہے۔ کوئی روح نہیں جو اس سے پرورش نہ پاتی ہو اور خود بخود ہو۔ کسی روح کی کوئی قوت نہیں جو اس سے نہ ملی ہو اور خود بخود ہو۔ اور اس کی رحمتیں دو قسم کی ہیں (1) ایک وہ جو بغیر سبقت عمل کسی عامل کے قدیم سے ظہور پذیر ہیں جیسا کہ زمین اور آسمان اور سورج اور چاند اور ستارے اور پانی اور آگ اور ہوا اور تمام ذرّات اس عالم کے جو ہمارے آرام کے لئے بنائے گئے۔ ایسا ہی جن جن چیزوں کی ہمیں ضرورت تھی وہ تمام چیزیں ہماری پیدائش سے پہلے ہی ہمارے لئے مہیّا کی گئیں اور یہ سب اُس وقت کیا گیا جبکہ ہم خود موجود نہ تھے۔ نہ ہمارا کوئی عمل تھا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ سورج میرے عمل کی وجہ سے پیدا کیا گیا یا زمین میرے کسی شدھ کرم کے سبب سے بنائی گئی۔ غرض یہ وہ رحمت ہے جو انسان اور اس کے عملوں سے پہلے ظاہر ہو چکی ہے جو کسی کے عمل کا نتیجہ نہیں۔ (2) دوسری رحمت وہ ہے جو اعمال پر مترتب ہوتی ہے“۔

(لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 152۔153)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

” پس خالص ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی تلاش کرنے والے ہی اللہ تعالیٰ کو پا سکتے ہیں۔ یا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے مختلف درجے ہیں جو ایک جُہد مسلسل سے اللہ تعالیٰ کی توجہ کو جذب کر کے انسان کو اللہ تعالیٰ کا قرب دلاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کو پانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان بالغیب اور اس کی طاقتوں اور صفات پر کامل ایمان اس مسلسل کوشش کی طرف انسان کو مائل کرتا ہے۔ اگر صرف عقل کے ترازو سے اللہ تعالیٰ کی پہچان کی کوشش ہو گی تو اللہ تعالیٰ نظر نہیں آسکتا۔ وہ اپنی طرف آنے کے راستے نہیں دکھائے گا۔ اللہ تعالیٰ کو پانے کے لئے اس کے راستوں کی تلاش کے لئے پہلی کوشش بندے نے کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پہچان کے لئے بھی بندے کو اندھیرے میں نہیں رکھا کہ کس طرح راستے تلاش کرنے ہیں؟ سب سے اوّل اس زمانہ کے لئے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کے قیامت تک کے زمانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ کریم کو ہمارے سامنے رکھا ہے۔ اس میں سے راستے تلاش کرو۔ اس سے پہلے

بھی اللہ تعالیٰ انبیاء کے ذریعہ انسان کو راستوں کی نشاندہی کرتا رہا ہے۔ اور پھر انبیاء کے ذریعے سے نشانات اور عجائبات دکھا کر اپنی ہستی کا ثبوت بھی پیش کرتا ہے تاکہ ان چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کے راستوں کی پہچان ہو سکے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 3 ستمبر 2010)

(کمپوزڈ: عمیر احمد باجوہ)

﴿12﴾ ﴿مشاہدات۔943﴾

ہستیٔ باری تعالیٰ کے بارے میں سائنسی دلائل

(تقریر نمبر1)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اَوَلَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰہُمَا ؕ وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ (الانبیاء:31)

یعنی کیا انہوں نے دیکھا نہیں جنہوں نے کفر کیا کہ آسمان اور زمین دونوں مضبوطی سے بند تھے پھر ہم نے اُن کو پھاڑ کر الگ کر دیا اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی۔ تو کیا وہ ایمان نہیں لائیں گے؟

کیا زندگی کا ذوق اگر وہ نہیں ملا
لعنت ہے ایسے جینے پہ گر اُس سے ہیں جدا
اُس رُخ کو دیکھنا ہی تو ہے اصل مدّعا
جنّت بھی ہے یہی کہ مل یارِ آشنا

معزز سامعین! مجھے آج سائنسی رو سے اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اُس کے وجود کو ثابت کرنا ہے۔ ہمارے علماء اور سکالرز نے خدا کی ہستی کو مختلف علوم، تجربات اور طریق سے ثابت کیا ہے۔ جہاں تک سائنسی دلائل اور ثبوت کا تعلق ہے۔ یہ ایک ایسا علم ہے جو آج کی دنیا میں قابل فہم اور قابل عمل ہے۔ یہ ایک ایسا علم ہے جو تجربے، مشاہدے اور منطقی دلائل سے کسی چیز کو ثابت کرے۔ یہ ایک ایسا منظّم طریقِ کار ہے جس میں فطرت اور کائنات کے رازوں کو سمجھا جاتا ہے۔ گویا اس علم کے تحت معلومات جمع کر کے مشاہدات اور تجربات کئے جاتے ہیں اور اِسے فطرت کا علم بھی کہا گیا ہے۔ جس کا بنیادی مقصد فطرت، کائنات اور اس میں موجود مادے اور توانائی کے اصولوں کو سمجھا جاتا ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ
"قرآن خدا کا قول ہے اور سائنس خدا کا فعل ہے۔"

(مذہب اور سائنس از انوار العلوم جلد 9 صفحہ 500)

اس کی مثال ہم یوں دے سکتے ہیں کہ مرد اور عورت کے ملاپ سے بچے کی پیدائش کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر فرمایا ہے اور ہم روزانہ ہی مختلف جوڑوں کے ہاں بچوں کی پیدائش کو دیکھتے ہیں جو خدا کا فعل ہے اور ہستیٔ باری تعالیٰ کے ثبوت کی ایک دلیل ہے۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف آیت 173 میں کرکے فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کہ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے اِس آیت کی تشریح میں فرمایا:

"جب بنی آدم سے ان کی پیدائش سے بھی پہلے ان کی اولاد کے متعلق حکم فرمایا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر گواہ رہیں۔ جو اولاد ابھی پیدا ابھی نہیں ہوئی اس سے کس طرح عہد لیا جاسکتا تھا؟ اس سے صرف اتنی مراد ہے کہ انسانی سرشت میں ہی اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان داخل ہے۔ پس تمام دنیا میں جو خدا تعالیٰ کا تصوّر پایا جاتا ہے۔ یہ اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ یہ انسانی سرشت میں مُرتسم ہے۔"

(ترجمہ قرآن صفحہ 273)

ڈاکٹر عبد السلام صاحب نے ایٹم کو پھاڑنے کا تصوّر قرآن کریم سے لیا اور سائنس کے ذریعہ اِس کو خدا کا عمل بنایا۔

مجھے آج قرآن اور سائنس سے ہستیٔ باری تعالیٰ کے ثبوت دینے مقصود ہیں اور یہ بات حتمی اور یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ آج جو نت نئی ایجادات منصّہ شہود پر آرہی ہیں۔ اُن کا ذکر آج سے 1400 سال پہلے نازل ہونے والے قرآن کریم میں موجود ہوتا ہے۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور ہستی کی دلیل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ یٰسٓ آیت 37 میں جہاں ہر چیز کے جوڑے کا ذکر کیا ہے اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسی چیزوں کے جوڑے بھی ہیں جن کو وہ لوگ ابھی نہیں جانتے۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے وقت مادہ کے جوڑے کا کسی کو علم نہیں تھا کہ ایٹم میں نیوٹران پروٹران کے جوڑے ہوتے ہیں۔ اِسی طرح

ریت کے ایک ذرّہ میں کروڑوں کی تعداد میں کوارکس کے جوڑے ہیں۔ یہ تو اِس زمانہ کی ایجادیں ہیں۔ مگر ہمارا خدا ابتدائے دنیا سے اِسے جانتا تھا اور یہی اُس کے ثبوت کی سائنسی دلیل ہے۔

اِسی طرح قرآنِ کریم کی سورۃ نور آیت 41 میں اللہ تعالیٰ نے سمندروں کی گہرائیوں اور اندھیروں کا یوں ذکر فرمایا ہے۔ کہ یا (ان کے اعمال) اندھیروں کی طرح ہیں جو گہرے سمندر میں ہوں جس کو موج کے اوپر ایک اور موج نے ڈھانپ رکھا ہو اور اس کے اوپر بادل ہوں۔ یہ ایسے اندھیرے ہیں کہ اُن میں سے بعض بعض پر چھائے ہوئے ہیں۔ جب وہ اپنا ہاتھ نکالتا ہے تو اُسے بھی دیکھ نہیں سکتا۔ اور وہ جس کے لئے اللہ نے کوئی نور نہ بنایا ہو تو اُس کے حصہ میں کوئی نور نہیں۔

ایک رسول اُمّی کو سمندر کی گہرائیوں کا علم کس نے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو عالم الغیوب خدا ہے اور آج سائنسدانوں نے جب سمندروں کا مطالعہ کیا تو انہیں معلوم ہوا کہ سمندر کے اندھیرے بہت گہرے ہیں۔ سائنس دان نے Occean gravity سمندر کی گہرائیوں کو تین زون میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا یوفوٹک زون کہلاتا ہے۔ جہاں روشنی سرایت کرتی ہے۔ دوسرے زون کو ڈیسفوٹک کہتے ہیں جہاں ہلکی روشنی رہتی ہے اور ایک کلومیٹر کے بعد لیفوٹک زون کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس میں گھپ اندھیرا ہوتا ہے۔ اِسی سورۃ نور میں ذکر ہے کہ اپنا ہاتھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ یہی وہ ایجادات ہیں جن کا ذکر سورۃ الانبیاء آیت 31 میں یوں کیا۔ اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰهُمَا کہ آسمان وزمین دونوں بند تھے پس ہم نے انہیں کھول دیا۔ یہی ثبوت ہیں ہستئ باری تعالیٰ کے جن سے اللہ تعالیٰ رازوں اور بھیدوں پر سے پردے اُٹھائے ہیں اور بلیک ہولز تک بھی رسائی حاصل کرلی ہے۔

سامعین! اولاد کی پیدائش کو خاکسار ہستئ باری تعالیٰ کے عقلی دلائل میں مشاہدات نمبر 941 میں بیان کر آیا ہے۔ اِسی مضمون کو سائنسی لحاظ سے لے کر آگے بڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا ہے کہ بعضوں کو مَیں لڑکے عطا کرتا ہوں، بعضوں کو لڑکیاں۔ جن کو لڑکیاں عطا ہوتی ہیں اُن کا ہمارے معاشرے میں سارا اتہام عورتوں پر لگتا ہے اور لڑائی جھگڑے اور طعن و تشنیع لگتے ہیں مگر اب سائنس نے یہ تجربات سے ثابت کردیا ہے کہ پیدا ہونے والے بچے کی جنس کا تعلق تو صرف مرد کے جرثومے یا کروموسوم سے ہوتا ہے۔ سائنس تو اب یہ ثبوت دے رہی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نجم آیت 46 میں

آج سے 1400 سال قبل فرمایا۔ "اُسی نے نطفہ سے نر اور مادہ کو پیدا کیا"۔ اِسی طرح ہم سنتے ہیں بلکہ یقین بھی کر لیتے ہیں کہ پہاڑ ساکت اور جامد ہے۔ جبکہ قرآن کریم سورۃ نمل آیت 89 میں فرماتا ہے:

تُو پہاڑوں کو دیکھتا ہے اس حال میں کہ انہیں ساکن و جامد گمان کرتا ہے حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہیں۔ (یہ) اللہ کی صنعت ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا۔ یقیناً وہ اُس سے جو تم کرتے ہو ہمیشہ باخبر رہتا ہے۔

جبکہ اب سائنس یہ بولتی ہے کہ پہاڑ بھی چلتے ہیں۔ 500 سال پہلے Copernicus, Galileo اور Kepler جیسے سائنسدانوں نے یہ دریافت کیا تھا کہ سورج اور زمین ساکت نہیں بلکہ اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت قرآن کریم نے 1400 سال پہلے بیان فرما کر اپنے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادی۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الانبیاء آیت 34 میں فرماتا ہے۔ "وہی ہے جس نے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ سب (اپنے اپنے) مدار میں رَواں دَواں ہیں"۔

سامعین کرام! اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کریم میں آج سے چودہ سو سال پہلے بے شمار مثالیں بتا کر ثابت کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی ہے مثلاً سورۃ انبیاء 31۔ جِلد سب سے زیادہ درد کو محسوس کرتی ہے، النساء:57۔ جنینیت یا ایمبریولوجی کی تفصیل المومنون 14، جنیٹک انجینئرنگ۔ النساء120، کشش ثقل و گریویٹی۔ سورۃ الرعد3، ایسڈرین، سورۃ الواقعہ 71۔ واٹر سائیکل، الذّاریات 3 اور کئی آیات ہیں جو نظریہ ارتقاء یا ایوولوشن کی جزوی تائید کرتی ہیں اور انہی مثالوں کو آج کی سائنس ثابت کرتی ہے لیکن افسوس کہ آج بھی بعض لوگ خدا کے وجود سے انکاری ہو جاتے ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

"سائنس ہزار ترقی کر لے، قرآن پر غالب نہیں آسکتی۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 129۔ ایڈیشن 1984ء)

پھر ایک دلیل تو روحانی جماعتیں ہیں جو باوجود شدید مخالفت کے ترقی کرتی ہیں۔ ایک نبی اور اُن کے پیروکار باوجود کمزور اور نحیف ہونے کے طاقتور لوگ اور طاقتور قومیں اُن سے ڈرتے ہیں۔ یہی کیفیت ہم احمدیوں کی ہے۔ ہم میں سے ہر احمدی کی پُشت پر خدا کھڑا ہے جو اِس کی تائید و نصرت کرتا ہے۔ غیبی خبروں کے ذریعہ مدد کرتا ہے۔ آج پاکستان میں جماعت احمدیہ کے افراد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں۔ چند

لاکھ ہوں گے مگر ملک کی سیاسی اور مذہبی جماعتیں جماعت احمدیہ سے مرعوب نظر آتی ہیں۔ کبھی اِن افراد کو شہید کیا جاتا ہے۔ کبھی ان کی عبادت گاہوں کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ کبھی اِن کے قبرستانوں میں قبروں کو توڑا جاتا ہے اور کبھی اِن کی املاک اور جائیدادوں کو لوٹا جاتا ہے۔ کراچی کے ایم کیو ایم کے ایک لیڈر نے ایک مجمع میں برملا طور پر تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ایک پُرامن جماعت سے تم کو کیا خوف اور ڈر ہے کہ تم انہیں ہر طرح سے نقصان پہنچاتے ہو۔ اس کے لئے دیکھنے کے لئے آنکھ اور سمجھنے کے لئے سوچ کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الحدید آیت 5 میں فرماتا ہے۔ وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ کہ وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہو۔ ابھی کل کی بات ہے کہ جلسہ سالانہ جرمنی 2025ء کے آخری روز جماعت احمدیہ کے سربراہ حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اختتامی خطاب میں فرمایا کہ جب یہ مخالفین کسی ایک جگہ جماعت کی مخالفت کرتے ہیں اور روکیں پیدا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ دوسری جگہ ترقیات کے رستے کھول دیتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”جس کو خدائی کا جلوہ دیکھنا ہو اُسے چاہئے کہ دعا کرے۔ اُن آنکھوں سے وہ نظر نہیں آتا بلکہ دُعا کی آنکھوں سے نظر آتا ہے۔“

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 618)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دَور میں قادیان میں پڑھنے کے لئے آئے ہوئے ایک طالب عالم عبدالکریم نامی کو باؤلے کُتّے نے کاٹ لیا۔ باؤلے کُتّے کے کاٹنے سے وہ لڑکا بھی پاگل پن کا شکار ہوا اور مرنے کے قریب ہو گیا۔ اِس کو کساولی ہسپتال برائے علاج بھجوایا گیا مگر وہاں سے ڈاکٹرز نے تار بھجوایا۔

Sorry, nothing can be done for Abdul Karim.

کہ افسوس سے یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ عبدالکریم کے لئے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔

جب دنیاوی سائنس نے جواب دے دیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دل اُس کے لئے سخت درد اور بے قراری میں مبتلا ہوا۔ آپؑ نے اُس کی صحت یابی کے لئے دعائیں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے معجزانہ رنگ میں اُسے شفا بخشی اور موت کے منہ سے اُسے واپس زندگی کی طرف اللہ تعالیٰ نے لوٹا دیا۔

مکرم ڈاکٹر فہیم یونس قریشی صاحب نائب امیر جماعت احمدیہ امریکہ نے جلسہ سالانہ برطانیہ 2023ء کے موقع پر ہستیٔ باری تعالیٰ کے سائنسی دلائل پر ایک تقریر کے دوران بتایا کہ

”خاکسار کو اللہ تعالیٰ نے 25 ہزار سے زائد پیچیدہ Infections diseases کے مریضوں کا علاج کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ مَیں یہ مکمل اعتماد سے آپ کو کہہ سکتا ہوں کہ آج سوا سو سال کے بعد بھی اگر کسی Unvaccinated انسان کو Rabies کے مرض کی علامات ظاہر ہو جائیں تو آج بھی موت سو فیصد یقینی ہے۔ جن صحابہؓ نے عبد الکریم کی معجزانہ شفا کا مشاہدہ کیا ہو گا، آپ سمجھتے ہیں کہ ان کو ہستیٔ باری تعالیٰ کے بارے میں کسی اور دلیل کی ضرورت رہ گئی ہو گی؟“

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی میں 200 سے زیادہ نشان قبولیت دُعا کے بیان فرمائے ہیں اور چیلنج دیتے ہوئے فرمایا کہ

”اگر کوئی چالاکی اور گستاخی سے اِس معجزہ میں میرا مقابلہ کرے اور یہ مقابلہ ایسی صورت میں کیا جائے کہ مثلاً قرعہ اندازی سے 20 بیمار میرے حوالے کئے جائیں اور 20 اُس کے حوالے کئے جائیں تو خدا تعالیٰ ان بیماروں کو جو میرے حصّہ میں آئیں شفایابی میں صریح طور پر فریق ثانی کے بیماریوں سے زیادہ رکھے گا اور یہ نمایاں معجزہ ہو گا۔“

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 91)

کیونکہ ڈاکٹرز کے علاج سے شاید شفا مل جائے مگر دعاؤں والی سائنس سے شفا بھی ملتی ہے اور زندہ خدا بھی مل جاتا ہے جیسا کہ عبد الکریم کی شفایابی سے تمام موجود صحابہؓ کو خدا ملا۔

سامعین! مَیں اپنی تقریر کے آخر میں اِسی سائنس کو ہستیٔ باری تعالیٰ کے طور پر ایک اور رنگ میں پیش کرتا ہوں۔ بانیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ آپؐ بے کس، غریب تھے۔ آپؐ بچپن میں ایک یتیم بچہ تھے۔ باپ آپؐ کی ولادت سے قبل وفات پا گئے تھے۔ چھ سال کی عمر میں ماں بھی داغِ ہجرت دے گئیں۔ اپنے بھی دشمن بن گئے۔ مگر غار حرا کی تاریک راتوں کی دعاؤں نے کام دکھلایا اور آپؐ روحانی آسمان کے سورج بن کر چمکے اور ساری دنیا کو روشنی دینے لگے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جب مَیں ان بڑے بڑے اجرام کو دیکھتا ہوں اور ان کی عظمت اور عجائبات پر غور کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ صرف ارادۂ الٰہی سے اور اس کے اشارہ سے ہی سب کچھ ہو گیا تو میری رُوح بے اختیار بول اُٹھتی ہے کہ اے ہمارے قادر خدا! تو کیا ہی بزرگ قدرتوں والا ہے تیرے کام کیسے عجیب اور وراء العقل ہیں۔ نادان ہے وہ جو تیری قدرتوں سے انکار کرے اور احمق ہے وہ جو تیری نسبت یہ اعتراض پیش کرے کہ اس نے ان چیزوں کو کس مادّہ سے بنایا؟"

(نسیم دعوت، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 425 حاشیہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کی صفت الواسع کے بارے میں آیت الکرسی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ یہاں فرماتا ہے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ خدا تعالیٰ کے تصرّف اور قبضے میں ہے۔ یہ زمین اور آسمان بغیر مالک کے نہیں ہیں دنیا میں رہنے والی ساری مخلوق اُسی کے قبضہ قدرت میں ہے اور وہ لامحدود اور وسیع تر طاقتوں کا مالک ہے اور وہ ہمیشہ دنیا پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ زندگی اور موت، فنا اور بقا، اسی کے ہاتھ میں ہے۔ زمین کے تمام خزانے، ظاہری اور مخفی خزانے اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ پس جب اس طاقت نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ میرے رسول کی جماعت غالب آئے گی تو دنیا کی کوئی طاقت اس فیصلہ پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ چاہے وہ بڑی طاقتیں ہوں یا دنیاوی حکومتیں ہوں یا نام نہاد دین کے علمبردار ہوں۔ خدا تعالیٰ کے فیصلہ نے یقیناً اور لازماً لاگو ہونا ہے۔ لیکن مومنوں کو شروع میں ہی یہ واضح کر دیا کہ یہ غلبہ اور یہ دائمی زندگی اور بقا یقیناً ان لوگوں کو ملے گی جو تمام صفات کے جامع خدا پر یقین رکھتے ہوں اور اس کی عبادت کرنے والے ہوں۔ پس آج ہر ایک احمدی کی یہ ذمہ داری ہے جسے سمجھنا ہر ایک احمدی کے لئے انتہائی ضروری ہے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 5 جون 2009ء)

(اِس تقریر کی تیاری میں مکرم ڈاکٹر فہیم یونس قریشی صاحب نائب امیر امریکہ کی ایک تقریر سے استفادہ کیا گیا ہے)

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

﴿13﴾ ﴿مشاہدات۔944﴾

ہستیٔ باری تعالیٰ کے بارے میں سائنسی دلائل

(تقریر نمبر2)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَمِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَمِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ (یٰس:37)

یعنی پاک ہے وہ جس نے ہر قسم کے جوڑے پیدا کئے اُس میں سے بھی جو زمین اُگاتی ہے اور خود اُن کے نفوس میں سے بھی اور اُن چیزوں میں سے بھی جن کا وہ کوئی علم نہیں رکھتے۔

جس کو تلاش ہے کہ ملے اُس کو کردگار
اُس کیلئے حرام جو قصّوں پہ ہو نثار
اُس کا تو فرض ہے کہ وہ ڈھونڈے خدا کا نور
تا ہووے شک و شبہ سبھی اُسکے دِل سے دُور

معزز سامعین! آج بھی مجھے ہستیٔ باری تعالیٰ کے سائنسی حوالے سے ثبوت دینے ہیں۔ اس حوالہ سے یہ میری دوسری تقریر ہے۔ اِس تقریر کے مواد کو خاکسار حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے بیان فرمودہ دلائل تک محدود رکھے گا۔ جس کے لئے خاکسار نے آپؒ کے ترجمۃ القرآن میں مختلف آیات کے ترجمہ، فٹ نوٹس اور سورتوں کے تعارفی نوٹس کا سہارا لیا ہے۔ اِن میں سے کچھ دلائل کا معمولی حصّہ یا تو خاکسار نے اپنی تقریر نمبر 1 سے مستعار لیا ہے یا تقریر نمبر 1 میں دیے گئے دلائل کی مزید وضاحت اِس تقریر میں ہے۔ جیسے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے زمین و آسمان کی ترتیب اور اِن کے رواں چلنے میں ایک خدا کی موجودگی کی دلیل دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر دو یا دو سے زائد خدا ہوتے تو کائنات کے نظام کے چلنے میں لازماً رخنہ واقع ہوتا۔

آپؒ نے سورۃ الانبیاء آیت 24 کی تفسیر میں سورۃ الانبیاء کی تعارفی نوٹ میں تحریر فرمایا:

”اِس (میں) یہ بیان کیا گیا کہ جاہل لوگوں نے زمین سے ہی معبود گھڑ لئے ہیں اور پھر ایک عظیم الشان دلیل اس امر پر دی ہے کہ وہ خدا ہو ہی نہیں سکتے۔ اگر ایسا ہوتا تو زمین و آسمان میں فساد پھیل جاتا اور ہر خدا اپنی پیدا کردہ تخلیق کو لے کر الگ ہو جاتا اور کائنات میں ایسا رخنہ اور فساد پڑتا کہ پھر کبھی دور نہ ہو سکتا۔ حالانکہ کائنات میں جدھر بھی نظر دوڑاؤ اس میں کوئی دوئی کا نشان تک نہیں ملتا۔ اسی لئے فرمایا کہ ہم نے اس سے پہلے بھی جتنے رسول بھیجے اُن کی طرف بھی وحی کرتے رہے کہ ایک اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں“

(ترجمۃ القرآن صفحہ 541)

سامعین! پھر ہر چیز کے جوڑا ہونے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرّعد میں فرمایا ہے۔ حضور رحمہ اللہ اِس سورۃ کے تعارفی نوٹس میں تحریر فرماتے ہیں:

”اس سورۃ میں یہ بھی فرمایا گیا کہ ہم نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔ عرب اتنا تو جانتے تھے کہ کھجور کے جوڑے ہوتے ہیں مگر دیگر درختوں اور پھلوں کے متعلق ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ بھی جوڑے جوڑے ہیں۔ پس یہ ایک نیا مضمون بیان فرما دیا گیا جس کو آج کے سائنسدانوں نے اس گہرائی سے سمجھ لیا ہے کہ ان کے بیان کے مطابق ہر زندہ نباتات کے جوڑے نہیں بلکہ مالیکیولز اور ایٹمز میں بھی جوڑے ملتے ہیں۔ مادہ (Matter) کے مقابل پر ضد مادہ (Anti-Matter) کا بھی ایک جوڑا ہے۔ گویا اگر ساری کائنات کو سمیٹ دیا جائے تو اس کا مثبت مادہ اس کے منفی مادہ سے مل کر کالعدم ہو جائے اور عدم سے وجود کا فلسفہ بھی ان آیات میں مضمر معانی سے حل ہو جاتا ہے“

(ترجمۃ القرآن صفحہ 400)

پھر اِسی مضمون کو حضورؒ نے سورۃ یٰسٓ کے تعارفی نوٹس میں یوں بیان فرمایا:

”نزولِ قرآن کے زمانہ میں تو عربوں کے نزدیک نر اور مادہ کی صورت میں صرف کھجوروں کے جوڑے ہوا کرتے تھے اور کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ہر قسم کے پھلوں کے پودوں کو جوڑا جوڑا بنایا ہے بلکہ آیت نمبر 37 یہ دعویٰ کرتی ہے کہ کائنات کی ہر چیز جوڑا جوڑا ہے۔ آج کی

سائنس نے اسی حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے یہاں تک کہ مادہ کے اور ایٹمز (Atoms) کے بھی اور Sub-Atomic ذرّات کے بھی جوڑے جوڑے ہیں۔ غرضیکہ جوڑوں کا مضمون ایک لامتناہی مضمون ہے اور توحید کے مضمون کو سمجھنے کے لئے اِس مضمون کا سمجھنا ضروری ہے۔ صرف کائنات کا خالق ہی ہے جس کو جوڑے کی ضرورت نہیں ورنہ سب مخلوق جوڑے کی محتاج ہے"

(ترجمۃ القرآن صفحہ 771)

پھر حضور رحمہ اللہ نے سورۃ الشوریٰ آیت 12 کے فٹ نوٹ میں تحریر فرمایا:

"آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جانوروں کے جوڑا جوڑا ہونے کا تو علم تھا اور درختوں میں سے بعض کے جوڑا جوڑا ہونے کا علم تھا مگر یہ علم نہیں تھا کہ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے جوڑا جوڑا پیدا فرمایا ہے۔ فی زمانہ تو یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مادے کا ہر ذرہ بھی جوڑا جوڑا ہے۔ دوسرے اس آیت میں انسان کو اُگانے کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کا آغاز نباتات سے ہوا تھا اور یہ بعینہٖ درست ہے۔ یہاں ذَرَأَ کا لفظ ہے۔ دوسری آیات میں یہ مضمون زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً فرمایا اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا (نوح:18) یعنی انسان کی افزائش نباتات کی طرح ہوئی۔"

(ترجمۃ القرآن صفحہ 864)

سامعین! کائنات میں کششِ ثقل کے نظام کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ نے آج سے 1500 سال قبل سورۃ الرّعد میں فرمایا ہے جس کی وضاحت کرتے ہوئے حضورؒ نے تحریر فرمایا:

"کائنات کے رازوں میں سے سب سے بنیادی بات جو یہاں پیش کی گئی ہے وہ کششِ ثقل (Gravity) کی حقیقت ہے۔ فرمایا کہ زمین و آسمان از خود اتفاقاً اپنے مدار پر قائم نہیں بلکہ تمام اجرامِ فلکی کے درمیان ایک ایسی پنہاں قوت کام کر رہی ہے جسے تم آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے۔ اِس قوت کے نتیجہ میں اپنے مدار پر قائم سارے اجرامِ فلکی گویا ستونوں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ علم فلکیات کے ماہرین کششِ ثقل کی یہی تعبیر کرتے ہیں۔"

(ترجمۃ القرآن صفحہ 399)

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک نبی اُمّی کو یہ بتلایا کہ سمندر سے آبی بخارات اُٹھ کر بادلوں میں بدلتے ہیں اور صاف وميٹھا پانی بن کر پہاڑوں اور میدانوں پر برستا ہے جس سے انسان اور جانور نیز نباتات بھی فائدہ اُٹھاتے ہی۔ حضورؒ اِس کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ الرّعد کے تعارفی نوٹس میں بیان فرماتے ہیں:

”ایک دوسرا اہم مضمون اس سورت میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے شفاف پانی سے زمین کی ہر چیز کو زندگی عطا کی ہے۔ سمندر کا پانی تو انتہائی کھارا ہوتا ہے کہ اس سے خشکی پر بسنے والے جانور اور نباتات زندگی حاصل کرنے کی بجائے موت کا شکار ہو جاتے۔ اس میں سمندر کے پانی کو نتھار کر بلند پہاڑوں کی طرف لے جانے اور پھر وہاں سے اس کے برسنے اور سمندر کی طرف واپس پہنچتے پہنچتے ہر طرف زندگی بکھیرنے کے نظام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس نظام کا بہت گہرا تعلق آسمانی بجلیوں سے ہے جو سمندر سے بخارات اٹھنے کے نتیجہ ہی میں پیدا ہوتی ہیں اور پانی بھی بادلوں کے درمیان بجلی کے لپکوں کے بغیر قطروں کی صورت میں زمین پر نہیں برس سکتا۔ یہ بجلی کے کڑکے بعض دفعہ ایسے ہولناک ہوتے ہیں کہ بعضوں کے لئے وہ زندگی بخش ہونے کی بجائے ان کی ہلاکت کا موجب بن جاتے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ فرشتے ایسے وقتوں میں اللہ تعالیٰ کے حضور لرزہ براَندام ہو جاتے ہیں۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر بھی فرما دیا کہ ہر انسان کی حفاظت کے لئے اس کے آگے اور پیچھے ایسے مخفی محافظ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی اس کی حفاظت کرتے ہیں۔“

(ترجمۃ القرآن صفحہ 399)

سامعین! اِسی مضمون کو حضورؒ نے سورۃ المؤمنون کے تعارفی نوٹس میں یوں بیان فرمایا ہے:

”اس کی دو صورتیں ہیں یا تو یہ کہ پانی بار بار آسمان کی بلندیوں سے واپس کرنے کا جو نظام ہے اُس میں اللہ تعالیٰ کوئی تبدیلی فرما دے جیسا کہ ابتدائے آفرینش میں زمین کا پانی مسلسل بخارات کی صورت میں آسمانوں کی طرف بلند ہوتا رہا اور جب برستا تھا تو درمیانی گرم فضا کے نتیجہ میں پھر واپس عروج کر جاتا تھا اور دوسری صورت وہ ہے جو عام مشاہدہ میں آتی ہے کہ جب پانی زمین میں گہرا اُتر جائے تو پھر گہرے کنوؤں کی تہ سے بھی نیچے غائب ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد پھر پانی کے مضمون کو آگے بڑھا کر اُن کشتیوں کا ذکر ہے جو پانیوں پر چلتی ہیں اور اس نسبت سے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کشتی کا ذکر بھی آیا ہے کہ پانی کی سطح پر بلند رہنے کی استطاعت کشتیوں کو تبھی نصیب ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ کا اِذن ہو۔ بلند سے بلند طوفان میں بھی کشتیاں پانی کی سطح پر بلند ہوتی رہتی ہیں اور معمولی سے طوفان سے بھی غرق ہو جاتی ہیں۔ جب قومیں آسمانی پانی سے جو روحانی طور پر ان پر نازل کیا جاتا ہے ناشکری سے پیش آتی ہیں تو دنیاوی پانی کی طرح اس سے بھی اللہ انہیں محروم کر دیتا ہے اور یہ امر بھی ان کو فائدہ نہیں پہنچاتا کہ موسلا دھار بارش کی طرح مسلسل رسول اُن میں آتے رہے ہیں بلکہ سب کے انکار پر وہ مُصر رہتے ہیں۔"

(ترجمۃ القرآن صفحہ 577)

سامعین! اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کائنات کی عمر کا دو جگہ پر ذکر فرمایا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے کہ آج سائنسدان اِسی کے لگ بھگ کائنات کی عمر بتاتے ہیں۔ اگر خدا نہیں ہے تو پھر الہامی کتاب قرآنِ کریم میں ایسی حقیقت پر مبنی بات کس نے لکھی ہے۔ حضورؒ سورۃ المعارج کے تعارفی نوٹ میں آیت نمبر 5 کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

"پھر اللہ تعالیٰ کو "ذی المعارج" قرار دیا ہے یعنی اس کی بلندی طبقہ بہ طبقہ آسمان پر غور کرنے سے کسی حد تک سمجھ آسکتی ہے ورنہ اُس کی رِفعتوں کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ یہاں جس بلندی کا ذکر فرمایا گیا ہے اُس پر ایک ایسی سائنسی شہادت ملتی ہے جس کا اس سورۃ میں خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ والی آیت میں ذکر ہے کہ فرشتے اُس کی طرف پچاس ہزار سال میں عروج کرتے ہیں۔ اب پچاس ہزار سال میں عروج کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔ اوّل: ظاہراً پچاس ہزار سال۔ اگر یہ معنی لئے جائیں تو اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دنیا میں ہر پچاس ہزار سال بعد ایسی موسمی تبدیلی واقع ہوتی ہے کہ ساری زمین برفانی تودوں سے ڈھک جاتی ہے اور پھر از سرِ نو تخلیق کا آغاز ہوتا ہے۔

دوسرے یہ قابل توجہ بات ہے کہ یہاں مِمَّا تَعُدُّوْن نہیں فرمایا۔ قرآنِ کریم کی ایک دوسری آیت جس میں ایک ہزار سال کا ذکر ہے، وہ اس کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے تو مطلب یہ بنے گا کہ جو تم لوگوں کی گنتی ہے اس کے اگر ایک ہزار سال شمار کئے جائیں تو اللہ تعالیٰ کا ہر دن اُس ایک ہزار سال کے برابر ہو گا اور اگر

ہر دن کو ایک سال کے دنوں سے ضرب دی جائے اور پھر اس کو پچاس ہزار سال کے دنوں سے ضرب دی جائے تو جو اعداد بنتے ہیں وہ اللہ کے دنوں کی مدت کی تعیین کرتے ہیں۔ پس اس حساب سے اگر پچاس ہزار سال سے جو اللہ تعالیٰ کے دن ہیں اُسے ضرب دی جائے تو اٹھارہ سے بیس بلین سال بن جائیں گے جو سائنسدانوں کے نزدیک کائنات کی عمر ہے۔

(18,250,000,000 = 365 x 50,000 x 1000)

یعنی ہر کائنات اس عمر کو پہنچ کر پھر عدم میں ڈوب جاتی ہے اور اس کے بعد پھر عدم سے وجود پیدا کیا جاتا ہے۔"

(ترجمۃ القرآن صفحہ 1072)

پھر حضورؒ سورۃ السجدہ کے تعارفی نوٹس میں آیت 5-6 کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

"اس کے بعد زمین و آسمان کے اَسرار کا ایک دفعہ پھر ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر ایک ایسی آیت ہے جو حیرت انگیز طور پر کائنات کی عمر کا راز کھول رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری گنتی کے ہر دن کے مقابل پر اللہ کا دن ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ اگر ایک سال کے انسانی دنوں کو ایک ہزار سال سے ضرب دی جائے تو جو عدد بنتا ہے اس آیت کریمہ میں اس کا ذکر موجود ہے اور ایک اور آیت (سورۃ المعارج:5) میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کا دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ پس اس دن کو اگر اس ایک ہزار سال والے دن کے ساتھ حسابی طریق پر ضرب دی جائے تو قریباً بیس بلین سال بنتے ہیں اور سائنس دانوں کے نزدیک بھی اس کائنات کی عمر اٹھارہ سے بیس بلین سال ہی ہے۔ اسی نسبت سے اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ پھر اعلان فرمایا کہ غیب اور شہادت کا علم رکھنے والا وہی اللہ ہے جس نے ہر چیز کی بہترین تخلیق فرمائی اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یہ ساری تخلیق عام مٹی سے کی گئی۔ اس کے بعد پھر دیگر تخلیقی مراحل کا ذکر ملتا ہے جن میں سے جنین کو رحم مادر میں گزرنا پڑتا ہے۔"

(ترجمۃ القرآن صفحہ 720)

سامعین! آج کی تقریر میں قرآن کریم میں بیان پرندوں کی ہیئت، اُن کے اُڑنے اور سمندر کے پانیوں میں بیٹھ جانے کے ذکر کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے کیا ہی عمدگی سے ایسے بیان فرمایا ہے کہ اِن الفاظ میں سے ایک ایک فقرہ خدا تعالیٰ کی الوہیت اور ہستی کا اعلان کر رہا ہے۔ آپؒ لکھتے ہیں:

”اس کے بعد اِسی سورت میں پرندوں کے متعلق یہ فرمایا گیا کہ یہ جو آسمان پر اُڑتے پھرتے ہیں یہ خیال مت کرو کہ محض اتفاقاً اُن کو پَر عطا ہو گئے اور اُڑنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ صرف پروں کا پیدا ہونا ہی پرندوں میں اُڑنے کی صلاحیت پیدا نہیں کر سکتا تھا جب تک اس کی کھوکھلی ہڈیاں، اس کی چھاتی کی خاص بناوٹ اور چھاتی کے دونوں طرف نہایت مضبوط عضلات نہ بنائے جاتے جو بہت بڑا بوجھ اٹھا کر انہیں بلند پروازی کی توفیق بخشتے ہیں۔ یہ ایک ایسا حیرت انگیز کرشمہ ہے کہ انتہائی وزنی مگھ بھی مسلسل کئی ہزار میل تک اُڑتے چلے جاتے ہیں اور اُڑتے وقت ان کی جو اندرونی ترکیب ہے وہ اس طرح ہے کہ جیسے جیٹ جہاز کا سامنے کا حصہ ہوا کو منتشر کرتا ہے اسی طرح ہوا کا دباؤ ان پر اس بناوٹ کی وجہ سے کم سے کم پڑتا ہے اور جو مگھ سب سے زیادہ اس دباؤ کو برداشت کرنے کے لئے دوسروں کے آگے ہوتا ہے، کچھ دیر کے بعد پیچھے سے ایک اور مگھ آکر اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ پھر یہی پرندے آبی پرندے بھی بنتے ہیں اور ڈوبتے نہیں حالانکہ ان کو اپنے وزن کی وجہ سے ڈوب جانا چاہئے تھا۔ نہ ڈوبنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے جسم کے اوپر چھوٹے چھوٹے پَر ہوا کو سمیٹے ہوئے ہوتے ہیں اور ان پَروں میں قید ہوا ان کو ڈوبنے سے بچاتی ہے اور یہ خود بخود ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ضروری ہے کہ ان پَروں کے گرد کوئی ایسا چکنا مادہ ہو جو پانی کو پَروں میں جذب ہونے سے روکے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ پرندے سارے پَر اپنی چونچوں میں سے گزارتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس وقت ان کے جسم میں سے اللہ تعالیٰ گریس (Grease) کی طرح کا وہ مادہ نکالتا ہے جسے پَروں پر ملنا لازمی ہے۔ وہ مادہ کیسے از خود پیدا ہوا اور ان کے منہ تک کیسے پہنچا اور ان پرندوں کو کیسے شعور ہوا کہ جسم تک پانی کے سرایت کرنے کو روکنا لازمی ہے ورنہ وہ ڈوب جائیں؟“

(ترجمۃ القرآن صفحہ 437)

انہی پرندوں کی شاخت کو دیکھ کر سائنسدانوں نے مختلف ناموں سے فائٹر جیٹ، لڑاکا اور جنگی طیارے تیار کئے اور اِن جہازوں کی شکل اور ساخت بھی اُن پرندوں کی شکل و شباہت کے مطابق رکھی۔ حتّٰی کہ بعض

پرندوں کی چونچ کی طرز کو سائنسدانوں نے پڑھ کر یہ فیصلہ کیا کہ اگر ہم اپنے جہاز کے منہ کو بھی اِس پرندے کی چونچ کی طرز پر بنائیں گے تو یہ اتنا تیز رفتار سے جائے گا۔ مِگ جہاز کا نام بھی مگھ پرندے کے نام پر رکھا۔ کیا یہ خدائی کے وجود کی علامات نہیں۔ کیا یہ اَنَا الْمَوْجُوْد کی طرف ہمارے سفر میں آسانیاں پیدا نہیں کرتیں۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"خدا اپنی تمام خوبیوں کے لحاظ سے واحد لاشریک ہے کوئی بھی اس میں نقص نہیں۔ وہ مجمع ہے تمام صفات کاملہ کا....اور مظہر ہے تمام پاک قدرتوں کا...اور مبدأ ہے تمام مخلوق کا...اور سرچشمہ ہے تمام فیضوں کا ...اور مالک ہے تمام جزا سزا کا اور مرجع ہے تمام امور کا...اور نزدیک ہے باوجود دُوری کے اور دُور ہے باوجود نزدیکی کے۔ وہ سب سے اُوپر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس کے نیچے کوئی اور بھی ہے ...اور وہ سب چیزوں سے زیادہ پوشیدہ ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس سے کوئی زیادہ ظاہر ہے۔ وہ زندہ ہے اپنی ذات سے اور ہر ایک چیز اس کے ساتھ زندہ ہے...وہ قائم ہے اپنی ذات سے اور ہر ایک چیز اس کے ساتھ قائم ہے۔ اُس نے ہر یک چیز کو اٹھا رکھا ہے اور کوئی چیز نہیں جس نے اس کو اٹھا رکھا ہو.....کوئی چیز نہیں جو اس کے بغیر خود بخود پیدا ہوئی ہے یا اس کے بغیر خود بخود جی سکتی ہے۔ وہ ہر یک چیز پر محیط ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ کیسا احاطہ ہے۔ وہ آسمان اور زمین کی ہر یک چیز کا نور ہے اور ہر یک نُور اسی کے ہاتھ سے چمکا۔ اور اُسی کی ذات کا پَرتَوہ ہے۔ وہ تمام عالموں کا پروردگار ہے۔ کوئی روح نہیں جو اس سے پرورش نہ پاتی ہو اور خود بخود ہو۔ کسی روح کی کوئی قوت نہیں جو اس سے نہ ملی ہو اور خود بخود ہو۔ اور اس کی رحمتیں دو قسم کی ہیں (1) ایک وہ جو بغیر سبقت عمل کسی عامل کے قدیم سے ظہور پذیر ہیں جیسا کہ زمین اور آسمان اور سورج اور چاند اور ستارے اور پانی اور آگ اور ہوا اور تمام ذرّات اس عالم کے جو ہمارے آرام کے لئے بنائے گئے۔ ایسا ہی جن جن چیزوں کی ہمیں ضرورت تھی وہ تمام چیزیں ہماری پیدائش سے پہلے ہی ہمارے لئے مہیّا کی گئیں اور یہ سب اُس وقت کیا گیا جبکہ ہم خود موجود نہ تھے۔ نہ ہمارا کوئی عمل تھا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ سورج میرے عمل کی وجہ سے پیدا کیا گیا یا زمین میرے کسی شدھ کرم کے سبب سے بنائی گئی۔ غرض یہ وہ رحمت ہے جو انسان اور اس کے عملوں سے پہلے ظاہر ہو چکی ہے جو کسی کے عمل کا نتیجہ نہیں (2) دوسری رحمت وہ ہے جو اعمال پر مترتب ہوتی ہے۔"

(لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 152-153)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

”آج انسان سائنس میں بڑی ترقی حاصل کر چکا ہے۔ یہ ترقی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں پہلے بیان کر دی تھی کہ انسان دنیا میں ہر علم میں ترقی کرے گا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ہر چیز جو دنیا میں موجود ہے چاہے اس کا علم ہمیں ہے یا نہیں وہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور پھر انسان پر اس رب العالمین کا یہ احسان ہے کہ جو چیزیں بھی خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اس کو اشرف المخلوقات کے لئے فائدہ مند بنایا تا کہ وہ ان سے فائدہ اٹھا سکے۔ اور جوں جوں دنیا تحقیق کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی مختلف قسم کی پیدائش کے بارہ میں علم حاصل کر رہی ہے اس میں انسانی فوائد واضح طور پر نظر آتے چلے جا رہے ہیں۔“

(خطبہ جمعہ 18ء جون 2004ء)

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

﴿14﴾ ﴿مشاہدات۔945﴾

ہستیٔ باری تعالیٰ کے بارے میں سائنسی دلائل

(تقریر نمبر3)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (العنکبوت:42)

قُدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے

معزز سامعین! آج مجھے اللہ تعالیٰ کی ہستی کی موجودگی پر سائنسی دلائل کو جاری رکھتے ہوئے تیسری تقریر کرنی ہے۔ مَیں نے اپنے دلائل کو قرآن کریم تک محدود رکھ کر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو تشریحات اپنے ترجمۃ القرآن میں بیان فرمائی ہیں اُن کو بیان کر رہا ہوں۔ ہم اپنی زندگیوں میں بارہا دیکھتے ہیں کہ انسان جب بھی کسی آسمانی یا زمینی آفت میں مبتلا ہوتا ہے تو اپنی جان بچانے کے لیے اُس کی زبان پر جو بے اختیار الفاظ آتے ہیں وہ یہی ہوتے ہیں کہ اے خدا! مجھے بچا۔ آج کل بچوں کے Play lands پر جو خوفناک جھولے لگے نظر آتے ہیں جب وہ اپنے جوبن پر ہوتے ہیں اور اُن سے لطف اندوز ہونے والے خوف کی وجہ سے چیخ و پکار اور شور شرابہ کر رہے ہوتے ہیں تو اُن تمام کی طرف سے ایک ہی آواز O my God ہی کانوں میں پڑتی سنائی دیتی ہے خواہ اُن جھولوں سے لطف اُٹھانے والے عیسائی ہوں، یہودی ہوں، مسلمان ہوں، ہندو ہوں یا دہریہ۔ الیکٹرانک میڈیا کی وجہ سے ساری دنیا ایک گلوبل ولیج کی شکل اختیار کرنے کی وجہ سے ہم ٹی وی اور دیگر سکرینز پر آئے دن آنے والے سیلاب، زلازل اور دیگر آفات میں لوگوں کو یہ الفاظ کہتے سنتے اور دیکھتے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے اِسی تناظر میں اِس اصول کو قرآن کریم کی سورۃ لقمٰن آیت 33 میں سے اخذ کر کے فٹ نوٹ میں یوں بیان فرمایا ہے:

"اس آیت میں انسانی نفسیات کا یہ اہم پہلو بیان ہوا ہے کہ جب سمندر کے طوفان میں پھنسیں تو خواہ دہریہ ہوں یا مشرک اس وقت اللہ ہی کو پکارتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ اُنہیں بچا لیتا ہے تو پھر وہ اپنی پہلی حالت کی طرف لَوٹ جاتے ہیں۔ ایسے طوفانوں میں پھنسے ہوئے جن لوگوں کا یہاں ذکر ہے ان میں مقتصدین یعنی میانہ روی اختیار کرنے والوں کا استثناء ہے۔ وہ خشکی پر پہنچ کر بھی اللہ کو نہیں بھلاتے۔"

(ترجمۃ القرآن از حضرت خلیفۃ المسیح الرابع صفحہ 718)

سامعین! آج کی تقریر میں ہستی باری تعالیٰ کے حق میں سائنسی دلائل میں ایک دلیل سورۃ یٰس کی آیت 81 میں درج مضمون کے حوالہ سے ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سرسبز درختوں سے آگ پیدا کی گئی۔ جبکہ ہم عُرفِ عام میں دیکھتے ہیں کہ سرسبز لکڑیوں، سبز درختوں اور سبز پتوں کو آگ نہیں چھوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے اِس کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اب سائنس دان اس اَمر پر متفق نظر آتے ہیں کہ سرسبز درختوں کو آگ لگ جاتی ہے۔ ہم آئے روز امریکہ، آسٹریلیا اور دنیا کے دیگر علاقوں میں جنگلوں کی آگ سے تباہی ہوتی کی خبریں سنتے ہیں جس سے علاقے کے علاقے راکھ کے ڈھیر بن جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضور رحمہ اللہ نے فرمایا:

"آیت نمبر 81 میں سبز درخت سے آگ نکالنے کا جو مفہوم بیان فرمایا گیا ہے اس سے لوگ سمجھتے ہیں کہ سبز درخت جب خشک ہو جاتا ہے تو پھر اس سے آگ پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ مضمون اپنی جگہ درست ہے لیکن واقعۃً سبز درختوں سے بھی جبکہ وہ سرسبز ہوں آگ پیدا ہو سکتی ہے اور ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ علمِ نباتات کے ماہر بتاتے ہیں کہ چیڑ کے درختوں کے پتے جب تیز ہواؤں میں ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں تو اس مسلسل عمل کے نتیجہ میں آگ لگ جاتی ہے اور بہت بڑے جنگل اس آگ کی وجہ سے تباہ ہو جاتے ہیں۔"

(ترجمۃ القرآن از حضرت خلیفۃ المسیح الرابع صفحہ 772)

سامعین! اللہ کی ہستی اور اُس کی توحید کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ نے کیا ہی عمدہ ثبوت دیا ہے جس کا ذکر سورۃ العنکبوت کی آیت 42 میں مکڑی کے گھر کی مثال دے کر بیان کیا ہے جس کی تقریر کے آغاز پر مَیں نے تلاوت کی ہے اور جس کا ترجمہ یہ ہے کہ

اُن لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اَور دوست بنائے مکڑی کی طرح ہے اُس نے بھی ایک گھر بنایا اور تمام گھروں میں یقیناً مکڑی ہی کا گھر سب سے زیادہ کمزور ہوتا ہے۔ کاش! وہ یہ جانتے۔

اللہ تعالیٰ یہاں فرماتا ہے کہ یہ لوگ میرے مقابل پر گھر بناتے ہیں جو مکڑی کے گھر کی طرح کمزور ہوتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

”اس کے بعد اس سورت کی مرکزی آیت (نمبر 42) میں، جس کا سورت کے عنوان العنکبوت سے تعلق ہے، یہ ذکر فرمایا جارہا ہے کہ جو لوگ بھی اللہ کے سوا معبود ٹھہراتے ہیں اُن کی مثال تو ایک مکڑی کی سی ہے جو ایک بہت پیچ دار جالا بُنتی ہے۔ اس طرح ان لوگوں کے استدلال بھی نہایت پیچ دار مگر فی الحقیقت نہایت احمقانہ ہیں اور ان میں پھنسنے والوں کی مثال بھی اُن احمق مکھیوں کی طرح ہے جو مکڑی کے جالے میں پھنس کر اِس کا شکار ہو جاتی ہیں اور انہیں علم نہیں کہ مکڑی کے جالے سے کمزور تر اَور کوئی پھندا نہیں۔

مکڑی کے جالے میں یہ تضاد پایا جاتا ہے کہ اگرچہ اِس کے لعاب سے پیدا ہونے والے دھاگے میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ اس موٹائی اور وزن کے لوہے کے دھاگے میں بھی ویسی طاقت نہیں ہوتی مگر اس کے باوجود وہ ایک کمزور ترین پھندا ثابت ہوتا ہے۔ پس دشمنوں کے لئے ایک چیلنج ہے کہ وہ مضبوط پھندے بھی بنا کر دیکھ لیں اُن کا حشر مکڑی کے بنائے ہوئے پھندے کے سوا کچھ نہیں ہو گا جو بظاہر مضبوط ہے مگر حقیقتاً انتہائی کمزور ثابت ہوتا ہے۔“

(قرآن کریم ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ صفحہ 684)

ایک امر جو نہاں در نہاں پردوں میں چھپا ہوا تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے 1500 سال قبل قرآن کریم کی سورۃ الھمزہ میں اَلْحُطَمَہ کے الفاظ میں بیان فرمایا جس میں ایسی آگ کا ذکر ہے جو ایٹم بم کی وجہ سے بھڑکائی

جائے گی۔ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہستی نے اِسے بیان فرمایا جسے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے سورۃ الھمزہ کے تعارفی نوٹ میں اس کو یوں واضح فرمایا ہے کہ

”یہ سوال طبعی طور پر اٹھتا ہے کہ چھوٹے سے ذرّہ میں آگ کیسے بند کی جا سکتی ہے؟ لازماً اِس میں اُس آگ کا ذکر ہے جو ایٹم میں بند ہوتی ہے اور لفظ **حُطَمہ** اور ایٹم (Atom) میں صوتی مشابہت ہے۔ یہ وہ آگ ہے جو دلوں پر لپکے گی اور ان پر لپکنے کے لئے ایسے ستونوں میں بند کی گئی ہے جو کھینچ کر لمبے ہو جائیں گے۔

یہ ساری سورت انسان کو سمجھ آ ہی نہیں سکتی جب تک اس ایٹمی دَور کے حالات اس پر روشن نہ ہوں۔ وہ ایٹمی مادہ جس میں یہ آگ بند ہے وہ پھٹنے سے پہلے عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ کی شکل اختیار کرتا ہے یعنی بڑھتے ہوئے اندرونی دباؤ کی وجہ سے پھیلنے لگتا ہے اور اس کی آگ انسانوں کے بدن جلانے سے پہلے ان کے دلوں پر لپکتی ہے اور انسانوں کی حرکتِ قلب بند ہو جاتی ہے۔ تمام سائنسدان گواہ ہیں کہ بالکل یہی واقعہ ایٹم بم پھٹنے سے رونما ہوتا ہے۔ اس کے آتش گیر مادہ کے پہنچنے سے پہلے پہلے نہایت طاقتور ریڈیائی لہریں دلوں کی حرکت بند کر دیتی ہیں۔“

(قرآن کریم ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ صفحہ 1210)

سامعین! اللہ تعالیٰ نے اس ایٹم سے ہونے والی تباہی و بربادی کا ذکر قرآن کریم میں دیگر جگہوں پر بھی فرمایا ہے اور الدُّخان کے نام سے الگ سے ایک سورت بھی نازل فرمائی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے الدُّخان سے ایٹمی دھواں مراد لیتے ہوئے فرمایا ہے:

”اس جگہ دخان سے ایٹمی دھوئیں کی طرف بھی اشارہ مراد ہو سکتا ہے جس کے سائے کے نیچے کوئی چیز بھی محفوظ نہیں رہ سکتی بلکہ طرح طرح کی ہلاکتوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جدید سائنسدانوں کی طرف سے یہ تنبیہ ہے کہ ایٹمی دھوئیں کے سائے کے نیچے زندگی کی ہر قسم مٹ جائے گی یہاں تک کہ زمین کے اندر دفن جراثیم بھی ہلاک ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ایسا ہو گا تب یہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گے کہ اے اللہ! اس نہایت دردناک عذاب کو ہم سے ٹال دے۔ یہاں یہ پیشگوئی بھی فرمائی کہ اس قسم کا عذاب وقفہ وقفہ سے آئے گا۔ یعنی ایک عالمی جنگ کی ہلاکت خیزیوں کے بعد کچھ عرصہ مہلت دی جائے گی، اس کے بعد پھر اگلی عالمی جنگ نئی ہلاکتیں لے کر آئے گی۔“

(قرآن کریم ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ صفحہ 886)

اِسی تناظر میں سورۃ المرسلات میں درج پیشگوئیوں کے ذکر میں حضور رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جن آئندہ جنگوں کا ذکر فرمایا گیا ہے ان کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ تین شعبوں والی ہوں گی یعنی برّی بھی، بحری بھی اور فضائی بھی اور آسمان سے ایسے شعلے برسیں گے جو قلعوں سے مشابہ ہوں گے، گویا وہ جُوگیا رنگ کے اونٹ ہیں۔ ان دونوں آیات نے قطعی طور پر ثابت کر دیا کہ یہ باتیں تمثیلی رنگ میں ہو رہی ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی ایسی جنگ کا تصوّر موجود نہیں تھا جس میں آسمان سے شعلے برسیں۔ اس لئے لازماً یہ اُس علیم و خبیر ہستی کی طرف سے ایک پیشگوئی ہے جو مستقبل کے حالات بھی جانتا ہے۔

آسمان سے قیامت کے دن تو شعلے نہیں برسائے جائیں گے۔ اس لئے یہ خیال بھی باطل ہوا کہ یہ قیامت کے دن کی خبر ہے۔ یہاں ایک ایٹمی جنگ کی پیشگوئی معلوم ہوتی ہے جس کا ذکر سورۃ دخان میں بھی ملتا ہے کہ اس دن آسمان اُن پر ایسی ریڈیائی لہریں برسائے گا کہ اس کے سائے تلے وہ ہر اَمن سے محروم ہو جائیں گے۔“

(قرآن کریم ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ صفحہ 1111-1112)

سامعین! خدا کی ہستی کے حق میں ایک دلیل اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کی گردش سے حساب معلوم کرنے کے حوالہ سے سورۃ الرحمٰن آیت 6 میں یوں دی ہے کہ اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ کہ سورج اور چاند ایک حساب کے مطابق مسخّر ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے اس آیت کے تحت فٹ نوٹ میں تحریر فرمایا ہے کہ

”اِس جگہ بِحُسۡبَانٍ سے ایک مراد یہ بھی ہے کہ یہ حساب کا ذریعہ ہیں۔ دنیا میں جتنی ترقی بھی ہوئی ہے وہ حساب کے ذریعہ ہوئی ہے اور حساب سائنس دانوں کو سورج اور چاند کی گردشوں کے نتیجہ میں قطعی طور پر معلوم ہوا۔“

(ترجمۃ القرآن صفحہ 975)

ایک مختصر سی تقریر میں اِن امور کی تفصیل بیان نہیں ہو سکتی ورنہ ایک ایک سائنسی دلیل پر آج کے دَور کے امور چسپاں کر کے بہت کچھ لکھا اور کہا جا سکتا ہے۔ آج کے دَور میں جتنی بھی سائنسی ترقیات ہیں وہ سورج اور چاند کے گردش کرنے سے کسی نہ کسی رنگ میں تعلق رکھتی ہیں۔

سامعین کرام! اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اجرامِ فلکی کے بارے میں بھی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ سورۃ یٰس آیات 39 تا 41 میں سورج و چاند اور زمین و آسمان کے اپنے اپنے مدار میں رواں دواں رہنے کا ذکر ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ اِن آیات کے فٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں:

’’ان آیات کریمہ میں اجرامِ فلکی کے متعلق ایسی باتیں بیان فرمائی گئی ہیں جن تک عرب کے ایک اُمّی کا تصوّر بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ چاند اور سورج کے باہم نہ مل سکنے کے متعلق روز مرّہ کا مشاہدہ بتاتا ہے لیکن چاند چھوٹا کیوں ہو جاتا ہے اور پھر بڑا بھی ہوتا رہتا ہے۔ اس کا گردش سے تعلق ہے۔ مزید یہ بات بیان فرمائی گئی ہے کہ سورج بھی ایک اَجَلِ مُسَمًّی کی طرف حرکت کر رہا ہے۔ اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ سورج بھی ایک وقت اپنی مقررہ عمر کو پہنچ کر ختم ہو جائے گا اور ایک معنی جو آجکل ماہرینِ فلکیات نے معلوم کیا ہے وہ یہ ہے کہ سورج اپنے سارے اجرام کے ساتھ ایک سمت میں حرکت کر رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ساری کائنات مجموعی طور پر حرکت کر رہی ہے ورنہ ایک سیارے کا دوسرے سے ٹکراؤ ہو جانا چاہیے تھا۔ باوجود اس کے کہ پوری کائنات متحرّک ہے ان اجرامِ فلکی کے آپس کے فاصلے اتنے ہی رہتے ہیں۔ یہ ماہرینِ فلکیات کی تازہ ترین دریافتوں میں سے ہے جس سے ضمناً یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی اور نامعلوم کائنات بھی ہے جس کی کشش کے ساتھ یہ اس کی جانب متحرّک ہے۔‘‘

(قرآن کریم ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ صفحہ 777)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ سورۃ الذّٰریٰت کی آیت نمبر 48 کے فٹ نوٹ میں بیان فرماتے ہیں کہ

’’اس آیت کریمہ میں بِاَیْدٍ کا لفظ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بناتے ہوئے اس میں بے شمار فوائد رکھ دیے ہیں اور ساتھ ہی یہ ذکر بھی فرما دیا کہ اسے ہم وسیع تر کرتے چلے جائیں گے۔ اس کا یہ حصہ کہ ہم اسے مزید وسعتیں دیتے چلے جائیں گے ایک عظیم الشان اعجازی کلام ہے جو عرب کا ایک اُمّی نبی اپنی طرف سے ہرگز بیان نہیں کر سکتا۔ یہ امر سائنسدانوں نے جدید آلات کی مدد سے اب دریافت کیا ہے کہ یہ کائنات ہر لحہ وسعت پذیر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو ہر انسان کو ایک جامد اور ٹھہری ہوئی کائنات دکھائی دیتی تھی۔‘‘

قرآن کریم ترجمہ از حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ صفحہ 949)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ہستیٔ باری تعالیٰ اور اُس کی توحید پر ایک لطیف نکتہ یہ بیان فرمایا ہے کہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ میں اَحَدٌ کا لفظ استعمال فرمایا ہے نہ کہ وَاحِدٌ کا کیونکہ وَاحِدٌ کے بعد فوراً ذہن میں دو اور دو کے بعد تین کا خیال آتا ہے جبکہ اَحَدٌ کے معنی اکیلا کے ہیں جس کے بعد کوئی دُکیلا نہیں۔

(تفسیر صغیر سورۃ اخلاص)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا کے وجود پر یقین دلاتے ہوئے بڑے درد سے فرماتے ہیں کہ

"ہمارے خدا میں بے شمار عجائبات ہیں مگر وہی دیکھتے ہیں جو صدق اور وفا سے اس کے ہو گئے ہیں۔ وہ غیروں پر جو اس کی قدرتوں پر یقین نہیں رکھتے اور اس کے صادق وفادار نہیں ہیں وہ عجائبات ظاہر نہیں کرتا۔ کیا بدبخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ اُس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذّات ہمارے خدا میں ہیں۔ کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اُس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ مَیں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھادوں۔ کس دَف سے مَیں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سُن لیں اور کس دوا سے مَیں علاج کروں تا سُننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔"

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 21-22)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے آسمان و زمین کی پیدائش میں بھی اگر غور کرو تو ایک نئی شان ہے۔ دوسرے سیاروں کو تو ہم نے دُور سے دیکھا ہے اور سائنسدانوں نے اپنے علم کے مطابق کچھ اندازے لگا کر، کچھ دھندلی سی تصویریں دیکھ کر ہمیں ان کے بارہ میں بتایا لیکن ان کی گہرائی کا ہمیں پتا نہیں لیکن یہ زمین جس میں خدا تعالیٰ نے ہمیں آباد کیا اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور صنّاعی کے عجیب نظارے نظر آتے ہیں۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ یہ آیات جو آج سے 14، 15 سو سال پہلے صحرا عرب میں ایک ایسے انسان پر اُتریں جس کو دنیا کا علم نہیں تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے اسے کامل انسان بنا دیا۔ زمین اور آسمان

کی پیدائش کے بارے میں گہرے راز بتائے اور فرمایا کہ ان چیزوں کو دیکھ کر ایک مومن انسان بے اختیار کہتا ہے کہ مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اے اللہ تعالیٰ! تو نے ساری چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جو جھوٹ نہیں ہیں۔ پس ہمیں کبھی ایسا نہ بنا جو اس کو جھوٹ سمجھنے والے ہوں، غلط سمجھنے والے ہوں اور ہم اس کی وجہ سے تیری عبادت سے بے اعتنائی کرنے والے ہوں.... آج انسان سائنس میں بڑی ترقی حاصل کر چکا ہے۔ یہ ترقی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں پہلے بیان کر دی تھی کہ انسان دنیا میں ہر علم میں ترقی کرے گا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ہر چیز جو دنیا میں موجود ہے چاہے اس کا علم ہمیں ہے یا نہیں وہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور پھر انسان پر اس رب العالمین کا یہ احسان ہے کہ جو چیزیں بھی خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اس کو اشرف المخلوقات کے لئے فائدہ مند بنایا تاکہ وہ ان سے فائدہ اٹھا سکے اور جوں جوں دنیا تحقیق کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی مختلف قسم کی پیدائش کے بارہ میں علم حاصل کر رہی ہے اس میں انسانی فوائد واضح طور پر نظر آتے چلے جا رہے ہیں۔"

(خطبہ جمعہ 18 جون 2004ء)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقی معنوں میں ہستئ باری تعالیٰ اور توحید الٰہی کے مضمون کو سمجھنے کی توفیق دیتا چلا جائے تا ہم خدا کے حقیقی عابد بندے بنیں رہیں۔ آمین

(کمپوزڈ: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

✡✡✡✡

﴿15﴾ ﴿مشاہدات۔939﴾

سُنو! اب وقتِ توحیدِ اَتَمّ ہے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمۡ يَلِدۡ ۙ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ۙ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص:2-5)

تُو کہہ دے کہ وہ اللہ ایک ہی ہے۔ اللہ بے احتیاج ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔ اور اُس کا کبھی کوئی ہمسر نہیں ہوا۔

سنو اب وقتِ توحیدِ اتم ہے
سِتَم اب مائلِ مُلکِ عدم ہے
خدا نے روک ظلمت کی اُٹھا دی
فَسُبۡحَانَ الَّذِیۡ اَخۡزَی الۡاَعَادِیۡ

معزز سامعین! آج مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک پُر شوکت منظوم کلام بعنوان بشیر احمد، شریف احمد اور مبارکہ کی آمین کے آخری بند کے پہلے مصرع "سنو! اب وقتِ توحیدِ اتمّ ہے" پر گفتگو کرنی ہے۔ اس معرکہ آرا منظوم کلام میں حضور علیہ السلام نے آمین کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کا ذکر فرمایا ہے اور ہر بند کے بعد فَسُبۡحَانَ الَّذِیۡ اَخۡزَی الۡاَعَادِیۡ کے الفاظ لائے ہیں جو 41 مرتبہ آئے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ذات بہت پاک ہے جس نے میرے دشمنوں کو ذلیل و خوار کیا۔ دراصل آپ کا دشمن یہ چاہتا تھا کہ آپ علیہ السلام بے اولاد رہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ "اک سے ہزار ہوویں بابرگ و بار ہوویں" کے تحت آپ کو اَولاد سے مثمر بثمرات کرتا چلا گیا اور آج 136 سالوں میں یہ بات بڑی تحدّی سے کہی جاسکتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ الفاظ بہت مبارک ثابت ہوئے ہیں اور آپ علیہ السلام کی مبارک نسل کی تعداد ہزار کو چھو رہی ہے۔

پیارے بھائیو! آج کی تقریر کا عنوان بہت وسیع ہے اِسے صرف جماعت احمدیہ تک محدود رکھ کر توحید کے قیام اور اس کے لیے کوششیں بیان ہو سکتی ہیں۔ دشمنان احمدیت کے ذلیل وخوار اور ناکام و نامراد ہونے کی ایک الگ داستان ہے جو توحید کے قیام اور اللہ تعالی کے وجود کے اظہار کی علامت ہے اور تیسرے تمام انبیاء کی طرف سے قیام توحید کے لیے کوششوں کو الگ سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ مَیں آج ان تینوں پہلوؤں کو ساتھ لے کر چلوں گا لیکن سب سے پہلے تقریر کے عنوان اوراشعار کے پورے بند پر بات ہو گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے اس منظوم کلام کے 41 بندوں میں اپنے اوپر نازل ہونے والے نعماءِ الہٰی اور دشمن کے خائب وخاسر رہنے کے بعد فرمایا ہے کہ سن لو! یہ تمام اس لیے ہوا ہے کہ یہ دَور اور یہ وقتِ توحید کے تکمیل کا دَور ہے۔ اس لیے شرک کو چھوڑ کر وحدانیت کو اختیار کرو کیونکہ اب شرک ایسی جگہ پر مدفون ہونے والا ہے جو ملک عدم ہے یعنی ایسی جگہ جہاں کوئی وجود نہیں ہے۔ خدا نے ارادہ کیا ہے کہ شرک کی تمام روکوں کو ختم کر دیں اور دہریت اور لامذہبیت کو فنا کر دیں اور دشمن ذلیل وخوار ہو اور جماعت کی ترقی اور پھیلاؤ ہو۔

سامعین! اب آتے ہیں انبیاء کی طرف سے توحید کے قیام کی کوششوں پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء اور رسل، اللہ کی توحید کے قیام کا نعرہ لے کر آئے۔ ان تمام کا نعرہ یہی تھا کہ سنو! اب وقتِ توحیدِ اتمّ ہے۔ گو ہر نبی کے قیامِ توحید کے حوالہ سے نعرے کے الفاظ مختلف تھے۔ مگر مفہوم یہی تھا کہ اب وقتِ توحیدِ اتمّ ہے۔ اب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعرہ کو دیکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ اخلاص میں جس کی تلاوت آغازِ تقریر میں کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کہہ دے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے احتیاج ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور اُس کا کبھی کوئی ہمسر نہیں ہوا۔

اللہ تعالی نے قرآن کریم میں انبیاء کا نام لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام سے لے کر ایک ہی معبود کی عبادت کرنے کا ذکر کیا ہے۔

اَمۡ کُنۡتُمۡ شُہَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ یَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ ۙ اِذۡ قَالَ لِبَنِیۡہِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِیۡ ؕ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰہَکَ وَ اِلٰـہَ اٰبَآئِکَ اِبۡرٰہٖمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ اِلٰـہًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ (البقرہ:134)

یعنی کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب پر موت آئی۔ جب اس نے اپنے بچوں سے پوچھا کہ وہ کیا ہے جس کی تم میرے بعد عبادت کرو گے۔ انہوں نے کہا ہم عبادت کرتے رہیں گے تیرے معبود کی اور تیرے اجداد ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق کے معبود کی جو ایک ہی معبود ہے اور اُسی کے ہم فرمانبردار رہیں گے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ اس مضمون کو بیان فرماتے ہیں کہ اسی لیے فرمایا کہ

”ہم نے اس سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے ان کی طرف بھی وحی کرتے رہے کہ ایک اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں“

(ترجمہ قرآن کریم صفحہ 541 زیر تعارف سورۃ الانبیاء)

پھر سورۃ النمل کے تعارف میں آپؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

”اس کے بعد پھر یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا مضمون انبیاء پر بارش کی طرح نازل ہوتا ہے جو زندگی کا سرچشمہ ہے۔مادی زندگی بھی اس آسمانی پانی سے عطا ہوتی ہے اور روحانی زندگی بھی انبیاء کو اسی آسمانی بارش کے فیصلے نصیب ہوتی ہے۔“

(ترجمہ قرآن کریم صفحہ 648)

پھر اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کے موحّد ہونے اور توحید کی تعلیم دینے کا ذکر فرمایا ہے. جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام شامل ہیں لوگوں نے آپ کی حقیقی توحید پر مشتمل تعلیم میں تثلیث کی تعلیم بعد میں شامل کر دی۔ یہی کیفیت ہر نبی کی وفات پر دیکھی جاتی رہی حتّٰی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلمانوں کو اس تعلیم کہ میری قبر کو دیگر انبیاء کی طرح پرستش کا ذریعہ نہ بنالینا کے باوجود بعض مسلمانوں نے قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ شرک پرستی شروع کر دی وغیرہ وغیرہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسریٰ نے قید کر کے پیش کرنے کا حکم صادر کیا تو خدائے واحد و یگانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ جاؤ! تمہارے خدا کو آج میرے خدا نے مار ڈالا ہے۔

آئیں! اب ان انبیاء کو توحید باری تعالیٰ کے حوالہ سے دیکھتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے دربار میں آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِینَ کا نعرہ بلند کیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بتوں کے مقابل پر ایک خدا

کو ماننے اور اس کا اعلان کرنے کا ذکر تو قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر ملتا ہے۔ آپ علیہ السلام کو اس کی پاداش میں آگ میں بھی ڈالا گیا مگر اللہ تعالیٰ سے محبت کی وجہ سے اُس نے آپ علیہ السلام کی لاج رکھی اور آپ علیہ السلام کو آگ سے بچایا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توحید سے پیار کا ذکر ہم اوپر سن آئے ہیں۔ أعْلُ هُبَلْ کے مقابلہ پر آپؐ نے اَللّٰہُ اَعْلٰی وَ اَجَلّ کا نعرہ بلند کر کے عملاً "سنو! اب وقتِ توحیدِ اتمّ ہے" ہی کی آواز کو بلند کیا تھا۔

سامعین! پیشگوئیوں میں اِس آخری زمانہ میں بھی توحید کے اُٹھ جانے اور دہریت کے زور و شور ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ لوگ اپنے خالق حقیقی سے دور چلے جائیں گے اور اپنے اندر ایسے بے شمار بُت بنالیں گے حتٰی کہ مسلمان بھی جن کی اسلامی تعلیم میں ذرا بھر گنجائش نہیں۔ قبروں اور مُردوں کو پوجنا شروع کر دیں گے۔ رسومات اور بدعادات کے بیسیوں بتوں کو اپنایا جائے گا۔ ایسے پُر آشوب حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام نے شرک کے خاتمہ اور توحید کے قیام کے لیے بابانگِ دُہل کے ساتھ "سنو! اب وقتِ توحیدِ اتمّ ہے" کا نعرہ بلند کیا۔ جسے آپؑ کی وفات پر آپ علیہ السلام کے خلفاء لے کر آگے بڑھے اور اب پانچویں سالارِ احمدیت کے دَور میں یہ مشن بڑی کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے جو مشرق سے لے کے مغرب اور شمال سے لے کر جنوب تک توحیدِ اتمّ کے بلند ترین نعروں کے ساتھ جماعت احمدیہ کی پہچان بن چکی ہے۔ مامورِ زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدائے واحد و یگانہ کے مقابل پر جھوٹے خداؤں کی نفی کرتے ہوئے فرمایا کہ

"جھوٹے خدا کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس نے ایک ہزار 900 سال تک اپنی خدائی کا سکّہ چلالیا۔ آگے یاد رکھو! یہ جھوٹی خدائی بہت جلد ختم ہونے والی ہے۔"

چنانچہ خانہ کعبہ میں خداوند یسوع مسیح کا جھنڈا لہرانے کے خواب دیکھنے والوں کے ارادے چکنا چور ہو گئے۔ آپ علیہ السلام نے ہندوؤں، عیسائیوں اور یہودیوں جیسے مذاہب کے معبودان باطلہ کو دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے شکست دے کر اللہ اکبر کے نعرے بلند کیے اور 136 سالوں کی جماعت کی مختصر تاریخ میں 220 ممالک و جزائر میں توحید کا عَلم بلند کیا۔ ہر چند کہ بہت سے وقت کے فرعونوں نے اس آواز کو دبانے اور ختم کرنے کی کوشش کی۔ خلافت جو توحیدِ اتمّ کا پلیٹ فارم ہے کو ختم کرنے کے درپے رہے۔

خلیفۃ المسیح کو قید کرنے کے لیے فوجی ڈکٹیٹر جنرل ضیاء الحق نے پورے قویٰ کے ساتھ کوشش کی جماعت کو کینسر قرار دے کر اکھاڑ پھینکنے کے دعوے کیے مگر خدائے واحد ویگانہ نے ایک بار پھر اپنے زندہ ہونے کا ثبوت دیا اور ایک ہوائی حادثہ میں اُسے پاش پاش کر کے رکھ دیا اور اُس وقت کے سالارِ احمدیت حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے فرمایا۔

"ہمارا ایک مولا ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں اور جب ہمارا مولیٰ ہماری مدد کو آئے گا تو نہ زمین تمہیں قبول کرے گی اور نہ آسمان تمہیں پناہ دے گا اور خدا کی تقدیر جب تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کرے گی تو دنیا ہمیشہ تمہیں ذلّت ورسوائی سے یاد کرے گی۔"

چنانچہ انہی الفاظ کے چند دنوں کے بعد یہ طاقتور ترین فوجی ڈکٹیٹر کو اس کا مولیٰ بچا نہ سکا اور ایسا ہلاک ہوا کہ کوئی اسے بچانے والا نہ تھا۔ نہ زمین نے اُسے قبول کیا اور نہ آسمان سے کوئی اُس کی مدد کو اُترا۔

جس کو خدائے عزوجل پر یقیں نہیں
اُس بدنصیب شخص کا کوئی بھی دیں نہیں
پر وہ سعید جو کہ نشانوں کو پاتے ہیں
وہ اُس سے مل کے دل کو اُسی سے ملاتے ہیں
وہ اُس کے ہوگئے ہیں اُسی سے وہ جیتے ہیں
ہر دم اُسی کے ہاتھ سے اِک جام پیتے ہیں

اب خلافت خامسہ کے دور میں توحیدِ اتمّ کی بازگشت مغرب کے ایوانوں میں اُس وقت گونجی جب حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے لیکچرز دیے اور اللہُ اکبر کی صدائیں بلند ہوئیں۔

سامعین! سورۃ اخلاص جس کی مَیں نے تقریر کے آغاز پر تلاوت کی ہے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے توحید کا مضمون بیان فرمایا ہے اور اِس کی تلاوت کو قرآنِ کریم کے تیسرے حصّے کی تلاوت کے برابر ثواب کا کہا گیا ہے۔ ایک حدیث میں سورۃ اخلاص کے مضمون کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (حدیثِ قدسی ہے) کہ مجھے گالی دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے کسی کو

اپنا بیٹا بنایا ہے میری ذات صمد ہے یعنی بے نیاز ہے اور نہ میرا کوئی بیٹا ہے اور نہ مَیں جنا گیا ہوں یعنی نہ مَیں کسی کا باپ ہوں اور نہ ہی کوئی میرا ہمسر ہے۔

(ترجمہ از حدیقۃُ الصالحین حدیث نمبر 11)

پس اسلام نے ہر اُس بات سے جس سے غیر اللہ کے وجود میں مبالغہ ہو، منع فرمایا اور اس بات کو روا نہیں رکھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے حق میں ایسے کلمات کہے جائیں یا اُسے ایسا درجہ دیا جائے جس سے اس کے مافوق البشر ہونے کا شبہ بھی پڑے۔ یہاں تک کہ بعض اقوام میں اپنے سرداروں یا بادشاہوں کو سجدہ کرنے کا رواج تھا لیکن اسلام نے یہ تعلیم دی کہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی جائز ہے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت اُمِّ حبیبہؓ اور حضرت اُمِّ سلمہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اُس گرجا گھر کا ذکر کیا کہ جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا کہ اس میں تصاویر لگی ہوئی تھیں، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ان لوگوں میں اگر کوئی نیک بندہ ہوتا تھا، جب وہ مر جاتا تو یہ لوگ اس کی قبر پر سجدہ گاہ بنا لیتے تھے اور اس میں ایسی تصاویر بنا دیتے تھے، یہی لوگ قیامت کے دن اللہ جل شانہ کے نزدیک مخلوق میں سے بدترین ہوں گے۔

(صحیح مسلم ،کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ ،باب المنھی عن بناء المسجد علی القبور)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو نصیحت فرمائی کہ تم میری تعریف میں ویسا مبالغہ نہ کرنا جیسا کہ نصاریٰ نے مسیحؑ کی شان میں غلو سے کام لیا (یعنی مجھے خدا کا بیٹا نہ بنانا) میں تو صرف ایک بندہ ہوں، پس کہو کہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔

(شمائل ترمذی باب ما جاء فی تواضع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم)

پس یہ اسلام کا پیدا کردہ عظیم انقلاب ہے کہ عرب جیسے بت پرست ماحول میں توحید کے سب سے بڑے علمبردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے خدائے واحد و یگانہ کی محبت بھر دی، آپ کی ان تعلیمات کی روشنی میں امّتِ مسلمہ توحید الٰہی پر قائم رہی اور ہمیشہ قائم رہے گی، ان شاءاللہ۔ اسلام کی پیش کردہ اس مؤحدانہ تعلیم کا خود غیروں نے بھی اقرار کیا ہے۔

ایک انگریز پادری Walter Miller لکھتا ہے:

عیسائیت اور اسلام دونوں مذاہب اپنے بانی مذہب سے حد درجہ اخلاص تک متاثر ہیں، ایک مذہب (عیسائیت) اپنے بانی میں معبود ہونے کا مقام دیکھتا ہے۔ جب کہ دوسرا (اسلام) اس طرزِ عمل سے احتراز کرتا ہے، تاہم اسلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دونوں جہانوں میں تمام انسانوں میں بلند ترین مقام دیتا ہے۔

(Yesterday and Tomorrow in Northern Nigeria, page 107-108, Student Christian Movement Press, 58 Bloomsburz Street, London, 1938)

اسی طرح مشہور عیسائی مستشرق، A.J. Arbeny، اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

اسلامی تعلیم کا مرکزی بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ خدا ایک ہے، یہ کہ اس کا کوئی شریک یا ہمسر نہیں جو اس کی قدرتِ کاملہ میں حصہ دار یا مقابلہ کرنے والا ہو، اسلام مجسم خدا یا منجی (نجات دہندہ) کو تسلیم نہیں کرتا۔ معاملہ اللہ (رب) اور اس کے بندے (عبد) کے درمیان ہے۔ ہاں کچھ بندے خدا کے نبی کہلاتے ہیں۔ (حضرت) آدمؑ سے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تک، جن کا کام صرف انسانیت کو خدا کی طرف بلانا ہے، وہ نبی انسانیت تک الٰہی پیغام پہنچانے کا ذریعہ ہیں... ورنہ انبیاء دوسرے انسانوں کی طرح انسان ہی ہیں۔ بس یہ فرق ہے کہ خدا نے انہیں اپنی خاص رحمت اور انعام کا مورد بنایا ہے۔ نبی کو بلا شبہ معبود نہیں بنانا چاہیے، کیونکہ یہ شرک اور کفر ہے، ہاں وہ بالبداہت تعظیم و تکریم کا حقدار اور بطور نمونہ ہے، جس کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیے، کیونکہ خدا اس سے کلام کرتا ہے اور اس خدا نے اسے پیغمبر چنا ہے۔

(Sufism, An Account of the Mysite of Islam, page 12, George Allin & Unwin Ltd, Ruskin House, Museum Street, London, 1950)

سامعین! پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنی امّت کو اس بگاڑ سے بچنے کی تلقین فرمائی تھی وہاں آخری زمانے میں مسیح موعود و مہدی معہودؑ کے آنے کی خوشخبری بھی دی تھی، جس کے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء پرستی (الوہیت مسیح ناصری، حیات مسیح ناصری اور کفارہ) جیسے عقائد کا قلع قمع اور امّتِ محمدیہ کی اصلاح مقدر کر رکھی تھی۔ چنانچہ الٰہی بشارات کے ماتحت اس آخری زمانے میں حضرت

مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام، مسیح و مہدی بن کر مبعوث ہوئے۔ آپؑ نے جس دور میں آنکھ کھولی تو دیکھا کہ ایک طرف تو مسلمانوں کا ایک طبقہ پیروں، فقیروں، سجادہ نشینوں اور قبروں کے سامنے سجدہ ریز ہے اور دوسری طرف عیسائی رَبُّنَا الْمَسِیْح ،رَبُّنَا الْمَسِیْح کے نعرے لگا کر خدا کے ایک معصوم نبی کو خدا بنا رہے ہیں اور اس پر ستم یہ کہ خود اُمّتِ مسلمہ حیاتِ مسیح جیسا خلافِ قرآن و احادیث عقیدہ رکھ کر عیسائیت کی ممدّ و معاون ثابت ہو رہی تھی۔ چنانچہ آپؑ نے اذنِ الٰہی سے ایک مرتبہ پھر دنیا کو توحیدِ الٰہی کا پرچار شروع کیا اور اپنے قول و فعل سے اس عظیم حقیقت کا درس دیا، آپؑ فرماتے ہیں۔

”افسوس! مسلمانوں کی عقل ماری گئی جو ایک خدا کے ماننے والے تھے وہ اب ایک مردہ کو خدا سمجھتے ہیں اور ان خداؤں کا تو شمار نہیں جو مُردہ پرستوں اور مزار پرستوں نے بنائے ہیں، ایسی حالت اور صورت میں خدا تعالیٰ کی غیرت نے یہ تقاضا کیا ہے کہ ان مصنوعی خداؤں کی خدائی کو خاک میں ملایا جاوے، زندوں اور مردوں میں ایک امتیاز قائم کر کے دنیا کو حقیقی خدا کے سامنے سجدہ کرایا جاوے، اسی غرض کے لئے اُس نے مجھے بھیجا ہے اور اپنے نشانوں کے ساتھ بھیجا ہے“

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 623)

حضرت مسیح پاکؑ نے مزید فرمایا:

”میرا یہ مسلک نہیں کہ مَیں ایسا تندخو اور بھیانک بن کر بیٹھوں کہ لوگ مجھ سے ایسے ڈریں جیسے درندہ سے ڈرتے ہیں اور بُت بننے سے سخت نفرت رکھتا ہوں، مَیں تو بُت پرستی کو ردّ کرنے آیا ہوں، نہ یہ کہ مَیں خود بُت بنوں اور لوگ میری پوجا کریں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ مَیں اپنے نفس کو دوسروں پر ذرا بھی ترجیح نہیں دیتا۔ میرے نزدیک متکبّر سے زیادہ کوئی بُت پرست اور خبیث نہیں، متکبّر کسی خدا کی پرستش نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی پرستش کرتا ہے“

(ملفوظات جلد اول صفحہ 310 جدید ایڈیشن)

اسلام نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کے بھی آداب مقرر فرمائے ہیں اور یہ امر آداب دعا کے صریحاً خلاف ہے کہ خدا کو چھوڑ کر کسی ولی یا اس کی قبر سے مدد طلب کی جائے۔

چنانچہ حضور علیہ السلام دنیا کو آداب دعا سکھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اب اسلام میں مشکلات ہی اور آپڑی ہیں کہ جو محبت خدا تعالیٰ سے کرنی چاہیے وہ دوسروں سے کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا رتبہ انسانوں اور مردوں کو دیتے ہیں۔ حاجت روا اور مشکل کشا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تھی مگر اب جس قبر کو دیکھو وہ حاجت روا ٹھہرائی گئی ہے۔ مَیں اس حالت کو دیکھتا ہوں تو دل میں درد اٹھتا ہے مگر کیا کہیں کس کو جاکر سنائیں"

پھر فرمایا:

"ہم سب ابرار، اخیار امت کی عزت کرتے ہیں اور ان سے محبت رکھتے ہیں لیکن ان کی محبت اور عزت کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ ہم ان کو خدا بنالیں... یاد رکھو! انبیاء علیہم السلام کو جو شرف اور رتبہ ملا وہ صرف اسی بات سے ملا ہے کہ انہوں نے حقیقی خدا کو پہچانا اور اس کی قدر کی۔ اسی ایک ذات کے حضور انہوں نے اپنی ساری خواہشوں اور آرزوؤں کو قربان کیا، کسی مردہ اور مزار پر بیٹھ کر انہوں نے مرادیں نہیں مانگی ہیں"

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 522-524)

اس قسم کی سینکڑوں تحریریں اور فرمودات آپؑ کی موجود ہیں اور یہ امر صرف قول ہی تک محدود نہیں تھا، آپ نے عملاً بھی دنیا کو اللہ تعالیٰ کی توحید کا سبق دیا اور آپ کی زندگی میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں۔

حضرت ملک برکت علی صاحبؓ بیان کرتے ہیں:

"حضرت اقدسؑ کے زمانے میں چونکہ مسجد چھوٹی ہوا کرتی تھی اس لئے جب احمدی زیادہ ہوتے تو چھت پر، جہاں حضورؑ تشریف فرما ہوتے تھے، جہاں کسی کو جگہ مل جاتی وہ بیٹھ جاتا اور ہمہ تن گوش ہو کر حضورؑ کی باتوں کو سنتا۔ بعض غیر احمدی معترض ہوتے کہ آپ پیر ہیں اور نیچے بیٹھے ہیں مگر مرید شہ نشین پر اوپر بیٹھے ہیں۔ حضرت صاحبؑ فرماتے کہ معذوری ہے، جگہ تنگ ہے، لوگ مجھے پوجنے کے لئے نہیں آتے بلکہ تقویٰ اور طہارت کی باتیں سننے کے لئے آتے ہیں اور مَیں انسان پرستی کو دور کرنے کے لئے آیا ہوں"

(رجسٹر روایات صحابہ نمبر 10 صفحہ 57)

حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوریؓ بیان فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ سیر سے واپس آرہے تھے، جب حضورؑ احمدیہ چوک میں پہنچے تو ایک سائل نے سوال کیا، تُو داتا ہے! مجھے کچھ دے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا۔ **داتا خدا ہے**۔ اُس نے کہا کہ ہاں! مگر تو بھی مجھے کچھ دے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے اس کو ایک روپیہ عطافرمایا"

(الحکم 21 مارچ 1935 صفحہ 5)

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ بیان فرماتے ہیں:

"چکوال ضلع جہلم میں مولوی محمد خیاط اپنے علاقہ میں ایک مشہور مولوی تھے، خصوصیت سے وہ شیعہ فرقہ کے مسلمانوں سے مباحثات کیا کرتے تھے۔ کرم دین کے مقدمہ کے ایام میں مجھے چکوال جانا پڑا اور ان سے ملاقات ہوئی۔ انہیں اپنے علم اور طریق مناظرہ پر بھی ایک ناز تھا، لیکن حضرت مسیح موعودؑ پر جس چیز نے ان کے ایمان کو بہت مضبوط کیا وہ ایک واقعہ ہے، جس کا ذکر انہوں نے ہمیشہ کیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ جب مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوا تو اتفاق سے میری موجودگی کے ایام میں ایک شخص حضرتؑ کی خدمت میں آیا۔ چونکہ اس زمانہ کے رسمی پیروں کے ہاں لوگ سجدے کرتے ہیں وہ آتے ہی حضرتؑ کے قدموں کی طرف جھکا۔ آپؑ نے اسے روک دیا اور منع فرمایا کہ ایسا نہیں چاہیے اور پھر اسی سلسلہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: کہ مَیں تو شرک اور تعظیم غیر اللہ کو مٹانے کے لئے آیا ہوں تا کہ خدائے واحد کی عظمت کو قائم کروں اور ہر ایک قسم کے شرک سے لوگوں کو بچاؤں۔ مجھے ہر گز پسند نہیں کہ میرے سامنے کوئی شخص اس قدر جھکے جو خدا تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے، ہر ایک انسان خواہ کتنا ہی عظیم المرتبت ہو، وہ آخر انسان ہی تو ہے"

حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ بیان فرماتے ہیں:

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ اپنے مریدوں میں اس طرح مل جل کر بیٹھتے کہ نووارد کو ہر گز پتہ نہ لگتا کہ اس مجلس کا سردار کون ہے؟ اس لئے بعض نووارد غلطی سے کبھی مولوی نورالدین صاحبؓ کو، کبھی مولوی محمد احسن صاحبؓ اور کبھی مولوی عبدالکریمؓ صاحب کو سمجھ لیتے کہ آپ مسیح

موعودؑ ہیں۔ چونکہ مَیں خود پیر اور پیروں کے خاندان سے تھا، لہٰذا مجھے اس بات سے تکلیف ہوتی۔ آخر ایک دن مَیں نے عرض کیا۔ حضور! نوواردوں کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے اگر اجازت ہو تو حضور کے نیچے ایک چھوٹا سا غالیچہ اور پیچھے ایک گاؤ تکیہ رکھ دیا جائے۔ یہ سنتے ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"صاحبزادہ صاحب! مَیں اپنی پوجا تو نہیں کرانے آیا، مَیں تو خدا کی پرستش کرانے آیا ہوں"

(الفضل 5 دسمبر 1941ء صفحہ 7)

غرض یہ کہ ہر ایسی بات جس سے انسان پرستی کا تھوڑا سا بھی شائبہ ہو سکتا تھا، آپؑ نے اس سے منع فرمایا اور اُمّتِ مسلمہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ ،اِنِّیْ اَنْھَاکُمْ عَنْ ذَالِكَ کی عملی تصویر بن کر دکھایا اور ایک مرتبہ پھر توحیدِ الٰہی کی سرسبز و شاداب بیل پر لگی اولیاء پرستی کی اس آکاس بیل کو دور کیا۔

دوسری طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دنیائے عیسائیت میں مسیح ابن مریم کو معبود بنے دیکھا اور اس پر مستزاد یہ کہ امت مسلمہ کو حیاتِ مسیح کے عقیدے میں گم پا کر انبیاء پرستی کے مخفی شرک میں مبتلا پایا تو آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے الہام پا کر وفات مسیح ناصری علیہ السلام کا اعلان کیا اور صدیوں سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھائی اور حیاتِ مسیح کی بنیادوں پر کھڑی ہونے والی عیسائیت کی بظاہر نظر آنے والی پُرشوکت عمارت آپؑ کے اس اعلان کے ساتھ منہدم ہو گئی۔ آپؑ نے دنیا کو مخاطب کر کے فرمایا:

"مَیں تم کو مسیح پرست نہیں بنانا چاہتا بلکہ مسیح بنانا چاہتا ہوں"

(بدر 6/ جولائی 1911ء صفحہ 6)

اس مسیح پرستی کے خلاف اور توحید کے قیام کی خاطر آپؑ کے دل میں ایک جوش تھا۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:

"عیسائی مذہب کے ساتھ ہمارا مقابلہ ہے، عیسائی مذہب اپنی جگہ آدم زاد کی خدائی منوانی چاہتا ہے اور ہمارے نزدیک وہ اصل اور حقیقی خدا سے دور پڑے ہوئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان عقائد کی (جو حقیقی خدا پرستی سے دور پھینک کر مُردہ پرستی کی طرف لے جاتے ہیں) کافی تردید ہو اور دنیا آگاہ ہو جاوے کہ وہ

مذہب جو انسان کو خدا بناتا ہے خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتا اور بظاہر اسباب عیسائی مذہب کی اشاعت اور ترقی کے جو اسباب ہیں وہ انسان پرست انسان کو کبھی یقین نہیں دلاتے کہ اس مذہب کا استیصال ہو جاوے گا۔ لیکن ہم اپنے خدا پر یقین رکھتے ہیں کہ اُس نے ہم کو اس کی اصلاح کے لئے بھیجا ہے اور یہ میرے ہاتھ پر مقدر ہے کہ مَیں دنیا کو اس عقیدہ سے رہائی دلاؤں۔ پس ہمارا فیصلہ کرنے والا یہی امر ہو گا"

"ہزاروں ہزار انسان ہیں جو اپنے اہل و عیال اور دوسری حاجتوں کے لئے دعائیں کرتے اور تڑپتے ہیں مگر مَیں سچ کہتا ہوں کہ میرے لئے اگر کوئی غم ہے تو یہی ہے کہ نوع انسان کو اس ظلم صریح سے بچاؤں کہ وہ ایک عاجز انسان کو خدا بنانے میں مبتلا ہو رہی ہے اور اس سے سچے اور حقیقی خدا کے سامنے ان کو پہنچاؤں جو قادر اور مقتدر خدا ہے... مجھے بشارت دی گئی ہے کہ یہ عظیم الشان بوجھ جو میرے دل پر ہے اللہ تعالیٰ اس کو ہلکا کر دے گا اور ایک حیّ و قیوم خدا کی پرستش ہونے لگے گی"

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 646۔647)

اپنی معرکہ آراء کتاب براہین احمدیہ میں مخلوق پرستی کے خاتمے اور توحید کی فتح کے متعلق بشارات دیتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

"جدھر دیکھو! دلائل و وحدانیت کے بہادر سپاہیوں کی طرح شرک کے خیالی اور وہمی برجوں پر گولہ اندازی کر رہے ہیں اور توحید کے قدرتی جوش نے مشرکوں کے دلوں پر ایک ہلچل ڈال رکھی ہے اور مخلوق پرستی کی عمارت کا بودا ہونا عالی خیال لوگوں پر ظاہر ہوتا جاتا ہے اور وحدانیت الٰہی کی پُرزور بندوقیں شرک کے بدنما جھونپڑوں کو اُڑاتی جاتی ہیں۔ پس ان تمام آثار سے ظاہر ہے کہ اب اندھیرا شرک کا ان اگلے دنوں کی طرح پھیلنا کہ جب تمام دنیا نے مصنوعی چیزوں کی ٹانگ صانع کی ذات اور صفات میں پھنسا رکھی تھی، ممتنع اور محال ہے۔"

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 103 حاشیہ)

ایک اور جگہ آپؑ نے اپنے مولیٰ کے حضور ان الفاظ میں دعا کی:

"اے میرے قادر خدا! میری عاجزانہ دعائیں سن لے اور اس قوم کے کان اور دل کھول دے اور ہمیں وہ وقت دکھا کہ باطل معبودوں کی پرستش دنیا سے اٹھ جائے اور زمین پر تیری پرستش اخلاص سے کی جائے

اور زمین تیرے راستباز اور موحّد بندوں سے ایسی بھر جائے جیسا کہ سمندر پانی سے بھرا ہوا ہے اور تیرے رسول کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور سچائی دلوں میں بیٹھ جائے۔“

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مقام جس کو قائم کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی محبت دلوں میں پیدا کرنے کے لئے آپؐ پیدا ہوئے تھے۔ ایک اعلیٰ انسان اور عبدِ رحمن کا مقام جو کسی کو ملا وہ سب سے اعلیٰ مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا اور بندے کی پہچان اپنی ذات کی پہچان اور خدا تعالیٰ کی ذات کی پہچان کرانے کے لئے آپؐ مبعوث ہوئے تھے۔ توحید کے قیام کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے اور ساری زندگی اسی میں آپؐ نے گزاری اور یہی آپؐ کی خواہش تھی کہ دنیا کا ہر فرد ہر شخص اس توحید پر قائم ہو جائے اور اس زمانے میں بھی آپؐ کے غلام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی پہچان اس تعلیم کی رو سے ہمیں کروائی۔ پس ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اپنے آقا و مطاع صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں خدائے واحد کی عبادت اور اس کے نام کی غیرت کو اپنی زندگیوں کا حصہ بنائیں تبھی ہم حقیقت میں لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کا کلمہ پڑھنے والے کہلا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔“

(خطبہ جمعہ 4 فروری 2005ء)

کیا زندگی کا ذوق اگر وہ نہیں ملا
لعنت ہے ایسے جینے پہ گر اُس سے ہیں جدا
اُس رُخ کو دیکھنا ہی تو ہے اصل مدّعا
جنّت بھی ہے یہی کہ مل یارِ آشنا

(کمپوزڈ: مسز عطیۃ العلیم۔ ہالینڈ)

﴿16﴾ ﴿مشاہدات۔979﴾

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ (البقرۃ:256)

کہ اللہ! اُس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ ہمیشہ زندہ رہنے والا (اور) قائم بالذات ہے۔ اُسے نہ تو اُونگھ پکڑتی ہے اور نہ نیند۔ اُسی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ کون ہے جو اس کے حضور شفاعت کرے مگر اس کے اذن کے ساتھ۔ وہ جانتا ہے جو اُن کے سامنے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے اور وہ اُس کے علم کا کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔ اس کی بادشاہت آسمانوں اور زمین پر ممتد ہے اور ان دونوں کی حفاظت اسے تھکاتی نہیں۔ اور وہ بہت بلند شان (اور) بڑی عظمت والا ہے۔

ہے شکر ربِّ عزّ وجل خارج از بیان
جس کی کلام سے ہمیں اُس کا ملا نشاں
وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اس کتاب میں
ہوگی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں
اُس سے ہمارا پاک دل و سینہ ہوگیا
وہ اپنے منہ کا آپ ہی آئینہ ہوگیا

معزز سامعین! آج مجھے قرآن کریم میں بیان اللہ تعالیٰ کی صفت لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ پر گفتگو کرنی ہے۔ جس کے تراجم ہماری جماعت میں یوں ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"نہ اُس پر اُونگھ طاری ہوتی ہے، نہ نیند اُسے پکڑتی ہے۔"

(پرانی تحریریں، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 16)

حضرت خلیفۃُ المسیح الاوّلؓ ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اُسے اونگھ اور نیند نہیں آتی۔"

حضرت خلیفۃُ المسیح الثانیؓ نے یہ ترجمہ کیا ہے۔

"نہ اُسے اُونگھ آتی ہے اور نہ نیند (کا وہ محتاج ہے)"

حضرت خلیفۃُ المسیح الرابعؒ نے ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"اُسے نہ تو اُونگھ پکڑتی ہے اور نہ نیند۔"

سامعین! جیسا کہ ہم اوپر سن آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یہ صِفَت سورۃ البقرۃ کی آیت 256 سے لی گئی ہے۔ یہ آیۃ الکُرسی کہلاتی ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اِس میں اُس مجازی کرسی کا ذکر ہے۔ جو زمین و آسمانوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ اَلْکُرْسِیُّ کے تحت لغوی معانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"کُرْسِیُّ عِلم کو بھی کہتے ہیں اور حکومت کو بھی (مفردات) اِس لفظ کے اصل میں معنی جمع کرنے اور اکھٹا کرنے کے ہیں اور چونکہ عِلم بھی پراگندہ معلومات کو جمع کرلیتا ہے اور حکومت، ملک کے پراگندہ اجزاء کو جمع کرلیتی ہے اِس لئے اِسے بھی کرسی کہتے ہیں۔"

(تفسیر کبیر جلد 3 صفحہ 434)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے کہ

"خدا کی کرسی کے اندر تمام زمین و آسمان سمائے ہوئے ہیں اور وہ اُن سب کو اٹھائے ہوئے ہے۔ اُن کے اُٹھانے سے وہ تھکتا نہیں۔"

(چشمۂ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 118 حاشیہ)

سامعین! جہاں تک اللہ تعالیٰ کی صفت لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ کا تعلق ہے اُس کے معنی یہ ہیں کہ وہ عظیم ہستی ہر وقت حفاظتِ کائنات میں لگی ہوئی ہے۔ وہ اِس کی دیکھ بھال پر متعیّن ہیں۔ ہم ہر روز ہی دیکھتے ہیں کہ انسان بھی اپنی حیثیت میں جو بھی اُس کی وُسعت ہے وہ اُس کی دیکھ بھال کرتا ہے، وہ اُس کی حفاظت بھی کرتا ہے وہ اُس کی ضروریات کا بھی خیال رکھتا ہے۔ مگر جب وہ تھک جاتا ہے تو اُسے اُونگھ بھی آجاتی ہے وہ تھوڑا سا ستانے کے لئے آرام بھی کرتا ہے، وہ دوپہر کو قیلولہ بھی کرلیتا ہے اور رات کو اُسے نیند بھی آجاتی ہے۔ اِس حالت میں وہ اپنے بال بچوں، اپنی جائیداد وغیرہ سے لاعلم ہو جاتا ہے۔ لیکن خدا ایک ایسی ہستی ہے جس کو نہ تو اُونگھ آتی ہے اور نہ ہی نیند وہ ہمہ وقت اپنے کاموں اور ذمہ داریوں میں مصروف رہتا ہے۔

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ میں سِنَةٌ میں۔ لفظ سِنَةٌ سین زیر کے ساتھ اُونگھ کو کہتے ہیں جو نیند کی انتہائی حالت ہوتی ہے اور نَوْمٌ مکمل نیند کی حالت کو کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اُونگھ اور نیند دونوں سے ہی بالاتر ہے۔ اس سے پچھلے جملے میں لفظ القیوم آیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سارے آسمانوں، زمینوں اور ان میں سمانے والی تمام کائنات کو تھامے ہوئے ہے انہیں سنبھالے ہوئے ہے اور یہ تمام کائنات اُسی کے سہارے قائم ہے۔ تو ممکن ہے کہ ایک انسان اپنی فطرت کے مطابق یہ سوچ سکتا ہے کہ جو ذات اتنا بڑا کام کررہی ہے وہ کسی وقت بھی تھک سکتی ہے شاید اُسے بھی کچھ دیر کے لیے آرام اور نیند کی ضرورت ہو لیکن خدا تعالیٰ نے لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ کہہ کر محدود علم اور بصیرت رکھنے والے انسان کو متنبہ کردیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی طرح یا دوسری مخلوق کی طرح نہ سمجھے بلکہ وہ تو مثل و مثال سے بالاتر ہے۔ اُس کی قدرت کاملہ کے سامنے یہ سارے کام نہ مشکل ہیں اور نہ ہی اُس کے لیے کسی تکان کا سبب ہیں اور اُس کی ذات وبابرکات ان تمام تاثرات اور تکان سے، اونگھ سے، نیند سے بالاتر ہے یعنی اللہ تعالیٰ غفلت کے تمام اثرات سے کمال درجہ پاک ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ سِنَةٌ لفظ کے تحت بیان فرماتے ہیں کہ

”کسی شخص نے اعتراض کیا تھا کہ اُونگھ سے کیا نقصان ہو سکتا ہے؟ اِس کے ہاتھ میں دو شیشے دیئے گئے اور کہا گیا کہ تم اِس کی حفاظت کرو۔ جب اُسے نیند کا غلبہ ہوا تو اُس نے اپنے تئیں بہت روکا مگر اُونگھ جو آئی دونوں شیشے آپس میں ٹکر کھا کر ٹوٹ گئے۔“ (حقائق الفرقان، سورۃ البقرۃ صفحہ 572)

حضرت مصلح موعودؓ نے سِنَۃٌ اور اَلنَّوْمُ کے تحت لغوی معنوں میں لکھا ہے کہ سِنَۃٌ کا لفظ وَسْنٌ سے نکلا ہے اور وَسَنَ الرَّجُلُ کے معنی ہوتے ہیں اُسے گہری نیند نے آپکڑا۔ جس کی علامت اُونگھ ہوتی ہے۔ پس سِنَۃٌ سے مراد وہ اُونگھ ہے جو نیند کے غلبہ کی وجہ سے آنے لگے (اقرب) اور اَلنَّوْمُ معمولی نیند جو انسان کو بے اختیار نہ کردے۔ (مفردات)

حضرت خلیفۃُ المسیح الاوّلؓ اِس آیت کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ:

”تمام موجودات کا مدبّر اور حافظ جس کو کبھی سُستی، اُونگھ اور نیند نہ ہو۔“

(حقائق الفرقان، سورۃ البقرۃ صفحہ 572)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”قرین قیاس ہے ان پر کبھی زوال نہ آنا اور احسن طور پر بہ ترتیبِ محکم اور ترکیبِ ابلغ ان کا وجود اور قیام پایا جانا اور کروڑہا ضروریات عالم میں سے کبھی کسی چیز کا مفقود نہ ہونا صریح اس بات پر نشان ہے کہ ان سب کے لئے ایک محیی اور محافظ اور قیوم ہے جو جامع صفاتِ کاملہ یعنی مدبّر اور رحمان اور رحیم اور اپنی ذات میں ازلی ابدی اور ہر یک نقصان سے پاک ہے جس پر کبھی موت اور فنا طاری نہیں ہوتی بلکہ اونگھ اور نیند سے بھی جو فی الجملہ موت سے مشابہ ہے پاک ہے۔ سو وہی ذات، جامع صفاتِ کاملہ ہے جس نے اس عالَمِ امکانی کو برعایت کمال حکمت و موزونیت وجود عطا کیا اور ہستی کو نیستی پر ترجیح بخشی اور وہی بوجہ اپنی کمالیت اور خالقیت اور ربوبیت اور قیومیت کے مستحق عبادت ہے۔“

(براہینِ احمدیہ ہر چہار حصص، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 514-516)

پھر حضورؑ فرماتے ہیں۔

”اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ یعنی خدا اپنی ذات میں سب مخلوقات کے معبود ہونے کا ہمیشہ حق رکھتا ہے جس میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس دلیل روشن سے کہ وہ زندہ، ازلی ابدی ہے اور سب چیزوں کا وہی قیوم ہے یعنی قیام اور بقاء ہر چیز کا اسی کے بقاء اور قیام سے ہے اور وہی ہر چیز کو ہر دم تھامے ہوئے ہے، نہ اس پر اُونگھ طاری ہوتی ہے، نہ نیند اُسے پکڑتی ہے

یعنی حفاظت مخلوق سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ پس جبکہ ہر ایک چیز کی قائمی اسی سے ہے۔ پس ثابت ہے کہ ایک مخلوقات آسمانوں اور ہر ایک مخلوقات زمین کا وہی خالق اور وہی مالک۔"

(تفسیر حضرت مسیح موعودؑ، البقرہ صفحہ 408-409)

پھر حضورؑ مزید فرماتے ہیں۔

"حقیقی وجود اور حقیقی بقا اور تمام صفات حقیقیہ خاص خدا کے لئے ہیں کوئی اُن میں اُس کا شریک نہیں وہی بذاتہٖ زندہ ہے اور باقی تمام زندے اُس کے ذریعہ سے ہیں اور وہی اپنی ذات سے آپ قائم ہے اور باقی تمام چیزوں کا قیام اُس کے سہارے سے ہے اور جیسا کہ موت اُس پر جائز نہیں ایسا ہی ادنیٰ درجہ کا تعطّل حواس بھی جو نیند اور اُونگھ سے ہے وہ بھی اُس پر جائز نہیں مگر دوسروں پر جیسا کہ موت وارد ہوتی ہے نیند اور اونگھ بھی وارد ہوتی ہے۔ جو کچھ تم زمین میں دیکھتے ہو یا آسمان میں وہ سب اُسی کا ہے اور اُسی سے ظہور پذیر اور قیام پذیر ہے۔ کون ہے جو بغیر اُس کے حکم کے اُس کے آگے شفاعت کر سکتا ہے؟ وہ جانتا ہے جو لوگوں کے آگے ہے اور جو پیچھے ہے یعنی اُس کا علم حاضر اور غائب پر محیط ہے اور کوئی اُس کے علم کا کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتا لیکن جس قدر وہ چاہے۔ اُس کی قدرت اور علم کا تمام زمین و آسمان پر تسلّط ہے۔ وہ سب کو اٹھائے ہوئے ہے، یہ نہیں کہ کسی چیز نے اُس کو اُٹھا رکھا ہے اور وہ آسمان و زمین اور اُن کی تمام چیزوں کے اٹھانے سے تھکتا نہیں اور وہ اس بات سے بزرگ تر ہے کہ ضعف و ناتوانی اور کم قدرتی اُس کی طرف منسوب کی جائے۔"

(چشمۂ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 273-274)

سامعین! حضرت خلیفۃُ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"پھر فرماتا ہے لَا تَاۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوۡمٌ ممکن ہے کوئی کہے کہ مان لیا خدا ایک ہی ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ وہ ہمیشہ زندہ ہے اور وہی ہمارا پہلے آقا تھا اور وہی اب بھی ہے۔ مگر ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ خدا کو نیند آئے اور وہ سو جائے اور اُس وقت اُس کی جگہ اُس کے درباری کام کریں۔ اس لئے انہیں بھی خوش رکھنا چاہئے اور ان کی بھی خوشامد کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تمہارا وہ اللہ ہے کہ اس کو کبھی اُونگھ اور نیند نہیں آتی تم اُس کو دنیوی بادشاہوں اور حاکموں کی طرح نہ سمجھو۔ جہاں تمہیں درباریوں کی خوشامد کرنی

پڑتی ہے۔ تمہارا خدا ایسا نہیں کہ کبھی اسے اُونگھ آئے یا وہ سو جائے۔ وہ ہر وقت جاگتا ہے اور ہر ایک بات کا خود نگران ہے۔

اِس میں اللہ تعالیٰ نے کیا ہی لطیف بات بیان فرمائی ہے فرماتا ہے۔ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ کہ اس کو نہ اُونگھ آتی ہے نہ نیند۔ ترتیب کلام کا یہ قاعدہ ہے پہلے چھوٹی باتوں کا ذکر ہوتا ہے۔ پھر بڑی بات کا۔ اگر اس کے خلاف کیا جائے تو کلام غلط ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہ تو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص سخت بیمار نہیں تھا بلکہ وہ تو کچھ بھی بیمار نہ تھا۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ فلاں شخص کچھ بیمار نہیں تھا بلکہ وہ تو زیادہ بیمار بھی نہ تھا تو فقرہ غلط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ پہلے بڑا اور پھر چھوٹا درجہ بیان کا جاتا ہے۔ مگر یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہ اُسے اُونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ حالانکہ جب اُونگھ کی نفی کر دی گئی تھی تو نیند کی خود ہی نفی ہو جاتی ہے۔ پھر نیند کی نفی کی کیا ضرورت تھی؟ سو یاد رکھنا چاہئے کہ اس میں ایک حکمت ہے اور وہ یہ کہ سِنَةٌ اس کو کہتے ہیں کہ جب سخت نیند کی وجہ سے انسان کی آنکھیں بند ہو جائیں۔ چنانچہ جب انسان کو بہت زیادہ نیند آئی ہوئی ہو اس وقت اُونگھ آتی ہے اور جب تک نیند کا غلبہ نہ ہو اُونگھ نہیں آتی۔ تو فرمایا کہ خدا تعالیٰ کو کبھی اونگھ نہیں آتی کہ کام کرنے کی وجہ سے وہ تھک گیا ہو اور اِس پر نیند کا ایسا غلبہ ہو کہ اس کی آنکھیں بند ہو گئی ہوں اور نہ اُسے معمولی نیند آتی ہے۔ غرض ترتیب بیان کے لحاظ سے سِنَةٌ کا ہی پہلے ذکر آنا ضروری تھا اور نوم کا بعد میں۔"

(تفسیر کبیر جلد 3 صفحہ 437-438)

سامعین! ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" پس ایک مومن حالات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی صفت کے بارہ میں شک میں نہیں پڑتا بلکہ مشکلات اسے حیّ و قیوم اور قادر اور مجیب خدا کے سامنے اور زیادہ جھکنے والا بناتی ہیں۔ پھر خدا تعالیٰ نے لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ کہہ کر یہ بھی واضح فرما دیا کہ کبھی کسی مومن کے دل میں یہ خیال نہیں آنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نیند یا اونگھ کی حالت میں زندہ رکھنے اور قائم رکھنے سے غافل ہو سکتا ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی صفات نہ محدود ہیں، نہ ہی اسے کسی قسم کی کمزوری ان صفات سے عدم توجہگی کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کو کسی آرام کی ضرورت نہیں۔ اس کی استعدادیں انسانی استعدادوں کی طرح نہیں ہیں جنہیں ایک وقت میں آرام اور نیند کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ وہ تو تمام قدرتوں کا مالک خدا ہے۔ اس لئے نہ ہی اسے نیند کی

ضرورت ہے نہ ہی تھکاوٹ کی وجہ سے اسے اونگھ آتی ہے۔ اس لئے سوال ہی نہیں کہ وہ اپنے بندوں کی زندگی اور بقاسے کبھی غافل ہو۔ ہاں قانون قدرت کے تحت اور اس کی دوسری صفات کے تحت وہ اپنے بندوں کو امتحانوں اور آزمائشوں میں ڈالتا ہے۔ لیکن یہ بھی اس کا اعلان ہے کہ حقیقی زندگی اس کے بندوں کی ہی ہے۔ اُس کے راستے میں مرنے والے بھی ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور جب اس نے یہ اعلان فرمایا کہ میرے نبی کی جماعت ہی زندہ اور غالب رہنے والی ہے تو اس بات کو بھی پورا کرکے دکھایا کہ وہ زندہ رہتی ہے اور غالب رہتی ہے۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 5/جون 2009ء)

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴿17﴾ ﴿مشاہدات۔558﴾

توکّل علی اللّٰہ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (التغابن:14)

کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنا چاہیے۔

محمود اگر منزل ہے کٹھن تو راہ نما بھی کامل ہے
تم اس پہ توکل کر کے چلو، آفات کا خیال ہی جانے دو

معزز سامعین! مجھے آج آپ حاضرین سے توکّل علی اللّٰہ پر گفتگو کرنی ہے۔

توکُّل کے لغوی معنی بھروسہ کرنا یا اپنے کام کو کسی کے حوالے کرنا کے ہیں۔ کسی کام کے کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو طریق اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اس کے مطابق پوری کوشش کرنا اور پھر نتائج کے لئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے دعاؤں میں لگ جانا توکّل علیٰ اللّٰہ کہلاتا ہے۔ توکّل میں دعا کے ساتھ تدبیر بھی ضروری ہے۔ توکّل ظاہری اسباب چھوڑنے کا نام نہیں۔

توکّل علی اللّٰہ ایک نہایت اعلیٰ وصف ہے۔ ہر حال میں اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنا اور اسی پر توکّل رکھنا انسان کو خدا کا محبوب بنا دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ (آل عمران:160)

کہ جب تو کسی بات کا پختہ ارادہ کرلے تو اللہ پر توکّل کر۔ اللہ توکّل کرنے والوں سے یقیناً محبت کرتا ہے۔

سامعین! حصولِ تقویٰ کا ایک بنیادی ذریعہ توکّل علی اللہ ہے۔ جو مومن اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ (الطلاق:4) جو کوئی اللہ پر

توکّل کرتا ہے تو وہ اللہ اس کے لئے کافی ہے۔ ہمارے پیارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر میدان کے شہسوار تھے۔ عبادات کا میدان ہو، اخلاق کا میدان ہو، جنگ کا میدان ہو یا فتح کا موقع، آپؐ نے تمام میدان نہایت بہادری اور توکّل علی اللہ سے سر کئے۔

محمدؐ ہی نام اور محمدؐ ہی کام
عَلَیْكَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْكَ السَّلَامُ

توکّل علی اللہ کا خُلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ اعلیٰ شان ہے جس کے بارہ میں آپؐ کو مخاطب ہو کر کہا گیا کہ

"تو میرا بندہ اور رسول ہے مَیں نے تیرا نام متوکّل رکھا ہے۔"

(بخاری کتاب البیوع باب کراھیة الشغب فی السوق)

حق یہ ہے کہ اس نصیحت پر سب سے زیادہ جس وجود نے عمل کیا وہ خود آپؐ کا وجود مبارک تھا۔

راہ ہدیٰ پہ ہم کو چلایا ہے آپؐ نے
در صدق و راستی کا دکھایا ہے آپؐ نے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم اللہ پر حقیقی توکّل کرتے تو تمہیں اسی طرح رزق دیا جاتا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام پیٹ بھرے (اپنے گھونسلوں میں) آجاتے ہیں۔

(جامع الترمذی کتاب الزھد باب فی التوکل علی اللہ)

یہی توکّل ہے جس کا عرفان ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سیرت سے مِلتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی ذات پر کامل توکّل تھا اور آپؐ ہر لمحہ اسی توکّل کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کا آغاز اس دعا سے ہوتا تھا کہ میں نے تجھ پر توکّل کیا۔

(صحیح البخاری کتاب التہجد باب التہجد باللیل)

گھر سے نکلتے تو یہ دعا کرتے۔ بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَى اللّٰہِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ

(سنن ابی داؤد ابواب النوم باب ما یقول اذا خرج من بیتہ)

رات کو سونے سے پہلے کامل توکّل کی یہ دعا کرتے۔ اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰ

(صحیح البخاری کتاب الدعوات)

کہ اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ مَیں مرتا ہوں اور تیرے نام سے ہی زندہ ہوتا ہوں۔

ہمیں تو قُوتِ بازو سے کام لینا ہے
پھر اس کے بعد کرشمے دعا کے دیکھیں گے

سامعین! توکّل میں دعا کے ساتھ تدبیر بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی ہجرت مدینہ کے وقت بعض تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور اِس طرح تدبیر کرتے ہوئے اللہ پر توکّل کر کے کامیاب ہجرت فرمائی اور دشمن آپؐ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔ ہجرتِ مدینہ میں ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کے قدموں کی چاپ سن لینے اور پاؤں دیکھ لینے کے باوجود اپنے ساتھی سے فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کہ غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے ان سے بیان کیا کہ جب ہم غار ثور میں پناہ گزیں تھے تو مَیں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ اگر مشرکین میں کوئی جھک کر نظر ڈالے تو ہمیں دیکھ سکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اے ابو بکرؓ! تمہارا ان دو اشخاص کے بارہ میں کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا خدا ہے۔

(بخاری کتاب فضائل الصحابہ باب مناقب الانصار)

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

"یہ جرأت و بہادری کا سوال نہیں بلکہ توکّل کا سوال ہے، خدا پر بھروسہ کا سوال ہے۔ اگر جرأت ہی ہوتی تو آپؐ یہ جواب دیتے کہ خیر پکڑ لیں گے تو کیا ہوا ہم موت سے نہیں ڈرتے۔ مگر آپؐ کوئی معمولی جرنیل یا

میدان جنگ کے بہادر سپاہی نہ تھے آپؐ خدا کے رسول تھے۔ اس لئے آپؐ نے نہ صرف خوف کا اظہار کیا بلکہ حضرت ابو بکرؓ کو بتایا کہ دیکھنے کا تو سوال ہی نہیں ہے۔ خدا ہمارے ساتھ ہے، ان کو طاقت ہی کہاں مل سکتی ہے کہ یہ آنکھ نیچی کر کے ہمیں دیکھیں۔"

(سیرۃ النبیؐ از انوار العلوم جلد 1 صفحہ 495-496)

مکہ سے مدینہ ہجرت کا واقعہ غیر معمولی عظمت اور اہمیت کا واقعہ ہے، جن حالات اور جس انداز میں آپؐ نے ہجرت فرمائی اس میں قدم قدم پر توکّل علی اللہ کے ایمان افروز مناظر نظر آتے ہیں۔ تصوّر کی آنکھ سے دیکھیے وہ کیا نظارہ تھا جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم توکّل علی اللہ کی وجہ سے اطمینان اور یقین کی دولت سے مالا مال ہو کر تنِ تنہا گھر سے اس حالت میں نکلے کہ کفارِ مکہ نے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ ایسے توکّل علی اللہ اور نصرت الٰہی کی مثال دنیا میں کہاں نظر آتی ہے۔؟

توکّل کا یہ منظر بھی ملاحظہ فرمایئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ جا رہے ہیں اور سراقہ سو سرخ اونٹوں کے لالچ میں لحمہ بہ لحمہ آپ کے قریب پہنچ رہا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ گھبراہٹ کا اظہار کرتے ہیں تو اسی وقت آپؐ کی دعا سے سراقہ کا گھوڑا زمین میں دھنس جاتا ہے اور وہ آپؐ کی خدمت میں امان کا طالب ہوتا ہے۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 2 صفحہ 43)

اور ساتھ ہی کس شانِ توکّل سے آپؐ نے سراقہ کے حق میں یہ عظیم الشان پیشگوئی کی کہ سراقہ اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب کسریٰ کے کنگن تمہارے ہاتھوں میں ہونگے۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ بار بار دیکھتے جاتے ہیں کہ اب دشمن کس قدر نزدیک پہنچ گیا ہے۔ کیا اس بھروسہ اور توکّل کی کوئی اور نظیر بھی مل سکتی ہے۔ کیا کوئی انسان ہے جس نے اس خطرناک وقت میں ایسی بے توجہی اور لاپرواہی کا اظہار کیا ہو۔ اگر آپ کو دنیاوی اسباب کے استعمال کا خیال بھی ہوتا تو کم سے کم اتنا ضرور ہونا چاہیئے تھا کہ آپ اس وقت یا تو سراقہ پر حملہ کرنے کی کوشش کرتے یا وہاں سے تیز نکل جانے کی کوشش کرتے لیکن آپؐ نے ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں اختیار کی۔ نہ تو آپؐ تیز قدم ہوئے اور نہ ہی

آپؐ نے یہ ارادہ کیا کہ کسی طرح سراقہ کو ماردیں بلکہ نہایت اطمینان کے ساتھ بغیر اظہارِ خوف وہراس اپنی پہلی رفتار پر قرآن شریف پڑھتے ہوئے چلے گئے۔ وہ کونسی چیز تھی جس نے اس وقت آپؐ کے دل کو ایسا مضبوط کردیا۔ کونسی طاقت تھی جس نے آپؐ کے حوصلہ کو ایسا بلند کردیا۔ کونسی روح تھی جس نے آپؐ کے اندر اس قسم کی غیر معمولی زندگی پیدا کردی؟ یہ خدا پر توکّل کے کرشمے تھے اس پر بھروسہ کے نتائج تھے۔ آپ جانتے تھے کہ ظاہری اسباب میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ دنیا کی طاقتیں مجھے ہلاک نہیں کرسکتیں کیونکہ آسمان پر ایک خدا ہے جو مجھے دیکھ رہا ہے جو ان سب اسباب کا پیدا کرنے والا ہے پس خالق اسباب کے خلاف اسباب کچھ نہیں کرسکتے یہ توکّل آپؐ کا ضائع نہیں گیا بلکہ خدا نے اسے پورا کیا اور سراقہ جو دوسو اونٹ کے لالچ میں آیا تھا آپؐ سے معافی مانگ کر واپس چلا گیا اور خدا نے اس کے دل پر ایسا رعب ڈالا کہ اس نے اپنی سلامتی اس میں سمجھی کہ خاموشی سے واپس چلا جائے بلکہ اس نے اور تعاقب کرنے والوں کو بھی واپس لوٹادیا۔

(سیرۃ النبیؐ از انوار العلوم جلد 1 صفحہ 491-493)

حاضرین! سفر طائف میں بھی دنیا نے آپؐ سے ایک عجیب شانِ توکّل کا نظارہ دیکھا۔ خدا کا نبی تنِ تنہا کس مردانگی اور شجاعت سے ایک اجنبی دیس میں جاکر سردارانِ طائف کو مخاطب کرتا اور بے دھڑک خدا کا پیغام پہنچاتا ہے۔ نہ اپنی جان کا خوف ہے نہ کسی اور خطرے کی پرواہ۔ بس ایک ہی لَو لگی ہے کہ کس طرح حقِ تبلیغ ادا ہوجائے۔ بھروسہ ہے تو ایک اللہ کی ذات پر۔ سفر طائف سے واپسی پر بھی رسول اللہؐ کے توکّل کا عجیب منظر دیکھنے میں آیا۔

آپؐ کا خاندان اور اصحاب کے ہمراہ شعب ابی طالب میں محصوری کا تین سالہ دور، ہجرت مدینہ کا سفر، سفر طائف، غزوہ بدر میں سخت کمزوری کا عالم کہ 313 نہتوں کا ایک لشکر جرار سے مقابلہ، غرض کہ زندگی میں ہر موقع پر آپؐ کے توکّل علی اللہ کی عجیب شان ظاہر ہوئی اور پھر خدا تعالیٰ کی ذات نے بھی ہر موقع پر غیب سے آپؐ کی نصرت فرمائی۔ آپؐ نے زندگی میں ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی بھروسہ کیا اور اپنی امت کو بھی اسی بات کی نصیحت کی کہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کریں۔

میں تجھ سے نہ مانگوں تو نہ مانگوں گا کسی سے
میں تیرا ہوں تو میرا خدا میرا خدا ہے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی خدا پر توکّل کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ تقویٰ کی سب راہیں آپؐ نے طے کیں اور توکّل علی اللّٰہ کے تمام دروازوں میں سے گزرے۔ صبح سے شام تک نہ صرف خود خدا کے فرائض ادا کرنے میں لگے رہتے بلکہ ہزاروں کی نگرانی بھی فرماتے کہ وہ بھی اپنے فرائض ادا کرتے ہیں یا نہیں مگر اپنی تمام تر کوششوں اور عبادتوں کے باوجود آپؐ کا بھروسہ صرف اللہ کی ذات پر تھا۔ رات کو اپنے مولیٰ کے حضور عاجزی سے کھڑے ہو جاتے اور مناجات کرتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اخلاق جو مصیبتوں کے وقت کامل راستباز کو دکھلانے چاہئیں یعنی خدا پر توکّل رکھنا اور جزع فزع سے کنارہ کرنا اور اپنے کام میں سست نہ ہونا اور کسی کے رعب سے نہ ڈرنا ایسے طور پر دکھلا دیئے جو کفار ایسی استقامت کو دیکھ کر ایمان لائے اور شہادت دی کہ جب تک کسی کا پورا بھروسہ خدا پر نہ ہو تو اس استقامت اور اس طور سے دکھوں کی برداشت نہیں کر سکتا۔“

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 447-448)

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدا پر توکّل کی ایک حیرت انگیز مثال جنگِ بدر کی ہے جب آپؐ ایک مختصر سے قافلہ کے ساتھ مدینہ سے باہر نکلے تو ایک مشرک حاضرِ خدمت ہوا جس کی جرأت و بہادری کے بڑے چرچے تھے۔ اُس نے آپ کے ساتھ جنگ میں شامل ہونے کی اجازت چاہی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَیں اس موقع پر ایک مشرک سے مدد نہیں لینا چاہتا۔

(صحیح مسلم کتاب الجهاد باب کراهة الاستعانة فی الغزو)

اس موقع پر مسلمان لشکر کو ایک ایک فرد کی ضرورت تھی۔ مگر اس جنگِ مقدس میں جو توحید کے نام پر اور توحید کے قیام کی خاطر لڑی جا رہی تھی کسی مشرک کی شمولیت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت کو گوارہ نہ تھی۔ جنگ کے وقت آپ نے خدائے واحد کے آگے دعا اور مدد کے لئے ایسا سر جھکایا کہ جب تک فتح کی خوشخبری نہ مل گئی اس دَر سے نہیں اٹھے۔

آپؐ کی دعا ہمیشہ یہ ہوتی تھی کہ اے خدا! مَیں نے ہر آن تجھ پر توکّل کیا اور ہمیشہ اللہ کی ذات ہی آپؐ کا پہلا اور آخری سہارا رہی۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توکّل کے معنی اپنی اُمّت کو یوں سمجھائے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مَیں اونٹ کو کھلا چھوڑ آیا ہوں اور اللہ پر توکّل کیا ہے۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پہلے اونٹ کا گھٹنا باندھو اور پھر توکّل کرو۔ یعنی تدابیر کا اختیار کرنا توکّل کے لئے ضروری ہے۔

(جامع الترمذی کتاب صفۃ القیامہ)

سامعین! آخری زمانہ میں دجّالی فتنوں سے بچنے کے لئے بھی رسول کریمؐ نے خدا پر توکّل کی تعلیم دی اور فرمایا کہ جو شخص دجّال سے متأثر ہو کر اسے اپنا ربّ تسلیم کر بیٹھے گا وہ فتنہ میں مبتلا ہو گا اور جو اس کی ربوبیت کا انکار کر دے گا اور کہے گا کہ میرا رب اللہ ہے اسی پر میرا توکّل ہے تو اسے دجّالی فتنہ کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔

(مسند احمد جلد 4 صفحہ 20)

مومن ہمیشہ اللہ پر توکّل کرتے ہیں اسی مقامِ توکّل کے باعث کبھی تو وہ طوفانوں میں کشتیاں ڈالنے کو تو کبھی آگ میں کودنے کو تیار ہو جاتے ہیں تو کبھی بے آب و گیاہ وادی میں اہل و عیال کو چھوڑ آتے ہیں۔ توکّل علی اللہ کا مضمون بندے اور خالق کو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونے دیتا۔ زندگی کی تپتی زمین پر جب تلوے ہی کیا روح تک سلگنے لگے ایسے میں آسمان سے چھلکا پانی کا ایک قطرہ جسم و جاں میں امید اور شادابی بھر دیتا ہے، آنکھیں آسمان کی طرف دیکھنے لگتی ہیں، آسمان کو تکنے کے اس عمل کو ہی توکّل کہتے ہیں۔

حضرت ہاجرہ کی صفا و مروہ پر سعی اور اللہ پر یقین کہ وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ نے پتھروں سے مزین گھر کو مقام عالی بنا دیا، سنگلاخ زمین سے لازوال چشمہ جاری کر دیا۔

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

اپنے معاملے کو خالق کے سپرد کر دو اصل طاقت اور قوت کی مالک ذات صرف اللہ کی ہے۔ وقت کی آنکھ نے دیکھا کہ دودھ پیتے موسیٰ غرق نہیں ہوئے حالانکہ وہ اپنی کمزوری کی انتہا پر تھے اور فرعون غرق ہو گیا حالانکہ وہ اپنی طاقت کی انتہا پر تھا۔ توکّل کی فصل وفاؤں کے پانی سے سیر اب ہوتی ہے دعاؤں اور اخلاص

سے نشو و نما پاتی اور مضبوط ہوتی ہے۔ توکّل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کبھی ضائع نہیں کرتا، آزمائشیں توکّل کا حصہ ہوتی ہیں اگر توکّل سے یہ مراد ہو کہ اِدھر خدا پر توکل کیا اُدھر فوراً وہ چیز میسر آگئی، پھر تو ہر دنیادار بھی توکّل کی طرف دوڑے گا، توکّل میں کچھ اخفاء بھی ہوتا ہے کچھ آزمائشیں بھی ہوتی ہیں لیکن انجام کار توکّل کرنے والے دوسروں کی نسبت کبھی پیچھے نہیں رہا کرتے ہر بات میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔

انسان کی زندگی میں اونچ نیچ آتے رہتے ہیں۔ توکّل علی اللہ انسان کی زندگی اور حالات میں ایک مثبت اثر ڈالتا ہے۔ توکّل علی اللہ انسان کو منزل کی طرف بڑھنے میں مدد کرتا ہے، توکّل علی اللہ سے تمام راستے ہموار ہوتے چلے جاتے ہیں۔

یہ دنیا اسباب کی دنیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کی خاطر بے شمار اسباب پیدا کر رکھے ہیں۔ توکّل ظاہری اسباب چھوڑنے کا نام نہیں بلکہ ان تمام اسباب کو اختیار کرنے اور بہترین حکمتِ عملی اپنا کر رب پر بھروسہ کا نام ہے۔ اسباب کو اختیار کرنا تو امر لازم ہے مگر ان تمام اسباب اور بہترین حکمتِ عملی کے باوجود کامیاب کرنے والی ذات صرف رب کی ہے۔ یعنی اصل بھروسہ ان اسباب پر نہیں بلکہ ان تمام اسباب کو پیدا کرنے والی ہستی یعنی اللہ تعالیٰ پر کرنا ہے۔ اس کا نام توکّل ہے۔ انسان اس مادی دنیا میں رہتے ہوئے اپنے مُسَبّبُ الاسباب خدا کو پہچان لے یہ شناخت ہے جو حقیقی معنوں میں توکّل پیدا کرتی ہے۔

اِس دَورِ آخرین میں جب دنیادار اپنے پیدا کرنے والے رب پر توکّل کرنے کی بجائے اپنے وسائل پر بھروسہ کرتے ہوئے اللہ سے دور جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دنیا کی رہنمائی کے لئے مقرر فرمایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبارک زندگی کا ایک ایک لمحہ توکّل علی اللہ سے معمور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اَلَيۡسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبۡدَهٗ (کیا اللہ اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں) کہہ کر آپ کو توکّل علی اللہ کا سبق دیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”انسان کو چاہیے کہ تقویٰ کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھے تو پھر اسے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو سکتی۔ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کے یہ معنی نہیں کہ انسان تدبیر کو ہاتھ سے چھوڑ دے۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ تدبیر پوری کر کے پھر انجام کو خدا تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ اس کا نام توکّل ہے۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 566)

توکّل کا مضمون زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے۔ توکّل کرنے والے اور نہ توکّل کرنے والوں میں بہت نمایاں فرق ہوتا ہے۔ جو سچا توکّل کر کے چلتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو نقصانات سے بچاتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”معاشرے میں آج کل بہت سارے جھگڑوں کی وجہ طبیعتوں میں بے چینی اور مایوسی کی وجہ سے ہوتی ہے جو حالات کی وجہ سے پیدا ہوتی رہتی ہے اور یہ مایوسی اور بے چینی اس لئے بھی زیادہ ہو گئی ہے کہ دنیاداری اور مادیت پرستی اور دنیاوی چیزوں کے پیچھے دوڑنے کی طرف زیادہ توجہ پیدا ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکّل کم ہو گیا ہے اور دنیاوی ذرائع پر انحصار زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس لئے اگر اپنی زندگیوں کو خوشگوار بنانا ہے تو جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ دعاؤں پر زور دیں اور اسی سے آپ کی دنیا اور عاقبت دونوں سنوریں گی۔ اور یہی توکّل جو ہے آپ کا آپ کی زندگی میں بھی اور آپ کی نسلوں میں بھی آپ کے کام آئے گا۔“

(خطبات مسرور جلد 1 صفحہ 252)

پس ہمیں چاہئے کہ ہم ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر توکّل کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توکّل کے مضمون کو سمجھنے اور اس پر صحیح طور پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(اِس تقریر کی تیاری میں مکرم حافظ عبد الحمید صاحب کے ایک مضمون سے مدد لی گئی ہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ)

۞۞۞۞

﴿18﴾ ﴿مشاہدات۔984﴾

ہُن مَیں چھ مہینے لئی تیرا ربّ نہیں رہیا؟

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَّیَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ ؕ وَمَنۡ یَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ (الطلاق:4)

کہ وہ اُسے وہاں سے رزق عطا کرتا ہے جہاں سے وہ گمان بھی نہیں کر سکتا اور جو اللہ پر توکّل کرے تو وہ اُس کے لئے کافی ہے۔

اپنے کرم سے بخش دے میرے خدا مجھے
بیمارِ عشق ہوں ترا دے تو شفا مجھے
بے کس نواز ذات ہے تیری ہی اے خدا
آتا نظر نہیں کوئی تیرے سوا مجھے
تیری رضا کا ہوں میں طلب گار ہر گھڑی
گر یہ ملے تو جانوں کہ سب کچھ ملا مجھے

معزز سامعین! آج میری گزارشات کا عنوان ایک احمدی بزرگ کو اپنے اللہ کی طرف سے آنے والی آواز ”ہُن مَیں چھ مہینے لئی تیرا ربّ نہیں رہیا؟“ ہے۔ حضرت خلیفۃُ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ ایک ایمان افروز واقعہ بیان کرتے ہیں کہ

”ایک احمدی بزرگ تھے جو اپنی روزانہ کی آمدن سے ایک اٹھنّی (آٹھ آنے جو نصف پاکستانی روپیہ ہوتا تھا) اپنی اُس دن کی ضرورت کے لیے رکھ کر باقی تمام رقم چندے میں بھجوا دیتے تھے۔ ایک دن انہیں 300 روپے موصول ہوئے۔ انہوں نے سوچا رقم کچھ زیادہ ہے کیوں نہ چھ مہینوں کی ضرورتوں کے لیے 90 روپے آج ہی رکھ لوں تاکہ آسانی رہے۔ اُس دن لوگ کہتے ہیں کہ جب وہ مسجد سے ظہر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو فوراً گھر کو چل دیے جو اُن کا معمول نہیں تھا۔ کسی نے پوچھا ایسی کیا جلدی ہے؟ وہ کہتے ہیں۔

مجھے ابھی نماز میں آواز آئی ہے کہ **"مُبن مَیں چھ مہینے لئی تیرا ربّ نہیں رہیا؟"** اور کہتے ہیں مَیں اِسی وقت گھر جا کر اپنی ایک اٹھنّی رکھوں گا اور باقی کے سارے پیسے چندے میں بھیج دوں گا۔"

(مشعلِ راہ جلد 2 صفحہ 116 فرمودہ 7 ستمبر 1969ء)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ

"اصل رازق خدا تعالیٰ ہے۔ وہ شخص جو اس پر بھروسہ کرتا ہے کبھی رزق سے محروم نہیں رہ سکتا۔ وہ ہر طرح سے اور ہر جگہ سے اپنے پر توکّل کرنے والے شخص کے لئے رزق پہنچاتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو مجھ پر بھروسہ کرے اور توکّل کرے مَیں اس کے لئے آسمان سے برساتا اور قدموں میں سے نکالتا ہوں۔ پس چاہئے کہ ہر ایک شخص خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرے۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 273 ایڈیشن 1988ء)

سامعین! یہ بات بالکل درست ہے کہ اگر ہم خدا تعالیٰ کو قادرِ مطلق اور مالک و رازق سمجھتے ہیں اور تہہ دل سے اس پر ایمان رکھتے ہیں تو بلاشبہ ہمیں اُس ذات سے ہی مدد مانگنی چاہئے اور غمی اور خوشی ہر حال میں اپنی عبادتوں اور امیدوں کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات کو بنانا چاہیے۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ بھی نہیں کہ انسان ہر کام اللہ پر چھوڑ کر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا رہے۔ اگر ہم اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ آپؐ اپنی طرف سے صدقِ دل سے کوشش کرتے تھے اور پھر کام کے انجام کو خالقِ حقیقی کے سپرد کر دیتے اور کامیابی کے لئے دعا میں لگ جاتے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکّل سے بھری ہوئی تھی۔ وہ واقعہ یاد کریں جب سفر طائف سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ روز نخلہ میں قیام فرمایا۔ زید بن حارثہؓ نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! اب آپؐ مکہ میں کیسے داخل ہوں گے جبکہ وہ آپؐ کو نکال چکے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس شان سے، توکّل سے جواب دیا کہ اے زید! تم دیکھو گے کہ اللہ ضرور کوئی راہ نکال دے گا اور اللہ اپنے دین کا مددگار ہے۔ وہ اپنے نبی کو غالب کر کے رہے گا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرداران قریش کو پیغام بھجوائے کہ آپ کو اپنی پناہ میں لے کر مکّہ میں داخل کرنے کا انتظام کریں۔ کئی سرداروں نے انکار کر دیا بالآخر مکّہ کے ایک شریف سردار مطعم بن عدی نے آپ کو اپنی پناہ

میں مکّہ میں داخل کرنے کا اعلان کیا۔ پھر آخر کار جب مظالم حد سے زیادہ بڑھ گئے اور مکّہ سے ہجرت کا وقت آیا تو کمال وقار سے آپؐ نے وہاں سے ہجرت فرمائی۔ غار میں پناہ کے وقت دشمن جب سر پر آن پہنچا تو حضرت ابو بکرؓ نے اپنا سر اٹھا کر نظر کی اور تعاقب کرنے والوں کے پاؤں دیکھے۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر کوئی نظر نیچے کرے گا تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپؐ نے کس شان سے اللہ تعالیٰ پر توکّل کرتے ہوئے اس کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے فرمایا۔ اے ابو بکر! ہم دو ہیں اور ہمارے ساتھ تیسرا خدا ہے۔ تو یہ ہے وہ توکّل کا اعلیٰ معیار جو صرف اور صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہمیں نظر آتا ہے اور پھر آپ دیکھیں جب غار سے نکل کر سفر شروع کیا تو کیا شانِ استغنا تھی اور کس قدر اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکّل تھا۔

حضرت ابو بکرؓ کی روایت ہے کہ سفر ہجرت کے دوران جب سراقہ گھوڑے پر سوار تعاقب کرتے ہوئے ہمارے قریب پہنچ گیا تو مَیں نے عرض کیا یارسول اللہ! اب تو پکڑنے والے بالکل سر پر آپہنچے اور مَیں اپنے لئے نہیں بلکہ آپؐ کی خاطر فکر مند ہوں۔ آپؐ نے فرمایا لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ چنانچہ اسی وقت آپ کی دعا سے سراقہ کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا اور وہ آپ کی خدمت میں امان کا طالب ہوا۔ اس وقت آپؐ نے سراقہ کے حق میں یہ عظیم الشان پیشگوئی فرمائی کہ سراقہ! اُس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب کسریٰ کے کنگن تمہارے ہاتھوں میں پہنائے جائیں گے اور یہ پیشگوئی بھی بڑی شان سے بعد میں پوری ہوئی۔

سامعین! توکّل ویقین کا یہی اعلیٰ رنگ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں نظر آتا ہے۔

ایک دفعہ کسی بحث کے دوران میں حضرت مسیح موعودؑ سے کسی مخالف نے کوئی حوالہ طلب کیا۔ اُس وقت وہ حوالہ حضرت کو یاد نہیں تھا اور نہ آپ کے خادموں میں سے کسی اور کو یاد تھا لہذا شماتت کا اندیشہ پیدا ہوا۔ مگر حضرت صاحب نے بخاری کا ایک نسخہ منگوایا اور یونہی اس کی ورق گردانی شروع کر دی اور جلد جلد ایک ایک ورق الٹانے لگ گئے اور آخر ایک جگہ پہنچ کر آپ ٹھہر گئے اور کہا کہ لو یہ لکھ لو! دیکھنے والے سب حیران تھے کہ یہ کیا ماجرہ ہے اور کسی نے حضرت صاحب سے دریافت بھی کیا۔ جس پر حضرت نے

فرمایا کہ جب مَیں نے کتاب ہاتھ میں لے کر ورق الٹانے شروع کیے تو مجھے کتاب کے صفحات ایسے نظر آتے تھے کہ گویا وہ خالی ہیں اور ان پر کچھ نہیں لکھا ہوا۔ اسی لیے مَیں ان کو جلد جلد الٹاتا گیا۔ آخر مجھے ایک صفحہ ملا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا اور مجھے یقین ہوا کہ یہ وہی حوالہ ہے جس کی مجھے ضرورت ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ایسا تصرّف کیا کہ سوائے اس جگہ کے کہ جس پر حوالہ درج تھا باقی تمام جگہ آپ کو خالی نظر آئی۔

(سیرت المہدی حصہ دوم مطبوعہ 1935ء صفحہ 2-3)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے پیدا کرنے والے رب پر پورا توکّل تھا اور جیسا کہ آپؑ کو الہام بھی ہوا "جے تو میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو"

(تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 390)

آپ کہتے تھے کہ خدا تعالیٰ خود آپ کا کفیل ہو گا۔ چنانچہ جب آپ کے والد صاحب کی وفات ہو گئی تو بشری تقاضے کے تحت آپ کچھ فکر مند ہوئے تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے مخاطب ہو کر فرمایا

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ

یعنی کہ کیا خدا اپنے بندے کے لئے کافی نہیں؟

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت نے یہ ثابت کر دیا کہ آپ کے تقویٰ اور توکّل نے آپ کے والد صاحب کے سارے خدشات کو غلط ثابت کر دیا اور آپ کر دیا اور آپ کی غیب سے مدد فرمائی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَتَوَکَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِی لاَ یَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِہِ (الفرقان:59) اور تُو اس پر توکّل کر جو زندہ ہے (اور سب کو زندہ رکھتا ہے) کبھی نہیں مرتا اور اس کی تعریف کے ساتھ ساتھ اس کی تسبیح بھی کر۔

سامعین! جیسا کہ خاکسار نے ابتدا میں آیات کی تلاوت کی کہ

وَمَن یَتَّقِ اللَّہَ یَجْعَل لَّہُ مَخْرَجاً وَیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لاَ یَحْتَسِبُ وَمَن یَتَوَکَّلْ عَلَی اللَّہِ فَہُوَ حَسْبُہُ (الطلاق:3-4)

اور جو شخص اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اُس کے لئے کوئی نہ کوئی رستہ نکال دے گا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے رزق آنے کا اس کو خیال بھی نہ ہو گا۔

حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ بعینہٖ اِسی طرح ہوا جیسا کہ ان آیات میں فرمایا گیا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

"پس مجھے اُس خدائے عزّوجل کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اُس نے اپنے مبشرانہ الہام کو ایسے طور سے مجھے سچا کر کے دکھلایا کہ میرے خیال اور گمان میں بھی نہ تھا میرا وہ ایسا متکفّل ہوا کہ کبھی کسی کا باپ ہرگز ایسا متکفّل نہیں ہوگا"

(کتاب البریہ بحوالہ تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 25)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم خاص حضرت حافظ حامد علی صاحب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ لنگر خانہ کے منتظم حضرت میاں نجم الدین صاحب بھیرویؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور لنگر خانہ کی ضروریات کے لئے رقم کی درخواست کی۔

حضور نے فرمایا:

اِس وقت تو میرے پاس کوئی روپیہ نہیں۔ جس خدا کے مہمان ہیں وہ خود ہی انتظام فرمائے گا۔ اِس پر حضرت میاں صاحبؓ واپس چلے آئے۔ تھوڑی دیر بعد پھٹے پُرانے کپڑوں میں ملبوس ایک شخص حضورؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک گٹھڑی پیش کی۔ جسے گھر کے اندر جا کر حضورؑ نے کھولا تو کافی روپیہ اُس میں تھا۔ آپؑ نے باہر تشریف لا کر اُس شخص کو بلوانے اور پتہ لگوانے کی کوشش کی مگر وہ نہ ملا۔ تب حضورؑ نے میاں نجم الدین صاحبؓ کو بلوا کر سب روپے انہیں دے دیے۔

سامعین! حضرت خلیفۃُ المسیح الاوّل مولانا حکیم نور الدین صاحبؓ ایک ایسے نادر وجود تھے جن کی عظیم المرتبت شخصیت میں دوسری متعدد صفات کی طرح توکّل علی اللہ کی شان بھی بہت نمایاں نظر آتی ہے۔ جماعت کی تاریخ میں حضرت خلیفۃُ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت سارے واقعات ہیں۔

قریشی امیر احمد صاحب بھیروی کی شہادت ہے کہ ہمارے سامنے حضورؓ کی خدمت میں چھِٹی رساں کتابوں کا ایک VP لایا جو سولہ روپے کا تھا۔ آپؓ نے فرمایا کہ یہ کتابیں مجھے پیاری ہیں اور مَیں نے بڑے شوق سے منگوائی ہیں لیکن اب ان کی قیمت میرے پاس نہیں ہے لیکن میرے مولا کا میرے ساتھ ایسا معاملہ ہے کہ سولہ روپے آئیں گے اور ابھی آئیں گے۔ چنانچہ ہم بیٹھے ہی تھے کہ ایک ہندو اپنا بیمار لڑکا لے کر آیا۔ حضرت نے نسخہ لکھ دیا۔ ہندو ایک اشرفی اور ایک روپیہ رکھ کر چل دیا۔ آپ نے اسی وقت سجدۂ شکر کیا اور

فرمایا کہ مَیں اپنے مولا پر قربان جاؤں کہ اُس نے تمہارے سامنے مجھے شرمندہ نہیں کیا اگر یہ شخص مجھے کچھ بھی نہ دیتا تو میری عادت ہی مانگنے کی نہیں۔ پھر ہو سکتا تھا کہ وہ صرف ایک روپیہ دیتا یا اشرفی ہی دیتا۔ مگر میرے مولا نے اسے مجبور کیا کہ میرے نورالدین کو سولہ روپے کی ضرورت ہے اس لئے اشرفی کے ساتھ روپیہ بھی ضرور رکھو۔

(ماخوذ از تاریخ احمدیت، مرتبہ مولانا دوست محمد شاہد مرحوم جلد سوم صفحہ 556)

حضرت خلیفۃُ المسیح اولؓ فرمایا کرتے تھے کہ

”خدا تعالیٰ کا میرے ساتھ وعدہ ہے کہ مَیں اگر کہیں جنگل بیابان میں بھی ہوں تب بھی خدا تعالیٰ مجھے رزق پہنچائے گا اور مَیں کبھی بھوکا نہیں رہوں گا۔“

(حیات نُور، مصنّفہ محترم عبد القادر سوداگر مل، باب سوم صفحہ 274)

محترم حکیم محمد صدیق صاحب کی روایت ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ تین ساتھیوں کے ساتھ ہم راستہ بھول گئے اور کہیں دُور نکل گئے۔ کوئی بستی نظر نہیں آتی تھی۔ میرے ساتھیوں کو بھوک اور پیاس نے سخت ستایا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ نورالدین جو کہتا ہے کہ میرا خدا مجھے کھلاتا پلاتا ہے، آج ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح کھلاتا پلاتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے مَیں دعا کرنے لگا۔ چنانچہ جب ہم آگے گئے تو پیچھے سے زور کی آواز آئی۔ ٹھہرو! ٹھہرو!۔ جب دیکھا تو دو شُتر سوار تیزی کے ساتھ آرہے تھے۔ جب پاس آئے تو انہوں نے کہا: ہم شکاری ہیں۔ ہرن کا شکار کیا تھا اور خوب پکایا۔ گھر سے پراٹھے لائے تھے۔ ہم سیر ہو چکے ہیں اور کھانا بھی بہت ہے۔ آپ کھالیں۔ چنانچہ ہم سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ ساتھیوں کو یقین ہو گیا کہ نورالدین سچ کہتا تھا۔

”اللہ تعالیٰ کا نورالدین کے ساتھ وعدہ ہے کہ مَیں تیری ہر ضرورت کو پورا کروں گا۔“

صوفی عطا محمد صاحب بھی ایک واقعہ حضرت خلیفہ اوّلؓ کے بارے میں بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ عید کی صبح حضرت مولوی صاحب نے غرباء میں کپڑے تقسیم کئے حتّٰی کہ اپنے استعمال کے کپڑے بھی دے دیئے۔ گھر والوں نے عرض کی کہ آپ عید کیسے پڑھیں گے۔ فرمایا خدا تعالیٰ خود میرا انتظام کر دے گا۔ یہاں تک کہ عید کے لئے روانہ ہونے میں صرف پانچ سات منٹ رہ گئے۔ عین اُس وقت ایک شخص

حضرت کے حضور کپڑوں کی گٹھڑی لے کر حاضر ہوا۔ حضور نے وہ کپڑے لے کر فرمایا۔ دیکھو! ہمارے خدا نے عین وقت پر ہمیں کپڑے بھیج دیئے۔

(حیات نور صفحہ 241-242۔ ایڈیشن 2003ء)

سامعین! حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے بھی خدا تعالیٰ پر یقین اور قبولیت دعا کے بے شمار واقعات محفوظ ہیں جو ہمارے ایمان میں اضافہ بھی کرتے ہیں۔

مکرم شیخ فضل حق صاحب کا ایک لڑکا پیدائش کے آٹھ نو ماہ بعد سخت بیمار ہو گیا۔ ہر قسم کا علاج تین سال تک ہوتا رہا یہاں تک کہ ٹانگیں جواب دے گئیں۔ لوگ تعویذ کے لئے کہتے مگر انہوں نے کہا خواہ یہ مر جائے تعویذ نہیں دوں گا۔ آخر حضرت مصلح موعودؓ کو دعا کے لئے لکھا۔ آپؓ نے جواباً فرمایا "اللہ تعالیٰ عزیز کو صحت دے گا"۔ یہ جواب ملنا تھا کہ بیماری میں فرق پڑنے لگا اور شفا ہو گئی۔

(مضمون "خلفائے احمدیت کی قبولیت دعا" مطبوعہ ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل لندن 24 مئی 2002ء)

مکرم فتح محمد صاحب مٹھیانی لکھتے ہیں کہ گاؤں میں ہم پانچ دوست احمدی ہوئے تو شدید مخالفت شروع ہو گئی اور مخالفین نے بحث میں عاجز آکر کہا کہ کیا ہوا اگر یہ احمدی ہو گئے، ان کو ملتی تو لڑکیاں ہی ہیں۔ اتفاق سے اُس وقت ہم پانچوں کے لڑکیاں ہی تھیں اور اولاد نرینہ نہ تھی۔ اس بات کا میرے دل پر بڑا صدمہ ہوا اور مَیں نے حضرت مصلح موعودؓ سے دعا کے لئے عرض کیا۔ آپؓ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ آپ سب کو نرینہ اولاد دے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہم سب کو نرینہ اولاد سے نوازا۔

(مضمون "خلفائے احمدیت کی قبولیت دعا" مطبوعہ ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل لندن 24 مئی 2002ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے 1974ء کے پر آشوب دور میں جس خندہ پیشانی اور جرأت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا وہ بھی توکّل علی اللہ کا ایک نمونہ ہے۔ آپ نے جماعت کی خوب احسن طریقے پر راہ نمائی فرمائی اور ڈھال بن کر حفاظت بھی فرمائی۔ قومی اسمبلی میں خدائی تائید و نصرت کے ساتھ جماعت کا موقف بڑے مؤثر انداز میں پیش کرنے کی توفیق عطا ہوئی۔ حضورؒ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بہت دعائیں کیں۔ خدا تعالیٰ نے الہاماً فرمایا وَسِّعْ مَكَانَكَ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ یعنی جو ہمارے مہمان آتے ہیں ربوہ میں ان کے تم فکر کرو اور جو اپنے طرف سے تحقیر کا، ذلیل کرنے کا منصوبہ یہ بنا رہے ہیں اس

کے لیے مَیں کافی ہوں تمہیں۔ 11 دن 40 گھنٹے اور 10 منٹ سوال وجواب کیے میرے ساتھ اور ایسا لگتا تھا کہ ہر سوال کے وقت خدا تعالیٰ میرے ساتھ کھڑا ہے۔ یا اس کا فرشتہ کہنا چاہیے جہاں مجھے جواب نہیں آتا تھا مجھے جواب سکھایا جاتا تھا۔"

الٰہی تائید کے ساتھ آپ کے مقدس لبوں سے نکلنے والا ایک جملہ "محبت سب کے لیے نفرت کسی سے نہیں" آج عالمی سطح پر جماعت احمدیہ کی پہچان بن چکا ہے اور تبلیغی ہتھیار بھی۔

(اصحاب احمد کا تعلق باللہ مطبوعہ رسالہ انصارالدین یوکے۔ نومبر دسمبر 2020ء، جنوری فروری 2021، اور مارچ اپریل 2021ء)

سامعین! حضرت خلیفۃُ المسیح الرابع رحمہ اللہ کا دَور جماعت کی ترقی کے لیے نہایت ولولہ انگیز تھا۔ آپؒ کی زندگی میں بھی ہمیں خدا تعالیٰ کی مدد قدم قدم پر دکھائی دیتی ہے۔ ابتدا میں آپؒ کو جب ایک جابر ڈکٹیٹر کی جانب سے جماعت کے خلاف ریشہ دوانیوں کا سامنا کرنا پڑا تو آپؒ نے اس برسرِ اقتدار فوجی حکمران کو جس جرأت اور بے خوفی سے للکارا وہ بھی آپ کا اللہ پر توکّل ہی تھا ورنہ عام شخص ایسی جرأت نہیں کرتا۔ آپؒ نے ان الفاظ میں اس کو تنبیہ کی:

کل چلی تھی جو لیکھو پہ تیغِ دعا
آج بھی اذن ہوگا تو چل جائے گی

وہ بدبخت پھر بھی باز نہ آیا تو آپ نے اِسے للکارتے ہوئے پھر اِن الفاظ کے ساتھ جھنجھوڑا:

"جماعت احمدیہ تو خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک والی رکھتی ہے ایک ولی رکھتی ہے جماعت احمدیہ کا ایک مولا ہے اور زمین و آسمان کا خدا ہمارا مولا ہے۔ لیکن مَیں تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہارا کوئی مولا نہیں۔ خدا کی قسم! جب ہمارا مولی ہماری مدد کو آئے گا تو کوئی تمہاری مدد نہیں کرسکے گا۔ خدا کی تقدیر جب تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کرے گی تو تمہارے نام و نشان مٹا دیئے جائیں گے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 14ء دسمبر 1984ء)

سامعین! کتنا پیارا اور وفادار خدا ہے۔ جس نے اپنے قائم کردہ خلیفہ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اور اُن کے اپنے خدا پر یقین کو تقدیر میں بدل دیا۔ 17ء اگست 1988ء کو اس جابر فوجی حکمران کا طیارہ حادثہ کا شکار ہوا اور وہ فوجی آمر بعینہٖ اُسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا جیسا کہ حضورؒ نے فرمایا تھا۔

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے بھی ہمیں کئی واقعات ملتے ہیں جن میں خدا تعالیٰ کی مدد اُن کے ساتھ نظر آتی ہے۔ یہاں خاکسار ایک چھوٹا سا واقعہ بیان کرتا ہے۔ ماریشس میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ العزیز کی آمد کے پہلے روز جب آپ نماز ظہر اور عصر کی ادائیگی کے لیے اپنی رہائش گاہ سے بیت الذکر جانے کے لیے باہر تشریف لائے اور قافلہ روانگی کے لئے تیار ہو گیا تو ڈیوٹی پر موجود خدام نے الیکٹرونک مین گیٹ کو ریموٹ کی مدد سے کھولنا چاہا لیکن ہر طرح کی کوشش کرنے کے باوجود گیٹ نہ کھلا۔ آخر کار خدام گیٹ کو توڑنے کے لئے کوشش کرنے لگے لیکن اس میں بھی ناکام رہے۔ حضور انور گاڑی سے باہر تشریف لائے اور فرمایا ریموٹ مجھے دیں اور جیسے ہی آپ نے ریموٹ کا بٹن دبایا گیٹ کھل گیا اس موقع پر موجود ایک ہندو پولیس سکواڈ بلا اختیار بول اٹھا کہ معجزوں کے بارے میں سنا تو تھا لیکن آج اپنی آنکھوں کے سامنے پہلی مرتبہ Live دیکھا ہے۔

(تشحیذ الاذہان سیدنا مسرور ایدہ اللہ تعالیٰ نمبر، صفحہ 282)

سامعین! روزمرہ کے معاملات میں بھی توکّل علی اللہ کی بہت ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکّل تبھی پیدا ہوتا ہے جب خدا کی ذات پر اُس کی طاقتوں پر کامل یقین پیدا ہو۔ معاشرے میں آج کل بہت سارے جھگڑوں کی وجہ طبیعتوں میں بے چینی اور مایوسی کی وجہ سے ہوتی ہے جو حالات کی وجہ سے پیدا ہوتی رہتی ہے اور یہ مایوسی اور بے چینی اس لئے بھی زیادہ ہو گئی ہے کہ دنیاداری اور مادیت پرستی اور دنیاوی چیزوں کے پیچھے دوڑنے کی طرف زیادہ توجہ پیدا ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکّل کم ہو گیا ہے اور دنیاوی ذرائع پر انحصار زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ خدا تعالیٰ کی ہستی کے تعلق سے ابتداء ہی سے شیطان نے انسان کے دل میں وساوس اور شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ موجودہ ٹیکنالوجی کے دور میں اس چیز میں شیطان نے اور تیزی پیدا کر دی ہے جوں جوں انسان دنیاوی ترقیات حاصل کرتا چلا جاتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں سے مزید نوازتا ہے تو شیطان پہلے سے بڑھ کر اور زیادہ زور سے کمزور ایمان والوں اور آرام طلب افراد کو اس بارہ میں گمراہ کرنے کی کوشش میں مصروف عمل ہو جاتا ہے۔ تا کہ انسان خدا پر یقین و توکل کرنے سے دور بھاگے۔

خدا تعالیٰ پر یقین ہی وہ چیز ہے جسکو حاصل کرنے کے بعد خدا کے فرستادے اس دنیا میں جنت کو حاصل کر لیتے ہیں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

"مجھے حیرت ہوتی ہے کہ جب مَیں کسی کتاب کا مضمون لکھنے بیٹھتا ہوں اور قلم اٹھاتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کوئی اندر سے بول رہا ہے اور مَیں لکھتا جاتا ہوں۔ اصل یہ ہے کہ یہ ایک ایسا سلسلہ ہوتا ہے کہ ہم دوسروں کو سمجھا بھی نہیں سکتے۔ خدا تعالیٰ کا چہرہ نظر آجاتا ہے اور میرا ایمان تو یہ ہے کہ جنت ہو یا نہ ہو۔ خدا تعالیٰ پر پورا یقین ہونا ہی جنت ہے۔"

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 270 ایڈیشن 1988ء)

ہمارے پیارے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ توکّل علی اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

" تو بہر حال جب سارے ایسے حالات پیدا ہو جائیں اور کام بھی ہو جائیں تو انسان سمجھتا ہے کہ کسی غیبی ہستی نے میری مدد کی ہے اور اگر اس کو خدا پہ یقین ہے تو پھر وہ خیال کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے میرا کام کیا ہے۔ لیکن اگر انسان خدا تعالیٰ پر کامل یقین رکھتا ہو اور یہ بات سمجھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی استمداد کا حق رکھتا ہے، مدد کرتا ہے، مدد دے سکتا ہے تو وہ اس کام کی کامیابی کو بھی خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرے گا جو کسی بیرونی مدد کے ذریعے اس نے تکمیل تک پہنچایا اور اس حقیقت کو بھی جانتا ہوگا کہ رشتہ داروں، دوستوں، نظام، قوم، حکومت یا انسانی ہمدردی کی تنظیمیں جنہوں نے بھی اس کی مدد کی وہ سب مدد بھی اصل میں خدا تعالیٰ نے ہی کی تھی۔ اور ان تمام ظاہری مددوں کے پیچھے خدا تعالیٰ کا طاقتور ہاتھ تھا۔ لیکن جو لوگ خدا تعالیٰ سے مضبوط تعلق نہیں رکھتے وہ دنیاوی ذرائع کو سب کچھ سمجھتے رہتے ہیں اور انہی کی طرف ان کی توجہ رہتی ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف نظر نہیں اٹھتی۔ لیکن جب یہ تمام ذرائع ناکام ہو جاتے ہیں پھر خدا تعالیٰ یاد آتا ہے۔ کیونکہ اب خدا تعالیٰ کی یاد آنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ تمام دنیاوی ذرائع جو تھے وہ استعمال ہو گئے۔ تب وہ کہتا ہے کہ یا اللہ! تُو ہی مدد کرے تو یہ کام ہو گا۔ سب طاقتوں کا مالک تُو ہی ہے۔ سب تعریفیں تیری ذات کی ہی ہیں۔ پس یہ اس بات کی بھی دلیل ہے اور یہ بات اس طرف بھی اشارہ کر رہی ہے کہ کوئی بڑی سے بڑی تدبیر یا حکومت اور تنظیم ایک محدود طاقت رکھتی ہے۔ اور یہ سب دنیاوی طاقتیں اور تدبیریں ایک حد کے بعد ناکارہ اور بے فائدہ ہو جاتی ہیں۔ مَیں نے ابھی کہا تھا کہ جو لوگ

خدا تعالیٰ سے مضبوط تعلق نہیں رکھتے وہ پہلے تو دنیاوی سہاروں کو بہت کچھ سمجھتے ہیں لیکن جب یہ سہارے ناکام ہو جاتے ہیں تو پھر خدا تعالیٰ کی طرف دیکھتے ہیں۔ لیکن صرف خدا تعالیٰ سے مضبوط تعلق رکھنے والوں کی بات نہیں ہے بلکہ قرآن کریم تو کہتا ہے کہ ایسی مایوسی کی حالت میں دہریہ اور مشرک بھی بے اختیار ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔"

(خطبہ جمعہ 28 نومبر 2014ء)

(بتعاون: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿19﴾ ﴿مشاہدات۔ 573﴾

خدا ایک پیارا خزانہ ہے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙ (الملک:2)

کہ بہت برکت والا ہے وہ خدا جس کے قبضہ میں بادشاہت ہے اور وہ ہر ایک ارادہ کے پورا کرنے پر قادر ہے۔

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا

ہمارا پیارا خدا زمین و آسمان کا بادشاہ ہے جو اپنی ذات و صفات کے لحاظ سے واحد اور تمام قدرتوں اور طاقتوں کا مالک ہے۔ اس نے ہمیں پیدا کیا اور وہ سب کچھ دیا جس کی ہمیں ضرورت ہے اور آئندہ رہے گی۔ خدا ایک مخفی خزانہ تھا اس نے چاہا کہ وہ پہچانا جائے سو اس نے انسان کو پیدا کیا اور اپنی ذات و صفات کا عرفان اُسے بخشا۔ خدا تعالیٰ کے پیارے انبیاء دنیا میں آکر انسانوں کو اپنے تعلق اور ذاتی تجربہ و مشاہدہ کی بناء پر زندگی کے حقیقی سرچشمہ یعنی زندہ خدا کا پتہ دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان اور ماں باپ سے بڑھ کر محبت کرنے والا ہے۔

مسکین تھے ہم اُس نے کیا کیا نہ نوازا ہے
جو کُچھ بھی ہے دامن میں سب اُس کی عِنایا ہے

وہ ایسا رحیم ہے کہ جب اس کے بندے خشک سالی سے مایوس ہو جاتے ہیں تو بارانِ رحمت سے ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے اور نباتات و ثمرات کی فراوانی ہو جاتی ہے۔ جس ربِ رحیم نے ظاہری حیات کے لئے تمام ضروریات مہیا فرمائیں وہ روحانی ضروریات سے کیسے غافل رہ سکتا تھا۔ چنانچہ جب بھی زمین روحانی

طور پر خشک اور بے ثمر ہوئی تو خالقِ کائنات نے بنی نوع انسان کو اپنی محبت کا جام پلانے اور فلاح و کامرانی کے راستہ پر چلانے کے لئے انبیاء کو دنیا میں بھیجا جو آسمانی پانی سے زمین پر رحمت پھیلاتے اور پیاسی مخلوق کو وصلِ الٰہی کے جام شیریں سے سیراب کرتے ہیں۔

تو رحیم بھی، تو کریم بھی، تو حلیم بھی، تو بصیر بھی
کسی آئینے میں نہ مل سکی تیری رحمتوں کی نظیر بھی

سامعین! ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیارے خدا کو پانے کے لئے بھوک و پیاس کی پرواہ کئے بغیر کئی کئی دن تک غارِ حرا میں اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت میں مصروف رہتے۔ قربان جاؤں! پیارے آقا کے اس تعلق باللہ پر کہ ساری ساری رات عبادت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں سوج جاتے۔ دنیا میں خدا سے محبت کے دعوے دار تو بہت گزرے ہیں، لیکن اپنے رب سے عشق اور محبت کا جو لازوال اظہار ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، اس کی مثال تاریخِ عالَم میں نہیں ملتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ کی سب راہیں طے کیں اور محبّتِ الٰہی کے تمام دروازوں میں سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تعالیٰ سے عشق و محبت کو خود ربّ کائنات نے ہمیشہ کے لیے قرآنِ کریم میں اِن الفاظ میں بیان فرمادیا کہ: قُلْ إِنَّ صَلاَتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (الانعام:163) کہ اے نبی! تو کہہ دے میری نماز، میری قربانیاں، میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بچپن سے ہی اپنے خالق و مالک کی محبت بھر دی گئی تھی۔ یہ عشقِ الٰہی کی تڑپ ہی تو تھی جو آپؐ کو تنہا غارِ حرا میں اپنے محبوب خدا کی یاد کے لیے پہنچاتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کی محبت میں آپؐ اس قدر فنا ہو چکے تھے کہ آپؐ اس تنہائی میں ہی پوری لذّت اور ذوق پاتے تھے۔ ایسی جگہ میں جہاں کوئی آرام کا اور راحت کا سامان نہ تھا اور جہاں جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہو آپؐ وہاں کئی کئی راتیں تنہا گزارتے تھے۔" (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 317)

حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی محبتِ الٰہی کے نظارے دیکھ کر مکّے کے لوگ سچ ہی تو کہتے تھے عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّہ' کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنے رب پر عاشق ہو گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد کا نکتۂ آغاز بھی توحید تھا اور اس کا حاصل بھی توحید۔ اس بیج کے ایک تناور درخت ہونے اور اس ذرہ بے مقدار کے ثریا ہونے کا نام حیاتِ محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر خدا میں گم اور محو ہو گئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تمام انفاس اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت محض خدا تعالیٰ کے لئے ہو گئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں نفس، مخلوق اور اسباب کا کچھ حصہ باقی نہ رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح خدا کے آستانہ پر ایسے اخلاص سے گری تھی کہ اس میں غیر کی ایک ذرہ آمیزش نہیں رہی تھی۔"

(ریویو آف ریلیجنز جلد 1 صفحہ 178)

اسی حقیقت کو آپ علیہ السلام اپنے فارسی اشعار میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

شانِ احمد را کہ داند جز خداوندِ کریم
آنچناں از خود جدا شد کز میاں افتاد میم
زاں نمط شد محو دلبر کز کمال اتحاد
پیکر او شد سراسر صورت رب کریم

(توضیحِ مرام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 62)

یعنی احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو سوائے خداوندِ کریم کے کون جان سکتا ہے۔ وہ اپنی خودی سے اس طرح الگ ہو گیا ہے کہ میم درمیان سے گر گیا۔ وہ اپنے دلبر میں اس طرح محو ہو گیا کہ کمال اتحاد کی وجہ سے اس کی صورت بالکل ربِّ رحیم کی صورت بن گئی۔

سامعین! قرآن شریف نے جس خالق کائنات اور قادر مطلق ہستی کا ہمیں پتہ دیا وہ بادشاہ بھی ہے، غنی بھی، جبار بھی، قہار بھی اور متبرک بھی اس کے سامنے انسان وہ عاجز مخلوق ہے جو ہر لحظہ اس کا محتاج ہے۔

میرا پیارا خدا، جسے حالتِ مرض میں پکارو تو شفا دیتا ہے، بھوک میں پکارو تو غذا دیتا ہے، پیاس میں پکارو تو پانی پلا دیتا ہے، ذلت میں پکارو تو عزت سے نوازتا ہے، جہالت میں پکارو تو نورِ عطا کرتا ہے اور اگر کوئی راہ میں بھٹک گیا تو درست راستہ دکھا دیتا ہے اور غربت میں پکارو تو غنی کر دیتا ہے۔ خدا ایک پیارا خزانہ ہے۔ تاریخ عالَم اس بات کی گواہ ہے کہ جن لوگوں نے اس خزانہ کو پالیا اُنہیں مخالفت کی تند و تیز آندھیاں اور طوفان کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ وہ خطرات میں گھرے ہونے کے باوجود موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَل کا نعرہ لگاتے ہوئے آگے سے آگے بڑھتے گئے، زمانے کی گردشیں اُن کا کچھ نہ بگاڑ سکیں، دن بدن اُن کا قدم کامیابیوں کی طرف بڑھتا ہے اور ہمیشہ فتوحات اُن کی پیشانیوں کا جھومر بنتی ہیں۔

تاریخ کے اوراق پلٹیے اور دیکھیے کہ مشرکین کے تین سو ساٹھ خداؤں کو ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خدا نے کس طرح نیست و نابود کر کے رکھ دیا اور اپنے اُن بندوں کو جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا عَلَم بلند کئے ہوئے تھے دنیا و آخرت میں سرخرو کر دیا۔ وہ مخالفین جنہوں نے اپنے حقیقی مولا کو چھوڑ کر دوسروں کو خدا بنایا اور شرک کا راستہ اختیار کیا۔ چاہے وہ وقت کے فرعون تھے یا نمرود و شدّاد، ہمیشہ ہی تباہ و برباد کئے گئے، ذلیل و رسوا ہوئے اور انہیں کبھی سرسبزی نصیب نہ ہوئی۔ کبھی اُنہیں پانی سے غرق کیا گیا، کبھی خشکی میں پتھروں کی بارش اُن پر ہوئی اور کبھی اُنہیں تُند و تیز آندھیوں اور طوفانوں نے گھیر کر ہلاک کر ڈالا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے اور آگ کا گلزار ہو جانا، حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر پانی کے طوفان آنے سے قبل کشتی تیار کرنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے سمندر میں سے پار اُتر جانے کے بعد فرعون کا لشکر سمیت اسی سمندر میں اُترنا اور غرق ہو جانا، ان سب انبیاء علیہم السلام نے خدا کا حوالہ ہی تو دیا۔

سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے وہ درحقیقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک فقرہ ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

”اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگے گا، تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اسے دیکھے گا اور اس کے منصوبے کو توڑے گا۔ تم ابھی تک

نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدرتیں ہیں... خدا ایک پیارا خزانہ ہے اس کی قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے۔ تم بغیر اسکے کچھ بھی نہیں اور نہ تمہارے اسباب اور تدبیریں کچھ چیز ہیں۔"

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 22)

اِسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ہر چیز کا خزانہ خدا تعالیٰ کے پاس موجود ہے کوئی ضرورت ایسی نہیں جس کا خزانہ خدا کی صفات میں نہ مل سکتا ہو۔ پس خدا کی صفات کے علم کے ذریعہ سے انسان اپنی تمام ضروریات کو پوری کر سکتا ہے... جس بات کی ضرورت ہو اس کے مطابق جو خدا تعالیٰ کی صفت ہے اس کو پکاریں۔"

(ہستی باری تعالیٰ، انوار العلوم جلد 6 صفحہ 433-434)

پھر آپؓ فرماتے ہیں:

"مَیں تمہیں بڑے زور سے بتلاتا ہوں کہ دنیا میں لوگ خدا تعالیٰ سے غافل ہوگئے ہیں۔ حالانکہ اس سے بڑھ کر خوبصورت، اس سے بڑھ کر محبت کرنے والا، اس سے بڑھ کر پیارا اور کوئی نہیں ہے۔"

(برکات خلافت، انوار العلوم جلد 2 صفحہ 238)

پیارے دوستو! انسان اپنے پیارے خدا کو اُس کی صفات سے پہچان سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات ہیں۔ اُس کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کی دعائیں سنتا ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن: 61) مجھے پکارو! مَیں تمہاری دعا سنوں گا۔

جب دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا ہے تو وہ اُس کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ دنیا میں لاکھوں لوگ اس بات کے گواہ ہیں کہ ہمارا ایک پیدا کرنے والا خدا ہے جو ان کی دعاؤں کو سنتا اور انہیں جواب دیتا ہے۔ جب دنیا خوابِ غفلت کے مزے لے رہی ہوتی ہے، محبوبانِ الٰہی اپنی گریہ وزاری سے اپنے مولیٰ کے قُرب کی لذت کا مزہ چکھتے اور قیام ورکوع وسجود سے رضوانِ یار کی محبت کا شربت پیتے ہیں۔ فرشتے حمد وثناء کرتے ہوئے اللہ کے عبادت گزار بندوں کی گزارشات خالقِ حقیقی کے حضور پیش کر کے اُن کے لئے خیر وبرکت کے طلبگار ہوتے ہیں۔

جب سارا زمانہ سوتا ہے اور ہُو کا عالم ہوتا ہے
وہ چرخ سے خود نیچے آکر دنیا کا نظارا کرتے ہیں
توبہ کی درخشاں راتوں میں مَسنَد پہ نُور کی بیٹھ کے پھر
سجدوں میں گِرے بندوں کے لئے بخشش کا اشارا کرتے ہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”مَیں نے ایک سونے کی کان نکالی ہے اور مجھے جواہرات کے معدن پر اطلاع ہوئی ہے اور مجھے خوش قسمتی سے ایک چمکتا ہوا اور بے بہا ہیرا اس کان سے ملا ہے.... وہ ہیرا کیا ہے؟ سچا خدا اور اس کو حاصل کرنا یہ ہے کہ اس کو پہچاننا اور سچا ایمان اس پر لانا اور سچی محبت کے ساتھ اس سے تعلق پیدا کرنا اور سچی برکات اس سے پانا۔ پس اس قدر دولت پا کر سخت ظلم ہے کہ مَیں بنی نوع کو اس سے محروم رکھوں اور وہ بھوکے مریں اور مَیں عیش کروں۔ یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہو گا۔ میرا دل ان کے فقر وفاقہ کو دیکھ کر کباب ہو جاتا ہے۔ ان کی تاریکی اور تنگ گزرانی پر میری جان گھٹتی جاتی ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ آسمانی مال سے ان کے گھر بھر جائیں اور سچائی اور یقین کے جواہر ان کو اتنے ملیں کہ ان کے دامنِ استعداد پُر ہو جائیں“

(اربعین نمبر 1، روحانی خزائن جلد نمبر 17 صفحہ 344۔345)

خالقِ ارض وسماء کی شان نرالی ہے اور اس کے رنگ انوکھے ہیں، ہزار رنگ لئے ہوئے اِس کارخانۂ قدرت کی پیچ در پیچ صناعی کا خالق ہمارا پیارا خدا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی صناعی کا شاہکار ہے۔ اس کی ہر تخلیق سے اس کی کبریائی، عظمت اور کمالات کا دل ودماغ کو چکا چوند کرنے والا نور چھلکتا ہے۔ جو کُنْ فَیَکُوْنُ کا مظہر ہے۔ گلستانوں میں پھول اور جابجا پھلوں کے خوبصورت پودے، جن سے شہد کی مکھیاں اللہ کے حکم کی اطاعت میں رس چوستی ہیں۔ بھنورے اور خوبصورت تتلیاں پھولوں اور پھلوں پر منڈلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حسین تخلیق کے گُن گا گا کر اس کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ پھول فضاؤں میں اپنی خوشبو بکھیر کر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے حسن اور پاکیزگی کی ودیعت پر شکر ادا کرتے ہیں۔ ہوا کے

جھونکے سے پھولوں سے لدی شاخیں ہواؤں میں کبھی دائیں کبھی بائیں کو جھکتی ہیں اور رب العزت کے حضور سجدہ ریز ہو کر حمد و ثناء اور تسبیح بجالاتی ہیں۔

ہمیں چاہئے کہ سونے کی اس کان اور چمکتے ہوئے اس بے بہا ہیرے یعنی اپنے خدا سے سچا پیار کریں۔ صفاتِ الٰہیہ کے رنگ میں رنگین ہو کر توحیدِ حقیقی کے قیام کے لئے کوشاں رہیں اور دنیا کو بتائیں کہ ہر چیز کا خالق ومالک اور قادر وہی ہے۔

سامعین! ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ دنیا عمل کا گھر ہے اس دنیا کے اعمال اگلے جہان میں جزا یا سزا کا ذریعہ بنیں گے۔ پس کیا ہی خوش قسمت ہیں ہم میں سے وہ جو اللہ تعالیٰ کی اس بات کو یاد رکھیں کہ یہ دنیا محض لہو و لعب ہے اور زینت کے اظہار اور ایک دوسرے پر اپنے مال اور اولاد کی وجہ سے فخر کرنا ہے اور اس کی حیثیت کیا ہے؟ کسی سوکھے ہوئے گھاس پھوس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں۔ جو خشک ہوتا ہے اور چُورا چُورا ہو جاتا ہے اور ہوائیں اس کو اڑا کر لے جاتی ہیں۔ اصل چیز اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنا ہے اور یہی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے کہ نیک عمل کرو تا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والے بنو۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم ہر وقت اس بات کی تلاش میں رہتے تھے کہ کس طرح اور کون سے ذریعہ سے ہم سیکھیں اور سمجھیں جو ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والے بنائیں اور نیک عمل کرنے والے بنائیں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھتے بھی تھے۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا کام بتایئے جب میں اسے کروں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کرنے لگے اور باقی لوگ مجھے چاہنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت بھی ہو جائے اور بندے بھی مجھے پسند کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا سے بے رغبت اور بے نیاز ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرنے لگے گا۔ جو کچھ لوگوں کے پاس ہے یعنی دنیاوی مال و متاع۔ اس کی خواہش چھوڑ دو۔ لوگوں کی طرف حریص نظر سے نہ دیکھو۔ لوگوں کے مالوں کو حریص نظر سے نہ دیکھو۔ لوگ تجھ سے محبت کرنے لگ جائیں گے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الزھد باب الزھد فی الدنیا حدیث 4102)“ (خطبہ جمعہ 5/ مئی 2017ء)

جو لوگ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں فنا کر لیتے ہیں دراصل وہی جیتے ہیں کیونکہ وہ ابدی زندگی میں مقامِ قُرب حاصل کر کے ہمیشہ کے لیے اَمر ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پیار کی جنتوں میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اللٰھم آمین

(اِس تقریر کی تیاری میں مکرم حافظ عبد الحمید صاحب کے مضمون سے مدد لی گئی ہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ)

۞۞۞۞

﴾20﴿ ﴾مشاہدات۔715﴿

اللہ ہمارا بہترین دوست ہے

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا (النساء:70)

اور جو بھی اللہ کی اور اِس رسول کی اطاعت کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے (یعنی) نبیوں میں سے، صدیقوں میں سے، شہیدوں میں سے اور صالحین میں سے۔ اور یہ بہت ہی اچھے ساتھی ہیں۔

مِری رات دِن بس یہی اِک صَدا ہے
کہ اِس عَالَمِ کَون کا اِک خدا ہے
اُسی نے ہے پیدا کیا اِس جہاں کو
ستاروں کو سورج کو اور آسماں کو
ہر اک چیز پر اُس کو قدرت ہے حاصل
ہر اک کام کی اُس کو طاقت ہے حاصل
وہ ہے ایک اُس کا نہیں کوئی ہمسر
وہ مالِک ہے سب کا وہ حاکم ہے سب پر

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ (البقرہ:452)

کہ اللہ وہ ہے کہ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں، وہ زندہ اور قیوم ہے۔

پیارے بچو! مَیں آج آپ بچوں سے آسان پیرایہ میں اپنے بہترین دوست کے حوالے سے گفتگو کرنے جارہاہوں جو ہم سب کا اللہ ہے جسے ہم پیار سے اللہ میاں بھی کہتے ہیں۔ ہم بچے بھی اور بڑے بھی اپنی اپنی زندگی میں اپنے دوست بناتے ہیں۔ جو زندگی میں ہمارے ہمراز اور خیر خواہ ہوتے ہیں۔ ہم نے اپنے بڑوں سے سُن رکھاہے کہ دوست دیکھ کر بناؤ جو تمہارے ساتھ مُخلِص اور وفادار ہو اور مشکل وقت میں تمہارے کام آئے۔ اِن معنوں میں ہماراسب سے بہترین، مخلص اور وفادار دوست ہمارا خالقِ حقیقی اللہ تعالی ہے جس کے متعلق رفیق کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جس کے معانی ساتھی، مدد گار کے ہیں جیسے میاں بیوی کے لئے رفیقِ حیات کا لفظ استعمال ہوتا ہے، کتاب کو بھی بہترین ساتھی، دوست، رفیق کہ گیاہے اور جب یہ لفظ کسی نبی کے ساتھی کے لئے استعمال ہو تواِس کے معنی صحابی کے ہوں گے یعنی ہم سفر، ہم نشین اور مُرید۔

آج مَیں اِنہی معنوں میں اللہ تعالیٰ سے دوستی یا اللہ تعالیٰ کو دوست بنانے کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔ اللہ تعالیٰ رحمن اور رحیم ہے یعنی بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ ہمارے پیارے خدا نے زمین و آسمان کو پیدا کیاوہ تمام جہانوں کا رب ہے۔ یعنی ان کا پالنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم کرتے ہوئے انہیں بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے اور اس دنیا میں انسان کے فائدہ کے لئے بہت سی چیزیں پیدا کیں اور دنیامیں بسنے والی تمام مخلوق کے رزق کے سامان پیدا فرمائے۔

سبھی کو وہی رزق پہنچا رہا ہے
ہر اِک اپنے مطلب کی شَے کھا رہا ہے

اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ سب کچھ دیا جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ وہ اپنے بندوں پر بہت مہربان اور ماں باپ سے بڑھ کر محبت کرنے والا ہے۔

بچو! ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے بہت محبت کرتے تھے۔ آپؐ نے ہمیں بھی یہ نصیحت فرمائی کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے بہت پیار کریں۔ اللہ تعالیٰ اچھے کاموں سے راضی ہوتا اور بُرے کاموں سے ناراض ہوتا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم نیک کام کریں اور بُرے کاموں سے بچیں تاکہ ہمارا دوست اللہ ہم سے پیار کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمارابہترین دوست ہے۔ بہت جلدی مان جاتا ہے، پُرانی باتیں یاد

نہیں کرواتا، ہمیں کبھی بھی مایوس نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے رسول جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو تُو جواب دے فَاِنِّی قَرِیۡبٌ کہ مَیں ان کے پاس ہی ہوں۔

اچھا دوست ہمیشہ مشکل وقت میں کام آتا ہے۔ ہمیں جب بھی کوئی مشکل یا پریشانی ہوتی ہے تو ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہماری پریشانیاں دور کر دیتا ہے۔ جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو ہمارا رحیم خدا ہمیں شِفاء دیتا ہے۔

میری دعائیں ساری کریو قبول باری
مَیں جاؤں تیرے وَاری کر تُو مدد ہماری

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اے سُننے والو سُنو! ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا اور اب بھی وہ بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا اور اب بھی وہ سُنتا ہے جیسا کہ پہلے سُنتا تھا۔“

(رسالہ الوصیت روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 309)

پھر آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

”ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 21)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”مَیں تمہیں بڑے زور سے بتلاتا ہوں کہ دنیا میں لوگ خدا تعالیٰ سے غافل ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اُس سے بڑھ کر خوبصورت، اُس سے بڑھ کر محبت کرنے والا، اُس سے بڑھ کر پیارا اور کوئی نہیں ہے۔“

(برکات خلافت، انوار العلوم جلد 2 صفحہ 238)

کیا زندگی کا ذَوق اگر وہ نہیں ملا
لعنت ہے ایسے جینے پہ گر اُس سے ہیں جدا

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ اللہ کو دوست بنانے کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

”اگر ایک مومن کا فعل خدا کی رضا کے حصول کے لئے ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ شیطان سے بچانے اور اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالنے کے سامان پیدا فرماتا رہے گا۔ کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ایک دنیاوی دوست اپنے دوست کے لئے کوشش کر کے اس کے فائدے کے سامان کرے اور خدا تعالیٰ جو سب دوستوں سے زیادہ وفا کرنے والا ہے وہ اپنے دوست کو، ایک مومن کو، باوجود اس کے چاہنے کے (کہ خدا تعالیٰ اسے ایمان میں مضبوط رکھے اور شیطان سے اسے بچا کر رکھے، اس کے حملوں سے محفوظ رکھے) یوں اندھیروں میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کبھی بھی نہیں ہو گا۔ اگر تم میری طرف بڑھ رہے ہو اور ایمان کی مضبوطی کی کوششیں کر رہے ہو تو میرا قرب حاصل کرنے والے ہو گے۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 17 اگست 2007ء)

پھر آپ ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ دوستی کا حق ادا کرتا ہے، اس دنیا میں بھی انعامات سے نوازتا ہے، دنیاوی ضروریات بھی پوری کرتا ہے، روحانی ترقیات سے نوازتا ہے۔ اس دنیا کو بھی جنت بناتا ہے اور مرنے کے بعد بھی ہمیشہ رہنے والی جنت میں مومن کو رکھے گا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی مومنین کے ساتھ قرآن میں بے شمار وعدے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پورا فرماتا ہے اور آج بھی ہم ان کو مختلف شکلوں میں پورا ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، دیکھتے ہیں۔ ہزاروں احمدی اس وعدے کے مطابق اپنی دعاؤں کی قبولیت کے نشان دیکھتے ہیں۔ خلافت کا جاری نظام بھی خدا تعالیٰ کے وعدوں میں سے ایک بہت بڑا وعدہ ہے جو مومنین کے سکون کے لئے اور ان کو تمکنت دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 17 اگست 2007ء)

آپ فرماتے ہیں:

”پس حقیقی مومن اور تقویٰ پر قدم مارنے والوں کا مولیٰ اور دوست وہ عظیم جاہ و جلال والا خدا ہے جس کی بادشاہت تمام زمین و آسمان پر حاوی ہے۔ پس جو ایسے جاہ و جلال اور قدرت رکھنے والے خدا کی آغوش میں ہو کیا اسے مخالفین کا مکر اور ان کی تدبیریں کچھ نقصان پہنچا سکتی ہیں؟ یقیناً نہیں، کبھی نہیں۔ کیونکہ جو

خدا تعالیٰ پر کامل ایمان لاتا ہے خدا اس کی حفاظت کے سامان پیدا فرماتا ہے۔ یہ اس کا وعدہ ہے کہ وہ ان کی مدد فرماتا ہے“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 17 اگست 2007ء)

آپ مزید فرماتے ہیں:

”یہ ہے مومنوں کا خدا جو کسی لمحہ بھی اپنے مومن بندوں سے غافل نہیں۔ یہ زمین و آسمان کا مالک خدا جس کو نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ آتی ہے، ہر وقت اپنے مومن بندے کی پکار پر ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔ پس کیا ہی خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اپنے اس خدا سے تعلق جوڑتے ہیں اور خشوع اور تقویٰ میں بڑھے ہوئے ہیں اور بڑھتے چلے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو خدا اپنے مومن بندے کی حفاظت و نصرت کے لئے اس پر نظر رکھے ہوئے ہے، اس کو ماننے والے ہیں۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 17 اگست 2007ء)

رمضان چونکہ اللہ سے ملاپ کا مہینہ ہے اس لئے اسے اپنا بہترین دوست بنا کر اپنی جائز باتیں اور خواہشات منوا لینی چاہیے۔

قابلِ رشک ہے اس خاک کے پتلے کا نصیب
جس کی قسمت میں ہو خاکِ درِ جاناں ہونا

(بتعاون: مکرم حافظ عبد الحمید صاحب)

۞۞۞۞

﴿21﴾ ﴿مشاہدات۔ 791﴾

سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ کا نادر و نایاب نسخہ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ (الانعام:4)

اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔ وہ تمہارے چھپے ہوئے کو جانتا ہے اور تمہارے ظاہر کو بھی اور جانتا ہے جو تم کسب کرتے ہو۔

سامعین! میری گزارشات کا موضوع ہے "**سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ کا نادر و نایاب نسخہ**"

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے موعود بیٹے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد (رضی اللہ عنہ) کے قرآنِ کریم کا پہلا دور مکمل کرنے پر اللہ تعالیٰ کے حضور جذبات تشکّر پیش کرنے اور اپنے بیٹے کو اِس اہم روحانی و علمی سنگِ میل عبور کرنے پر ناصحانہ انداز میں اور اللہ کے حضور تضرّعانہ دعاؤں پر مشتمل ایک منظوم نظم بعنوان "محمود کی آمین" تحریر فرمائی۔ یہ منظوم کلام اکثر ہماری محفلوں، جلسوں اور بالخصوص شادی بیاہ و آمین کی تقاریب پر پڑھا جاتا ہے اور ایک انسان جس قدر گہرائی میں اُتر کر اِس کو سنتا یا پڑھتا ہے اس پر خدا کی یکتائی کا اظہار ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کی مہربانیوں، فضلوں اور احسانات کو یاد کرنے سے اِس حد تک وجدانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان اپنے وجود سے نکل کر ایک اَور دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ انسان کا جوروں روں اور بال بال احساناتِ الٰہی میں ڈوبا پڑا ہے اِس کو دیکھ کر یہی الفاظ کہنے کو دل کرتا ہے جو حضرت مسیح موعودؑ نے اِس نظم میں کہے ہیں۔

سب کچھ تیری عطا ہے گھر سے تو کچھ نہ لائے

حضرت مسیح موعودؑ اِس نظم میں خدا تعالیٰ کے احسانات، قرآن پر ایمان، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام پر پختہ ایمان کا ذکر کر کے بار بار **سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ** کا اظہار فرمایا ہے جو در حقیقت اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کا ایک پیارا انداز ہے۔ جیسے فرمایا۔

سب کا وہی سہارا رحمت ہے آشکارا
ہم کو وہی پیارا دلبر وہی ہمارا
اُس بِن نہیں گزارا غیر اُس کے جھوٹ سارا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

یعنی اے اللہ! تُو ہی ہم کا سہارا ہے جس کی طرف سے رحمت بار بار ملتی ہے۔ اب تو ہم اِس رحمت کے اِس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ ایک تو اِس کے بغیر اب زندہ نہیں رہ سکتے۔ اب تو اِس خدا کے بغیر سب جھوٹ دکھائی دیتا ہے۔ اِس لئے ہم اب اپنے اللہ سے التجا کرتے ہیں کہ ایسی رحمتوں کی بارش روزانہ ہی ہم پر نازل فرماتا ہم اِس کامل یقین کے ساتھ کہہ سکیں کہ یہ وہ مبارک ذات ہے جو مجھے ہر وقت دیکھ رہی ہے۔

پھر فرماتے ہیں۔

اے دوستو پیارو! عقبیٰ کو مت بسارو
کچھ زادِ راہ لے لو کچھ کام میں گزارو
دنیا ہے جائے فانی دل سے اسے اُتارو
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

پھر قرآن کی اہمیت، افادیت اور برکات کا ذکر یوں فرمایا۔

قرآن کو یاد رکھنا پاک اعتقاد رکھنا
فکرِ معاد رکھنا پاس اپنے زاد رکھنا
اکسیر ہے پیارے صدق و سداد رکھنا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

اِس قطعہ میں کمال حکمت سے قرآنِ کریم سے اپنی محبت و عشق کا اظہار کر کے احبابِ جماعت کو نصیحت فرمائی ہے کہ یہی قرآن اور اِس کی تعلیمات تمہارے لئے زادِ راہ ہے اور روحانی علاج کے لئے ایک اکسیر اور دوا ہے۔ جس کو پکڑ کے رکھنا لازم ہے۔ پس اے اللہ! اِس قرآن کی برکات کا نزول روزانہ ہی ہم پر نازل کرنا **تاہم اِس کامل یقین کے ساتھ کہہ سکیں کہ یہی وہ مبارک ذات ہے جو مجھے ہر وقت دیکھ رہی ہے۔**

سامعین!

کر انکو نیک قسمت دے انکو دین و دولت
کر انکی خود حفاظت ہو ان پر تیری رحمت
دے رشد اور ہدایت اور عمر اور عزت
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

اے میرے بندہ پرور کر انکو نیک اختر
رتبہ میں ہوں یہ برتر اور بخش تاج و افسر
تو ہے ہمارا رہبر تیرا نہیں ہے ہمسر
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

شیطاں سے دور رکھیو اپنے حضور رکھیو
جاں پر ز نور رکھیو دل پر سرور رکھیو
ان پر میں تیرے قرباں رحمت ضرور رکھیو
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

یعنی جب ہم اپنی آل اولاد کے حق میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اِن دعاؤں کو پورا ہوتا دیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر **سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ** کہہ کر ادا کرتے ہیں کہ ہماری محنت اور ہماری دعائیں ہماری اولاد کے حق میں رنگ لائی ہیں یہ سب کچھ اُس اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے جو مجھے دیکھ رہی ہے۔

پیارے بھائیو! ایک اور اہم امر جس کی اِس منظوم کلام میں نشاندہی کی گئی ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بار بار یعنی شعروں کے ہر بند کے آخر میں سُبۡحَانَ مَنۡ یَّرَانِیۡ کے الفاظ ہیں جو آپ نے 44 بار اس منظوم کلام میں استعمال فرمائے ہیں۔ جن میں سے 43 بار تو اُس خدائے واحد یگانہ کے شکر کے انداز میں ہیں کہ اے اللہ! یہ عظیم دن تو نے ہی دکھلایا لہذا یہ روز کر مبارک یعنی اِس دن کو مبارک کر دے میرے لیے۔ ایسے دن ہماری زندگیوں میں بار بار لا، میری اولاد کے لئے اور اُن لوگوں کے لئے جو بچے کا حوصلہ بڑھانے اور ہم سب کے مشترکہ تشکّرِ الٰہی کے جذبات اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کے لئے یہاں حاضر ہیں اور صرف ایک بار آغاز پر پہلے بند میں جہاں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور اس کی صفات کا ذکر کر کے نہایت عاجزی وانکساری سے اپنے خدا کے حضور عرض کرتے ہیں کہ

دل میں میرے یہی ہے سُبۡحَانَ مَنۡ یَّرَانِیۡ

یہ الفاظ قابل غور ہے جس کے معنی ہیں کہ پاک ہے وہ ذات جو مجھے ہر آن اور ہر لحاظ سے دیکھ رہی ہے اور مَیں نے اس عظیم قوت اور ذات کو اپنے دل میں جگہ دے رکھی ہے۔ اگر ہم مومن اس عظیم معنی اور فلسفہ کو سمجھ لیں تو ہمارا معاشرہ بُرائیوں سے پاک، منزّہ اور جنت نظیر معاشرہ بن سکتا ہے۔ حقیقت میں اِس مادہ پرست دَور میں ہم اپنے خالق حقیقی کو نہ صرف بُھلا بیٹھے ہیں بلکہ اِس سے بہت دور ہوتے جا رہے ہیں اور ہم میں سے بعض لوگوں کے دلوں میں یہ گمان پیدا ہونے لگا ہے کہ ہم جو ترقیات حاصل کر رہے ہیں اور فتوحات ہمارے قدم چوم رہی ہے۔ یہ جو پیسوں کی ہمارے گھروں میں ریل پیل ہے۔ ہم جو پڑھ لکھ گئے ہیں۔ یہ محض ہماری اپنی صلاحیتوں اور کوششوں کی وجہ سے ہے یا ہم جو اعلیٰ سے اعلیٰ اسکولز اور کالجز میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں یہ ہمارے ماں باپ کی محنت کا نتیجہ ہے اور وہ ذات جو ماں باپ سے بڑھ کر رحیم و مہربان ہے جس نے رحمان ذات کی صورت میں بعض ایسی نعمتوں سے بھی متمتع کر رکھا ہے جو ہم نے اپنے خدا سے نہیں مانگی تھیں بلکہ اُس نے ماں باپ کی طرح بلکہ اُس سے کہیں بڑھ کر ہماری ضروریات کو سمجھا اور وہ تمام نعمتیں ہمارے لیے مہیا کر دیں۔ اگر ہم اپنے دلوں میں اپنے خدا کو بسا لیں اور اس تصور کو پختہ کریں کہ ایک ذات ہے جو مجھے دیکھ رہی ہے تو ہم اپنے جسموں سے، اپنی زندگی سے چمٹی آلائشوں اور گندگیوں کو دور کر سکتے ہیں۔ اگر کسی کام کا آغاز کرنے سے قبل اپنے خدا کی ذات کو اپنے دل میں اُتاریں،

اُس کا خوف پیدا ہو تو ہم جھوٹ بولنا ترک کر دیں، ہم چوری چکاری سے دُور چلے جائیں۔ ہم اپنے والدین سے اور والدین اپنے بچوں سے محبت اور شفقت کا سلوک شروع کر دیں۔ میاں بیوی کے تعلقات درست ہو جائیں۔ بہو، ساس اور نند، بھابھی کے تعلقات مثبت انداز میں اُستوار ہونے شروع ہو جائیں تو ہمارا معاشرہ جنت نظیر بن سکتا ہے۔

ہم دنیوی قوانین اور اُن کے رکھوالوں سے ڈرتے ہیں۔ موٹروے پر گاڑی تیز بھگاتے ہیں اور جونہی پولیس والوں کو دیکھتے ہیں، رفتار آہستہ کر لیتے ہیں۔ بلکہ روزمرہ کا سفر اختیار کرنے والوں کو اس امر کا بھی یقین ہو گیا ہوتا ہے کہ پولیس کہاں کہاں بیٹھی ہے۔ یورپ میں ڈرائیور حضرات کیمرہ سے بہت ڈرتے ہیں۔ بھئی! ایک کیمرہ آپ کے دل میں بھی لگا ہوا ہے۔ جہاں سے خدا آپ کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے دل و دماغ کے درمیان اللہ تعالیٰ نے سسٹم قائم فرمایا ہوا ہے جو آپ کو اچھے اور بُرے کی تمیز کر کے دکھاتا رہتا ہے اس کو ضمیر کہتے ہیں اس سے فائدہ اُٹھانا ہمارے لئے روحانی لحاظ سے سود مند ہے اور ہم خدا سے نہیں ڈرتے۔ مجازی خداؤں سے ڈرنا شروع کر دیا ہے۔ شاید یہ محاورہ اس امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ "خدا الاگے کہ ڈنڈا"

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا تھا جو ہر بُرائی میں ملوث تھا۔ چوری بہت کرتا تھا۔ ڈاکہ بھی ڈالتا تھا۔ زنا بھی کرتا تھا اور جھوٹ بھی بولتا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے یہی نصیحت فرمائی تھی کہ جھوٹ ترک کر دو۔ وہ جھوٹ ترک کرنے کے پختہ عزم کے ساتھ دربارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہوا اور جب بھی بُرائی کی طرف بڑھا۔ ہمیشہ یہی خیال دل میں جنم لیتا کہ اگر حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا یہ کام کیا ہے؟ اگر وہ بُرا کام کیا ہو اور مَیں کہوں کہ نہیں کیا تو یہ جھوٹ ہو گا جبکہ خدا مجھے دیکھ رہا ہو گا اور اگر کہا۔ کیا ہے تو یہ اپنی ذات میں قابل سرزنش ہے اور یوں اس نے تمام بُرائیوں اور بدیوں کو خیر آباد کہہ دیا۔ اس کے سامنے ایک ذات سیدنا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور اگر اس عظیم ذات کو پیدا کرنے والی ہستی کو ہم اپنی زندگیوں میں مد نظر نظر رکھیں تو کیا کایا نہیں پلٹ سکتی۔

حضرت عبد القادر جیلانیؒ کے متعلق ایک واقعہ ہم اپنی درسی کتب میں پڑھتے آئے ہیں کہ ایک قافلہ پر جاتے ہوئے آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کی قمیض کی آستین میں چالیس دینار سی دئے جو تعلیم حاصل کرنے کے دوران کام آئیں گے اور ساتھ نصیحت کی کہ جھوٹ نہیں بولنا۔ اگر کوئی پوچھے تو بتا دینا کہ میرے پاس رقم ہے۔ راستے میں ڈاکو قافلہ کو لوٹنے لگے اور جب جیلانیؒ سے ڈاکو نے پوچھا تو آپ نے سچائی سے کام لیتے ہوئے بتا دیا کہ میری قمیض کی اس آستین میں اتنی رقم ہے۔ ڈاکوؤں نے اِس نونہال بچے سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تو آپ نے کہا کہ میری ماں نے مجھے ہمیشہ سچ بولنے کی نصیحت کی تھی۔ ڈاکوؤں کے سردار نے اس بچے سے کہا کہ اِس وقت تمہاری ماں تو ساتھ نہیں ہے اور نہ ہی وہ تجھے دیکھ رہی ہے تو آپ نے فرمایا اگر ماں نہیں تو میرا خدا تو مجھے دیکھ رہا ہے اس لئے مَیں نے تمہیں حقیقت بتا دی ہے۔ آپ کے اس نیک فعل سے ڈاکوؤں کا سردار اِس حد تک متاثر ہوا کہ اُس نے اپنے اِس بُرے فعل سے توبہ کر لی اور نیکی کا راستہ اپنا لیا تو مفہوم ہے۔ سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِی کا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ نماز ایسے ادا کرو کہ تم اپنے خدا کو دیکھ رہے ہو اگر اس اعلیٰ مقام کو نہیں پا سکتے تو کم از کم یہ گمان نماز پڑھتے ضرور آپ کے دلوں میں ہو کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ پس شجر احمدیت کی سرسبز شاخو! یہی پہلا عظیم اور بنیادی سبق ہے جسے ہمیں پلّے باندھ لینا چاہیے اور ہم اپنی زندگیوں کو سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِی سے آراستہ کر لیں تو خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی محبتیں اور شفقتیں تو ضرور ملیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دنیاوی کاموں میں بھی برکت ڈال دے گا اور تمام کام سنور جائیں گے۔

اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما

﴾22﴿ ﴾مشاہدات۔985﴿

"خدا تعالیٰ کہنے میں بڑی برکات ہیں"

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

(الاعراف:181)

کہ اللہ ہی کے سب خوبصورت نام ہیں۔ پس اُسے اُن (ناموں) سے پکارا کرو اور اُن لوگوں کو چھوڑ دو جو اِس کے ناموں کے بارہ میں کج روی سے کام لیتے ہیں۔ جو کچھ وہ کرتے رہے اس کی انہیں ضرور جزا دی جائے گی۔

کس قدر ظاہر ہے نور اُس مبدء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا
اُس بہار حُسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
مت کرو کچھ ذکر ہم سے تُرک یا تاتار کا

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس آیت کے اس حصّہ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ:

"اللہ کی بہت سی اچھی صفات ہیں پس تم اِن کے ذریعہ سے اُس سے دُعائیں کیا کرو اور اُن لوگوں کو چھوڑ دو جو اِس کی صفات کے بارہ میں غلط (اور خیالی) باتیں کرتے ہیں۔ اِن کو اپنے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔"

معزز سامعین! آج اِس مبارک محفل میں مجھے دنیا میں سب سے بڑی اور عظیم ذات "اللہ تعالیٰ" کے بارے میں بات کرنی ہے۔ ہر شہر کی بعض خوبیاں ہوتی ہیں جس سے وہ پہچانا جاتا ہے۔ ربوہ شہر کی ایک پہچان جو مجھے لمبا عرصہ نظر آتی رہی وہ ربوہ کی مختلف دیواروں، عمارتوں پر قرآنی آیات مع ترجمہ، احادیث اور ارشادات حضرت مسیح موعودؑ اور دیگر دینی عبارتیں لکھی نظر آتی تھیں جو ربوہ کے حُسن کو دوبالا کر رہی ہوتی تھیں۔ خاکسار کو یہ عبارتیں بار بار پڑھ کر اور دُہرا کر ازبر ہو گئی تھیں۔ مجھے ابھی بھی

یاد ہے کہ فلاں عبارت فلاں جگہ ، فلاں دیوار پر لکھی ہوئی تھی۔ انہی میں سے ایک عبارت سرگودھا، فیصل آباد روڈ پر لاری اڈہ کے قریب ایک کمرہ کی پیشانی پر یوں لکھی ہوئی نظر آتی تھی کہ ”خدا تعالیٰ کہنے میں بڑی برکات ہیں“۔ اُس وقت تو مجھے یاد نہیں تھا کہ یہ کمرہ کس استعمال میں تھا تاہم اتنا دھندلا سا ذہن میں نقش ہے کہ کوئی سرکاری دفتر تھا اور آج کل وہ الیکٹرک سِٹی والوں کا دفتر ہے۔ ہم وہاں بجلی کے حوالے سے شکایات لے کر جاتے ہیں۔ یہ پیاری سی عبارت سالہا سال تک اِس کمرہ کی زینت بنی رہی۔ مگر نام نہاد سرکاری مسلمانوں نے ربوہ کو ایسی مبارک اسلامی عبارات سے پاک کرنے کی غلیظ مہم کا جب آغاز کیا تو یہ عبارت بھی اُس ناپاک مہم کی زَد میں آئی اور اِسے مٹا دیا گیا۔ ہم جب بہشتی مقبرہ کے مشرقی دروازہ سے باہر نکلتے تو یہ پیاری، خوبصورت اور لاجواب عبارت ہمیں خوش آمدید کہا کرتی تھی۔ یہ سات لفظی مختصر سی عبارت ہمیں توجہ دلا رہی ہوتی تھی کہ خدا اور اللہ کے ساتھ 'تعالیٰ' کی صفت لگا کر بولا کرو یا لکھا کرو اِس میں بہت برکتیں ہیں۔

سامعین ! یہ عبارت مجھے اب اِس طرح یاد آئی کہ میرے ایک برخودار پُرانے الفضل اور رسائل کی چھان بین کا شوق رکھتے ہیں۔ انہوں نے مجھے چوکھٹے میں لکھی ہوئی الفضل کی یہ عبارت بھجوائی جس کا عنوان تھا ”ادب کے لحاظ سے خدا تعالیٰ کہنا چاہیئے“ جس کے نیچے لکھا ہے کہ:

”اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے محض ”خدا“ یا ”اللہ“ کہنا غیر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ احباب کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتے وقت ”اللہ تعالیٰ“ یا ”خدا تعالیٰ“ کہا کریں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی غرض الٰہی صفات اور عظمت کو قائم کرنا ہے۔ اس لئے زبان پر بھی اللہ تعالیٰ کا نام آتے وقت اِس کی بلندی شان کا اظہار ہونا چاہیئے۔“

سراج الدین صاحب مزید لکھتے ہیں کہ

”مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ رتن باغ میں میرے عرض کرنے پر سیدنا حضرت امیر المومنین (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ مراد ہیں) نے فرمایا کہ ”ادب کے لحاظ سے تو خدا تعالیٰ ہی کہنا چاہیئے“۔“

(الفضل لاہور 23 ستمبر 1950ء)

جب مَیں نے اِس پر غور کرنا شروع کیا تو اِس کی سند مجھے قرآن کریم سورۃ المومنون آیت 17 میں یوں مل گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ

یعنی پس بہت بلند مرتبہ ہے اللہ سچا بادشاہ۔ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ معزز عرش کا ربّ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں دسیوں مقامات پر اللہ تعالیٰ کے لئے "تعالیٰ" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ لیکن پانچ مقامات پر "اللہ" کے ساتھ صفت کے طور پر "تعالیٰ" لگا کر اُس کی بلند شان کا اظہار کیا گیا ہے۔ جیسے سورۃ الاعراف آیت 191، سورۃ طٰہٰ آیت 45 وغیرہ وغیرہ

سامعین ! اگر احادیث کو دیکھیں تو اللہ تعالیٰ کے 104 صفاتی ناموں میں بہت سے صفاتی نام ایسے ہیں جو ذوالمجد، ذوالعالِی، بلند شان والا اور عالی مرتبہ والے استعمال ہوتا ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اَنَا الْمُتَعَالِيْ يُمَجِّدُ نَفْسَهُ"

(حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 10)

کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں بلند شان والا ہوں جو اپنی ذات کی مجد اور بزرگی بیان کرتا ہے۔ اَلْمُتَعَالِیْ کا ترجمہ مختلف محدّثین اور مفسّرین نے مختلف کیا ہے۔ بلند و بالا۔ بلند صفتوں والا۔ ذوالمجد والعالیْ۔

پیارے سامعین! "اللہ" کے ساتھ "تعالیٰ" لگانے کی ہدایت پر اگر ہر بندہ پابندی غور کرے تو لطیف نکات کا ایک مضمون اُبھر کر سامنے آیا جس کی تائید ہمیں احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفاتِ حسنہ قرآن کریم یا احادیث یا بزرگان سے بیان ہوئی ہیں یہ اسماء الحسنیٰ کہلاتے ہیں۔ انسان کی ہزاروں ضروریات، حاجات اور جائز خواہشات ہوتی ہیں جن کی خاطر وہ اپنے پروردگار کے حضور جھکتا اور دعائیں مانگتا ہے اور مؤمن یا مؤمنہ کو یہ ہدایت ملتی ہے کہ وہ اپنی ضروریات اور حاجات کے مطابق یا اُس سے ملتی جلتی صفات کا نام لے کر اپنے اللہ تعالیٰ سے التجا کرے۔ جیسے رحم کی دُعا کے لئے صفت "الرحیم" کا واسطہ دیا جائے۔ کسی کی حفاظت چاہنے کے لئے "الحفیظ" اور کسی کی صحت کے لئے "الشافی" صفت کو پکارا جائے۔ گو انسان کی ضرورتیں تو ہزاروں ہی ہیں مگر یہ صفات سینکڑوں میں ہیں۔ انسان اگر باریک بینی

سے غور کرے تو کوئی ایک ضرورتوں اور حاجات کی تکمیل کے لئے ایک ہی صفت حاوی ہوتی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ، لِلّٰہِ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی والی آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ

”جس قسم کا عیب اور نقصان انسان میں ہو اور اُسی کے مقابل خدا کے نام سے دُعا کرے۔“

(حقائق الفرقان جلد 2 صفحہ 244)

سامعین! تو ثابت ہوا کہ اِن صفات کا قبولیتِ دُعا کے ساتھ بھی بڑا گہرا تعلق ہے۔

ایک دفعہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کو فرمانے لگے مجھے اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی صفت کا علم ہے جس کا نام لے کر دُعا کی جائے تو ضرور قبول ہوتی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے وفورِ شوق سے عرض کیا کہ حضورؐ! پھر مجھے بھی وہ صفت بتایئے نا! حضور نے فرمایا۔ میرے خیال میں اس کا بتانا مناسب نہیں۔ حضرت عائشہؓ روٹھ کر ایک طرف جا بیٹھیں کہ اب خود ہی بتائیں گے۔ مگر جب آنحضورؐ نے کچھ دیر تک نہ بتایا تو عجب شوق کے عالَم میں خود اٹھیں، رسول اللہؐ کے پاس آکر کھڑی ہو گئیں۔ آپؐ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور منت کرتے ہوئے عرض کی کہ یارسول اللہؐ! مجھے وہ صفت ضرور بتادیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہؓ! بات دراصل یہ ہے کہ اس صفت کے ذریعہ خدا تعالیٰ سے دنیا کی کوئی چیز مانگنا درست نہیں اس لئے مَیں بتانا نہیں چاہتا۔ تب حضرت عائشہؓ ناراض ہو کر وہاں سے اٹھیں۔ وضو کیا، مصلّی بچھایا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنا سُنا کر بآوازِ بلند یہ دُعا کرنے لگیں:

”میرے مولیٰ! تجھے اپنے سارے پاک ناموں اور اچھی صفتوں کا واسطہ، وہ صفتیں جو مجھے معلوم ہیں اور وہ بھی جو مَیں نہیں جانتی کہ تو اپنی اِس بندی سے عفو کا سلوک کرنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پاس بیٹھے مسکراتے جارہے تھے اور فرما رہے تھے اے عائشہؓ! بے شک وہ صفت اِنہیں صفات میں سے ایک ہے جو تم نے شمار کر ڈالی ہیں۔“

(ابن ماجہ کتاب الدعاء)

پس قبولیت دعا کے ساتھ صفات الٰہیہ کا گہرا تعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلِلّٰہِ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی فَادۡعُوۡہُ بِہَا (الاعراف: 181)

کہ اللہ کے پاک نام اور خوبصورت صفات ہیں اُن کو یاد کر کے خدا کو پکارو اور اُس سے دعا مانگا کرو۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ننانوے صفات ہیں۔ جو شخص اِن صفات کو خوب اچھی طرح یاد اور مستحضر رکھتا ہے وہ جنتی ہے۔

(ترمذی و ابن ماجہ کتاب الدعاء)

(مناجاتِ رسولؐ از مکرم حافظ مظفر احمد صفحہ 118-119)

سامعین! یہ ایسے ہی ہے جیسے بچہ جب ماں کو مختلف ناموں سے پکارتا ہے اور منّت سماجت کرتا اور پیاری پیاری اداؤں سے ماں کو پکارتا ہے تو ماں کا دل پسیج جاتا ہے اور وہ بچے کی بات مان لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا رحم بھی ماں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اُس کا دل بھی مختلف زاویوں سے مختلف اسماء کے ساتھ بُلانے پر نرم ہوتا ہے اور وہ بھی دینے پر آجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام یاد کرنے اور اُن کو ہمیشہ مد نظر رکھنے پر اللہ تعالیٰ بھی راضی ہوتا ہے اور اُس کے انعامات کا بھی وارث بنتا ہے۔ اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو اُس کا ذکر سورۃ اعراف آیت 181 کے آخری حصہ میں یوں بیان فرمایا۔

ترجمہ: ”اُن لوگوں کو چھوڑ دو جو اِس کی صفات کے بارہ میں غلط (اور خیالی) باتیں کرتے ہیں۔ اِن کو اپنے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔“

پس اللہ کے ساتھ ”تعالیٰ“ کا لفظ ادب کے لحاظ سے ہے۔ اللہ کے ادب کا تقاضا ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ ”تعالیٰ“ کا اضافہ کریں۔ بعض لوگ ادب کے پیش نظر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، کہتے یا لکھتے ہیں اور جو لوگ ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے“ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے، توحید کا تقاضا ہے کہ یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ واللہ اعلم

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”خدا کے تمام کامل نام اِسی سے مخصوص ہیں اور اِن میں شرکت غیر کی جائز نہیں سو خدا کو انہیں ناموں سے پکارو جو بلا شرکت غیرے یعنی نہ مخلوقاتِ ارضی و سماوی کے نام خدا کے لئے وضع کرو اور نہ خدا کے

نام مخلوق چیزوں پر اطلاق کرو اور ان لوگوں سے جدا رہو جو کہ خدا کے ناموں میں شرکتِ غیر جائز رکھتے ہیں۔ عنقریب وہ اپنے کاموں کا بدلہ پائیں گے۔"

(براہینِ احمدیہ چہار حصص، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 522۔ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3)

اللہ تعالیٰ کی عظمت دل میں جاگزیں کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق نہایت ضروری ہے۔

ایک طفل نے حضور انور ایدہ اللہ سے پوچھا کہ خدا تعالیٰ سے مضبوط تعلق اپنانے کا بہترین طریقہ کیاہے۔ حضور انور نے فرمایا:

"بہترین طریقہ یہ ہے کہ تم ہمیشہ یہ خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہاہے۔ جو کچھ بھی تم کرتے ہو وہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہاہے۔ جب یہ بات تمہارے ذہن نشین ہو جائے گی تو تم برائی سے بچ جاؤ گے اور جو باتیں اللہ تعالیٰ نے کرنے کا حکم دیاہے وہ کرنے کی کوشش کروگے اور ان تمام چیزوں کو چھوڑ دوگے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیاہے کہ تم نہ کرو۔ اس لیے ہمیشہ یہ خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا ہر عمل دیکھ رہاہے۔ جہاں کہیں بھی تم ہو۔ تم لوگوں سے اپنا آپ چھپا سکتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتے۔"

فرمایا:

"دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نماز پنجوقتہ کو فرض قرار دیاہے۔ تمہیں ان پانچ نمازوں کو روزانہ لازماً ادا کرنا چاہیے اور سجدوں میں یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایمان وایقان میں مضبوطی عطا کرے اور یہ بھی کہ تمہارا اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق قائم ہو جائے اور وہ تمہاری دعائیں قبول کرے۔"

(ملاقات ممبران مجلس اطفال الاحمدیہ گیمبیا۔ منعقدہ مورخہ 30/ مئی 2021ء)

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

﴿23﴾ ﴿مشاہدات۔ 661﴾

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ طاُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (البقرہ:18)

یعنی (اے رسول) جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں (توتُو جواب دے کہ) مَیں (ان کے) پاس ہی ہوں۔ مَیں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔

معزز سامعین! آج مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منظوم کلام میں سے ایک شعر کے ایک مصرع "وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم" پر گفتگو کرنی ہے۔ مکمل شعر یوں ہے۔

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم
اَب بھی اُس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

تقریر کے آغاز پر متلوّ آیت کریمہ میں خدا تعالیٰ اپنی ہستی کی دلیل میں اپنے کلام کو پیش کر رہا ہے۔ اس کے بالمقابل قرآن کریم کے دوسرے کئی مقامات پر بتوں کا اِس صفت سے عاری ہونا ان کے باطل ہونے کے ثبوت کے طور پر پیش کرتا ہے۔ قرآن کریم نے جس خالق کائنات اور قادر مطلق ہستی کا ہمیں پتہ دیا ہے وہ ہمارا زندہ خدا ہے جو تمام نقائص سے پاک اور اُس کی تمام صفات ازلی و ابدی ہیں۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا وہ جس طرح پہلے اپنے پیاروں کی دعائیں سنتا تھا اب بھی سنتا ہے۔

خدا تعالیٰ کے پیارے انبیاء دنیا میں آکر انسانوں کو اپنے تعلق اور ذاتی تجربہ و مشاہدہ کی بناء پر زندگی کے حقیقی سر چشمہ یعنی زندہ خدا کا پتہ دیتے ہیں۔ زندہ خدا سے ان کے تعلق اور ذاتی تجربہ و مشاہدہ کی کیفیت دعا اور استجابتِ دعا کی عملی تصویر ہوتی ہے۔ مذہب کی دنیا میں پیش آنے والے ان گنت واقعات زندہ خدا کے وجود کا پتہ دیتے ہیں۔ مندرجہ بالا آیت سے ظاہر ہے کہ جو خدا کلام کرنے کی صفت سے عاری ہو چکا ہے وہ

زندہ خدا کہلانے کا حقدار نہیں۔ جبکہ خدا تعالیٰ تمام نقائص سے پاک ہے اور اس کی تمام صفات ازلی و ابدی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ ایسا عقیدہ جس سے خدا تعالیٰ کی عالی شان میں نقص ماننا لازم آتا ہے، درست نہیں۔
جماعت احمدیہ اور عام مسلمانوں کے درمیان جن مسائل کے بارہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک ''وحی و الہام'' کا مسئلہ ہے۔ اِس بارہ میں عام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی و الہام کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے اور اب قیامت تک خدا تعالیٰ کی اپنے پیاروں کے ساتھ ہمکلام ہونے کی صفت موقوف ہو گئی ہے۔

اب کہیں بولتا نہیں غیب جو کھولتا نہیں
ایسا اگر کوئی خُدا تم نے بنا لیا تو کیا

اس کے برعکس جماعت احمدیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ:

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم
اَب بھی اُس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

گویا ہمارا اللہ بولتا ہے اور اپنے پیارے و محبوب بندوں میں سے کلیم بھی بناتا ہے جو اپنے اللہ سے باتیں کرتے ہیں۔ کلیم کے معنی باتیں کرنے والے کے ہیں۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ''کلیم اللہ'' کے لقب سے نوازرکھا ہے۔
سامعین! جماعت احمدیہ اپنے اس مؤقف کی تائید میں عقلی و نقلی دلائل پیش کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔
اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (حٰمٓ السّجدہ:31) یعنی وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے۔ پھر مستقل مزاجی سے اس عقیدہ پر قائم ہو گئے ان پر فرشتے اُتریں گے یہ کہتے ہوئے کہ ڈرو نہیں اور کسی پچھلی غلطی کا غم نہ کرو اور اسی جنت کے ملنے سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔
اس آیت کریمہ میں فرشتوں کے نزول کے لئے تَتَنَزَّلُ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جو فعل مضارع کا صیغہ ہے۔ جس میں حال اور مستقبل دونوں زمانے پائے جاتے ہیں۔ پس آیت کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ

جو خدا ماضی میں فرشتوں کے ذریعہ اپنے نیک بندوں سے ہمکلام ہوتا تھا وہ خدا اب بھی وحی و الہام کی صورت میں کلام کرتا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہوتا رہے گا اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی صفات دائمی ہیں۔ مذہب کی دنیا میں پیش آنے والے ان گنت واقعات زندہ خدا کے وجود کا پتہ دیتے ہیں۔

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے

(دُرِّ ثمین)

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے لوگ گزرے ہیں جو نبی تو نہیں تھے مگر اس کے باوجود خدا تعالیٰ اُن سے ہمکلام ہوتا تھا۔ اگر میری امت میں ایسے (خوش نصیب) ہوئے ہیں تو اُن میں سے ایک عمر بھی ہو گا۔"

(بخاری کتاب المناقب باب ماجاء فی مناقب عمر)

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کئی الہام احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو ایرانیوں کے خلاف جنگ کے دوران لکھا کہ

"مجھے القاء ہوا کہ تمہارے مقابلے میں دشمن کو شکست ہو گی۔"

(مجموعة الوثائق السیاسیة للعهد النبوی والخلافة الراشدة صفحہ 409)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت میں آتا ہے کہ آپ ایک دفعہ خطبہ دے رہے تھے کہ خطبہ دیتے ہوئے آپ کی زبانِ مبارک سے یَا سَارِیَةَ الْجَبَل کہ اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہو جاؤ۔ کے الفاظ تین دفعہ بلند آواز سے ادا ہوئے۔ اُن دنوں ساریہ نامی ایک سپہ سالار جنگ لڑ رہے تھے۔ آپ اور آپ ساتھیوں نے بھی یہ الفاظ سنے اور وہ پہاڑ کی طرف پُشت کر کے صف بندی کر کے کھڑے ہو گئے اور دشمن پر فتح پائی۔ یہ ایک ایسا نظارہ تھا اور "وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم" کا ایک منہ بولتا عملی ثبوت تھا جسے حضرت عمرؓ اور حضرت ساریہ کے ساتھیوں نے بیک وقت سُنا اور حیران بھی ہوئے اور فتح ہوتی بھی دیکھی۔

پیارے دوستو! القاء اور کشف وغیرہ، الہام ہی کی ایک قسم ہے۔ اُمتِ مسلمہ کے اکثر علماء بھی اس عقیدہ کی تائید کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی سلسلہ وحی و الہام جاری ہے۔ اُمتِ محمدیہ میں بہت سارے ایسے بزرگ اور اولیاء گزرے ہیں جن کے الہامات ثابت ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ رات کی عبادت کے وقت یہ آواز سنتے تھے۔

"اے ابو حنیفہ! تُو نے میری خدمت کو خالص کیا اور میری معرفت کو کمال تک پہنچایا۔ اس لئے مَیں تجھے اور تیری سچی اتباع کرنے والوں کو بخش دوں گا۔"

(روح البیان جلد 1 صفحہ 144)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

"اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل کی اور فرمایا۔ میں تجھے وہ طریقہ دوں گا جو ان تمام طریقوں میں جو اس وقت رائج ہیں سب سے زیادہ خدا تعالیٰ تک پہنچانے میں قریب ہو گا اور سب سے زیادہ مضبوط ہو گا۔"

(تفہیمات الٰہیہ جلد نمبر 1 صفحہ 45)

خدا کے پاک لوگوں کو خدا سے نصرت آتی ہے
جب آتی ہے تو پھر عالَم کو ایک عالَم دکھاتی ہے

امام رازی اپنی کتاب تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"ملائکہ انسانوں کی روحوں میں الہاموں کے ذریعہ سے اپنی تاثیر نازل کرتے ہیں اور یقینی کشفوں کے ذریعہ سے ان پر اپنے کمالات ظاہر کرتے ہیں۔"

(التفسیر الکبیر از امام الرازی جلد نمبر 7 صفحہ 370)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ یہ مقربین ہی کی علامت ہے اور اس قرب کی خصوصیتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فرشتے ایسے شخص کو پکارتے ہیں جس طرح کہ مریم کو پکارا تھا۔"

(تفہیمات الٰہیہ جلد 2 صفحہ 123)

ان کے علاوہ بھی امت میں بیسیوں صاحبِ الہام بزرگ گزرے ہیں۔ امت محمدیہ کے بہت سارے بزرگوں کے ایسے اقوال موجود ہیں جن میں حضرت امام مہدی علیہ السلام پر وحی و الہام بذریعہ جبریل تسلیم کیا گیا ہے۔

”مہدی الہام کے ذریعہ شریعت کی باریکیاں سمجھ کے لوگوں تک پہنچائے گا۔“

(اسعاف الراغبین قول محی الدین ابن عربی صفحہ 145)

حضرت اقدس مسیح موعودؑ الہام و وحی کے سلسلہ کے بند نہ ہونے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اسلام زندہ مذہب اور ہماری کتاب زندہ کتاب اور ہمارا خدا زندہ خدا اور ہمارا رسول زندہ رسول۔ پھر اس کے برکات، انوار اور تاثیرات مردہ کیونکر ہو سکتی ہیں؟ میں اس مخالفت کی کچھ پروا نہیں کر سکتا۔ ان کی مخالفت کے خیال سے میں خدا تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ لاہور میں عبد الحکیم نام ایک شخص سے میری گفتگو ہوئی۔ اس نے کہا کہ الہام پہلی امتوں کا خاصہ تھا۔ یہاں تک کہ عورتوں کو بھی وحی ہوتی تھی مگر اس امت میں یہ دروازہ بند ہے۔ کیسے شرم کی بات ہے۔ کیا یہ امت بنی اسرائیل کی عورتوں سے بھی گئی گزری ہوگئی اور خدا تعالیٰ نے اس کے لیے یہی چاہا ہے کہ وہ خیر الامم کہلا کر بھی محروم رہے؟“

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 87-90 ایڈیشن 1984ء)

عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر وحی والہام کا دروازہ بند ہے تو پھر امام مہدی کو کیسے معلوم ہو گا کہ وہ امام مہدی ہے۔ یقیناً خدا تعالیٰ بتائے گا کہ تو امام مہدی ہے۔ اسی بتانے کا نام ہی تو وحی و الہام ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”دنیا میں جس قدر قومیں ہیں کسی قوم نے ایسا خدا نہیں مانا۔ جو جواب دیتا ہو اور دعاؤں کو سنتا ہو۔ کیا ایک ہندو ایک پتھر کے سامنے بیٹھ کر یا درخت کے آگے کھڑا ہو کر یا بیل کے روبرو ہاتھ جوڑ کر کہہ سکتا ہے کہ میرا خدا ایسا ہے کہ مَیں اس سے دعا کروں۔ تو یہ مجھے جواب دیتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ کیا ایک عیسائی کہہ سکتا ہے کہ مَیں نے یسوع کو خدا مانا ہے وہ میری دعا کو سنتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ بولنے والا صرف ایک ہی ہے جو اسلام کا خدا ہے جو قرآن نے پیش کیا ہے۔ جس نے کہا اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ

(المومن:61) کہ تم مجھے پکارو مَیں تم کو جواب دوں گا اور یہ بالکل سچی بات ہے۔ کوئی ہو جو ایک عرصہ تک سچی نیت اور صفائی قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہو۔ وہ مجاہدہ کرے اور دعاؤں میں لگا رہے۔ آخر اس کی دعاؤں کا جواب اُسے ضرور دیا جاوے گا۔"

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 148 ایڈیشن 1988ء)

حمد و ثناء اُسی کو جو ذات جاودانی
ہمسر نہیں ہے اُس کا کوئی نہ کوئی ثانی

(دُرِّ ثمین)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"یاد رہے کہ بندہ تو حسن معاملہ دکھلا کر اپنے صدق سے بھری ہوئی محبت ظاہر کرتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ اس کے مقابلہ پر حد ہی کر دیتا ہے۔ اس کی تیز رفتار کے مقابل پر برق کی طرح اس کی طرف دوڑتا چلا آتا ہے اور زمین اور آسمان سے اس کے لئے نشان ظاہر کرتا ہے اور اس کے دوستوں کا دوست اور اس کے دشمنوں کا دشمن بن جاتا ہے اور اگر پچاس کروڑ انسان بھی اس کی مخالفت پر کھڑا ہو تو اُن کو ایسا ذلیل اور بے دست و پا کر دیتا ہے جیسا کہ ایک مرا ہوا کیڑا اور محض ایک شخص کی خاطر کے لئے ایک دنیا کو ہلاک کر دیتا ہے اور اپنی زمین و آسمان کو اس کے خادم بنا دیتا ہے اور اس کی کلام میں برکت ڈال دیتا ہے اور اس کی تمام در و دیوار پر نور کی بارش کرتا ہے اور اس کی پوشاک میں اور اس کی خوراک میں اور اس مٹی میں بھی جس پر اس کا قدم پڑتا ہے ایک برکت رکھ دیتا ہے اور اس کو نامراد ہلاک نہیں کرتا۔"

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 225)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا اور اب بھی وہ بولتا ہے جیسا کہ پہلے بولتا تھا اور اب بھی وہ سنتا ہے جیسا کہ پہلے سنتا تھا۔ یہ خیال خام ہے کہ اس زمانہ میں وہ سنتا تو ہے مگر بولتا نہیں بلکہ وہ سنتا اور بولتا بھی ہے۔ اس کی تمام صفات ازلی ابدی ہیں کوئی صفت بھی معطل نہیں اور نہ کبھی ہو گی۔"

(الوصیت، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 309)

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

”وہ دیکھتا ہے بغیر جسمانی آنکھوں کے اور سنتا ہے بغیر جسمانی کانوں کے اور بولتا ہے بغیر جسمانی زبان کے۔ اسی طرح نیستی سے ہستی کرنا اُس کا کام ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ خواب کے نظارہ میں بغیر کسی مادہ کے ایک عالم پیدا کر دیتا ہے اور ہر ایک فانی اور معدوم کو موجود دکھلا دیتا ہے پس اسی طرح اس کی تمام قدرتیں ہیں۔ نادان ہے وہ جو اُس کی قدرتوں سے انکار کرے۔ اندھا ہے وہ جو اُس کی عمیق طاقتوں سے بے خبر ہے۔ وہ سب کچھ کرتا ہے اور کر سکتا ہے بغیر اُن امور کے جو اُس کی شان کے مخالف ہیں یا اُس کے مواعید کے برخلاف ہیں اور وہ واحد ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور افعال میں اور قدرتوں میں اور اُس تک پہنچنے کے لئے تمام دروازے بند ہیں مگر ایک دروازہ جو فرقان مجید نے کھولا ہے“۔

(رسالہ الوصیت، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 311)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس زندہ خدا کا پیغام اس زمانے کے امام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق کی اتباع میں دنیا کو پہنچانے والے ہوں اور دنیا کو یہ احساس دلانے والے ہوں کہ زندہ خدا ہے، موجود ہے، اب بھی سنتا ہے، نشان بھی دکھاتا ہے۔ اس کی طرف لَوٹو۔ اس کی طرف آؤ اور ہم خود بھی اس خدا سے زندہ تعلق پیدا کرنے والے ہوں اور اس تعلیم پر عمل کرنے والے ہوں۔ اس کی عبادت کا حق ادا کرنے والے ہوں۔ اس کی صفات کا صحیح ادراک حاصل کرنے والے ہوں۔ اس کے انعامات کے وارث ہوں۔ ہماری نسلیں بھی اور ہم بھی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے شرک سے ہر طرح محفوظ رہیں۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 18 اپریل 2014ء)

پھر آپ ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”زندہ مذہب وہی ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت نمائی کے جلوے ہمیشہ نظر آتے رہیں۔ اور آج زندہ مذہب ہونے کا صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس کا عملی ثبوت صرف اور صرف اسلام ہی دیتا ہے۔ اسلام کا خدا وہ خدا ہے اب بھی وہ جس کو بھی چاہے کلیم بنا سکتا ہے۔ اُس سے اب بھی بولتا ہے، دعاؤں کو سنتا ہے اور جواب دیتا ہے اور اپنی قدرت کے جلوے دکھاتا ہے۔ اور اس زمانے میں اپنی قدرت کے

اظہار کے لئے اس نے اپنے وعدے کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا جس کے اس زمانے میں آنے کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔

پس مسلمانوں میں بھی آج جماعت احمدیہ ہی وہ فرقہ ہے جو آج بھی اللہ تعالیٰ کو اپنی تمام تر صفات کے ساتھ قادر و مقتدر یقین کرتا ہے۔ اس یقین پر قائم ہے کہ خدا تعالیٰ آج بھی وہی قدرتیں رکھتا ہے، وہی قدرتیں دکھاتا ہے جیسا کہ ازل سے دکھاتا چلا آرہا ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو خاتم الانبیاء ہیں، آپ کی بعثت کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کر دیا ہے کہ اب تمام قسم کے انعامات کے حصول کا ذریعہ اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہی مل سکتا ہے اور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام، مسیح موعود و مہدی معہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ کامل عاشقِ صادق ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے اس زمانے میں بھیجا ہے۔ اور پھر آپ سے تکمیلِ تبلیغ ہدایت کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 17 فروری 2012ء)

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم
اَب بھی اُس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

(اِس تقریر کی تیاری میں مکرم حافظ عبد الحمید صاحب کے ایک مضمون سے مدد لی گئی ہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ)

﴿24﴾ ﴿مشاہدات۔662﴾

زندہ خدا سے دل کو لگاتے تو خوب تھا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ o الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ o مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ o (الفاتحہ:2-4)

تمام حمد اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ جزا سزا کے دن کا مالک ہے۔

معزز سامعین! آج کی تقریر کے عنوان کا یہ مصرع ”زندہ خدا سے دل کو لگاتے تو خوب تھا“

حضرت خلیفۃُ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی چھ اشعار پر مشتمل ایک مختصر سے منظوم کلام کے ایک شعر کا ہے۔ جو آپ نے جوانی میں زمانہ طالبِ علمی میں کہا تھا۔ مکمل شعر یوں ہے۔

زندہ خدا سے دل کو لگاتے تو خوب تھا
مُردہ بتوں سے جان چھڑاتے تو خوب تھا

ہر انسان کے بعض اوصاف ہوتے ہیں جو اُس کی زندگی کی پہچان بن جایا کرتے تھے۔ حضرت خلیفۃُ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی خلافت کا نچوڑ اپنے اللہ اور اُس کی پیاری کتاب قرآنِ کریم سے پیار، محبت کرنا اور اِن سے عشق بڑھانا تھا۔ آپ کی تمام زندگی اور کردار میں اِس وصف کی جھلک نمایاں نظر آتی تھی۔ آپ کے خطبات، خطابات، تقاریر اور نجی میٹنگز و ملاقاتوں میں ان امور کی طرف آپ نصائح فرمایا کرتے تھے۔ اِسی نظم کے آخری شعر میں آپ اپنے آپ کو مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ

دُنیا کی کھیل کُود میں ناصر پڑے ہو کیوں
یادِ خدا میں دل کو لگاتے تو خوب تھا

(حیاتِ ناصر صفحہ 59۔60)

سامعین! زندہ خدا سے زندہ تعلق کا مضمون وہ اہم مضمون ہے جو ہماری روشن تاریخ کا روحِ رواں ہے۔ بانئ جماعت حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام نے بھی جماعت کی بنیاد کے آغاز سے ہی اِس مضمون کے احبابِ جماعت کے دلوں میں اُجاگر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

لوگو سُنو! کہ زندہ خدا وہ خدا نہیں
جس میں ہمیشہ عادتِ قُدرت نما نہیں

پھر فرمایا۔

قُدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اِس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے
جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ مَیں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خُدائی یہی تو ہے

الغرض ہماری جماعت کی ترقیات اور فتوحات کا انحصار ہی زندہ خدا پر توکّل، بھروسے اور زندہ تعلق پر ہے۔ جس کی طرف حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام اور آپؑ کے خلفاء، احبابِ جماعت کو توجہ دلاتے رہے اور آج ہمارے موجودہ خلیفہ حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کا جہاں اپنا تعلق اپنے زندہ خدا سے ہے وہاں احبابِ جماعت کو بار باراِس زندہ تعلق کی طرف توجہ دلاتے رہے ہیں اور مسلسل تلقین کرتے چلے آرہے ہیں۔

سامعین! ہر نبی کی آمد سے قبل یہ زمین آسمانی پانی سے محرومی کے سبب روحانی اعتبار سے بالکل بنجر ہو چکی ہوتی ہے۔ ایک تاریک اندھیری رات چار سو پھیلی نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نور سے دور ہونے کے سبب ایک عالمگیر وبا کی طرح زمانے پر رات کا اندھیرا چھایا ہوتا ہے اور قوم دنیا سے پیار کر رہی ہوتی ہے۔ کیونکہ لوگ زندہ خدا کو بھول چکے ہوئے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے ابدی قانون کے مطابق اپنی مخلوق کی اصلاح کی خاطر اپنا نبی بھیجتا ہے تو پھر نور کا موسم آتا ہے اور زندہ خُدا سے زندہ تعلق قائم ہوتے ہیں۔ ایسا ہی روحانی اعتبار سے ایک روشن نظارہ سراج منیر اور آبِ زلال حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت دیکھنے کو ملا۔ جس کے نور کے جلوے میں دنیا نے ایک مرتبہ پھر زندہ خدا کا چہرہ دیکھا۔ وہ زندہ خدا جو مدتوں پہلے دنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا اب دوبارہ مومنوں کے دلوں اور دماغوں میں ظاہر ہو چکا تھا

اور ان کے اعمال اور افعال اور روز مرہ معاملات میں اللہ ہی اللہ نظر آرہا تھا۔ ایک ایسا خدا جو ربّ، رحمان، رحیم، مالک یوم الدین اور ایسی ہی بے شمار خوبصورت صفات کا حامل خدا تھا۔ ایک زندہ خدا جو ہر دَور میں اپنے ان بندوں کی مدد اور نصرت کے لیے موجود ہوتا ہے جو اسے پکارتے ہیں۔ جو دعاؤں کو سنتا اور فریادوں کا جواب دیتا ہے۔ ایسا خدا اس وقت کے لوگوں نے بھلا کہاں دیکھا تھا؟ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”دنیا میں جس قدر قومیں ہیں کسی قوم نے ایسا خدا نہیں مانا، جو جواب دیتا ہو اور دعاؤں کو سنتا ہو۔ کیا ایک ہندو ایک پتھر کے سامنے بیٹھ کر یا درخت کے آگے کھڑا ہو کر یا بیل کے روبرو ہاتھ جوڑ کر کہہ سکتا ہے کہ میرا خدا ایسا ہے کہ مَیں اُس سے دعا کروں تو یہ مجھے جواب دیتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ کیا ایک عیسائی کہہ سکتا ہے کہ مَیں نے یسوع کو خدا مانا ہے۔ وہ میری دعا کو سنتا اور اس کا جواب دیتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ بولنے والا خدا صرف ایک ہی ہے جو اسلام کا خدا ہے جو قرآن نے پیش کیا ہے۔ جس نے کہا۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن: 61) تم مجھے پکارو مَیں تم کو جواب دوں گا اور یہ بالکل سچی بات ہے۔ کوئی ہو جو ایک عرصہ تک سچی نیت اور صفائی قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہو۔ وہ مجاہدہ کرے اور دعاؤں میں لگا رہے۔ آخر اس کی دعاؤں کا جواب اُسے ضرور دیا جاوے گا۔“

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 148)

پس یہ زندہ خدا ہی دراصل حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا تھا اور ہم خوش قسمت ہیں کہ یہی ہم سب کا خدا ہے جو اپنی قدرتوں سے اپنی ذات کے تازہ ثبوت مہیا کرتا ہے اور اس طریق پر دنیا اس کا چہرہ دیکھتی ہے۔ آج کے دَور میں یہی صدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا اور اُسوہ حسنہ پر چلتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے دی گئی کہ

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم
اَب بھی اُس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

لیکن افسوس کہ آپؑ کی دشمنی میں علمائے ظاہر اور شریر مخالفین نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اس عظیم الشان نعمت کا ہی انکار کر دیا اور نیست و نابود کر دئے گئے۔ اُسی طرح جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کے مخالفین نے انکار کر کے سیلاب کی نذر ہوگئے اور آپ پر ایمان لانے والوں کی کشتی پار لگا دی گئی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون اور ہامان رسوا کر دیے گئے اور آپؑ اپنے ساتھیوں سمیت عزت کے ساتھ سمندر پار کر گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ظالم عُتبہ، شَیبہ، اُمیّہ اور ابو جہل جنگ کے میدانوں میں اپنی تکبر سے بھری گردنوں سے محروم کر دیے جاتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے عَلم بلند سے بلند تر کر دیے جاتے ہیں اور یہ سب انقلابات پیدا کرنے والی اصل طاقت اُس خدا کی ذات تھی جس کا یہ وعدہ تھا کہ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ (المجادلۃ:22) کہ یقیناً مَیں اور میرے رسول ہی غالب آئیں گے۔

سامعین! انبیاء دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نمائندے اور خلیفہ ہوتے ہیں۔ جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم کے دروازے کھولنے والے ہوتے ہیں اُسی طرح نافرمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی قہری تجلّی کی خبر بھی دیتے ہیں اِسی لیے جہاں ہمارے آقا و مولا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن ایک طرف رحمۃٌ للعالمین کہتا ہے وہیں آپ کو سورۃ الفرقان میں لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا بھی قرار دیتا ہے۔ پس ہر نبی کی زندگی میں یہ دونوں چشمے اپنی تمام تر شان کے ساتھ متوازی طور پر بہتے ہوئے نظر آتے ہیں جو دونوں ہی صورتوں میں خدا تعالیٰ کے وجود کو ظاہر کرنے کا باعث بنتے ہیں اور دنیا دیکھ لیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بولتا اور جواب دیتا ہے۔

ہمارے آقا و مولا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر طائف کے دوران اسلام کا پیغام پہنچانے پر قبیلے کے سرداروں نے نہ صرف انکار کیا بلکہ شہر کے اوباش بھی آپؐ کے پیچھے لگا دیے جو آپؐ کو پتھر مارنے لگے یہاں تک کہ آپؐ کے جوتے بھی خون سے بھر گئے۔ آپؐ نے اس موقع پر اپنے زندہ خدا کو ان الفاظ میں پکارا کہ

”اے خداوند! مَیں اپنے ضعف و ناتوانی، مصیبت اور پریشانی کا حال تیرے سوا کس سے کہوں؟ مجھ میں صبر کی طاقت تھوڑی رہ گئی ہے۔ مجھے اپنی مشکل کے حل کی کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔ تیرا نام اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ہے۔ تو رحم فرما! کیا تو مجھے دشمن کے حوالے کر دے گا جو مجھے تباہ و برباد کر دے۔“

(المعجم الکبیر لطبرانی جلد 11 صفحہ 174)

سامعین! اس دَرد میں ڈوبی دعا نے عرشِ الٰہی کو ہلا کر رکھ دیا۔ آپؐ نے آسمان کی طرف نگاہ کی تو جبرائیلؑ کی آواز آئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعا کا جواب بھیجا ہے۔ ساتھ موجود مَلَکُ الجبال نے آپؐ کو سلام کیا اور کہا کہ اے محمدؐ! اگر آپ چاہیں تو مَیں سزا کے طور پر اِن دو پہاڑوں کو اس وادی پر گرا کر تباہ کر دوں۔ آپؐ نے فوراً فرمایا کہ نہیں نہیں! ایسا مت کرنا۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں میں ایسے لوگ پیدا کرے گا جو خدائے واحد لاشریک کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

(بخاری کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکۃ)

یہ تھا اسلام کا زندہ خدا جو اپنے بندوں کی درد بھری فریادوں کو سنتا اور جواب دیتا ہے اور ان کے مخالفین پر گرفت بھی کرتا ہے۔ کبھی رحم کرتا ہے اور کبھی سزا بھی دیتا ہے جیسا کہ شاہِ فارس کسریٰ کو اس کی بے ادبی کی سزا دی گئی اور اُسے ہلاک کر دیا گیا جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی پیشگوئی فرما چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بادشاہت کو پارہ پارہ کر دے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تبلیغی خط بادشاہ فارس کسریٰ کو بھیجا جو اس مضمون پر مشتمل تھا کہ اللہ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں۔ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ مَیں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، کیونکہ مَیں تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ جب یہ خط کسریٰ کو پڑھ کر سنایا گیا تو اُس نے غصے میں آکر اسے پھاڑ دیا اور نہایت متکبّرانہ انداز میں بولا کہ میری رعایا میں سے ایک حقیر غلام اپنا نام مجھ سے پہلے لکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی جب خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ اس کی بادشاہت کو پارہ پارہ کر دے گا اور پھر وہی ہوا جو آپؐ نے فرمایا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد کسریٰ نے غصہ میں آکر اپنے یمن کے گورنر باذان کو لکھا کہ یہ شخص جو حجاز میں ہے اس کی طرف اپنے دو توانا اور مضبوط آدمی بھیج دو کہ وہ اُسے میرے پاس حاضر کریں۔ باذان نے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دو آدمی منتخب کیے اور انہیں ایک خط دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روانہ کیا جس میں آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ ان کے ساتھ کسریٰ کے دربار میں حاضر ہو جائیں۔ جب وہ مدینہ پہنچے اور آپؐ کے روبرو حاضر ہوئے تو آپؐ نے اُنہیں اگلے دن جواب دینے کا کہا۔

یہاں مدینہ میں جس وقت یہ معاملات چل رہے تھے، الٰہی تقدیر کسریٰ کو مٹانے کی تیاری کر چکی تھی۔ کسریٰ کے اپنے گھر کے اندر سے اس کے خلاف بغاوت کا ایک زبردست طوفان اُمڈ کر باہر آ رہا تھا جس کے نتیجے میں عین اُسی روز کسریٰ کا بیٹا شیرویہ اپنے باپ کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا اور اُس نے اپنے باپ کے تمام ظالمانہ احکامات کو بھی منسوخ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے رات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کا علم وحی کے ذریعہ دے دیا۔ جب صبح ہوئی اور دونوں فارسی نمائندے حاضر ہوئے تو آپؐ نے انہیں اس واقعے کی خبر دی اور کہا کہ واپس چلے جاؤ اور اپنے گورنر کو بتادو کہ میرے خدا نے کل رات تمہارے خدا کو قتل کر دیا ہے۔ وہ دونوں نمائندے یہ بات سن کر ششدر رہ گئے اور مدینہ سے روانہ ہو کر گورنر باذان کے پاس پہنچے اور اُسے ساری تفصیلات سے آگاہ کیا۔ مشورہ کے بعد انتظار کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور تھوڑے ہی دن کے بعد ایک خط آیا کہ شیرویہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے اور اب وہ نیا بادشاہ ہے۔ شیرویہ نے اپنے اس خط میں یہ بھی ہدایت کی تھی کہ جس شخص کے بارے میں میرے والد نے تمہیں لکھا تھا اُسے تاحکم ثانی گرفتار نہیں کرنا۔ چنانچہ اس واقعے کی وجہ سے باذان اور اس کے ساتھی جو یمن میں موجود تھے مسلمان ہو گئے۔

(بخاری کتاب المغازی باب کتاب النبی الی کسریٰ)

پیارے دوستو! ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اُللہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے ساتھی بھی صحن کعبہ میں ہی مجلس لگائے بیٹھے تھے۔ ان بدبختوں میں کسی نے یہ مشورہ دیا کہ فلاں محلہ میں جو اونٹنی ذبح ہوئی ہے کوئی جائے اور اس کی آلائشیں اٹھالائے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ میں جائیں تو اُن کی پشت پر رکھ دے۔ اُن میں سے ایک بدبخت عُقبہ بن ابی مُعیط اٹھا اور اونٹنی کی سب آلائشیں اٹھالایا اور جونہی آپؐ سجدہ میں گئے اُس نے غلاظت بھرا وہ بوجھ آپؐ کی پُشت پر رکھ دیا اور سب مخالفین اس نظارے کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔ آپؐ نے جب سجدے سے سر اٹھایا تو ان دشمنوں کے حق میں اپنے اللہ سے یہ فریاد کی اَللّٰھُمَّ عَلَیْكَ بِقُرَیْشٍ۔ اے اللہ! ان قریش سے تو خود بدلہ لے۔ یہ دعا قبول ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مخالفین کا یہ عبرت ناک انجام خود دیکھا کہ میدان بدر میں ان کی لاشیں اس حال میں پڑی تھیں کہ ان کے حلیے بگڑ چکے تھے۔ (بخاری کتاب الجہاد)

وہ زندہ خدا کبھی اپنی قدرت اور طاقت کے رنگ معجزانہ واقعات کے اظہار سے بھی دکھاتا ہے جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تھا۔

سامعین ! اِسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک پیارے صحابی حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جنگ اُحد میں شہید ہو گئے تھے اور ان کے ذمہ یہودی تاجروں کا کچھ قرض تھا جس کا وہ حضرت جابرؓ سے بڑی سختی سے مطالبہ کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ اُن کے تقاضوں سے تنگ آکر حضرت جابرؓ نے اِن کو قرض کے عوض یہ پیشکش بھی کر دی کہ اگر وہ چاہیں تو اس سال ان کے باغ کا تمام پھل لے کر قرض سے بَری الذمہ قرار دے دیں۔ لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کے باوجود ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اِس پر رسول کریمؐ نے باغ میں تشریف لے جا کر دعا کی۔ اِس دعا کی برکت سے کھجور کا اتنا پھل ہوا کہ قرض ادا کر کے بھی نصف کے قریب پھل بچ گیا۔

(بخاری کتاب المغازی)

مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد زندہ خدا سے دوری کے سبب ان واقعات کو محض ماضی کی داستانیں خیال کر بیٹھی ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھول گئی ہے کہ تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا امت مسلمہ پر یہ احسان بہت ہی بڑا ہے کہ آپؑ نے اس دَورِ آخرین میں ایک مرتبہ پھر اوّلین کے اس خدا سے تعلق قائم کر کے اس پیارے خدا کا چہرہ پھر سے دنیا کو دکھا دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ اس کائنات کا خالق و مالک وہی ایک خدا ہے جو پہلے تمام انبیاء کا بھی خدا تھا اور اس کی تمام صفات ازلی ابدی ہیں۔ اگر وہ عاد اور ثمود اور دیگر اقوامِ عالم کو تباہ کر سکتا ہے۔ طوفان اور زلزلے ظاہر کر سکتا ہے، زمین کو زیر وزبر کر سکتا ہے تو اس میں یہ طاقت آج بھی موجود ہے۔

ماسٹر محمد نذیر احمد خان صاحب متوطن نادون ضلع کانگڑہ بیان کرتے ہیں کہ کہ مَیں امتحان انٹرنس کے بعد دھرم سالہ میں ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں بطور محرر بیٹھا ریویو آف ریلیجنز کا پرچہ دیکھ رہا تھا کہ دھرم سالہ کے ڈسٹرکٹ بورڈ کے ہیڈ کلرک پنڈت مولا رام کی نظر ریویو آف ریلیجنز پر پڑی تو اُس نے حیران ہو کر مجھ سے احمدی ہونے کا پوچھا؟ مَیں نے کہا ہاں مَیں احمدی ہوں۔ اُس نے کہا تو پھر مَیں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں جو حضرت مرزا صاحب کے ساتھ میرا گزرا ہے۔ مَیں نے مرزا صاحب کے ساتھ بعض مذہبی مسائل

میں خط و کتابت شروع کی۔ اس خط و کتابت کے دوران حضرت مرزا صاحب نے لکھا تھا کہ پنڈت صاحب! مَیں دیکھتا ہوں کہ خدا کا غضب آسمان پر بھڑک رہا ہے اور اُس کا عذاب سالوں میں نہیں، مہینوں میں نہیں، دِنوں میں نہیں، گھنٹوں میں نہیں، منٹوں میں نہیں بلکہ سیکنڈوں میں زمین پر نازل ہونے والا ہے۔ ان الفاظ کو پڑھ کر مجھ پر بہت اثر ہوا اور مَیں نے دل میں کہا کہ خواہ کچھ بھی ہو مرزا صاحب ایک نیک آدمی ہیں ان کی بات یونہی رائیگاں نہیں جاسکتی۔ چنانچہ مَیں ہر لحظہ اسی انتظار میں تھا کہ دیکھیے! اب کیا ہوتا ہے اور مَیں نے اسی خیال میں اس رات کو سوتے ہوئے مرزا صاحب کا یہ خط اپنے سرہانے کے نیچے رکھ لیا۔ صبح اچانک زلزلے کا ایک سخت دھکا آیا اور اس کے بعد پیہم اس طرح دھکوں کا سلسلہ شروع ہوا کہ میرے دیکھتے دیکھتے آناً فاناً دھرم سالہ کی تمام عمارتیں ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل گئیں۔ اُس وقت حضرت مرزاصاحب کے اس خط کا مضمون میری آنکھوں کے سامنے پھر رہا تھا اور میرے منہ سے بے اختیار نکل رہا تھا کہ واقعی یہ دنوں اور گھنٹوں اور منٹوں کا عذاب نہیں بلکہ سیکنڈوں کا عذاب ہے۔ جس نے ایک آن کی آن میں تمام شہر کو خاک میں ملا دیا ہے اور اس کے بعد مَیں حضرت مرزا صاحب کا بہت معتقد ہو گیا اور مَیں اُن کو ایک واقعی خدا رسیدہ انسان اور مصلح سمجھتا ہوں۔

(سیرت المہدی جلد 1 حصہ دوم صفحہ 307 روایت 335)

سامعین! حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

"اُن کے چچا چوہدری شیر محمد صاحب مرحوم بیان کرتے تھے کہ شروع شروع میں جب حضرت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ قرآن شریف کا درس دیا کرتے تھے تو کبھی کبھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی اُن کا درس سننے کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور بعض اوقات کچھ فرمایا بھی کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ جب حضرت مولوی صاحبؓ درس دے رہے تھے تو ان آیات کی تفسیر میں جن میں جنگ بدر کے وقت فرشتوں کی فوج کے نازل ہونے کا ذکر آتا ہے۔ حضرت مولوی صاحبؓ کچھ تاویل کرنے لگے کہ اس سے روحانی رنگ میں قلوب کی تقویت مراد ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سُنا تو فرمانے لگے کہ اس تاویل کی ضرورت نہیں۔ اس وقت واقعی مسلمانوں کو فرشتے نظر آئے تھے اور کشفی حالات میں ایسا ہو جاتا ہے کہ صاحبِ کشف کے علاوہ دوسرے لوگ بھی کشفی نظارہ میں شریک ہو جاتے

ہیں۔ پس اس موقعہ پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کشفی نظارہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو شامل کر لیا تا کہ ان کے دل مضبوط ہو جائیں۔‘‘

(سیرت المہدی جلد 1 حصہ دوم صفحہ 342 روایت 375)

ایسے زندہ خدا کی شناخت کے لیے اب ایک معجزے کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت میاں عبداللہ صاحب سنوری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چند مہمانوں کی دعوت کی اور اِن کے واسطے گھر میں کھانا تیار کروایا مگر عین جس وقت کھانے کا وقت آیا اتنے ہی اور مہمان آ گئے اور مسجد مبارک مہمانوں سے بھر گئی۔ حضرت صاحب نے اندر کہلا بھیجا کہ اَور مہمان آ گئے ہیں کھانا زیادہ بھجوائیں۔ اس پر بیوی صاحبہ نے حضرت صاحب کو اندر بلوا بھیجا اور کہا کہ کھانا تو تھوڑا ہے۔ صرف ان چند مہمانوں کے مطابق پکایا گیا تھا۔ جن کے واسطے آپؑ نے کہا تھا مگر شاید باقی کھانے کا تو کچھ کھینچ تان کر انتظام ہو سکے گا لیکن زردہ تو بہت ہی تھوڑا ہے اس کا کیا کیا جاوے۔ میرا خیال ہے کہ زردہ بھجواتی ہی نہیں باقی کھانا نکال دیتی ہوں۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ نہیں! یہ مناسب نہیں۔ تم زردہ کا برتن میرے پاس لاؤ چنانچہ حضرت صاحب نے اِس برتن پر رومال ڈھانک دیا اور پھر رومال کے نیچے اپنا ہاتھ گزار کر اپنی انگلیاں زردہ میں داخل کر دیں اور پھر کہا اب تم سب کے واسطے کھانا نکالو خدا برکت دے گا۔ چنانچہ میاں عبداللہ صاحب کہتے ہیں کہ زردہ سب کے واسطے آیا اور سب نے کھایا اور پھر کچھ بچ بھی گیا۔

(سیرت المہدی جلد 1 حصہ اول صفحہ 133 روایت 144)

سامعین! ماسٹر قادر بخش صاحب لدھیانوی نے بیان کیا کہ آتھم کی پندرہ ماہی میعاد کے دنوں میں لدھیانہ میں لوئیس صاحب ڈسٹرکٹ جج تھا۔ آتھم چونکہ لوئیس صاحب کا داماد تھا اس لیے لدھیانہ میں لوئیس صاحب کی کوٹھی پر آکر ٹھہرا کرتا تھا۔ ایک دفعہ دوران میعاد میں آتھم لدھیانہ میں آیا۔ ان دنوں میں میرا ایک غریب غیر احمدی رشتہ دار لوئیس صاحب کے پاس نوکر تھا اور آتھم کے کمرے کا پنکھا کھینچا کرتا تھا۔ ایک دن مَیں نے اس سے پوچھا کہ تم آتھم کا پنکھا کھینچا کرتے ہو۔ کبھی اس کے ساتھ کوئی بات بھی کی ہے۔ اس نے کہا صاحب (یعنی آتھم) رات کو روتا رہتا ہے۔ چنانچہ اس پر مَیں نے ایک دفعہ صاحب سے پوچھا تھا کہ آپ روتے کیوں رہتے ہیں تو صاحب نے کہا تھا کہ مجھے تلواروں والے نظر آتے ہیں۔ مَیں نے

کہا تو پھر آپ ان کو پکڑوا کیوں نہیں دیتے۔ صاحب نے کہا وہ صرف مجھے ہی نظر آتے ہیں اَور کسی کو نظر نہیں آتے۔

(سیرت المہدی جلد 1 حصہ اول صفحہ 169 روایت 175)

حاضرین! حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی کے مطابق اسلام کا دشمن اور آریہ مَت کا ایک شوخ اور انتہائی بے باک لیڈر لیکھرام 6، مارچ 1897ء کو عبرت ناک انجام سے دوچار ہوا تو آریوں نے بڑی شدت سے الزام لگایا کہ لیکھرام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سازش کے نتیجہ میں قتل کیا گیا ہے اور اس قتل کا بدلہ لینے کے لیے خفیہ اور اعلانیہ کارروائیاں شروع کر دیں۔ آریہ سماجیوں کے جذبات مشتعل دیکھ کر حکومت بھی حرکت میں آگئی اور اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر کی مکمل تلاشی بھی لی گئی۔ یہ 8، اپریل 1897ء کا واقعہ ہے۔ پولیس کا جو وفد تلاشی لینے کے لیے آیا تھا اُن میں ایک میاں محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر بٹالہ بھی شامل تھا۔ یہ گوجرانوالہ کا باشندہ تھا جو بٹالہ تھانے میں متعین ہوا۔ اس وفد نے دارالمسیح کے سب کمروں کی تلاشی لی اور ٹرنک کھول کر اپنا اطمینان کیا۔ دوران تلاشی میاں محمد بخش کی ایک زیادتی پر حضورؑ نے فرمایا آپ تو اس طرح مخالفت کرتے ہیں مگر آپ کی اولاد میرے حلقہ بگوشوں میں داخل ہو جائے گی۔

(تاریخ احمدیت جلد 17 صفحہ 172)

بعد ازاں میاں محمد بخش نے یکم دسمبر 1898ء کو ڈپٹی کمشنر گورداسپور جی ایم ڈوئی کو رپورٹ بھجوائی کہ مرزا غلام احمد کے اشتہارات اور پیشگوئیوں سے نقص امن کا خطرہ ہے، چنانچہ اس کی رپورٹ اور مولوی محمد حسین بٹالوی کی درخواست پر مقدمہ درج ہوا۔ 11، جنوری 1899ء کو گورداسپور کی عدالت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور میاں محمد بخش کے بیانات بھی ہوئے۔ مگر عدالت نے 24، فروری 1899ء کو یہ مقدمہ خارج کر دیا۔ حضرت امام الدین صاحب پٹواری اس مقدمہ کے دوران ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

اس موقعہ پر مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضور! محمد بخش تھانیدار کہتا ہے کہ آگے تو مرزا مقدمات سے بچ کر نکل جاتا رہا ہے۔ اب میرا ہاتھ دیکھے گا۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ میاں

امام الدین! اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس کے بعد مَیں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ کی ہتھیلی میں سخت درد شروع ہو گئی۔ اور وہ اس درد سے تڑپتا تھا اور آخر اسی نامعلوم بیماری میں وہ دنیا سے گزر گیا۔

(سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ 543-544)

میاں محمد بخش کے بیٹے حضرت شیخ نیاز محمد صاحب جو اس پیشگوئی کے مطابق حضور کی زندگی میں ہی احمدی ہو گئے تھے ان کا بیان ہے کہ 1901ء کے آخر میں ان کے والد صاحب کو ہاتھ میں کاربنکل کا پھوڑا نکلا جو مہلک ثابت ہوا۔ بیماری کے ایام میں انہوں نے یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ تندرست ہونے کے بعد حضرت اقدس کی بیعت میں داخل ہو جائیں گے۔ مگر زندگی نے وفا نہ کی اور وہ 3مارچ 1902ء کو فوت ہو گئے۔

(تاریخ احمدیت جلد 17 صفحہ 172)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے جبکہ مَیں سیالکوٹ میں تھا۔ ایک دن بارش ہو رہی تھی۔ جس کمرہ کے اندر میں بیٹھا ہوا تھا اس میں بجلی آئی۔ سارا کمرہ دھوئیں کی طرح ہو گیا اور گندھک کی سی بو آتی تھی لیکن ہمیں کچھ ضرر نہ پہنچا۔ اُسی وقت وہ بجلی ایک مندر میں گری جو کہ تیجا سنگھ کا مندر تھا اور اُس میں ہندوؤں کی رسم کے موافق طواف کے واسطے پیچ در پیچ اِرد گرد دیوار بنی ہوئی تھی اور اندر ایک شخص بیٹھا تھا۔ بجلی تمام چکروں میں سے ہو کر اندر جا کر اُس پر گری اور وہ جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ ہو گیا۔ دیکھو! وہی بجلی آگ تھی جس نے اس کو جلا دیا مگر ہم کو کچھ ضرر نہ دے سکی کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہماری حفاظت کی۔ ایسا ہی سیالکوٹ کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ رات میں ایک مکان کی دوسری منزل پر سویا ہوا تھا اور اسی کمرہ میں میرے ساتھ پندرہ یا سولہ آدمی اَور بھی تھے۔ رات کے وقت شہتیر میں ٹک ٹک کی آواز آئی۔ مَیں نے آدمیوں کو جگایا کہ شہتیر خوفناک معلوم ہوتا ہے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ کوئی چوہا ہو گا خوف کی بات نہیں اور یہ کہہ کر سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ویسی آواز آئی تب مَیں نے ان کو دوبارہ جگایا مگر پھر بھی انہوں نے کچھ پروانہ کی۔ پھر تیسری بار شہتیر سے آواز آئی تب مَیں نے اِن کو سختی سے اُٹھایا اور سب کو مکان سے باہر نکالا اور جب سب نکل گئے تو خود بھی وہاں سے

نکلا۔ ابھی دوسرے زینہ پر تھا کہ وہ چھت نیچے گری اور وہ دوسری چھت کو ساتھ لے کر نیچے جا پڑی اور سب بچ گئے۔"

(سیرت المہدی جلد 1 حصہ اول صفحہ 216 روایت 236)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"یاد رہے کہ بندہ تو حُسنِ معاملہ دکھلا کر اپنے صدق سے بھری ہوئی محبت ظاہر کرتا ہے مگر خدا تعالیٰ اس کے مقابلہ پر حد ہی کر دیتا ہے اس کی تیز رفتار کے مقابل پر برق کی طرح اس کی طرف دوڑتا چلا آتا ہے اور زمین و آسمان سے اس کے لئے نشان ظاہر کرتا ہے اور اس کے دوستوں کا دوست اور اس کے دشمنوں کا دشمن بن جاتا ہے اور اگر پچاس کروڑ انسان بھی اُس کی مخالفت پر کھڑا ہو تو ان کو ایسا ذلیل اور بے دست و پا کر دیتا ہے جیسا کہ ایک مرا ہوا کیڑا۔ اور محض ایک شخص کی خاطر کے لئے ایک دنیا کو ہلاک کر دیتا ہے اور اپنی زمین و آسمان کو اس کے خادم بنا دیتا ہے اور اس کے کلام میں برکت ڈال دیتا ہے اور اس کے تمام در و دیوار پر نور کی بارش کرتا ہے اور اُس کی پوشاک اور اُس کی خوراک میں اور اس مٹی میں بھی جس پر اس کا قدم پڑتا ہے ایک برکت رکھ دیتا ہے اور اس کو نامراد ہلاک نہیں کرتا۔"

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 225)

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس زندہ خدا کو پہچاننے اور اس سے زندہ تعلق قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(اِس تقریر کی تیاری میں مکرم فرید احمد نوید صاحب آف گھانا کی ایک تحریر سے مدد لی گئی ہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ)

۞۞۞۞

﴿25﴾ ﴿مشاہدات۔946﴾

ڈھونڈو خدا کو دل سے نہ لاف و گزاف سے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ

(المؤمن:61)

تمہارے ربّ نے کہا مجھے پکارو۔ مَیں تمہیں جواب دوں گا۔ یقیناً وہ لوگ جو میری عبادت کرنے سے اپنے تئیں بالا سمجھتے ہیں ضرور جہنّم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔

آواز آرہی ہے یہ فونوگراف سے
ڈھونڈو خدا کو دل سے نہ لاف و گزاف سے

معزز سامعین! اِن دنوں ہستی باری تعالیٰ پر دلائل دینے کا سلسلہ جاری ہے۔ اس تناظر میں خاکسار نے مامور اُخروی دَور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک شعر کے ایک مصرع کا چناؤ کیا ہے۔ جس پر آج خاکسار اظہارِ خیال کرے گا۔ یعنی

ڈھونڈو خدا کو دل سے نہ لاف و گزاف سے

اس موضوع میں قدم رکھنے سے قبل اِس شعر کے پہلے مصرع یعنی آواز آرہی ہے یہ فونوگراف سے، پر بھی روشنی ڈالنی ہوگی۔ فونوگراف یا فوناٹوگراف ایک ابتدائی آلہ تھا۔ جس میں کسی انسان کی آواز ریکارڈ کر کے سلنڈرز کے ذریعے سُنی یا اَوروں کو سنائی جا سکتی تھی۔ ہم اِس کو ٹیپ ریکارڈر کی ایک قسم کہہ سکتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تبلیغِ اسلام کا بہت شوق تھا اور آپ علیہ السلام چاہتے تھے کہ اسلام کا پیغام دنیا کے کناروں تک پہنچے۔ آپ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ ہمارے ایک حواری حضرت نواب محمد علی خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس "فونوگراف" ہے۔

آپؑ نے حضرت نواب رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ

"جب قادیان تشریف لائیں تو فونوگراف لیتے آویں تا کہ آواز بھرنے کا تجربہ کیا جائے۔"

حضور علیہ السلام کا منشا تھا کہ آپ علیہ السلام کی تقریر بھر کر ممالک غیر میں بھجوائی جائے تا امام کی آواز براہ راست اُن تک پہنچے کیونکہ امام کی آواز میں خاص برکت اور تاثیر ہوتی ہے۔ چنانچہ نومبر 1901ء میں یہ فونوگراف قادیان لایا گیا۔ گو لالہ شرمپت کے لیے حضور علیہ السلام کے چند فارسی اشعار منشی نواب خان صاحب ثاقب مالیر کوٹلوی نے ریکارڈ کروائے۔ لیکن جو بات نوٹ کرنے والی ہے وہ یہ ہے تبلیغ کی خاطر آپ علیہ السلام نے جو اپنے منظوم کلام ریکارڈ کروائے وہ اللہ تعالیٰ کی توحید، الوہیت اور ہستیٔ باری تعالیٰ کے بعد سیدنا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح پر مشتمل تھیں اور پھر قرآن کریم عبدالکریم سیالکوٹی صاحب کی آواز میں ریکارڈ ہوا۔ اِس ترتیب سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عشقِ الٰہی، عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور محبت قرآن ظاہر ہوتی ہے۔

سامعین! حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کے لب و لہجہ میں جو منظوم کلام ریکارڈ ہوئے اُن کا طُرح وہی شعر ہے جو آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ یعنی

آواز آرہی ہے یہ فونوگراف سے
ڈھونڈو خدا کو دل سے نہ لاف و گراف سے

اس نظم کے دو یا تین اشعار مزید پیش کرتا ہوں جس سے یہ اندازہ لگانا آسان ہو گا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک توحید الٰہی اور ہستیٔ باری تعالیٰ کے پرچار کا کس قدر خیال تھا۔

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

جب تک عمل نہیں ہے دل پاک و صاف سے
کمتر نہیں یہ مشغلہ بُت کے طواف سے

وہ دین ہی کیا جس میں خدا سے نشان نہ ہو
تائیدِ حق نہ ہو مددِ آسمان نہ ہو

مذہب بھی ایک کھیل ہے جب تک یقین نہیں
جو نور سے تہی ہے خدا سے وہ دین نہیں
دینِ خدا وہی ہے جو دریائے نور ہے
جو اِس سے دُور ہے وہ خدا سے بھی دُور ہے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں حضرت مولوی عبد الکریم صاحب نے یہ نعتیہ قصیدہ ریکارڈ کروایا:

عجب نوریست در جانِ محمد
عجب لعلسیت در کانِ محمد

سامعین! مجھے آج اپنی تقریر کو ہستیٔ باری تعالیٰ پر ہی فوکس رکھنا ہے اس لیے مَیں ہستیٔ باری تعالیٰ پر ہی توجہ دوں گا۔ حضور علیہ السلام نے یورپ جیسے دہریہ کے مرکز کے لئے جو نظم ریکارڈ کروائی وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ، اُس کی توحید اور اُس کی ہستی کے بارہ ہی میں تھی بلکہ اپنوں اور غیروں کو اُس اللہ کو تلاش کرنے اور اُس کی طرف جھکنے کی طرف ترغیب دلا رہے ہیں اور فرمایا آج فونوگراف سے یہی آواز آرہی ہے کہ اپنے خدا کو دل کی گہرائیوں سے تلاش کرو اور فونوگراف کے ذریعہ جو دنیاوی شور شرابہ کی اور تفریحِ طَبع کے لئے محفلیں جمائی جاتی ہیں اس کے لاف و گزاف سے خدا قطعاً نہیں ملتا۔ لاف و گزاف کے معانی لغو کام، فضول باتوں، شیخی، تعلّی اور خود ستائی کے ہیں۔ لغات میں لکھا ہے کہ جب ان دونوں یعنی لاف اور گزاف کو ملا کر استعمال کریں تو اس کا مطلب ایسی باتیں ہوتی ہیں جو نہ صرف جھوٹی ہوں بلکہ بالکل بے بنیاد اور لغو ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ کلام بہت عارفانہ کلام ہے۔ جہاں آپ علیہ السلام نے دل و دماغ سے اللہ کی تلاش کی طرف توجہ دلائی وہاں یہ فرمایا کہ اگر دل کو پاک و صاف کر کے خدا کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل نہیں کرتے تو یہ شُغل اپنے بنائے ہوئے بُت کے طواف سے کم نہیں۔ وہ دین، دین نہیں جس میں خدا کے نشان نہ ہوں۔ جس کے ساتھ تائیدِ الٰہی اور آسمان کی مدد نہ ہو۔

حضور علیہ السلام مزید فرماتے ہیں کہ جب تک خدا پر یقین نہ ہو اُس وقت تک مذہب بھی سوائے ایک کھیل اور کود کے کچھ نہیں کیونکہ اللہ نور ہے اور اِسی نور سے دلوں میں روشنی ہو گی۔

پھر حضور علیہ السلام متنبّہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ خدا کا بھجوایا ہوا دین یعنی اسلام نور کا بہتا ہوا دریا ہے یعنی اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِس کے ساتھ ہیں۔

اِس شعر کے دوسرے مصرع ”جو اس سے دور ہیں وہ خدا سے دور ہیں“ میں پھر الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ اُسی مضمون کا اعادہ کیا گیا ہے کہ جو آج کی تقریر کا عنوان ہے کہ خدا سے دُور ہونے کے بجائے اُس خدائے حقیقی کو دل سے تلاش کریں۔

سامعین! یہی وہ حسین اور خوبصورت پیغام ہے جو حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے دَور میں لاؤڈ سپیکر کے ایجاد اور اُس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے آگے پہنچایا گیا۔ فونو گراف کا یہ سفر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے دور میں آڈیو اور ویڈیو کیسٹس سے ہوتا ہوا مواصلاتی نظام میں داخل ہوا اور پانچویں سالارِ احمدیت حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے دَور میں ایم ٹی اے کے آٹھ چینلز کے ذریعہ پوری شان اور آن بان کے ساتھ دنیا کے کونے کونے میں توحیدِ باری تعالیٰ کا پیغام پہنچ رہا ہے۔ دُنیا بھر میں 35 ریڈیو سٹیشنز اور دیگر پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا کے ذرائع کے ذریعہ کل عالَم میں اللّٰہُ اَحَدٌ کا پیغام پہنچ رہا ہے اور ہر طرف سے اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی صدائیں دنیا بھر کے ایوانوں اور کلیساؤں اور مساجد سے بلند ہو رہی ہیں۔ اللہ اکبر کی گونج دنیا کے کناروں جیسے ناروے، فجی، پُرتگال اور دنیا کے دیگر کناروں میں بلند ہو رہی ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں مساجد میں پنج وقتہ اذانوں کی گونج سنائی دیتی ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں مبلغین، مربیان، معلمین اور رضاکار خدمت گزار اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے میں مصروفِ عمل ہیں اور سب سے بڑھ کر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے خطبات، خطابات ملاقاتیں، دِس ویک وِد حضور، جلسہ سالانہ کے پروگرامز اللہ تعالیٰ کی حکومت کے قیام کو نزدیک ترین کرنے میں مدد دے رہے ہیں۔

کرتا ہے معجزوں سے وہ یارِ دین کو تازہ
اسلام کے چمن کی بادِ صبا یہی ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فونوگراف کے ایجاد کے حوالہ سے فرماتے ہیں۔
"یہ آلہ (فونوگراف) بھی خدا نے ہمارے لیے اور ہمارے مقاصد کے پورا کرنے کے لیے ایجاد کرایا ہے۔ اِس میں ہم آواز اپنی بھر کر دو آدمیوں کو غیر بلاد میں بھیجیں گے تا کہ تبلیغِ احکام الٰہی پوری ہو جاوے۔ اس کے ذریعہ سے ہر ایک سُن لے گا۔"

(تذکرۃ المہدی صفحہ 248-249)

سامعین! اب ہمیں دیکھنا ہوگا کہ وہ کون سے ذرائع ہیں جن کو اپنا کر ہم دل سے اپنے خدا کو ڈھونڈ سکتے ہیں۔ اِس مضمون کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اوّل۔ قرآنی آیت لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین:5) کو مد نظر رکھ کر ہم سب کو اشرف المخلوق ہونے کے ناطے اپنے اللہ کی تلاش جاری رکھیں۔ جس نے ہمیں حیوان یا کیڑے مکوڑے کی شکل میں نہیں بنایا۔ اس نے ہمیں حیوانِ ناطق بنایا۔ ہمیں بولنے اور اپنا مافی الضمیر ادا کرنے والا بنایا۔ ہم تسبیحات اور تذکیرِ الٰہی کر سکتے ہیں۔ ہمیں پورے اعضاء کے ساتھ مکمل انسان بنایا۔ ہمیں دماغ دیا سوچ و بچار کے لیے، ہمیں دل دیا جس سے خدا کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔ جس سے اللہ سے محبت کی جا سکتی ہے۔ ہمیں ہاتھ دیے کام کرنے کے لیے اپنے کام سنوارنے کے لیے، ہمیں آنکھیں دی دُنیا کے حسین نظاروں کو دیکھنے کے لیے اور درست فیصلہ کرنے کے لیے۔

دوم۔ اِن اعضاء کے درست اور بر محل استعمال سے جہاں ہم تسبیحات اور تذکیرِ الٰہی کرتے ہیں وہاں ہم عبادات بجا لا کر اپنے اللہ کی تلاش کر سکتے ہیں۔ پنج وقتہ نمازوں، نوافل، نماز تہجد، رمضان کے روزے، زکوٰۃ کی ادائیگی اور حج کی عبادت اگر شرائط کے ساتھ میسر ہو تو ہم اپنے اللہ کو تلاش کر سکتے ہیں۔

اور سوم یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے دل سے خدا کو ڈھونڈو۔ دل میں بے شمار مزید بُت بھی جگہ پا لیتے ہیں جسے ہم رسومات اور بدعات کا بُت بھی کہہ سکتے ہیں۔ جیسے ہمارے معاشرہ میں شادی بیاہ اور مرگ کے موقع پر بے شمار رسومات بجالائی جاتی ہیں کہ اگر اِن کو نہ بجالایا جائے تو ہماری ساکھ مجروح ہو گی۔ ہم نے بظاہر اِن رسومات کو خدا بنایا ہوا ہے۔ اِن کو ترک کر کے اپنے دلوں سے ان کو نکال کر ہم دل سے اپنے حقیقی خدا کو پا سکتے ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ۔ یہ بیعت نہیں ہے یہ سودا ہے دل کا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مارچ 1882ء کو الہام ہوا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۔ یَا اَبْنَاءَ الْفَارِسِ خُذُوْا التَّوْحِیْدَ خُذُوْا التَّوْحِیْدَ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے فارس کے بیٹو! توحید کو پکڑو۔ توحید کو پکڑو (تذکرہ صفحہ 52) پس ضرورت اِس امر کی ہے کہ ہم توحید پر خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دلائیں۔

وہ دیکھتا ہے غیروں سے کیوں دل لگاتے ہو
جو کچھ بتوں میں پاتے ہو اُس میں وہ کیا نہیں
سورج پہ غور کر کے نہ پائی وہ روشنی
جب چاند کو بھی دیکھا تو اُس یار سا نہیں
واحِد ہے لاشریک ہے اور لازوال ہے
سب موت کا شکار ہیں اُس کو فنا نہیں
سب خیر ہے اِسی میں کہ اُس سے لگاؤ دِل
ڈھونڈو اُسی کو یارو! بُتوں میں وفا نہیں
اِس جائے پُر عذاب سے کیوں دِل لگاتے ہو
دوزخ ہے یہ مقام یہ بُستاں سرا نہیں

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”توحید ایک نور ہے جو آفاقی و انفسی معبودوں کی نفی کے بعد دل میں پیدا ہوتا ہے اور وجود کے ذرّہ ذرّہ میں سرایت کر جاتا ہے پس وہ بجز خدا اور اُس کے رسول کے ذریعہ کے محض اپنی طاقت سے کیونکر حاصل ہو سکتا ہے انسان کا فقط یہ کام ہے کہ اپنی خودی پر موت وارد کرے اس شیطانی نخوت کو چھوڑ دے کہ مَیں علوم میں پرورش یافتہ ہوں اور ایک جاہل کی طرح اپنے تئیں تصوّر کرے اور دعا میں لگا رہے تب توحید کا نور خدا کی طرف سے اُس پر نازل ہو گا اور ایک نئی زندگی اُس کو بخشے گا۔“

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 148)

پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"اس کی توحید زمین پر پھیلانے کے لئے اپنی تمام طاقت سے کوشش کرو اور اس کے بندوں پر رحم کرو اور ان پر زبان یا ہاتھ یا کسی ترکیب سے ظلم نہ کرو اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہو اور کسی پر تکبر نہ کرو، گو اپنا ماتحت ہو اور کسی کو گالی مت دو، گو وہ گالی دیتا ہو۔ غریب اور حلیم اور نیک نیت اور مخلوق کے ہمدرد بن جاؤ تا قبول کئے جاؤ۔ بہت ہیں جو حلم ظاہر کرتے ہیں مگر وہ اندر سے بھیڑیے ہیں۔ بہت ہیں جو اوپر سے صاف ہیں مگر اندر سے سانپ ہیں۔ سو تم اس کی جناب میں قبول نہیں ہو سکتے جب تک ظاہر و باطن ایک نہ ہو۔ بڑے ہو کر چھوٹوں پر رحم کرو، نہ ان کی تحقیر۔ عالم ہو کر نادانوں کو نصیحت کرو نہ خود نمائی سے ان کی تذلیل۔ امیر ہو کر غریبوں کی خدمت کرو، نہ خود پسندی سے ان پر تکبر۔ ہلاکت کی راہوں سے ڈرو۔ خدا سے ڈرتے رہو اور تقویٰ اختیار کرو"

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 11-12)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ہماری بھی بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ اس تعلیم کو سمجھیں۔ توحید کی حقیقت کو سمجھیں۔ فرمایا کہ "ہماری جماعت کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر پاک تبدیلی کریں کیونکہ ان کو تو تازہ معرفت ملتی ہے اور اگر معرفت کا دعویٰ کر کے کوئی اس پر نہ چلے تو یہ نری لاف گزاف ہی ہے۔ پس ہماری جماعت کو دوسروں کی سُستی غافل نہ کر دے" (دنیا کے نمونے دیکھ کر ان کے پیچھے نہ چل پڑو۔) "... اور اس کو کاہلی کی جرأت نہ دلا دے۔ وہ ان کی محبت سرد دیکھ کر خود بھی دل سخت نہ کر لے۔" (دوسرے لوگوں کی دین کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی طرف محبت نہیں ہے تو دیکھا دیکھی اپنے دل بھی کہیں سخت نہ کر لیں۔ فرمایا "انسان بہت آرزوئیں اور تمنائیں رکھتا ہے۔ مگر غیب کی، قضاو قدر کی کس کو خبر ہے۔ زندگی آرزوؤں کے موافق نہیں چلتی۔ تمنّاؤں کا سلسلہ اور ہے، قضاو قدر کا سلسلہ اور ہے۔ اور وہی سچا سلسلہ ہے۔" (جو قضاو قدر کا ہے۔) "خدا کے پاس انسان کے سوانح سچے ہیں۔ اسے کیا معلوم ہے کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ اس لئے دل کو جگا جگا کر غور کرنا چاہئے۔"

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 157-158 ایڈیشن 2003ء مطبوعہ ربوہ)

ہمیشہ جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توحید کا حقیقی ادراک عطا فرمائے اور ہمارا ہر عمل خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کی کوشش کرنے والا ہو۔“

(خطبہ جمعہ 16/ مئی 2014ء)

(کمپوزڈ: مسز بقعۃُ النور عمران۔ جرمنی)

﴿26﴾ ﴿مشاہدات۔633﴾

رحمان خدا اور اُس کے بندے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (الفرقان:64)

کہ رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو (جواباً) کہتے ہیں "سلام"۔

میں اپنے پیاروں کی نسبت
ہرگز نہ کروں گا پسند کبھی
وہ چھوٹے درجہ پہ راضی ہوں
اور اُن کی نگاہ رہے نیچی
وہ ادنیٰ ادنیٰ خواہش کو
مقصود بنائے بیٹھے ہوں
میدانِ عمل کا نام بھی لو
تو جھینپتے ہوں گھبراتے ہوں

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان سورۃ الفرقان کی آیات 62 تا 78 میں بیان اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان اور اُس کے بندوں کی خصوصیات اور عادات و علامات سے متعلق ہے۔ خاکسار نے جس آیت کی تلاوت کی ہے۔ اس کے سیاق و سباق کو دیکھا جائے تو مومنوں کے لئے ایک بڑا عظیم مضمون سامنے آتا ہے۔ آغاز کی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے جن عنایات کا ذکر فرمایا ہے وہ صفت "رحمان" کے زُمرے میں آتی ہیں اور لکھا ہے کہ اُسی نے آسمان میں بُرج بنا کر آسمان میں ایک روشن چراغ یعنی سورج اور ایک چمکتا ہوا چاند بنایا اور پھر رات دن کو ایک دوسرے کے بعد آنے والا بنایا۔

رحمان صفت کے تحت ہی اللہ تعالیٰ نے انسان کی سہولیات اور ضروریات کے لئے زمین و آسمان بنائے۔ پھر بُرج بنا کر سورج و چاند بنا کر روشنی اور گرمائش وغیرہ مہیا فرمائے۔ نیز رات اور دن کو پھیر کر انسان کے ضرورتوں کو پورا فرمایا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے اُس کے بغیر مانگے مہیا فرمایا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے حوالے سے سورۃ الفرقان کے تعارفی نوٹ میں تحریر فرمایا ہے کہ

”اِسی طرح عباد الرحمن کی علامات بیان فرماتے ہوئے سورت کے آخر پر یہ ذکر فرمایا ہے کہ جس طرح آسمان پر بارہ بُرج ہیں۔ اِسی طرح تیرے (یعنی حضرت محمدؐ کے) بعد بارہ مجدد دین تیرے دین کے دفاع کے لئے پیدا ہوں گے اور پھر تیرے (یعنی حضرت محمدؐ کے) نور سے کامل روشنی پانے والا چودھویں کا چاند بھی آئے گا۔“

(ترجمہ القرآن صفحہ 612)

پیارے سامعین! سورۃ الفرقان کے اِس آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے بہت ہی لطیف مضمون بیان فرمایا ہے۔ جو ازدیادِ ایمان کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آخری رکوع کی پہلی دو آیات میں جہاں اپنی مخلوق کے لئے عنایات کا ذکر کیا ہے اور 12 بُرج کے بعد چاند کا ذکر ہے جو یہ کُل 13 بنتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے اوپر کے حوالہ میں اِس کے مقابل پر 12 مجدّدِین کے ذکر کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے فیض پانے والے چودھویں کے چاند کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ تعداد بھی 13 ہی بنتی ہے۔ ان دو آیات کے بعد عِبادُ الرحمن کے الفاظ میں اِن کی علامات، عادات اور خصائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہمارے اکثر مفسّرین نے اِن علامات کی تعداد بھی 13 ہی بیان فرمائی ہے۔ گو بعض مفسّرین اِن علامات کو تقسیم کر کے 15 تک لے جاتے ہیں۔

سامعین! آئیں! اب تقریر کے مقررہ وقت کے اندر رہتے ہوئے اختصار کے ساتھ ان 13 علامات اور خصائل کا اختصار سے ذکر کیا جائے۔ پہلی علامات یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا کہ الفاظ میں بیان ہوئی ہے جس کے معانی یہ ہیں کہ یہ لوگ زمین پر فروتنی اور انکساری کے ساتھ چلتے ہیں اور ساتھ ہی فرمایا وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (الفرقان:64) کہ جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو جواباً کہتے ہیں ”سلام“ یعنی

وہ ہر بات پر جہالت کے پیشِ نظر نہ لڑتے ہیں اور جھگڑتے ہیں۔ معاشرہ میں امن کو قائم رکھتے ہوئے وہ مدّمقابل کو سلامتی کی دُعا دیتے ہیں۔ چونکہ اِس علامت کا تعلق بھی انکساری اور فروتنی سے ہے اِس لئے اس تمام کو علامات نمبر 1 کہا جاتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے دل میں ذرّہ بھر بھی تکبّر ہو گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل نہیں ہونے دے گا۔ پھر اِسی حدیث میں آگے چل کر تکبّر کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ تکبّر دراصل وہ ہے جو حق کا انکار کرے، لوگوں کو ذلیل سمجھے، اُن کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے اور اُن سے بُری طرح پیش آئے۔

(مسلم کتاب الایمان)

جہاں تک عجز و انکساری کا تعلق ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جتنی زیادہ کوئی تواضع اور خاکساری اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُتنا ہی اُسے بلند مرتبہ عطا کرتا ہے۔

(مسلم کتاب البرّ والصلۃ)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

"ہر فیصلہ اِن کا اعتدال پر ہوتا ہے۔ بلاوجہ کی سختی اور غصّہ ان کی طبیعت میں نہیں ہوتا جو کہ پھر بعض اوقات تکبّر تک لے جاتا ہے اور بلاوجہ کا ٹھہراؤ بھی ان کی طبیعت میں نہیں ہوتا کہ ان سے بے غیرتی اور مداہنت کا اظہار ہوتا ہے۔"

سامعین! ایک علامت رحمن کے بندوں کی ان الفاظ میں بیان فرمائی وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ـ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا (الفرقان:65) کہ عِبادُالرحمن اپنے رب کے سامنے راتیں سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے گزارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ الفتح آیت 30 میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کے احوال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ کہ تُو اِن صحابہ کو جو عِبادُالرحمن کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے رکوع کرتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے پائے گا۔ وہ اللہ ہی سے فضل اور رضا چاہتے ہیں۔ سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر ان کی نشانی ہے۔ راتوں کو اُٹھ کر قیام کرنا

اور اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنا رکوع و سجود کرنا رحمان خدا کو بہت پسندیدہ ہے۔ مومنوں کو صحابہ کی مثال دے کر اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی دَورِ آخر میں ایمان لانے والوں کے لئے انجیل کی مثال دی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت کی تشریح میں فٹ نوٹ میں تحریر فرمایا ہے۔

”جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں دورِ آخرین میں آنے والے مسیح اور اس کے ماننے والوں کا تعلق ہے ان کی مثال انجیل میں ایسی روئیدگی کے ساتھ دی گئی ہے جو بتدریج بڑھتی ہے اور اپنے ڈنٹھل پر مضبوط ہو جاتی ہے اور اس کو دیکھ کر اس کو بونے والے یعنی خدمتِ دین میں حصہ لینے والے بہت خوش ہوں گے اور اس کے نتیجہ میں کفار کو اُن پر اور بھی زیادہ غصہ آئے گا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی جو اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان لائیں گے اور اس سے مغفرت چاہیں گے عظیم مغفرت کی اور اجر کی خوشخبری عطا فرمائی ہے۔“

(ترجمۃ القرآن صفحہ 928)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح و شام اور رات کے کچھ حصّے میں بذریعہ نوافل اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔

(بخاری کتاب الایمان)

پھر فرمایا کہ جس دن اللہ تعالیٰ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا۔ اُس دن اللہ تعالیٰ سات آدمیوں کو اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا۔ ویسے تو یہ ساتوں آدمی عِبادُالرحمن ہیں لیکن خصوصی طور پر اِن میں سے دو خصوصیات رکھنے والے واضح طور پر عِبادُ الرحمن کی ان 13 صفات میں سے ہیں جن میں ایک یہ ہیں کہ وہ مخلص جس نے خلوت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس کی محبت اور خشیت سے اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور پانچویں نمبر پر اس پاکباز مرد کا ذکر ہے جس کو خوبصورت اور بااقتدار عورت نے بدی کے لئے بلایا لیکن اُس نے کہا کہ مَیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ اس کا تعلق بھی عبادُ الرحمن کی علامت وَلَا يَزْنُوْنَ سے ہے۔

(حدیقۃ الصالحین صفحہ 165-166)

سامعین! اِس سے اگلی علامت یا عبادُ الرحمن کی خصوصیت کا نام لیں تو وہ ایک دُعا ہے جس کا وہ ورد کثرت سے کرتے ہیں اور وہ دُعا یہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۔ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا۔

اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا (الفرقان:66-67) یعنی وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے ربّ! ہم سے جہنم کا عذاب ٹال دے یقیناً اس کا عذاب چمٹ جانے والا ہے۔ یقیناً وہ عارضی ٹھکانے کے طور پر بھی بہت بُری ہے اور مستقل ٹھکانے کے طور پر بھی۔

اس علامت میں خدا تعالیٰ کا خوف ذہن میں لا کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو۔ ہمیں جنت نصیب ہو جہاں عِبادُ الرحمن سے ملاقات رہے جو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ کی علامت ہوں۔ اس اہم دُعا کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کثرت سے توجہ دلا چکے ہیں۔ ہمیں اس دُعا کو صبح وشام چلتے پھرتے پڑھنا چاہئے تا جہنم کی آگ سے بچائے جائیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت حاصل ہو۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”جہنم سے دونوں جہنم مراد ہیں، اُخروی جہنم بھی جو گناہوں کی پاداش میں ملے گی اور اس دنیا کی جہنم بھی جو بعض بُرے کاموں کے یا غلطیوں کے بدنتائج کی صورت میں ملتی ہے۔ پس عِبادُ الرحمن کا کام ہے کہ ہر وقت توبہ اور استغفار کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت کی ذلتوں سے بچائے۔ ہر قسم کی دنیاوی مشکلات کی جہنم سے بچائے۔ دنیا کی چمک اور توجہات اور ترجیحات کا غلام نہ بنائے کہ یہ اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ سے دُور لے جا کر پھر اخروی جہنم میں پڑنے کا باعث بناتی ہیں۔ پھر یہ کہ اولاد کی طرف سے بھی ہماری فکریں دُور ہوں اور ان کی وجہ سے بھی ہم اپنے اندر دل میں بے چینی کی آگ میں نہ جلتے رہیں۔“

سامعین! عباد الرحمن کی دو علامات سورۃ الفرقان کی آیت 68 میں یوں بیان ہوئی ہیں:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا جس کا ترجمہ یہ کہ وہ لوگ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو اِسراف نہیں کرتے اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ اس کے درمیان اعتدال ہوتا ہے۔

یعنی یہ اللہ کے ایسے نیک اور مخلص بندے ہیں تو اپنے گھریلو اور دیگر معاملات میں فضول خرچی یا بے جا اخراجات نہیں کرتے اور نہ ہی اخراجات میں بخل اور کنجوسی سے کام لیتے ہیں بلکہ اپنے اخراجات میں

میانہ روی اور اعتدال سے کام لیتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اخراجات میں میانہ روی اور اعتدال نصف معیشت ہے۔

(حدیقۃ الصالحین صفحہ 730-731)

اور جہاں تک بخل اور حرص کا تعلق ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا مومنوں کو بخل اور حرص سے منع فرمایا۔ ایک موقع پر فرمایا کہ بخل، حرص اور کینہ ایسا عیب ہے جس نے پہلوں کو ہلاک و برباد کیا۔

(حدیقہ الصالحین صفحہ 830)

سامعین! ایک علامت عِبادُ الرحمن کی اِن الفاظ میں بیان ہوئی ہے کہ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ (الفرقان:69) کہ وہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے۔ اللہ کے بندوں کی یہ خوبی ایسی خوبی ہے جس پر اسلام مذہب کی بنیاد ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک سے بچاؤ کے لئے جہاں مومنوں کو انتباہ فرمایا وہاں خود اپنے عمل سے شرک سے نفرت کی تعلیم دی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”شرک خدا تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام گناہ معاف ہو سکتے ہیں لیکن شرک نہیں۔ عِبادُ الرحمن کے ساتھ جو شرک کو مخصوص کیا گیا ہے تو یہ صرف ظاہری شرک نہیں کہ بتوں کی پوجا کی جائے بلکہ شرک خفی سے بھی بچتے ہیں۔ ان کی عبادتوں اور دوسرے حقوق کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق ہوتی ہے اور بڑی باریکی سے اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ اِن کی کوئی حرکت اور اِن کا کوئی عمل کسی قسم کے شرک خفی کا باعث نہ بنے۔“

سامعین! اِسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے عِبادُ الرحمن کی مزید دو علامتیں بیان فرمائی ہیں۔ اوّل۔ وہ کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے اور دوم زنا نہیں کرتے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃُ الوداع کے موقع پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا کہ آج کے دن سے تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری آبروئیں تم پر حرام اور قابلِ احترام ہیں۔ دیکھو! میرے بعد دوبارہ کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں اُڑانے لگ جاؤ۔

(مسلم کتاب القیامۃ)

پھر فرمایا۔ انسان کی بد بختی کے لئے یہی کافی ہے وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقارت کی نظر سے دیکھے۔ ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت وآبرو دوسرے مسلمان پر حرام اور اُس کے لئے واجب الاحترام ہے۔

(مسلم کتاب البرّ والصلة)

ایک جگہ فرمایا۔ جس نے ایک شخص کو بلاوجہ قتل کیا اُس نے ساری امت کو قتل کیا۔ رحمان خدا کے بندوں کے اوصاف کی بات ہو رہی ہے۔ حضورؐ نے رحمان خدا کے حوالے سے فرمایا کہ رحم کرنے والوں پر رحمان خدا رحم کرے گا۔ تم اہل زمین پر رحم کرو۔ آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

(ابوداؤد کتاب الادب)

سامعین! جہاں تک زنا کرنے اور اِس سے بچنے کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بے حیائی سے بچنے کی بارہا تعلیم دی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہؓ کو اِس بُرائی سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ آپؐ نے ایک مومن کو اجنبی اور پردہ دار عورتوں کے پاس جانے سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ پھر آپؐ نے کیا ہی درد سے صحابہؓ کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ میری ساری امت کو معافی مل جائے گی لیکن کھلم کھلا گناہ کرنے والے بے حیاؤں کو معاف نہیں کیا جائے گا۔

(بخاری کتاب الادب)

اور سب سے بڑھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیا کو اسلام کا خصوصی خُلق قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ ہر دین و مذہب کا ایک اپنا خاص خُلق ہوتا ہے اور اسلام کا خاص خُلق حیا ہے۔

(حدیقۃ الصالحین صفحہ 767-768)

فارسی میں کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

بے حیا باش ہرچہ خواہی کن

کہ جب حیا اٹھ جائے تو پھر انسان جو چاہے کرے۔

سامعین! ان تین علامات کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے عذاب کا ذکر فرمایا ہے جو ان خصوصیات کے حامل نہیں اور پھر توبہ کرنے اور اعمال صالحہ بجالانے والوں پر رحمان خدا کے رحم کرنے کا

ذکر ہے۔ یہ بھی ایک علامت ہے عبادُ الرحمن کی کہ وہ غلطی کرنے کے بعد توبہ و استغفار کرتے اور اعمال صالحہ بجالانے کا عہد کرتے ہیں۔

سامعین! سورۃ الفرقان آیت 73 میں پھر دو خصوصیات کا ذکر ہے اوّل لَا یَشْھَدُوْنَ الزُّوْرَ کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے دوم وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا کہ جب وہ لغویات کے پاس سے گزرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گزرتے ہیں۔ مَیں ایک حدیث آپ حاضرین کے سامنے پیش کرنے جارہا ہوں۔ جس میں حضورؐ نے چار بڑے گناہ گنوائے ہیں۔ جن میں سے تین کا تعلق عِبادُ الرحمن کی خصوصیات سے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا، کسی کا ناحق قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا۔ ایک روایت میں یَمِینِ غَموس یعنی ایسی جھوٹی قسم جس کے ذریعہ انسان کسی مسلمان کا حق مارے سے منع فرمایا۔

(بخاری کتاب الایمان)

حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”الٰہی جماعتیں جو ہیں انہوں نے تو اونچائی کی طرف جانا ہے اور ان سے تو اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا ہوا ہے کہ ان کے لئے ترقی کی منازل ہیں جو انہوں نے طے کرنی ہیں اور اوپر سے اوپر چلتے چلے جانا ہے۔ اُن میں اگر جھوٹ آجائے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے نہیں رہتے جن پر اللہ تعالیٰ فضل فرماتا ہے یا جن سے اللہ تعالیٰ نے فضل فرمانے کا وعدہ فرمایا ہوا ہے۔ پس احمدیوں کو اپنی گواہیوں میں بھی اور اپنے معاملات میں بھی جب پیش کرتے ہیں تو سو فیصد سچ سے کام لینا چاہئے۔“

سامعین! جہاں تک لغویات سے بچنے کا تعلق ہے۔ یہ مضمون بہت وسیع ہے۔ ہر ایسی بات لغو ہے جو ایک مومن کا وقت ضائع کرتی ہے اور اللہ سے دُور لے جاتی ہے۔ عِبادُ الرحمن کا رحجان ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رہتا ہے اور وہ دنیا کی ایسی لغویات سے پرہیز کرتے ہیں۔

حاضرین کرام! اب مزید دو علامات کا ذکر کرنا باقی رہ گیا ہے اُن میں سے ایک آیت 74 میں یوں ذکر ہے کہ وہ لوگ کہ جب انہیں اُن کے رب کی آیات یاد کروائی جاتی ہیں تو اِن پر وہ بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے۔ یعنی سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ مکمل اطاعت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اِن میں وہی نظارے دیکھنے کو ملتے ہیں جو صحابہ رسولؐ کے اندر موجود تھے۔ جن کا مطمع نظر یہ ارشاد رسولؐ ہمیشہ

سامنے رہتا تھا کہ سنو! اطاعت کو اپنا شعار بناؤ خواہ ایک حبشی غلام کو ہی کیوں نہ تمہارا افسر مقرر کر دیا جائے۔

(بخاری کتاب الاحکام)

اور آخری تیرھویں خصوصیت پھر ایک دُعا کا ذکر ہے کہ عبادُ الرحمن اُسے پڑھتے رہتے ہیں۔ جو یہ ہے:

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان:75)

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! ہمیں اپنے جیون ساتھیوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہمیں متقیوں کا امام بنا دے۔

سامعین! یہ ایسی دُعا ہے جو ایک مومن اور عبدِ رحمن کے گھر کو جنت نظیر بناتی ہے اگر اِس دُعا سے ہر عبدِ رحمن کے گھر جنت کا نظارہ پیش کرنے لگ جائیں تو تمام جماعت ایسے اعمال بجالانے والی ہو جائے گی کہ ہم عبادُ الرحمن بن کر جنت میں داخل ہوں گے اور متقین کے امام بن کر دوسروں کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔ جب ہم جنت میں داخل ہو جائیں گے تو پھر خَالِدِيْنَ فِيْهَا کے تحت اُس میں مستقل رہنے والے ہوں گے۔ آخر پر اللہ تعالیٰ نے دُعا کرنے کی طرف توجہ دلائی کہ اگر تم دُعا نہ کرو گے عبادُ الرحمن بننے کے لئے تو پھر اللہ کو بھی آپ کی کوئی پرواہ نہیں۔ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

"آئندہ نسلوں کی بقا کے لئے یہ نہایت اہم نسخہ ہے کہ جہاں ظاہری تدبیریں اور کوششیں ہو رہی ہیں جو اپنی اولاد کی دینی و دنیوی ترقیات کے لئے ایک انسان کرتا ہے وہاں دعا بھی ہو کیونکہ اصل ذات تو خدا تعالیٰ کی ہے جو اچھے نتائج پیدا فرماتا ہے۔"

سامعین! آخر پر مَیں عبادُ الرحمن بننے کے لئے ایک مثال دینا چاہتا ہوں۔ ہمیں بنک کی طرف سے ماہانہ یا سہ ماہی بیلنس شیٹ آتی ہے جس میں کریڈیٹ اور ڈیبیٹ اور پلس، مائنس درج ہونے کے بعد بیلنس درج ہوتا ہے۔ یہ کریڈٹ اور ڈیبٹ انسان کے اعمال ہیں۔ انسان کے نیک اعمال اس میں جمع ہوتے رہیں تو بیلنس پلس میں جائے گا۔ یہی عبادُ الرحمن کا نچوڑ ہے جس کے لئے ہم میں سے ہر ایک کو کوشش کرنی چاہئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

" خدا کے حقیقی عبد قرآن کریم کے حوالے سے جو نصائح کی جائیں ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنی روحانیت کو بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پس عباد الرحمن بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر قسم کی نیک نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ نہ دیکھیں کہ کون کہہ رہا ہے۔ یہ دیکھیں کہ جو بات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کی جارہی ہے اس پر عمل کرنا ہے۔ ورنہ عمل نہ کرنا انسان کے لئے ٹھوکر کا باعث بن سکتا ہے۔"

مَیں اپنی تقریر کا اختتام حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے ایک فرمان پر کرنا چاہتا ہوں۔ آپؑ فرماتے ہیں:

"یہ علامات قرآن شریف میں دو قسم کے پائے جاتے ہیں۔ بعض وہ علامات ہیں جو بندہ کے کمال تقویٰ اور کمال اخلاص اور حسن اعتقاد اور حسن اقتداء اور حسن عمل کے متعلق ہیں اور بعض وہ علامات ہیں جو خدا تعالیٰ کے فضل اور اکرام اور انعام کے متعلق ہیں یہ دونوں قسم کے علامات جس بندہ میں صحیح اور واقعی طور پر پائے جائیں گے وہ بلاشبہ عِبادُ الرحمٰن میں سے ہوگا اور سب سے زیادہ جو خدا نے علامت رکھی ہے وہ یہ ہے جو مومن اور غیر مومن میں خدا نے ایک فرقان رکھا ہے اور مومن کامل مقابلہ کے وقت اپنے دشمن پر فتح پاتا ہے اور اُس کی نصرت اور مدد کی جاتی ہے اور نیز یہ کہ مومن کامل کو بصیرت کامل بخشی جاتی ہے اور سب سے زیادہ معرفت کا حصہ بخشا جاتا ہے اور نیز یہ کہ اس کا تقویٰ معمولی انسانوں کے تقویٰ کی طرح نہیں ہوتا بلکہ اُس کے تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ وہ خدا کے مقابل پر اپنے وجود کو بھی گناہ میں داخل سمجھتا ہے اور نیستی کے انتہائی درجہ پر پہنچ جاتا ہے اور اُس کا کچھ بھی نہیں رہتا بلکہ سب خدا کا ہو جاتا ہے اور اُس کی راہ میں فدا ہونے کو ہر وقت تیار رہتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ان بندوں میں شامل فرمائے جن پر ہمیشہ اللہ کے فضل نازل ہوتے ہیں۔ آمین

(کمپوزڈ بائی: منہاس محمود۔ جرمنی)

﴿27﴾ ﴿مشاہدات۔699﴾

تعلق باللہ کی اہمیت اور برکات

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (النحل:129)

یعنی اللہ یقیناً ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جنہوں نے تقویٰ کا طریق اختیار کیا ہو اور جو نیک اور اچھے کام کرنے والے ہوں۔

یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اُس سے قربت کو
اُسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کمندوں کو

سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ **"تعلق باللہ کی اہمیت اور برکات"**

اللہ تعالیٰ اِس کائنات کا خالق اور مالک ہے اُس نے ہمیں پیدا کیا اور اشرف المخلوقات بنایا اور انسان کی روحانی بقا کے لئے اُسے اپنے تعلق سے نوازا۔ انسان کی پیدائش کا مقصد اپنے پیدا کرنے والے رب سے تعلق پیدا کرنا اور اس کی رضا کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات:57)

یعنی اللہ کہہ رہا ہے کہ مَیں نے جنّ واِنس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

خالقِ کائنات نے انسانوں کی رُشد و ہدایت کے لئے انبیاء و رسل کی بعثت کا سلسلہ جاری فرمایا۔ دنیا کی تمام اقوام میں خدا تعالیٰ کی طرف سے انبیاء بھیجے گئے جس کے نتیجے میں ان اقوام میں خدا تعالیٰ کا تصور اور ایمان قائم ہوا۔ ہر دَور میں اللہ کے فرستادوں نے بندگانِ خدا کے دلوں میں نیکی و تقویٰ کی شمعیں روشن کیں۔ جب بھی کوئی مامور من اللہ دنیا میں آتا ہے تو اس کی آمد کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان کا خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کیا جائے۔

باقی وہی ہمیشہ غیر اُس کے سب ہیں فانی
غیروں سے دل لگانا جھوٹی ہے سب کہانی

انبیاء کرام کی خدا تعالیٰ سے عشق و محبت اور تعلق کی داستان ہر نیک فطرت کے دل میں وجد کی کیفیت طاری کر کے اُسے راہِ مولیٰ کا سالک بنا دیتی ہے۔ انسان کا تعلق باللہ ہی اُس کی محبتِ الٰہی کی دلیل ہے اور محبتِ الٰہی کے نتیجہ میں ہی انسان تعلق باللہ کا مقام حاصل کرتا ہے۔ قلبی تعلق باللہ کے علاوہ انسان کا تعلق باللہ، اس کے ظاہری اعمال و عبادات اور رب العزّت کے اُس سے روزانہ کی زندگی میں حسنِ سلوک سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

انبیاء کرام ربِ واحد کی توحید سے چمٹے رہے اور اس کی تعلیم پر عمل کیا اور تمام کے تمام کامیاب و کامران ہوئے۔ انبیاء کرام کی مبارک زندگی کا ایک ایک لمحہ محبتِ الٰہی سے معمور اور زندگی کا ایک ایک عمل تعلق باللہ کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ ہمارے پیارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے بہت محبت کرتے تھے۔ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی محبتِ الٰہی کے نظارے دیکھ کر مکّے کے لوگ سچ ہی تو کہتے تھے عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّہ ' کہ محمد تو اپنے رب پر عاشق ہو گیا ہے۔

(منبر الاسلام جلد 61 جزئیات 8 تا 12)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ کی محبت میں آپ اس قدر فنا ہو چکے تھے کہ آپ اس تنہائی میں ہی پوری لذّت اور ذوق پاتے تھے۔ ایسی جگہ میں جہاں کوئی آرام کا اور راحت کا سامان نہ تھا اور جہاں جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہو آپ وہاں کئی کئی راتیں تنہا گزارتے تھے۔"

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 180)

ہر اِک عاشق نے ہے اِک بُت بنایا
ہمارے دل میں یہ دِلبر سمایا
وُہی آرامِ جاں اور دِل کو بھایا
وُہی جس کو کہیں رَبُّ البرایا

انسان کی پیدائش کی غرض ہی یہ ہے کہ اُس کا اپنے پیدا کرنے والے رب سے مضبوط تعلق ہو۔ تعلق باللہ کی فصل وفاؤں کے پانی سے سیر اب ہوتی ہے، دعاؤں اور اخلاص سے نشو و نما پاتی اور مضبوط ہوتی ہے۔ اگر بندے کا اپنے رب سے پیار کا، محبت کا تعلق ہو تو خدا تعالیٰ بھی اپنے بندے سے پیار بھرا سلوک کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو تعلق باللہ کی وجہ سے ہمیشہ دشمنوں کے شَر سے بچاتا ہے، اللہ تعالیٰ اُن کا کفیل و کارساز ہو جاتا ہے اور اُن کی مقبولیت کے نشانات دُنیا پر ظاہر کرتا ہے اور اُن کو استجابت دعا کا معجزہ عطا کرتا ہے، ہمیشہ اپنی حفاظت کے حصار میں رکھتا ہے، ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال:18)

اور حدیث میں آتا ہے کہ

مَنْ عَادَلِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ

(صحیح البخاری۔کتاب الرقاق باب التواضع)

یعنی جو میرے ولی کا دشمن ہو مَیں اس کو کہتا ہوں کہ اب میری لڑائی کے لیے تیار ہو جا۔

سامعین! حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مخالفین نے آگ میں پھینک دیا لیکن اس مردِ خدا کا اپنے مولا سے ایسا تعلق تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس صورتِ حال کو ایک نشان اور معجزے کا رنگ دیتے ہوئے آگ کے بارے میں اپنے قانونِ قدرت کو بدل کر رکھ دیا۔ فرمایا: يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (الانبیاء:70)

یعنی اے آگ! تیرا کام اور تاثیر تو جلانا ہے، لیکن آج میرے تعلق والا، میرا ایک پیارا تجھ میں پھینکا گیا ہے۔ پس اس کے لئے تو ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا موجب بن جا۔ چنانچہ وہ بھڑکتی ہوئی شعلہ زن آگ حضرت ابراہیمؑ کو نہ جلا سکی بلکہ اُن کے لئے گل و گلزار بن گئی۔ پس وہ خدا ہی کی ہستی تھی جس نے اپنے وجود اور تعلق کا ثبوت دیتے ہوئے یہ معجزہ دکھایا۔

آگ ہے پر آگ سے وہ سب بچائے جائیں گے
وہ جو رکھتے ہیں خدائے ذوالعجائب سے پیار

حضرت نوح علیہ السلام کا قوم پر پانی کے طوفان آنے سے قبل کشتی تیار کرنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جانی دشمن فرعون کے گھر پر پرورش پانا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے سمندر میں سے پار اُتر جانے کے بعد فرعون کا لشکر سمیت اُسی سمندر میں اُترنا اور غرق ہو جانا، حضرت یوسف علیہ السلام کو کس طرح گناہ سے بچا کر عزت دی، قید و بند کی سنت جاری فرمادی اور رہائی کے بعد اُنہی لوگوں کے خزانوں پر لا بٹھایا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر مارنے کی مذموم کوشش کی جاتی ہے تو کون ہے جو انہیں اُس ذلت سے بچا کر عزت بخشتا ہے۔ وہ کون سی ذات تھی جس نے تمام تَر مخالفت کے باوجود اپنے پیاروں کا ساتھ نہ چھوڑا۔ یقیناً یہ واقعات تعلق باللہ کی بہت بڑی دلیل اور نشان ہیں۔

بابِ رحمت خود بخود تم پہ وا ہوجائے گا
جب تمہارا قادر مطلق خدا ہوجائے گا

وقت کی آنکھ نے دیکھا کہ دودھ پیتے موسیٰ غرق نہیں ہوئے حالانکہ وہ اپنی کمزوری کی انتہا پر تھے اور فرعون غرق ہو گیا حالانکہ وہ اپنی طاقت کی انتہا پر تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس تقدیرِ الٰہی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔ فرمایا۔

خدا کے پاک لوگوں کو خدا سے نصرت آتی ہے
جب آتی ہے تو پھر عالَم کو اک عالَم دکھاتی ہے
وہ بنتی ہے ہوا اور ہر خسِ راہ کو اُڑاتی ہے
وہ ہو جاتی ہے آگ اور ہر مُخالِف کو جَلاتی ہے
کبھی وہ خاک ہو کر دُشمنوں کے سر پہ پڑتی ہے
کبھی ہو کر وہ پانی اُن پر اِک طوفان لاتی ہے

سامعین! جب کفارِ مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا اور آپ کے گھر کا گھیراؤ کر لیا، اذنِ الٰہی سے آپؐ گھر سے نکلے تو اللہ نے دشمنوں کو ایسا اندھا کر دیا کہ وہ آپ کو جاتے ہوئے نہ دیکھ

سکے، پھر آپ نے غارِ ثور میں پناہ لی دشمنوں کے کھوجی آپ کے قدموں کے نشانات کی وجہ سے غار کے منہ تک پہنچ گئے۔ مگر اللہ نے ان کو یہ توفیق نہ دی کہ وہ جُھک کر ہی غار کے اندر دیکھ لیتے، اس طرح انتہائی خطرے کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو دشمن کی دست اندازی سے کلیتًا محفوظ رکھا۔ یہ تمام واقعات اُس پاک ذات کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زندہ تعلق کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

انبیاء اور ان کے ماننے والے خدا تعالیٰ کی مدد اور رہنمائی سے ہی ازلی ابدی دشمنوں اور ان کے چیلوں چانٹوں کے تیار کردہ آگ کے دریاؤں سے صبر اور استقامت سے گزرے اور ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی انہوں نے مصائب کا سینہ چیرتے ہوئے انسانیت کو گمراہی کی موت سے کھینچ کر زندگی کے اعلیٰ مدارج تک پہنچایا۔

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:

”اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقینًا سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگے گا، تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اُسے دیکھے گا اور اُس کے منصوبے کو توڑے گا۔ تم ابھی تک نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدرتیں ہیں۔“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 22)

اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان اور یقین در حقیقت مذہب کی بنیاد اور روحانیت کا مرکزی نقطہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں اپنی طرف ایک میلان اور محبت ودیعت کر رکھی ہے اور جب انسان خدا کی طرف بڑھتا ہے تو اللہ اپنی رحمت و بخشش کے لئے اس کو خوش آمدید کہتا ہے۔ اور جب انسان خدا کا ہو جاتا ہے تو خدا ہر لحاظ سے اپنے بندے کا ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی مغفرت و رحمت بار بار مختلف طریقوں اور جہتوں سے انسان کو اپنے وجود کا ثبوت دے کر اپنی طرف کھینچتی ہے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی طرف سے بطور حدیث قدسی بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب بندہ ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے تو مَیں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ جب وہ ایک ہاتھ میرے قریب ہوتا ہے تو مَیں دو ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں اور جب وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو مَیں اس کی طرف دوڑتے ہوئے جاتا ہوں۔ (صحیح مسلم کتاب الذکر والدعا باب فضل الذکر)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

”ضرورت اِس بات کی ہے کہ بندہ اپنے اندر یہ تڑپ پیدا کرے کہ مَیں اللہ تعالیٰ سے ملے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور میری زندگی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے۔“

(انوار العلوم جلد 18 صفحہ 403)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”بدبخت ہے وہ انسان جس کو اب تک پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اُس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اُس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ مَیں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دِلوں میں بٹھادوں۔ کس دَف سے مَیں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے، تا لوگ سن لیں اور کس دوا سے مَیں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 21-22)

اَے سونے والو! جاگو کہ وقتِ بہار ہے
اب دیکھو آکے دَر پہ ہمارے وہ یار ہے

حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

”اللہ تعالیٰ سے پختہ تعلق پیدا کرنا اور اُس کی محبت میں سرشار ہو جانا ہر مومن کا اولین مقصد اور اُس کے ایمان کی بنیاد اور روح کی غذا ہونی چاہیے۔ وہ حقیقی زندگی اور کامیابی جو انسان کو اپنی سفلی خواہشات سے مبرّا ہونے کے بعد نصیب ہوتی ہے وہ اپنے خالق و مالک کی رضا پانے اور اس کا قُرب حاصل کرنے کی ہر ممکنہ کوشش میں لگے رہنے میں مضمر ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ہمیں بتاتی ہیں کہ قربِ الٰہی ایک ایسا سمندر ہے جس کی گہرائیوں میں بے شمار روحانی خزانے پوشیدہ ہیں۔ اس کے حصول کی راہیں متنوّع اور

لا محدود ہیں۔ صفات الٰہیہ پر غور کرنا اور انہیں اپنانے کی کوشش کرنا اللہ تعالیٰ کے قُرب کو اپنانے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ ذکرِ الٰہی اور دعاؤں میں مصروف رہنا اور عبادات کے اعلیٰ معیار حاصل کرنے کے علاوہ ان کا خاص اہتمام کرنا بھی انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت پیدا کرتا ہے۔ قرآنِ کریم کے مطالعہ کے ساتھ اس کے احکامات پر کما حقہ عمل کرنے کی کوشش کرنے سے دل میں ایسا نور پیدا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا موجب بنتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پاکیزگی اور تقویٰ اور ہر نیکی پر استقامت اختیار کرنے سے بھی انسان اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے .....اس زمانہ میں جبکہ ہر طرف فتنہ وفساد، بے راہ روی اور گمراہی پھیلی ہوئی ہے۔ ایسے میں ہمیں اپنے تقویٰ اور اخلاقی معیاروں کو بہتر بنانے کی بھرپور کوشش کرنی ہوگی اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے تعلق کو مضبوط کرنے اور روحانی بلندیوں کو حاصل کرنے کے جہاد کی طرف توجہ پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔"

(پیغام حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بر موقع سالانہ نیشنل اجتماع مجلس انصار اللہ ناروے 2024ء)

پھر حضورِ انور فرماتے ہیں:

"یہ زمانہ جو دنیا کو اللہ تعالیٰ سے دور لے گیا ہے اور ترقی کے نام پر ہر روز ہر آنے والا دن دور لے جانے کے لئے ایک نئی کوشش کرتا چلا جارہا ہے اس وقت میں یہ احمدی کا ہی کام ہے کہ اپنے تعلق باللہ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کو حاصل کرنے کی کوشش کریں اور ہر چڑھنے والا دن اس معرفت میں ترقی کرنے والا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت صرف زبانی دعویٰ نہ ہو۔ اس کے صرف نعرے نہ لگائے جائیں بلکہ اس عشق و محبت کا اظہار آپ کے اُسوۂ حسنہ کو اپنا کر ہونا چاہئے۔ یہ نہیں کہ نعرے تو آپ کے نام کے لگالئے اور اس کے بعد ظلم بھی آپ کے نام پر ہو رہا ہے۔ آجکل مسلمانوں کی یہی حالت ہے۔ اب دیکھتے ہیں بہت ساری تنظیمیں بنی ہوئی ہیں۔ حکومتیں بھی اور تنظیمیں بھی اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ظلم کر رہی ہیں۔ وہ رحمت للعالمین جو تمام زمانے کے لئے رحمت بن کر آیا تھا ان کو انہوں نے اپنے عملوں سے ظلم کا نشان بنا دیا ہے گو ان کی کوششیں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے اس زمانے میں مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے تھے اور یہی ہم کوشش کرتے چلے جا رہے ہیں کہ اسلام کی حقیقی تصویر دنیا کے سامنے پیش کریں۔

پس ہمیں اس حقیقی تصویر کو پیش کرنے کے لئے آپ کے ہر اسوہ کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ قرآن کریم کی حکومت اپنے اوپر لاگو کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور ہر وقت اس کوشش میں رہنا چاہئے کہ ہمارا ہر عمل اعمالِ صالحہ میں شمار ہونے والا عمل ہو۔ ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ہم ہر لمحہ اور ہر روز بلکہ ہر لمحہ اس کوشش میں ہوں کہ ہم نے شیطان سے دور ہونا ہے اور رحمان کے قریب ہونا ہے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 25 اگست 2017ء)

پس ہمیں چاہئے کہ ہم تعلق باللہ کو اپنی ذات میں نافذ کر کے دوسروں کو بھی اس تعلق میں پروئیں۔ اللہ کے پیاروں نے تعلق باللہ کے جو نقوش چھوڑے ہیں ہم اُنہیں مشعل راہ بنا کر اپنے عملی نمونے سے ہدایت کی شمعیں روشن رکھیں تاکہ تاریکی کے سائے دُور ہوں اور نیکی اور تقویٰ کا یہ سفر ہمیشہ جاری و ساری رہے۔ ان شاء اللہ العزیز

سب خیر ہے اِسی میں کہ اُس سے لگاؤ دل
ڈھونڈو اُسی کو یارو بُتوں میں وفا نہیں

(بتعاون: مکرم حافظ عبد الحمید و مکرمہ عائشہ چوہدری)

﴿28﴾ ﴿مشاہدات۔7﴾

تعلق باللہ کے مختلف پہلو

کبھی نُصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو
وُہی اُس کے مقرّب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں رہ اُس کی عالی بارگہ تک خُود پسندوں کو
یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اُس سے قُربت کو
اُسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جَلاؤ سب کمنْدوں کو

آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ **تعلق باللہ کے مختلف پہلو**

سامعین! تعلق باللہ کے مضمون کو سمجھنے کے لیے اولاد اور والدین کے پیار بھرے اور مطیع و مطاع کے تعلق کو جاننا ضروری ہے۔ اولاد اپنے والدین سے اطاعت اور محبت کا سلوک کرتی ہے اور والدین اس کے مقابل پر انعامات اور احسانات کی بارش کرتے ہیں اور یوں یہ تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جاتا ہے۔ ویسے بھی ماں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مماثلت دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اللہ، ماں سے کہیں بڑھ کر اپنی مخلوق جو اللہ کی عیال ہے سے پیار محبت کا تعلق رکھتا ہے۔

حضرات! جہاں تک انسان کے اپنے خالق اللہ تعالیٰ سے گہرے تعلق کا ذکر ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی پیاری کتاب خاتم الکتب قرآن کریم میں انسانی پیدائش کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذّٰریات:57) کہ میں نے جن ّو انس کو صرف اس غرض کے لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اولاد اور والدین کی مثال کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک مومن جس حد تک اپنے خالق اللہ کی عبادت کا حق ادا کرے گا۔ خدا تعالیٰ سے حقیقی محبت رکھے گا۔ ایسی محبت جو کسی سے نہ کی ہو نہ اپنے والد سے، نہ اپنی ماں سے ، نہ اپنے بہن بھائیوں اور عزیز و اقارب میں کسی سے نہ کی ہو تو اللہ تعالیٰ اس مومن پر بے انتہا انعامات نازل کرے گا۔ اُسے سچی خوابیں آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ اس سے مکالمہ مخاطبہ کرے گا۔ اُس کی دعائیں سنی جائیں گی اور وہ دربار الٰہی میں مستجاب الدعوات تصور کیا جائے گا تو یہ تعلق حقیقی تعلق کہلائے گا جو وقت کے ساتھ ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

حضرات! اس ضمن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک ایمان افروز واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ ایک دفعہ آپؑ بٹالہ کی عدالت میں ایک مقدمہ کا سامنا کرنے کے لیے موجود تھے کہ نماز کا وقت جا رہا تھا۔ آپؑ نے نماز پڑھنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ آپؑ کو وکلاء نے روکا کہ اگر اس دوران عدالت میں پیشی کے لیے آواز لگ جائے اور آپ موجود نہ ہوں تو مقدمہ ہمارے خلاف جا سکتا ہے۔ مگر آپؑ نے اللہ کے حق کو مقدم رکھا اور آپؑ انسانی مقصد حیات یعنی عبادت کے لیے چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے اس فعل کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور مقدمہ میں نہ صرف آواز نہیں لگی بلکہ جج نے فیصلہ بھی آپؑ کے حق میں کر دیا۔

سامعین! کہا جاتا ہے کہ ایک ولی کے گھر کے پاس ایک بہت ہی متمول آدمی کا گھر تھا جو رات کو ناچ گانے کی محفلیں سجاتا رہتا تھا جس سے ولی کی رات کی عبادات میں خلل واقع ہوتا۔ ولی نے ایک دو بار اسے سمجھایا۔ امیر آدمی نے بادشاہ سے شکایت کر ڈالی۔ جس پر بادشاہ نے اس متمول آدمی کی حفاظت کی خاطر کچھ پہرہ دار، اہلکار متعین کر دیے۔ اس نے ولی کو کہلا بھیجا کہ اب میری طرف مَیلی نگاہ سے نہ دیکھنا۔ ولی چونکہ عبادت الٰہی کا پورا پورا حق ادا کرتے تھے اور تعلق باللہ بھی مضبوط تھا۔ انہوں نے واپس پیغام بھجوایا کہ ہم رات کے تیروں سے مقابلہ کریں گے۔ جس پر امیر شخص ڈر گیا کہ ہم رات کے تیروں کے مقابلہ کی سکت نہیں رکھتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قریباً تمام صحابہؓ کا اپنے اللہ سے مضبوط تعلق تھا۔ راتوں کو بیدار ہوتے اور نوافل و دعاؤں سے اپنے خالق حقیقی سے اپنا تعلق مضبوط کیا کرتے۔ اس موقع پر بے شمار واقعات پیش کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن وقت کی رعایت سے حضرت غلام رسول راجیکی رضی اللہ عنہ کے تعلق باللہ کا ذکر

کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ دوست احباب اپنی مشکلات اور دیگر امور بارے ذکر کر کے آپ مولوی صاحب موصوف سے دعا کی درخواست کیا کرتے تھے۔ آپ کا طریق تھا کہ آپ وہیں کھڑے کھڑے ہاتھ اٹھاتے اور کہا کرتے کہ آو! دعا کرلیں اور دعا کے بعد سائل کو دعا کی قبولیت کا بتا بھی دیا کرتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ربوہ میں ایک طالب علم نے امتحان میں کامیابی کے لیے آپ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی اور ساتھ ہی اس طالب علم کو خوشخبری سنا دی کہ تم سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہو جاؤ گے۔ نتائج آنے پر ایسا ہی ہوا۔

سامعین! اللہ کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرنے کے لیے جہاں خداوند کریم سے محبت ضروری ہے وہاں قرآنی حکم ''صبغۃ اللہ'' کے تحت اللہ کے رنگ میں رنگین ہونا، اس کی پاک صفات سے متصف ہونا بھی ضروری ہے۔ کسی قسم کے شرک کی ملونی نہ ہو اور خداوند کریم کو اَحد اور وحدہٗ لاشریک تصور کیا جائے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس مضمون کو سورۃ الشعراء آیت 2 کی تفسیر میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

''خدا تعالیٰ سے اتصال اور اس کے قرب کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ انسان اپنے اندر صفات الٰہیہ پیدا کرے اور اس کی محبت کو اپنے اندر جذب کرے پھر جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے اسی طرح محبت الٰہی اسے خدا تعالیٰ کی طرف کھینچنے لگ جاتی ہے۔''

(تفسیر کبیر جلد 9 صفحہ 250-251 لندن ایڈیشن)

پھر آپؓ فرماتے ہیں۔

''صفات الٰہیہ کو جب ہم اپنے ذہن میں بٹھا لیتے ہیں تو خدا تعالیٰ کی ایک تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے اور اُس کے نتیجہ میں ہمارے دلوں میں اُس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ غرض صفات الٰہیہ کے بار بار دہرانے اور تواتر سے دہرانے کے نتیجہ میں چونکہ خدا تعالیٰ کی ایک تصویر بنتی ہے اور اس تصویر کی وجہ سے ہمارے دل میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح بچوں کے دل میں اپنے ماں باپ کی ملاقات کا اشتیاق ہوتا ہے۔ اسی طرح تمہارا بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہی روحانی تعلق ہونا چاہیے۔ گویا تمہارا چین اور تمہارا آرام صرف خدا تعالیٰ کے ساتھ ہی وابستہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ اسی پر تمہاری روحانی زندگی کا مدار ہے۔''

(تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 444 کالم 1)

سامعین! تعلق باللہ کے سلسلہ میں اللہ سے تعلق کو مربوط کرنے کے لیے سورۃ آل عمران آیت 32 کو بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب ہو کر فرماتا ہے قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ

ترجمہ: (اے محمدؐ) تُو کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

سامعین! ہمارا راہ عمل اور مشعلِ راہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ اور سیرت کو اپنانا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ میں بیان ہوا ہے تب اللہ ہم سے پیار کرے گا اور ہمارا اپنے اللہ سے تعلق بھی مضبوط ہوتا چلا جائے گا۔

اس ضمن میں سورۃ الانشقاق آیت 7 کو سامنے رکھ کر ایک مومن کو اپنے تعلق باللہ کو استوار رکھنے کے سفر کو باحسن طریق جاری و ساری رکھنا ہو گا جس کے لیے سعی کو اپنے آخری مقام تک پہنچانا ہے تا اللہ کی زیارت ہو جس کے لیے ذاتی محبت اور ذاتی تعلق بہت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدۡحًا فَمُلٰقِیۡهِ (الانشقاق:7)

ترجمہ: اے انسان! تجھے ضرور اپنے ربّ کی طرف سخت مشقّت کرنے والا بننا ہو گا۔ پس (بہر حال) تُو اُسے رُوبرو ملنے والا ہے۔

اپنے متعلق اور جماعت میں اللہ سے روحانی تعلق کے انتشار کے حوالہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”مجھ سے خدا تعالیٰ باتیں کرتا ہے اور مجھ سے ہی نہیں جو شخص میری اتباع کرے گا اور میرے نقش قدم پر چلے گا اور میری تعلیم کو مانے گا اور میری ہدایت قبول کرے گا خدا تعالیٰ اس سے باتیں کرے گا“

پھر فرمایا۔

”لکھا ہے کہ مسیح موعودؑ کے ظہور کے وقت یہ انتشار نورانیت اس حد تک ہو گا کہ عورتوں کو بھی الہام شروع ہو جائے گا اور نابالغ بچے نبوت کریں گے اور عوام الناس روح القدس سے بولیں گے اور یہ سب کچھ مسیح موعودؑ کی روحانیت کا پرتو ہو گا۔“

(ضرورۃ الامام از روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 475)

حضرات !میں اپنی تقریر کا اختتام تعلق باللہ کے اس اہم روحانی اور دینی مضمون کو حدیث میں بیان ایک واقعہ بیان کرنے سے کرتا ہوں۔

بدر کے مقام پر ایک عورت اپنے گمشدہ بچے کو تلاش کرتے دوسروں کے بچوں کو چومتی چاٹتی اپنے سینے سے لگاتی اور پھر چھوڑ دیتی۔ کچھ دیر بعد جب اسے اپنا گمشدہ بچہ مل گیا تو وہ سکون میں آگئی اور بچے سے پیار کرنے لگی، دودھ پلانے میں لگ گئی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کو دیکھ رہے تھے۔ آپؐ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جو محبت کا نظارہ تم نے اس عورت میں اپنے بچے کے ساتھ دیکھا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اس سے بھی بڑھ کر محبت کرتا ہے اور یہی اس تعلق کا نتیجہ ہے جو ایک مومن اپنے اللہ سے کرتا ہے اور پھر اپنے اللہ سے انعامات بھی پاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے والد محترم کی وفات پر آپؑ کی پریشانی کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے الیس اللہ بکاف عبدہ کی نوید سنائی اور پھر ہم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف آپ اور آپؑ کے خاندان بلکہ پوری جماعت پر انگنت فضلوں اور رحمتوں کی بارش کی جو آج بھی پوری آب و تاب کے ساتھ ساری دنیا کے احمدیوں پر موسلا دھار برس رہی ہے اور تا قیامت برستی رہے گی اور افراد جماعت کا اپنے خداوند کریم سے تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا۔

(ضمیمہ تریاق القلوب نمبر 5 صفحہ اوّل۔ مطبوعہ 1902ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح اور سچا تعلق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان پورا وفادار اور مخلص ہو جو شخص وفادار نہیں اگر وہ ہر روز اس قدر روتا رہے کہ اس کے آنسوؤں کا ایک چھپڑ لگ جاوے تو بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی قدر نہیں ہے اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ تمہارا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ کامل وفاداری کا نمونہ ہو۔“

`(ملفوظات جلد 7 صفحہ 401 ایڈیشن 1984ء)

﴿29﴾ ﴿مشاہدات۔192﴾

صحابہ رسول رِضوانُ اللہ علیہم کا تعلق باللہ اور ذوق عبادت

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ٚ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا (الفتح:30)

محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں کفار کے مقابل پر بہت سخت ہیں (اور) آپس میں بے انتہا رحم کرنے والے۔ تُو انہیں رکوع کرتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھے گا۔ وہ اللہ ہی سے فضل اور رضا چاہتے ہیں۔ سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر ان کی نشانی ہے۔ یہ اُن کی مثال ہے جو تورات میں ہے۔ اور انجیل میں ان کی مثال ایک کھیتی کی طرح ہے جو اپنی کونپل نکالے پھر اُسے مضبوط کرے پھر وہ موٹی ہو جائے اور اپنے ڈنٹھل پر کھڑی ہو جائے، کاشتکاروں کو خوش کر دے تا کہ ان کی وجہ سے کفار کو غیظ دلائے۔ اللہ نے ان میں سے اُن سے، جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے، مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہوا ہے۔

تَرَکُوا الغَبُوْقَ وَبَدَّلُوْا مِنْ ذَوْقِهِ
ذَوْقَ الدُّعَاءِ بِلَیْلَةِ الْاَحْزَانِ

انہوں نے شام کو پی جانے والی شراب چھوڑ دی اور اس کی لذت کو غم کی راتوں میں دعا کی لذت سے بدل دیا۔

سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ **صحابہ رسول رِضوانُ اللہ علیہم کا تعلق باللہ اور ذوق عبادت**

سورت الفتح کی جس آیت کی مَیں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اُس میں اللہ تعالیٰ نے وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ کہہ کر اُن فضائل اور مناقب کی صحابہؓ کے اندر سرایت کرنے کا ذکر فرمایا ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے جن کی بنا پر وہؐ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن کہلائے۔ جن میں سے ایک صفت عنوانِ بالا تعلق باللہ اور ذوقِ عبادت سے متعلقہ ہے۔ جو اِس آیت کے الفاظ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ میں بیان ہوئے ہیں اور کہا گیا ہے کہ (اے محمدؐ) تو اُنہیں رکوع کرتے ہوئے اور سجدہ کرتے دیکھے گا۔ وہ اللہ ہی سے فضل اور رضا چاہتے ہیں۔ سجدوں کے اثر سے اُن کے چہروں پر اُن کی نشانی ہے۔

مجھے آج اِسی آیت کی روشنی میں صحابہ کرام کا تعلق باللہ اور اُن کا ذوقِ عبادت بیان کرنا ہے۔ احادیث میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا۔ پس آپؐ کو اپنی رسالت سے سرفراز فرمایا۔ یہ انتخاب اللہ نے اپنے علم کی بنا پر کیا۔ آپؐ کے انتخاب کے بعد پھر لوگوں پر اللہ نے نگاہ ڈالی تو بہترین عباد کو صحابہ کے طور پر منتخب فرمایا اور اِن کو دینِ محمدؐ کے انصار اور اپنے نبی کے وزراء بنا دیا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ایک لشکر پر سردار بنا کر بھیجا۔ وہ صحابی اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے تو اپنی قراءت کو **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ** پر ختم کرتے۔ جب وہ لوگ واپس لوٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس بات کا ذکر ہوا تو آپؐ نے فرمایا۔ اُن سے دریافت کریں کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ صحابہؓ کے دریافت کرنے پر انہوں نے جواب دیا کہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی صفت ”اَحَد“ کا ذکر ہے اور مَیں اس کے پڑھنے کو محبوب رکھتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو بتا دو کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کو محبوب جانتا ہے۔

سامعین! جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو صحابہ کرام پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ان کے دلوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ ان کا محبوب آقا جدا ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ تلوار لہرا کر کہنے لگے کہ جو یہ کہے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں مَیں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ ایسے میں سیدنا حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھایا، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا

اور باہر تشریف لائے اور صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ محمدؐ فوت ہو چکے اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ خدا زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی کہ

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (آل عمران:145)

جس توحید کے قیام کی خاطر رسول اللہؐ تشریف لائے تھے اور اس راہ میں بیشمار دکھ و مصائب برداشت کئے تھے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدنا حضرت ابو بکرؓ نے توحید کا ہی درس دیا۔

سامعین! صحابہ کرامؓ نے توحید باری تعالیٰ کی خاطر المناک مشکلات کو برداشت کیا۔ اس راہ میں جانیں قربان کیں۔ تپتی گرم ریت اور پتھروں پر گھسیٹا گیا۔ الٹا لٹکا کر نیچے آگ جلا دی گئی۔ لوہے کی زرہیں پہنا کر چلچلاتی دھوپ میں کھڑا کر دیا گیا۔ بھوک اور پیاس کی اذیتیں دی گئیں۔ شیر خوار بچوں کو دودھ سے محروم کیا گیا۔ سوشل بائیکاٹ کیا گیا۔ اموال اور جائیدادیں چھین لی گئیں۔ ماں باپ نے مسلمان بچوں سے جدائی اختیار کر لی۔ وطن سے بے وطن کر دیا گیا۔ حاملہ عورتوں کے حمل گرا دیئے گئے۔ عبادت گاہیں گرا دی گئیں۔ غرضیکہ روزانہ نئے ظلم و ستم ایجاد کئے گئے۔ ہر رات نے ظلم تراشے۔ صبح و شام کو مصائب و آلام کی چکیوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ زندگی ہر گھڑی موت کا الارم سناتی تھی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے یہ سب دکھ مصائب اور تکالیف ربِ ذوالجلال کی خاطر خندہ پیشانی سے قبول کئے اور توحید کے عَلَم کو بلند سے بلند تر کرتے چلے گئے۔ خدائے بزرگ و برتر نے ان شاندار قربانیوں کو بہت ہی پیار اور محبت کی نظر سے دیکھا اور شرفِ قبولیت عطا فرماتے ہوئے ان بزرگ ہستیوں کو زندہ جاوید کر دیا۔ جن پر قومیں ابد الآباد تک فخر کرتی رہیں گی۔

ایک دن سرداران قریش نے مسجد حرام کے پاس حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال وجواب کرنا شروع کر دیئے پھر پکڑ کر زدو کوب کرنے لگ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے شوروغل سنا اور دوڑے ہوئے آئے اور کہا: تمہارا بُرا ہو۔ اس عظیم انسان سے اس لئے لڑتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے اور یہ تمہارے پاس روشن دلائل لے کر آیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا اور

حضرت ابو بکرؓ کو مارنے لگ گئے۔ آپ کی بیٹی حضرت اَسماءؓ کہتی ہیں کہ ابا گھر آئے۔ آپ جب بالوں کی مینڈھی کو ہاتھ لگاتے تو وہ آپ کے ہاتھ میں آجاتی اس پر بھی کوئی شکوہ نہ تھا۔ بلکہ فرماتے رہے۔ تَبَارَكْتَ يَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَام

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ کے نتیجہ میں بتوں کے پجاریوں کی ایسی کایا پلٹی کہ عبادت الٰہی ان کی محبوب غذا بن گئی۔ بعض صحابہ اس بات کی خاص پابندی کیا کرتے تھے کہ ہر نماز سے قبل نیا وضو کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارہ میں کتب احادیث میں یہی لکھا ہے۔

صحابہ کرامؓ سخت سے سخت مصروفیت کی حالت میں بھی جب نماز کا وقت آتا تو تمام کاروبار چھوڑ کر سیدھے مسجد کی طرف ادائیگی نماز کے لئے چلے جاتے۔ حضرت سفیان ثوریؒ سے روایت ہے کہ صحابہ خرید وفروخت کیا کرتے تھے۔ لیکن فرض نمازوں کو ہر صورت میں جماعت کے ساتھ ادا کرتے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار مَیں بازار میں تھا کہ نماز کا وقت آگیا۔ تمام صحابہ دکانیں بند کر کے مسجد چلے گئے۔ قرآن کریم کی آیت رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ...(النور: 41) انہی کے بارہ میں نازل ہوئی۔ یعنی یہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت، خرید وفروخت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ کو نماز باجماعت ادا کرنے کا اس حد تک شوق تھا کہ بیماری اور تکلیف کے باوجود مسجد میں نماز ادا کرنے کی کوشش کرتے۔ بعض صحابہؓ دوسروں کا سہارا لے کر مسجد آتے اور نماز باجماعت ادا فرماتے۔

سامعین! ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز کسی کام کی وجہ سے عشاء کی نماز بہت دیر سے پڑھائی اور صحابہؓ انتظار میں بیٹھے رہے۔ بعض کو نیند بھی آگئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا۔ تم لوگ نماز کی انتظار میں تھے گویا نماز ہی پڑھتے رہے۔ یعنی نماز پڑھنے کا ثواب ملتا رہا۔

آئیں! آپ کو ایک اور دلچسپ واقعہ سناؤں۔ ایک دن حضرت ابو طلحہ انصاریؓ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک چڑیا اُڑتی ہوئی آئی چونکہ باغ بہت گھنا تھا اور کھجوروں کی شاخیں باہم ملی ہوئی تھیں۔ چڑیا ان

میں پھنس گئی اور نکلنے کی راہ ڈھونڈنے لگی۔ ان کو باغ کی شادابی اور اس کی اُچھل کود کا یہ منظر بہت پسند آیا اور اس کو تھوڑی دیر دیکھتے رہے۔ پھر نماز کی طرف توجہ کی تو یہ یاد نہ آیا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ دل میں کہا کہ اس باغ نے یہ فتنہ پیدا کیا ہے۔ فوراً حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کرنے کے بعد عرض کی کہ اس باغ کو مَیں صدقہ میں دیتا ہوں۔

اسی طرح ایک اور صحابی کے متعلق روایت ہے کہ وہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ فصل کا زمانہ تھا دیکھا تو کھجوریں پھل سے لدی ہوئی تھیں۔ ان کو دیکھ کر نماز سے توجہ ہٹ گئی اور بھول گئے کہ کس قدر رکعتیں پڑھی ہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر سیدنا حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اس باغ کی وجہ سے مَیں فتنہ میں مبتلا ہوا ہوں۔ اس لئے اس باغ کو صدقہ کرتا ہوں۔

سامعین! سخت سے سخت تکلیف میں بھی صحابہ کرامؓ کی نماز قضا نہیں ہوتی تھی۔ جس دن حضرت عمرؓ کو زخم لگا اسی رات، صبح لوگوں نے نماز فجر کے لئے جگایا تو بولے۔ ہاں! جو شخص نماز چھوڑ دے اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ چنانچہ اسی حالت میں کہ زخم سے مسلسل خون جاری تھا آپؓ نے نماز پڑھی۔

بزرگ صحابی حضرت خبیبؓ کو جب شہید کیا جانے لگا تو انہوں نے اپنے قاتلوں سے اجازت مانگی کہ مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔ بخاری میں روایت ہے کہ یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے قتل کے وقت دو رکعت ادا کرنے کا طریق جاری کیا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم کہو گے کہ گھبرا کر ایسا کر رہا ہے تو مَیں اور زیادہ خدا سے محو راز و نیاز ہوتا۔ پھر یہ اشعار پڑھتے ہوئے اپنے مولا کے حضور حاضر ہو گئے۔

فَلَسْتُ أُبَالِي حِيْنَ أُقْتَلُ مُسْلِماً
عَلَى أيِّ جَنْبٍ كَانَ فِي اللهِ مَصرَعِي
وَلَسْتُ بِمُبدٍ لِلعَدُوِ تَخَشُّعاً
وَلَا جِزَعاً، إِنِّي إِلَى اللهِ مَرْجِعِي

کہ جب مَیں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جاؤں تو مَیں پرواہ نہیں کرتا کہ کس پہلو گرتا ہوں۔ اگر خداوند تعالیٰ کو منظور ہوا تو میرے جسم کے ٹکڑوں میں بھی برکت دے دے گا۔

سامعین! اگر کسی رکاوٹ کی وجہ سے نماز قضا ہو جاتی تو صحابہ کرام کو اس کا بہت دکھ اور رنج ہوتا۔ غزوہ خندق میں کفار سے برسرپیکار ہونے کے باعث حضرت عمرؓ کی عصر کی نماز قضا ہو گئی تو آپؓ انتہائی رنج میں کفار کو بُرا بھلا کہتے ہوئے آئے اور رسول اللہ کے سامنے اپنے دکھ کا اظہار کیا۔

سامعین! خدائے واحد و یگانہ کی عبادت کرنے کے جرم میں کفارِ مکہ کی اذیتوں سے مجبور ہو کر سیدنا حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت لے کر رختِ سفر باندھا تو راستہ میں ابنُ الدغنہ رئیس قارہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا ابو بکر! کہاں کا قصد ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ قوم نے مجھے جلاوطن کر دیا ہے۔ اب ارادہ ہے کہ کسی اَور ملک کو چلا جاؤں اور آزادی سے خدا کی عبادت کروں۔ ابن الدغنہ نے کہا کہ تم سا آدمی جلاوطن نہیں کیا جاسکتا۔ تم مفلس و بے نوا کی دستگیری کرتے ہو، قرابت داروں کا خیال رکھتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو، مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو۔ میرے ساتھ واپس چلو اور اپنے وطن ہی میں اپنے خدا کی عبادت کرو۔ چنانچہ آپ ابن الدغنہ کے ساتھ پھر مکہ واپس آئے۔ ابن الدغنہ نے قریش میں پھر کر اعلان کر دیا کہ آج سے ابو بکرؓ میری امان میں ہیں۔ ایسے شخص کو جلاوطن نہ کرنا چاہئے جو محتاجوں کی خبر گیری کرتا ہے۔ قرابت داروں کا خیال رکھتا ہے۔ مہمان نوازی کرتا ہے اور مصائب میں لوگوں کے کام آتا ہے۔ قریش نے ابن الدغنہ کی امان کو تسلیم کیا لیکن فرمائش کی ابو بکر کو سمجھا دو کہ وہ جب اور جس طرح جی چاہے اپنے گھر میں نمازیں پڑھیں اور قرآن کی تلاوت کریں لیکن گھر سے باہر نمازیں پڑھنے کی ان کو اجازت نہیں۔ مگر حضرت ابو بکرؓ صدیق نے عبادت الٰہی کے لئے اپنے صحن خانہ میں ایک مسجد بنالی تھی۔ کفار کو اس پر بھی اعتراض ہوا۔ انہوں نے ابن الدغنہ کو خبر دی کہ ہم نے تمہاری ذمہ داری پر ابو بکرؓ کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے مکان میں چھپ کر اپنے مذہبی فرائض ادا کریں۔ لیکن اب وہ اپنے صحن میں مسجد بنا کر اعلان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اس سے ہم کو خوف ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے متاثر ہو کر اپنے آبائی مذہب سے بدعقیدہ نہ ہو جائیں۔ اس لئے تم انہیں مطلع کر دو کہ اس سے باز آجائیں ورنہ تم کو ذمہ داری سے بَری سمجھیں۔ ابن الدغنہ نے ابو بکر صدیقؓ سے جا کر کہا: تم جانتے ہو کہ مَیں نے کس شرط پر تمہاری حفاظت کا ذمہ لیا ہے اس لئے یا تو تم اس پر قائم رہو یا مجھے ذمہ داری سے بری سمجھو، میں نہیں چاہتا کہ عرب میں مشہور ہو

کہ مَیں نے کسی کے ساتھ بد عہدی کی لیکن حضرت ابو بکرؓ نے نہایت استغنا کے ساتھ جواب دیا کہ مجھے تمہاری پناہ کی حاجت نہیں میرے لئے خدا اور اس کے رسول کی پناہ کافی ہے۔

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابو الدرداءؓ کو بھائی بھائی بنا دیا تھا۔ حضرت سلمانؓ، حضرت ابو الدرداءؓ سے ملنے گئے۔ دیکھا تو ام درداء (ان کی بیوی) میلی کچیلی ہیں انہوں نے حال پوچھا تو کہا تمہارا بھائی ابو الدرداء تارک الدنیا ہو گیا ہے اتنے میں ابو الدرداء بھی آئے اور سلمان کے لئے کھانا تیار کیا اور کہنے لگے تم کھاؤ۔ مَیں روزے سے ہوں۔ سلمان نے کہا جب تک تم نہ کھاؤ گے مَیں نہیں کھاؤں گا۔ خیر! ابو الدرداء نے کھالیا جب رات ہوئی تو ابو الدرداء عبادت کے لئے اٹھے سلمان نے کہا سو جاؤ وہ سو گئے پھر اٹھنے لگے تو کہا سو جاؤ جب رات آخر ہوئی تو سلمان نے کہا اب اٹھو! پھر دونوں نے نماز پڑھی تو حضرت سلمانؓ نے ان کو سمجھایا۔ بھائی دیکھو! اللہ کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری جان کا بھی اور تمہاری بیوی کا بھی اور ہر ایک کا حق ادا کرو۔ یہ سن کر ابو الدرداء آنحضورؐ کے پاس آئے اور آپؐ سے یہ سب واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا: سلمان نے سچ کہا۔

حضرت امام حسنؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نماز پڑھ رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ O مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ O (الطور: 8-9) تیرے رب کا عذاب یقیناً واقع ہونے والا ہے اور اس کو کوئی دُور کرنے والا نہیں تو بہت متاثر ہوئے۔ رقت طاری ہو گئی اور روتے روتے آنکھیں سوج گئیں۔ اسی طرح ایک دفعہ تلاوت کرتے ہوئے آپ پر اس قدر خشوع طاری ہوا کہ اگر ان کے حال سے ناواقف شخص انہیں دیکھ لیتا تو یہ سمجھتا کہ آپ کی روح ابھی اسی حالت میں پرواز کر جائے گی۔

حضرت عمرؓ نماز میں عموماً ایسی سورتیں پڑھتے جن میں قیامت کا ذکر ہوتا یا اللہ تعالیٰ کی عظمت کا بیان ہوتا اور خشوع و خضوع اور رقّت کی وجہ سے آنسو رواں ہو جاتے۔ حضرت عبد اللہ بن شدادؓ کا بیان ہے کہ باوجودیکہ مَیں پچھلی صف میں رہتا تھا لیکن حضرت عمرؓ جب یہ آیت اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْ پڑھتے تو آپ کے رونے کی آواز مجھے سنائی دیتی۔

غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر دو صحابی ایک پڑاؤ پر پہرہ دینے کے لئے مقرر تھے۔ ایک صحابی اپنی ڈیوٹی دے کر سو گئے جبکہ دوسرے نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک مشرک نے نماز پڑھنے والے صحابی کو تیر مارا جو ان

کے بدن میں پیوست ہو گیا۔ اس صحابی نے تیر نکالا اور نماز پڑھتے رہے۔ اس مشرک نے دوبارہ تیر مارا جو انہیں لگا۔ اس کو بھی انہوں نے نکالا لیکن نماز میں مشغول رہے۔ مشرک نے تیسرا تیر پیوست کر دیا۔ انہوں نے نکال کر رکھ لیا اور رکوع اور سجدہ میں چلے گئے اور اتنے میں سوئے ہوئے صحابی کو جگا دیا اور وہ مشرک بھاگ کھڑا ہوا۔ زخمی صحابی سے جب ان کے ساتھی نے دریافت کیا کہ مجھے پہلے کیوں نہ جگایا تو وہ کہنے لگے کہ مَیں ایک ایسی سورۃ پڑھ رہا تھا کہ اسے ختم کئے بغیر مجھے پسند نہ آیا کہ نماز ختم کر دوں۔ جب مشرک نے مجھ پر تیر اندازی کی تو مَیں نے رکوع کیا اور تمہیں جگا دیا۔ لیکن خدا کی قسم! اگر اس پہرہ داری کے فریضہ کے ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہوتا تو خواہ میری جان چلی جاتی میں اس سورۃ کو پورا کئے بغیر نماز ختم نہ کرتا۔

سامعین! صحابہ کرام انتہائی ذوق و شوق اور مستعدی سے رضائے باری تعالیٰ حاصل کرنے کے لئے فرض نمازیں ادا کرتے تھے اسی طرح نوافل، نماز تہجد، اشراق اور صلوٰۃ کسوف وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں صحابہ کرامؓ کی فضیلت اور عبادت کے شوق و لگن کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۡ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (السجدۃ:17) آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام راتوں کو دیر تک نماز پڑھا کرتے یہاں تک کہ پاؤں سوجھ جاتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت انس بن مالکؓ سفر میں ہوتے تھے تو سواری کے اوپر ہی بیٹھے بیٹھے نفل کی نمازیں پڑھ لیا کرتے تھے اور اس کو رسول اللہ ؐ کی سنت سمجھتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو الدرداءؓ کو نماز اشراق کی وصیت فرمائی تو یہ دونوں بزرگ باقاعدگی کے ساتھ نماز اشراق ادا کیا کرتے تھے۔

چاند اور سورج کو جب گہن لگتا تو تمام صحابہ صلوٰۃ الکسوف ادا کیا کرتے تھے۔ ایک بار جب گہن لگا تو حضرت عبد اللہ ابن عباس نے صفہ زمزم میں لوگوں کو جمع کیا اور باجماعت نماز ادا کی۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام مغرب اور عشاء کے درمیان بھی نوافل ادا کیا کرتے تھے۔ اصحاب الصفہ دن کو جنگل سے ایندھن لاتے اور (فرض نماز کے علاوہ) رات کو نوافل ادا کرتے۔ چنانچہ

خدا تعالیٰ فرماتا ہے: كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ (الذّٰریٰت:18) یہ لوگ عبادت میں مشغول رہنے کے سبب راتوں کو بہت کم سوتے ہیں۔

سامعین! صحابہ کرام نہ صرف خود نفل نمازیں ذوق وشوق سے ادا فرماتے بلکہ اپنے اہل وعیال کو بھی بیدار کر کے نماز میں شریک کیا کرتے تھے۔

ایک روز حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گھر سے نکلے تو دیکھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پست آواز کے ساتھ قراءت کر رہے ہیں۔ آگے بڑھے تو حضرت عمرؓ کو نہایت بلند آواز سے نماز میں قراءت کرتے دیکھا۔ جب یہ دونوں بزرگ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابو بکر! نماز میں تمہاری آواز دھیمی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں جس (خدا) سے سرگوشی کر رہا تھا۔ اس کے کان میں میری آواز پہنچ گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ تمہاری آواز نماز میں بہت بلند تھی تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مَیں سونے والوں کو جگاتا اور شیطان کو دھتکارتا ہوں۔

حضرت عمرؓ نہایت خشوع وخضوع سے نماز تہجد ادا کرتے۔ صبح ہونے کے قریب ہوتی تو گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے: وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ (طٰہٰ:133) کہ اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دے۔

ابو عثمان نہدی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے سات دن حضرت ابو ہریرہؓ کی مہمانی کا شرف حاصل ہوا۔ گھر میں تین افراد تھے۔ ابو ہریرہؓ ان کی بیوی اور ایک خادم۔ رات کو انہوں نے تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک حصہ میں ایک فرد عبادت کرتا تھا۔ جب وہ سونے لگتا تو دوسرے کو اٹھا دیتا اور جب دوسرا سونا چاہتا تو تیسرے کو اٹھا دیتا۔

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد میں لمبی لمبی سورتیں مثلاً سورۃ البقرہ، آل عمران، المائدہ اور الانعام وغیرہ پڑھا کرتے تھے اور جس قدر لمبا قیام ہوتا تھا اسی طرح رکوع اور سجود بھی طویل ہوتے تھے۔ اس لئے اس قدر طویل اور پُرسکون نماز میں وہی شخص شریک ہو سکتا تھا جس کا دل شوقِ عبادت سے لبریز ہوتا۔ بعض صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس نفلی طویل عبادت میں بھی شریک ہو جاتے۔ حضرت عوف بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز تہجد

میں شریک ہوا۔ آپؐ نے بہت طویل سورتیں پڑھیں اور مَیں عبادت میں شریک رہا۔ ایک بار حضرت حذیفہؓ کو بھی یہ شرف نصیب ہوا۔ نیز حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو بھی۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز تہجد ادا کرنے کی توفیق و سعادت ملتی رہی۔

یہ شوق صرف چند صحابہ کرامؓ تک محدود نہ تھا بلکہ عموماً سب صحابہ میں پایا جاتا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز تہجد پڑھی لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ پڑھی۔ پھر دوسری رات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تو بہت سے صحابہ شریک ہو گئے پھر تیسری اور چوتھی رات بھی صحابہ جمع ہو گئے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لائے۔ جب صبح ہوئی تو آپؐ نے فرمایا۔ میں نے تمہارا کام دیکھا (یعنی نوافل ادا کرتے ہوئے) مگر مَیں اس بات کے ڈر سے نہ نکلا کہ تم پر یہ عبادت فرض نہ ہو جائے۔

بعض صحابہ کو اس حد تک عبادت کا شوق و ذوق تھا کہ ساری رات عبادت میں اور دن کو روزہ میں گزارتے لیکن ایسا کرنے سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع فرمایا۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم رات کو عبادت کرتے اور دن کو روزہ رکھتے ہو۔ مَیں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ درست ہے، مَیں ایسا ہی کرتا ہوں۔ اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے۔ تیری اہلیہ کا بھی تجھ پر حق ہے بے شک روزہ بھی رکھو۔ افطار بھی کرو۔ عبادت بھی کرو اور سو بھی۔

حضرت عتبان بن مالک انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں اپنی قوم بنی سالم کی امامت کیا کرتا تھا میرے گھر اور ان کے درمیان ایک نالہ تھا۔ بارش ہو جاتی تو میرے لئے یہ نالہ پار کرنا مشکل ہو جاتا اور میری بینائی میں فتور آ گیا تھا۔ مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی اس مشکل کا ذکر کر کے عرض کی کہ یارسول اللہ! میرے گھر تشریف لا کر ایک جگہ نماز پڑھ کر برکت بخشیں تاکہ مَیں وہ جگہ نماز کے لئے مقرر کر لوں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز حضرت ابوبکرؓ سمیت میرے گھر تشریف لائے۔

اس وقت دن چڑھ چکا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اللہ اکبر کہا تو ہم لوگوں نے بھی آپ کے پیچھے صف باندھ کر دو رکعتیں پڑھیں۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کی نانی ملیکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی۔ حضور تشریف لائے اور کھانا تناول فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ مَیں تمہیں نماز پڑھاؤں۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ مَیں ایک بوریئے کی طرف گیا جو سیاہ ہو چکا تھا۔ مَیں نے اس پر پانی چھڑکا۔ اسی بوریئے پر آنحضرتؐ کھڑے ہوئے اور مَیں اور ایک اور بچے نے آپ کے پیچھے صف باندھی اور بڑھیا (نانی) نے ہمارے پیچھے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعات نماز پڑھائی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے ایک رات اپنی خالہ حضرت امّ المومنین میمونہؓ کے پاس گزاری۔ جب آدھی رات گزر گئی یا اس سے کچھ پہلے یا اس سے کچھ بعد۔ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے۔ سورہ آل عمران کی آخر کی دس آیتیں پڑھیں پھر وضو کیا اور نماز تہجد کے لئے کھڑے ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز تہجد ادا کی۔ حضورؐ نے دو دو رکعتیں کر کے نماز تہجد پڑھی اور آخر میں وتر پڑھے۔ پھر لیٹ گئے یہاں تک کہ فجر کی نماز کا وقت ہو گیا۔

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ سخت گرمی کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ گرمی کی شدت اس قدر ہوتی کہ زمین پر پیشانی لگانا مشکل ہو جاتا تو بعض صحابہ کپڑا بچھا کر اس پر سجدہ کرتے۔

بخاری شریف میں بیان ہے کہ صحابہ اذان دینے کے لئے مسابقت کرتے۔ ایک بار حضرت سعد بن ابی وقاص نے ان میں قرعہ بھی ڈالا۔

بعض صحابہ کا یہ طریق تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد پھر اپنی قوم کے پاس واپس جاتے اور انہیں نماز پڑھاتے۔ چنانچہ حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ

حضرت معاذ بن جبلؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز (فرض) پڑھا کرتے تھے پھر جا کر اپنی قوم میں امامت کرتے اور وہی نماز ان کو پڑھاتے۔

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عورتیں بھی اپنے ربّ کی عبادت بجالانے کے شوق میں مساجد میں جایا کرتی تھیں۔ کیونکہ آنحضورؐ کا ارشاد مبارک تھا کہ عورتوں کو رات کے وقت مسجدوں میں جانے سے نہ روکو۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز میں کئی مسلمان عورتیں بھی چادروں میں لپٹی ہوئی نماز ادا کرتیں۔ پھر (نماز کے بعد) اپنے گھروں کو لوٹ جاتیں (اندھیرے کی وجہ سے) کوئی انہیں نہ پہچانتا۔

ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں دو ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی ہوئی دیکھی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیسی رسی ہے؟ بتایا گیا کہ یہ رسی امّ المومنین زینب نے باندھی ہے۔ جب وہ کھڑی کھڑی عبادت کرتے تھک جاتی ہیں تو اس سے سہارا لیتی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اس رسی کو کھول دو۔ تم میں سے ہر شخص کو اس وقت تک عبادت کرنی چاہئے جب تک نماز میں دل لگا رہے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن بنی اسد قبیلہ کی ایک عورت میرے پاس بیٹھی تھی اتنے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو دریافت فرمایا یہ کون عورت ہے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ یہ فلاں عورت ہے جو رات بھر عبادت کرتی ہے اور سوتی نہیں۔ پھر اس کے نماز پڑھنے کی کیفیت بیان کی۔ اس پر آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ بس اتنا عمل کرو جتنے کی طاقت ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو ثواب دینے سے تھکتا نہیں۔ تم ہی (عمل کرتے کرتے) تھک جاؤ گے۔

سامعین! جس دل میں محبت الٰہی ہوتی ہے وہ ربّ ذوالجلال کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتا ہے۔ صحابہ کرام کے دل جو محبت الٰہی سے لبریز تھے وہ خدا کی ہیبت و جلال سے لرزاں بھی رہتے تھے۔ حضرت عثمانؓ خوف خداوندی سے اکثر آبدیدہ رہتے۔ موت، قبر اور عاقبت کا خیال ہمیشہ دامنگیر رہتا۔ کوئی جنازہ گزرتا تو کھڑے ہو جاتے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے۔ مقبروں سے گزرتے تو رقّت طاری ہو جاتی اور داڑھی تر ہو جاتی۔ لوگ کہتے کہ جنت و دوزخ کے تذکروں سے تو آپ پر اس قدر رقّت طاری نہیں ہوتی۔ آخر مقبروں میں کیا خاص بات ہے کہ انہیں دیکھ کر آپؓ بیقرار ہو جاتے ہیں۔ فرماتے آنحضرتؐ کا

ارشاد ہے کہ قبر آخرت کی سب سے پہلی منزل ہے۔ اگر یہ معاملہ آسانی سے طے ہو گیا تو پھر تمام منزلیں آسان ہیں۔ اگر اس میں دشواری پیش آئی تو تمام مرحلے دشوار ہوں گے۔

حضرت عمرؓ خشیت الٰہی سے لرزاں و ترساں رہتے۔ قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی سے آپؓ نے فرمایا "تم کو یہ پسند ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام لائے، ہجرت کی، جہاد کیا اور نیک اعمال کئے۔ اس کے بدلہ میں دوزخ سے بچ جائیں اور عذاب و ثواب برابر ہو جائے۔ وہ صحابی کہنے لگے۔ خدا کی قسم! ہم نے روزے بھی رکھے، نمازیں پڑھیں بہت سے نیک کام کئے اور ہمارے ہاتھ پر بہت سے لوگ اسلام لائے۔ ہمیں ان اعمال سے اپنے ربّ سے بہت توقعات ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ مجھے تو یہی غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ عذاب سے بچ جائیں اور نیکی اور بدی برابر ہو جائیں۔

حضرت ابو بکرؓ کے متعلق یہ روایت بھی آتی ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا کے لوگ جنتی ہیں تب بھی مواخذہ کا خوف میرے دل پر ہو گا کہ شاید وہ بدقسمت انسان میں ہی ہوں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے متعلق احادیث میں لکھا ہے کہ جب آپ کوئی سرسبز درخت دیکھتے تو فرماتے۔ کاش! مَیں درخت ہی ہوتا کہ عاقبت کے جھگڑوں سے چھوٹ جاتا۔ کسی باغ سے گزرتے تو چڑیوں کو چہچہاتے دیکھتے تو آہ سرد کھینچ کر فرماتے پرندو! تمہیں مبارک ہو کہ دنیا میں چگتے پھرتے ہو درخت کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور قیامت کے روز تمہارا کوئی حساب نہ ہو گا۔ کاش! ابو بکر بھی تمہاری طرح ہوتا۔

سامعین! صحابہ کی روح کی غذا ذکر الٰہی تھی۔ بڑی کثرت سے نمازوں کے علاوہ بھی ذکر الٰہی اور تسبیحات کیا کرتے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم دونوں ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح دس بار تحمید اور دس بار تکبیر پڑھ لیا کرو اور جب سونے لگو تو 33 بار تسبیح، 33 بار تحمید اور 34 بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی تلقین فرمائی۔ مَیں نے اس کو چھوڑا نہیں۔

حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ ہر روز بارہ ہزار دفعہ تسبیحات کرتے اور فرماتے: مَیں اپنے گناہوں کے مطابق تسبیحات کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے یہ کہہ کر نماز شروع کی۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَّ سُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا

یعنی اللہ سب سے بڑا ہے اور سب تعریفیں اسی کے لئے ہیں اور اس کی ذات پاک ہے صبح بھی اور شام بھی۔ نماز کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کلمے خدا کو ایسے پیارے لگے کہ آسمان کے دروازے ان کے لئے وا کر دیئے گئے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد مَیں ہمیشہ یہ مبارک کلمات دہراتا ہوں۔

(مکرم عبدالستار خان صاحب کے ایک مضمون سے اخذ شدہ۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ)

﴿30﴾ ﴿مشاہدات۔747﴾

ذکرِ الٰہی، اطمینانِ قلب کا مُوجب ہے

ذکرِ الٰہی کے معنی خدا تعالیٰ کو یاد کرنا ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

اُذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ (البقرة:153)

کہ مجھے یاد کیا کرو، مَیں بھی تمہیں یاد رکھوں گا۔

ذکرِ خدا پہ زور دے ظلمتِ دل مٹائے جا
گوہرِ شب چراغ بن دنیا میں جگمگائے جا
سینہ میں جوشِ غیرت اور آنکھ میں حیا ہو
لب پر ہو ذکر تیرا دل میں تیری وفا ہو

سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے۔ **"ذکرِ الٰہی، اطمینانِ قلب کا مُوجب ہے۔"**

انسان کمزور ہے اور اُسے ہر وقت اِس بات کی ضرورت ہے کہ اُس کا پیدا کرنے والا پیارا رب اُسے یاد رکھے۔ اِس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو نصیحت فرمائی ہے کہ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (انفال:46)

کہ اللہ کو بہت یاد کیا کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ پھر ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ (المنافقون:10)

یعنی اے مومنو! تم کو تمہارے اموال اور تمہاری اولادیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کریں اور جو لوگ ایسا کریں گے وہی گھاٹا پانے والے ہوں گے۔

پھر ذکر ہوا۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَر (العنکبوت:46)

کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر تمام امور سے اہم اور بڑا ہے۔

جو مومن اللہ کے ذکر میں مصروف رہتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے قریب ہوتا ہے۔ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ عزّوَجلّ فرماتا ہے ”مَیں اُس وقت اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرے ذکر میں مشغول ہوتا ہے اور میرے ذکر کے ساتھ اس کے ہونٹ متحرک ہوتے ہیں۔“

(ابن ماجه، کتاب الادب، باب فضل الذکر حدیث نمبر 3792)

حدیثِ پاک ہے کہ وہ مجالس جہاں خدا تعالیٰ کا ذکر ہورہا ہو تو وہاں فرشتے اپنی رحمت کے پَر پھیلا لیتے ہیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

”جو لوگ ذکر الٰہی کرتے ہیں فرشتے اُن کو اپنے جلَو میں لے لیتے ہیں، رحمت اُن کو ڈھانپ لیتی ہے، اُن پر سکینت نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اِن کا تذکرہ اپنے حضور میں رہنے والوں سے کرتا ہے۔“

(سنن ترمذی، کتاب الدعوت، باب ماجاء فی القوم یجلسون فیذکرون اللہ عزوجل مالهم من الفضل)

اس حدیث میں اللہ کا ذکر کرنے والوں کو یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ اُن پر سکینت نازل ہوگی۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ”اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ سب سے افضل ذکر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور سب سے افضل دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰه ہے۔

(ابن ماجه، کتاب الادب، باب فضل الحامدین)

ہے دستِ قِبلہ نُما لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه
ہے دردِ دل کی دوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سائل کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔ تیری زبان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہنی چاہیے۔ (ترمذی ابواب الدعوات)

پھر فرمایا کہ وہ گھر جس میں ذکرِ الٰہی ہوتا ہے وہ زندہ گھر ہے اور جن گھروں میں ذکرِ الٰہی نہیں ہوتا وہ مُردہ ہیں۔

(صحیح البخاری کتاب الدعوات باب فضل ذکر اللہ عز وجل)

حضرت عَمرو بن عَبَسَہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"جس شخص نے اس نیت سے مسجد بنائی کہ اُس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے گا۔ اللہ اُس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔"

(نسائی، کتاب المساجد، باب الفضل فی بناء المساجد)

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ نمونہ ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بچپن سے ہی اپنے خالق ومالک کی محبت بھر دی گئی تھی۔ آپؐ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے اوراطمینانِ قلب پاتے۔ آپؐ فرماتے ہیں۔
"میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔"

(سنن الترمذی، کتاب عشرۃ النساء باب حب النساء)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔
"یقیناً مَیں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ پس میری عبادت کر اور میرے ذکر کے لئے نماز کو قائم کر۔" (طٰہٰ:15)

یہ ایک حقیقت ہے کہ خدا تعالیٰ سے محبت کرنے، اُس سے پیار کرنے اور اُس کا قرب حاصل کرنے کے لئے نماز سے بڑھ کر کوئی ذکر نہیں۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازوں کے علاوہ بالخصوص رات کے وقت اللہ تعالیٰ کی گہری محبت سے سرشار ہو کر نہایت خشوع وخضوع سے بہت لمبی اور خوبصورت نماز پڑھا کرتے تھے۔ ذکرِ الٰہی آپؐ کو ہر دوسری چیز سے زیادہ پیارا تھا۔ آپؐ کی محبت کا اظہار نمازوں، عبادات، دعاؤں اور ذکرِ الٰہی سے خوب عیاں تھا۔ آپؐ کی زندگی میں کبھی ایسا موقع نہیں آیا کہ آپؐ ایک لحظہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوئے ہوں۔ آپؐ اپنے رب کے سچے عاشق تھے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبتِ الٰہی کے نظارے دیکھ کر مکّے کے لوگ سچ ہی تو کہتے تھے عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّہٗ ' کہ محمد تو اپنے رب پر عاشق ہو گیا ہے۔

(منبر الاسلام جلد 61 جزئیات 8 تا 12)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"نماز سے بڑھ کر اور کوئی وظیفہ نہیں ہے کیونکہ اس میں حمدِ الٰہی ہے، استغفار ہے اور درود شریف۔ تمام وظائف... کا مجموعہ یہی نماز ہے اور اِس سے ہر ایک قسم کے غم وہم دور ہوتے ہیں اور مشکلات حل ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر ذرا بھی غم پہنچتا تو آپؐ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور اسی لئے فرمایا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:29)۔ اطمینان، سکینتِ قلب کے لئے نماز سے بڑھ کر اَور کوئی ذریعہ نہیں... میرے نزدیک سب وظیفوں سے بہتر وظیفہ نماز ہی ہے نماز ہی کو سنوار سنوار کر پڑھنا چاہئے اور سمجھ سمجھ کر پڑھو اور مسنون دعاؤں کے بعد اپنے لئے اپنی زبان میں بھی دعائیں کرو۔ اس سے تمہیں اطمینانِ قلب حاصل ہو گا اور سب مشکلات خدا تعالیٰ چاہے گا تو اسی سے حل ہو جائیں گی۔ نماز یادِ الٰہی کا ذریعہ ہے اسی لئے فرمایا ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔"

(الحکم 31 مئی 1903ء صفحہ 9)

ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپؐ کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مجھے گھر میں سخت محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے حتّٰی کہ چکّی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں آپؐ مجھے ایک غلام عنایت کر دیں... آپؐ نے فرمایا۔ کیا تم کو مَیں ایسی بات نہ بتاؤں جو اس چیز سے بہتر ہے جو تم نے مانگی ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا ضرور بتائیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ جب تم بستر پر لیٹنے لگو تو 34 دفعہ اللہ اکبر کہو، 33 بار سبحان اللہ اور 33 بار الحمد للہ کہو۔ یہ تمہارے لئے غلام سے بہتر ہے۔

(مسلم کتاب الذکر باب التسبیح اول النہار وعند النوم)

اللہ تعالیٰ کی صفات پر غور کرتے ہوئے ذکرِ الٰہی کرنے سے انسان کے دل میں تقویٰ پیدا ہوتا ہے، ذکرِ الٰہی سے مومن کے دل میں ایک جوش اور محبت پیدا ہوتی ہے، یقیناً مومن اللہ کے ذکر سے ہی اطمینانِ قلب

پاتے ہیں۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرنا افضل ترین کام ہے، بخشش اور آسانی کے دروازے اِسی پکار سے کھُلتے ہیں اور رزق میں فراوانی ہوتی ہے۔ ذکرِ الٰہی دل کے شیشے کو جِلا بخشتا ہے۔

جو بے قراری ہو یہ نسخہ آزما لینا
خدا کے ذکر سے دل اور زباں سجا لینا

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں۔

”حضرت مسیح موعودؑ کسی بزرگ کا یہ مقولہ سنایا کرتے تھے کہ ”دست با کار و دل با یار“ یعنی انسان کے ہاتھ تو کاموں میں مصروف ہونے چاہئیں لیکن اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اِسی طرح ایک اور بزرگ کے متعلق مشہور ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ مَیں کتنی دفعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کروں۔ تو انہوں نے کہا ”محبوب کا نام لینا اور پھر گن گن کر“ تو اصل ذکر وہی ہے جو اَن گنت ہو۔ مگر ایک معین وقت مقرر کرنے میں یہ خوبی ہوتی ہے کہ انسان اُس وقت اپنے محبوب کے لئے اور کاموں سے بالکل الگ ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ دونوں حالتیں ضروری ہیں اس لئے صحیح طریق یہی ہے کہ معین رنگ میں بھی ذکرِ الٰہی کیا جائے اور غیر معین طور پر بھی اٹھتے بیٹھے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے اور اس کے فضلوں اور احسانات کا بار بار ذکر کیا جائے۔“

(تفسیر کبیر جلد 7 صفحہ 309)

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

سامعین! حقیقی ذکر اللہ چار ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں۔

”جو واقعہ میں ذکر اللہ ہیں اور جن کا قرآن کریم میں بڑے زور سے حکم دیا گیا ہے وہ ذکر... چار طرح کے ہیں۔ ان کا چھوڑنا بہت بڑے ثواب سے محروم رہنا ہے اس لئے ان کو کبھی ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ ان میں سے پہلا ذکر نماز ہے (2) قرآن کریم کا پڑھنا (3) اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان تکرار سے اور ان کا اقرار کرنا

اور ان کی تفصیل اپنی زبان سے بیان کرنا (4) جس طرح خدا تعالیٰ کی صفات کو علیحدہ اور گوشے میں بیان کرنا اسی طرح لوگوں میں بھی ان کا اظہار کرنا۔ یہ وہ چار ذکر ہیں۔ جو قرآن کریم سے ثابت ہیں اور جن کا کرنا روحانیت کے لئے نہایت ضروری بلکہ لازمی ہے۔"

(انوار العلوم جلد 3 صفحہ 500)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ ذکرِ الٰہی کرنے کے اوقات اور طریق کے بارہ میں فرماتے ہیں:

"یُوں تو ہر وقت ہی خدا تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ یَذْکُرُ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ اَحیَانِہٖ (ترمذی کتاب الدعوات باب ما جاء ان دعوۃ المسلم مستجابۃ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ہی خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے... نماز کے بعد کا وقت ذکر کے لئے بہت ہی اعلیٰ درجہ کا ہے اس وقت ضرور ذکر کرنا چاہئے... ذکر کے متعلق کچھ اور احتیاطیں بھی ہیں اور وہ یہ کہ سوائے اُن موقعوں کے جو حدیث سے ثابت ہیں مجلس میں اونچی آواز سے ذکر نہ کیا جائے۔ بعض دفعہ اس طرح رِیا پیدا ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ دوسرے لوگوں کو ذکر کرنے یا نماز پڑھنے میں تکلیف ہوتی ہے... پھر بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں ذکر کرنے میں لذت بھی آجاتی ہے۔ مگر انہیں چاہئے کہ نفس کے لئے لذت نہ تلاش کریں اور ذکر کرنے کے وقت یہ نیت نہ ہو کہ لذت حاصل ہو۔ بلکہ عبادت سمجھ کر کرنا چاہئے۔ کیونکہ لذت اصل چیز نہیں ہے۔ اصل چیز عبادت ہے اور عبادت اُسی وقت قبول ہوتی جبکہ عبادت سمجھ کر کی جائے۔"

(انوار العلوم جلد 3 صفحہ 507-509)

ذکرِ الٰہی کے فوائد کے بارہ میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ذکر کرنے سے... اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جاتی ہے... ذکر کرنے والے بندہ کو خدا تعالیٰ اپنا دوست بنا لیتا ہے... اللہ تعالیٰ کا ذکر انسان کو بدیوں سے روکتا ہے... رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سات آدمیوں کے سر پر خدا کا سایہ ہو گا اور اُن میں سے ایک ذکر کرنے والا ہو گا... جس پر خدا تعالیٰ کا سایہ ہو گا سمجھ لینا چاہئے کہ وہ کیسا خوش قسمت ہو گا... ذکر کرنے والے کی دعا قبول ہو جاتی

ہے... خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو کوئی میرے ذکر میں لگا رہتا ہے اُسے مَیں اُس کی نسبت جو مانگتا رہتا ہے زیادہ دیتا ہوں۔"

(ذکرِ الٰہی، انوار العلوم جلد 3 صفحہ 534-537)

سامعین! انسان اپنے دنیاوی کام کرتے ہوئے بھی ذکرِ الٰہی کا شیریں پھل کھا سکتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ احمدی زمینداروں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"آپ جو احمدی زمیندار ہیں... جس وقت آپ اپنی زمین پر کام کر رہے ہوں تو سوائے خدا کے کسی اور کو یاد نہ کریں۔ سوائے اپنے رب کے کسی پر بھروسہ نہ رکھیں۔ اور ہل چلاتے ہوئے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی خُلَفَاءِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی عَبْدِكَ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ وغیرہ دیگر دعائیں کرتے جائیں تو مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے ہل میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جس طرح دوسری صورت میں زمین میں ہَل چلے گا۔ اس صورت میں بھی ہَل چل جائے گا۔ لیکن زمین کی رُوئیدگی بڑھ جائے گی اس کی فصل پہلے کی نسبت زیادہ ہو جائے گی۔"

(خطبات ناصر جلد 1 صفحہ 478، 479)

جو مومن اللہ کے ذکر میں مصروف رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے قریب ہوتا ہے۔ جس دل میں خدا کی یاد ہو اللہ تعالیٰ اُسے اپنے تقوٰی سے بھر دیتا ہے۔ یقیناً مومن اللہ کے ذکر سے ہی اطمینانِ قلب پاتے ہیں۔
حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

"اپنے ذہنوں کو پاک رکھنے کے لئے ذکرِ الٰہی ضروری ہے۔ صرف ظاہری تسبیح پھیرنا ذکرِ الٰہی پر دلالت نہیں کرتا بلکہ دل، دماغ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، فضلوں کی سَمت کو سامنے رکھ کر اس طرح اللہ کو یاد کرے کہ تقوٰی پیدا ہو۔"

(خطبات مسرور جلد 6 صفحہ 398)

مادہ پرستی کے اِس دَور میں ہر سُو ظلمتوں کا دَور دَورہ اور نفسا نفسی کا عالَم ہے۔ دنیا اطمینانِ قلب کی تلاش میں ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اپنے قلوب میں ذکرِ الٰہی کی شمع روشن کریں۔ پس آگے بڑھو اور اِس قرآنی نسخہ سے فائدہ اُٹھاؤ۔

اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ (الرعد:29)

سنو! اللہ ہی کے ذکر سے دل اطمینان پاتے ہیں۔

خدا کرے کہ ہم اللہ کی یاد سے اپنے لبوں کو تَر کرتے ہوئے سکینت پانے والے بنیں۔ (آمین)

عادتِ ذکر بھی ڈالو کہ یہ ممکن ہی نہیں
دل میں ہو یادِ صنم لب پہ مگر نام نہ ہو

(بتعاون: مکرم حافظ عبد الحمید صاحب)

﴿31﴾　　﴿مشاہدات۔862﴾

ذِكْرُ اللّٰهِ اَنِيْسِيْ وَثَمْرَةُ فُؤَادِيْ فِيْ ذِكْرِهٖ (حضرت محمدؐ)

ذکرِ الٰہی میرا مونس اور میرے دل کا پھل ہے

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۖۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۔ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا (الطلاق:11-12)

اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اے عقل والو جو ایمان لائے ہو! اللہ نے تمہاری طرف ایک عظیم ذکر نازل کیا ہے۔ ایک رسول کے طور پر جو تم پر اللہ کی روشن کر دینے والی آیات تلاوت کرتا ہے تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل بجالائے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالے اور جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے وہ اُسے (ایسی) جنتوں میں داخل کرے گا جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہنے والے ہیں۔ اُس کے لئے (جو نیک اعمال بجالاتا ہے) اللہ نے یقیناً بہت اچھا رزق بنایا ہے۔

ذکرِ خدا پہ زور دے ظلمتِ دل مٹائے جا
گوہرِ شب چراغ بن دنیا میں جگمگائے جا
سینہ میں جوشِ غیرت اور آنکھ میں حیا ہو
لب پہ ہو ذکر تیرا دل میں تیری وفا ہو

معزز سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے توسط سے اپنی جو 20 خوبیاں اور اوصاف بیان فرمائے ہیں اُن کو ترتیب سے بیان کیا جارہا ہے۔ آج ان اوصاف میں سے پانچویں صفت بالفاظ

"ذِکۡرُ اللہ اَنِیۡسِی "اور اٹھارویں صفت بالفاظ "ثَمۡرَۃُ فُؤَادِیۡ فِیۡ ذِکۡرِہٖ" پر روشنی ڈالنی ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ ذکرِ الٰہی میرا تنہائی میں دوست ہے اور ذکرِ الٰہی میرے دل کا پھل ہے۔ آئیں! پہلے اِس عنوان میں آنے والے الفاظ کے لغوی و اصطلاحی معنوں کو جانتے ہیں۔ لفظِ انیس، اُنس سے نکلا ہے جس کے معنی محبت، پیار اور میل جول کے ہیں۔ انیس، اُنس کی صفت ہے جس کے معنی اُنس رکھنے والا، محبت کرنے والا اور دوست کے ہیں۔ اس کی ایک صفت مُونس ہے۔ جس کے معنوں میں آرام دینے والا، خلوت کا ساتھی شامل ہے۔ اور ثَمرہ، لذیذ و شیریں پھل اور میوے کو بھولتے ہیں۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ ذکرِ الٰہی میرے دل کا پھل ہے جس کے استعمال سے میری مادی اور روحانی صحت بر قرار رہتی ہے اور میری روح طراوٹ پاتی ہے۔

سامعین! تقریر میں آگے بڑھنے سے قبل اُس حدیث کو جاننا ضروری ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ کی سیرت کے حوالہ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا:

اَلْمَعْرِفَةُ رَاسُ مَالِیْ وَالْعَقْلُ اَصْلُ دِیْنِیْ ، وَالْحُبُّ اَسَاسِیْ ، وَالشَّوْقُ مَرْکَبِیْ، وَذِکْرُ اللّٰہِ اَنِیْسِیْ، وَالثِّقَةُ کَنْزِیْ ، وَالْحُزْنُ رَفِیْقِیْ، وَالْعِلْمُ سَلَاحِیْ ، وَالصَّبْرُ رِدَائِیْ ، وَالرِّضَاءُ غَنِیْمَتِیْ وَالْعِجْزُ فَخْرِیْ، وَالزُّھْدُ حِرْفَتِیْ، وَالیَّقِیْنُ قُوَّتِیْ، وَالصِّدْقُ شَفِیْعَتِیْ، وَالطَّاعَةُ حَسَبِیْ ، وَالْجِھَادُ خُلُقِیْ وَقُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ وَثَمْرَةُ فُؤَادِیْ فِیْ ذِکْرِہٖ وَغَمِّیْ لِاَجَلِ اُمَّتِیْ وَشَوْقِیْ اِلٰی رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ

(الشِّفَاءِ لقاضی عیاض بن موسیٰ صفحہ 81)

کہ معرفت میرا سرمایہ ہے اور عقل میرے دین کی بنیاد ہے اور محبت میری اساس ہے اور شوق میری سواری ہے اور ذکرِ الٰہی میرا مونس ہے اور وثوق میرا خزانہ ہے اور غم میرا رفیق اور علم میرا ہتھیار ہے، صبر میری چادر ہے، رضا میری غنیمت اور عاجزی میرا فخر ہے اور زُہد میرا پیشہ اور یقین میری قوت اور صدق میرا شفیع اور اطاعت میرا حسب، جہاد میرا خلق اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، ذکرِ الٰہی میرے دل کا پھل ہے اور میرا غم میری امت کے لئے ہے اور میرا شوق اپنے رب عزّوجلّ کی طرف ہے۔

گویا آج مجھے اِن بیس اوصاف میں سے دو اوصاف پر یکجائی طور پر روشنی ڈالنی ہے اور دونوں کا خلاصہ وہ ذکرِ الٰہی ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت دردِ دل سے کیا کرتے تھے۔

سامعین! ہر انسان اپنی غمی، خوشی اور اداسی کے لیے اپنے دوست بناتا ہے۔ جن کے ساتھ وہ وقت گزارتا اور دونوں ایک دوسرے کی غمی خوشی میں ساتھ دیتے ہیں۔ کسی نے کتاب کو دوست بنایا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں تنہائی میں بہترین ساتھی کتاب ہے۔ بعض لوگوں کی مختلف مشاغل ہوتے ہیں جو اُن کے لیے ساتھی اور دوست کا کام کرتے ہیں۔ آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے ذکر کو اپنا دوست قرار دیا ہے اور دوست بھی وہ جو مونس ہے، ہمدرد ہے، اُنس اور پیار کرنے والا ہے اور غمی اور اداسی میں بھی دلاسے دینے والا ہے۔ اِسی پر بس نہیں بلکہ ذکرِ الٰہی حضورؐ کے مبارک دل کا شیرین پھل ہے جس سے حضورؐ نہ صرف خود مستفیض ہوئے بلکہ آپؐ کے مبارک دَور صحابہؓ مستفید ہوئے اور آج آپؐ کے روحانی فرزند حضرت مسیح موعودؑ کے توسط سے ہم اِس پھل سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ آئیں! دیکھتے ہیں کہ ذکرِ الٰہی میں کیا کچھ آتا ہے۔ سبحان اللہ، الحمد للہ کہنا، خدا کا ہر وقت شکر گزار بندہ بنے رہنا، اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء کا ورد کرنا اور اُن کو اپنے اندر اپنانے کی کوشش کرنا، اللہ کی عبادات بجالانا، نماز وقت پر ادا کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو بھی ذکر قرار دیا ہے۔ اس کو پڑھنا، اس کی تلاوت کرنا، اس پر غور کرنا سب ذکر الٰہی میں آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قرآن میں ذکر قرار دیا گیا ہے جس کی تلاوت خاکسار نے تقریر کے آغاز پر کی ہے اِس لئے آپؐ پر درود پڑھنا بھی ذکر میں شامل ہے۔ آپؐ کی شب و روز اللہ سے دعائیں بھی ذکر الٰہی کے زُمرے میں آتی ہیں۔

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ الٰہی کو کئی اور رنگ میں بھی بیان کیا جاسکتا ہے۔ ذکرِ الٰہی آپؐ کی غذا تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی جسم میں خون کی طرح دوڑ کر جسم و جان کو تقویت عطا کرتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی اور آخری محبت اللہ سے تھی۔ جس کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عین جوانی کے عالَم میں غارِ حرا جاتے۔ اُس وقت تو کوئی معین طور پر اسلام کی عبادات مقرر نہ ہوئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ذکرِ الٰہی ہی کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت صوفیانہ قول "دست در کار و دل بایار" کی تصدیق کرتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں سے کام کر رہے ہوتے اور دل ذکرِ الٰہی کر رہا ہوتا۔ حتّٰی کہ سونے کے وقت جب کہ ایک قسم کی موت انسان پر وارد ہو جاتی ہے اُس حالت کے متعلق بھی آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ میری آنکھیں سو رہی

ہوتی ہیں مگر دل ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتا ہے کیونکہ آپؐ کو الٰہی حکم تھا کہ آپؐ اللہ کی عبادت کریں اور شکر ادا کرنے والے بندوں میں شامل ہو جائیں۔ جیسا کہ فرمایا۔

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ (الزمر:67)

یعنی اللہ ہی کی عبادت کر اور شکر گزاروں میں سے ہو جا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کروٹ لیتے بھی ذکرِ الٰہی کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادِ الٰہی کی معراج آپؐ کی نماز تھی جو آپؐ کی آنکھوں اور دل کی ٹھنڈک تھی۔ آپؐ جونہی نماز کی نیت کرتے تو دنیاومافیہا سے الگ ہو کر شکرِ الٰہی اور یادِ الٰہی میں محو ہو جاتے۔ سورۃ فاتحہ اور نماز کے دیگر الفاظ کو بار بار دہراتے۔ لمبی لمبی سورتیں نہایت گریہ وزاری کے ساتھ تلاوت فرماتے۔ لمبے لمبے رکوع اور سجود کرتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود ہوتے جونہی اذان ہوتی اٹھ کھڑے ہوتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ اُس وقت ہمیں پہچانتے نہ تھے۔ ذکرِ الٰہی بھی خدا ہی کی طاقت سے نصیب ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ لَكَ ذَاكِرًا لَكَ شَاكِرًا

(ابوداؤد)

کہ اے میرے رب! مجھے اپنا ذکر کرنے والا اور شکر کرنے والا بندہ بنا۔

اور ذکرِ الٰہی، یادِ الٰہی اور شکرِ الٰہی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بھی ہمارے لیے لائحہ عمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ

(ابوداؤد کتاب الوتر)

کہ اے اللہ! مجھے اپنا ذکر، اپنے شکر اور خوبصورت پیاری مقبول نماز کی توفیق دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبادات میں جو مشقت برداشت کرتے اُس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن عرض کی کہ آپؐ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں۔ خدا نے آپؐ سے مغفرت اور پردہ پوشی کا وعدہ کر رکھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا

اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا (بخاری کتاب التفسیر)

کہ کیا مَیں خدا کا اس کی اِس عنایت پر اُس کا شکر بھی ادا نہ کروں۔

سامعین! کیا ہی اعلیٰ ذات تھی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی بات پر بھی خدا تعالیٰ کا شکر کرنا نہ بھولتے تھے۔ حتّٰی کہ قضائے حاجت سے فارغ ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے کہ تمام تعریفیں اُس خدا کی ہیں جس نے مضر چیز کو مجھ سے دور کر کے مجھے تندرستی عطا کی۔

(ابن ماجہ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نیا کپڑا پہنتے تو شکرِ الٰہی کرتے، نیا پھل کھاتے شکرِ الٰہی بجالاتے۔ موسم گرمایا سردی آتی تو شکر کرتے۔ بارش ہوتی تو شکر ادا کرتے۔ دعا قبول ہوتی تو آستانہ الٰہی پر مزید جھک جاتے۔ حتّٰی کہ اونٹ پر سفر کرتے ہوئے اُس کے پالان تک جھکے سجدہ شکر بجالاتے نظر آئے۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں داخل ہوتے ہوئے ایک طویل سجدہ کیا۔ اتنا لمبا سجدہ کہ صحابہ سمجھنے لگے کہ شاید آپؐ کی روح قبض ہوگئی ہے۔ سجدہ کی بجا آوری کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے پوچھنے پر فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ خوشی کا پیغام لے کر آئے تھے کہ جو آپؐ پر درود بھیجے گا اس پر مَیں اپنی رحمتیں نازل کروں گا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے گا اس پر مَیں سلامتی بھیجوں گا۔ اس پر مَیں اللہ کے حضور سجدہ شکر بجالایا ہوں۔

(مسند احمد جلد اول صفحہ 191)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکرِ الٰہی کا ایک الگ ہی خوبصورت انداز تھا۔ آپؐ خدا کے بندوں کی طرف سے کوئی عمدہ بات پاتے تو اس کو جزاک اللہ خیراً کہتے کہ یہ نعمت دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فلاں بندے کو بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقرہ بہت ہی مشہور و معروف ہے کہ مَنْ لَا یَشْکُرُ النَّاسَ لَا یَشْکُرُ اللّٰہَ کہ جس نے لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا اُس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔ جن جن عزیزوں، رشتہ داروں اور صحابہ کی طرف سے خیر و بھلائی پہنچتی اُن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ بھلایا اور اللہ کا شکر بجالاتے رہے۔

سامعین! یہ مضمون بہت وسیع ہے اور وقت مجھے اجازت نہیں دے رہا۔ قرآن سے بطور ذکرِ الٰہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ذکر کر کے مَیں اپنی تقریر کو ختم کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نہایت

سوز و گداز اور عشق و محبت میں ڈوب کر تلاوت قرآن کریم فرمایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی خوش الحان تھے اور خوش الحانی کے ساتھ قرآنِ کریم پڑھتے اور اُن صحابہ سے بھی سنا کرتے تھے جو اچھی آواز کے حامل تھے قرآن خود پڑھتے یا کسی سے سنتے آنکھوں سے آنسوؤں کی تار بندھ جاتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے مضامین میں ڈوب کر تلاوت فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن سنا اور وہ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ (النساء:42) پر پہنچے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال تھا جب آپؐ کو اُمّت کے لیے گواہ کہا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضبط نہ کر سکے آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بہہ نکلی اور ہاتھ کے اشارے سے فرمایا بس کرو!

(بخاری کتاب الفضائل القرآن)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ذکر الٰہی کی اصل غرض بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اصل غرض ذکرِ الٰہی سے یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو فراموش نہ کرے اور اسے اپنے سامنے دیکھتا رہے۔ اس طریق پر وہ گناہوں سے بچا رہے گا۔ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک تاجر نے ستر ہزار کا سودا لیا اور ستر ہزار کا دیا۔ مگر وہ ایک آن بھی خدا سے جدا نہیں ہوا۔ پس یاد رکھو کہ کامل بندے اللہ تعالیٰ کے وہی ہوتے ہیں جن کی نسبت فرمایا ہے۔ لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور:38) جب دل خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق اور عشق پیدا کر لیتا ہے تو وہ اس سے الگ ہوتا ہی نہیں۔ اس کی ایک کیفیت اس طریق پر سمجھ میں آسکتی ہے کہ جیسے کسی کا بچہ بیمار ہو تو خواہ وہ کہیں جاوے، کسی کام میں مصروف ہو مگر اس کا دل اور دھیان اسی بچہ میں رہے گا۔ اسی طرح پر جو لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق اور محبت پیدا کرتے ہیں وہ کسی حال میں بھی خدا تعالیٰ کو فراموش نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفی کہتے ہیں کہ عام لوگوں کے رونے میں اتنا ثواب نہیں جتنا عارف کے ہنسنے میں ہے۔ وہ بھی تسبیحات ہی ہوتی ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے عشق اور محبت میں رنگین ہوتا ہے۔ یہی مفہوم اور غرض اسلام کی ہے کہ وہ آستانۂ الوہیت پر اپنا سر رکھ دیتا ہے۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 15)

ہمارے پیارے امام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ذکرِ الٰہی کی ترغیب دلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

”ہر احمدی کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اپنی زبانیں تَر رکھیں اور یہ کوشش ہونی چاہئے کہ ہمارا ہر فعل اور ہر عمل اور اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنے والا ہر قدم ایسا ہو جس سے اللہ تعالیٰ دوڑ کر ہمارے پاس آئے اور ہمیں اپنے پیار کی چادر میں لپیٹ لے۔“

(خطباتِ مسرور جلد 2 صفحہ 768)

نیز فرمایا:

”اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اپنی زبانیں تَر رکھیں اور زبانیں تَر رکھنے سے ہی ہماری فتوحات کے دروازے کھلنے ہیں۔ ان شاء اللہ“

(خطباتِ مسرور جلد 6 صفحہ 64)

پھر فرمایا:

”پس ہمارا... کام ہے کہ آج اور ہمیشہ اپنی زبان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے سے تَر رکھیں اور اس میں ترقی کرتے چلے جائیں۔“

(خطبہ جمعہ 25 جنوری 2013ء)

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(مسز عطیۃ العلیم۔ہالینڈ)

﴿32﴾ ﴿مشاہدات۔847﴾

ذِکْرُ اللّٰہِ مَالِیْ (مسیح موعودؑ)

یادِ الٰہی میری دولت ہے

اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:29)

(یعنی) وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ سنو! اللہ ہی کے ذکر سے دل اطمینان پکڑتے ہیں۔

ذکرِ خدا پہ زور دے ظلمتِ دل مٹائے جا
گوہرِ شب چراغ بن دنیا میں جگمگائے جا
سینہ میں جوشِ غیرت اور آنکھ میں حیا ہو
لب پر ہو ذکر تیرا دل میں تیری وفا ہو

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ "ذِكْرُ اللّٰهِ مَالِیْ" ہے۔ جس کے معانی ہیں کہ یادِ الٰہی میری دولت ہے۔ حضرت مولانا دوست محمد صاحب مرحوم مؤرخ احمدیت نے تاریخ احمدیت میں حضرت مسیح موعودؑ کی ایک تحریر یوں محفوظ کی ہے کہ حضورؑ فرماتے ہیں کہ اَلْمَسْجِدُ مَكَانِیْ وَالصَّالِحُوْنَ اِخْوَانِیْ وَ ذِكْرُ اللّٰهِ مَالِیْ وَخَلْقُ اللّٰهِ عَيَالِیْ۔ کہ اوائل ہی سے مسجد میرا مکان، صالحین میرے بھائی، یادِ الٰہی میری دولت ہے اور مخلوقِ خدا میرا عیال اور خاندان ہے۔

(تاریخ احمدیت جلد اول صفحہ 53)

گویا کہ حضورؑ کے اِن الفاظ میں سے تیسرے الفاظ پر آج مجھے گفتگو کرنی ہے۔ سب سے پہلے عنوان کے الفاظ کے لغوی معانی جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ ذکر کے لفظ کو جب خدا کی طرف منسوب کریں تو ذکر

کے معنی ہوتے ہیں۔ زُبان اور دل سے اپنے پروردگار کو یاد کرنا جس میں تمام قسم کی تسبیحات، چھ کلمے، استغفار، حمد، شکر، دعا اور اذکار کے علاوہ نماز و نوافل کی ادائیگی اور تلاوتِ قرآنِ پاک شامل ہے کیونکہ یہ بھی ایک ذکر ہے۔

سامعین! حقیقی ذکر اللہ چار ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں۔

”جو واقعہ میں ذکر اللہ ہیں اور جن کا قرآن کریم میں بڑے زور سے حکم دیا گیا ہے وہ ذکر... چار طرح کے ہیں۔ ان کا چھوڑنا بہت بڑے ثواب سے محروم رہنا ہے اس لئے ان کو کبھی ترک نہیں کرنا چاہیے۔ ان میں سے پہلا ذکر نماز ہے (2) قرآن کریم کا پڑھنا (3) اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان تکرار سے اور ان کا اقرار کرنا اور ان کی تفصیل اپنی زبان سے بیان کرنا (4) جس طرح خدا تعالیٰ کی صفات کو علیحدہ اور گوشے میں بیان کرنا اسی طرح لوگوں میں بھی ان کا اظہار کرنا۔ یہ وہ چار ذکر ہیں۔ جو قرآن کریم سے ثابت ہیں اور جن کا کرنا روحانیت کے لئے نہایت ضروری بلکہ لازمی ہے۔“

(انوار العلوم جلد 3 صفحہ 500)

ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَیں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ کو زیادہ یاد کرو اور ذکر کی مثال ایسی سمجھو کہ جیسے کسی آدمی کا اس کے دشمن نہایت تیزی کے ساتھ پیچھا کر رہے ہوں یہاں تک کہ اس آدمی نے بھاگ کر ایک مضبوط قلعہ میں پناہ لی اور دشمن کے ہاتھ لگنے سے بچ گیا۔ فرمایا کہ اسی طرح بندہ شیطان سے نجات نہیں پاسکتا مگر اللہ کی یاد کے ساتھ۔

(سنن الترمذی ابواب الامثال حدیث 2863)

سامعین! ذکر کی طرح لفظ ”مال“ بھی بہت وسیع ہے جس کے معنی ہیں۔ وہ دَھن، دولت، سرمایہ، پونجی، اسباب اور جائیداد جو انسان کی زندگی میں اُس کے لئے نفع مند ہو اور اُس کے مرنے کے بعد اُس کی اولاد استعمال کر کے مرحوم کے لئے دعا کرے۔

ذکرِ الٰہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں مؤمنوں کو بار بار توجہ دلائی ہے اور اِسے اطمینانِ قلب کا مُوجب قرار دیا ہے اور اُذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرۃ:153) کہہ کر مؤمنوں کو یہ خوشخبری دی ہے کہ مجھے یاد کیا کرو، مَیں بھی تمہیں یاد رکھوں گا۔

سامعین! انسان چونکہ بہت کمزور پیدا کیا گیا ہے اِس لئے اُسے ہر وقت اِس بات کی ضرورت رہتی ہے کہ اُس کا پیدا کرنے والا پیارا رب اُسے ہر وقت یاد رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن کریم میں اِسے فلاح اور کامیابی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ فرماتا ہے۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (انفال:46)

کہ اللہ کو بہت یاد کیا کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ پھر ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ جبکہ دوسری طرف فرمایا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (المنافقون:10) یعنی اے مومنو! تم کو تمہارے اموال اور تمہاری اولادیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کریں اور جو لوگ ایسا کریں گے وہی گھاٹا پانے والے ہوں گے۔

سامعین! جو مومن اللہ کے ذکر میں مصروف رہتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے قریب ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ عزّوجلّ فرماتا ہے (حدیث قدسی ہے) ”مَیں اُس وقت اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرے ذکر میں مشغول ہوتا ہے اور میرے ذکر کے ساتھ اس کے ہونٹ متحرک ہوتے ہیں۔“

(ابن ماجہ کتاب الادب باب فضل الذکر حدیث نمبر 3792)

حدیثِ پاک ہے کہ وہ مجالس جہاں خدا تعالیٰ کا ذکر ہو رہا ہو تو وہاں فرشتے اپنی رحمت کے پَر پھیلا لیتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ”جو لوگ ذکرِ الٰہی کرتے ہیں فرشتے اُن کو اپنے جلَو میں لے لیتے ہیں، رحمت اُن کو ڈھانپ لیتی ہے، اُن پر سکینت نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اِن کا تذکرہ اپنے حضور میں رہنے والوں سے کرتا ہے۔“

(سنن ترمذی کتاب الدعوت باب ماجاء فی القوم یجلسون فیذکرون اللہ عزوجل مالھم من الفضل)

اس حدیث میں اللہ کا ذکر کرنے والوں کو یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ اُن پر سکینت نازل ہو گی۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ”اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ سب سے افضل ذکر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور سب سے افضل دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ہے۔

(ابن ماجہ کتاب الادب باب فضل الحامدین)

ہے دستِ قبلہ نُما لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
ہے دردِ دل کی دوا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سائل کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔ تیری زبان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہنی چاہیے۔

(ترمذی ابواب الدعوات)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ذکرِ الٰہی کرنے والے اور ذکر الٰہی نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے یعنی جو ذکر الٰہی کرتا ہے وہ زندہ ہے اور جو نہیں کرتا وہ مردہ ہے۔
پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
وہ گھر جن میں خدا تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے اور وہ گھر جن میں خدا تعالیٰ کا ذکر نہیں ہوتا، ان کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔

(بخاری کتاب الدعوات باب فضل ذکر اللّٰہ تعالیٰ)

حضرت عَمرو بن عَبَسَہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
”جس شخص نے اس نیت سے مسجد بنائی کہ اُس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے گا۔ اللہ اُس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔“

(نسائی کتاب المساجد باب الفضل فی بناء المساجد)

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ نمونہ ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بچپن سے ہی اپنے خالق و مالک کی محبت بھر دی گئی تھی۔ آپؐ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے اور اطمینانِ قلب پاتے۔ آپؐ فرماتے ہیں۔
”میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔“

(سنن الترمذی کتاب عشرة النساء باب حب النساء)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

”یقیناً مَیں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ پس میری عبادت کر اور میرے ذکر کے لئے نماز کو قائم کر۔“ (طٰہٰ:15)

یہ ایک حقیقت ہے کہ خدا تعالیٰ سے محبت کرنے، اُس سے پیار کرنے اور اُس کا قرب حاصل کرنے کے لئے نماز سے بڑھ کر کوئی ذکر نہیں۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازوں کے علاوہ بالخصوص رات کے وقت اللہ تعالیٰ کی گہری محبت سے سرشار ہو کر نہایت خشوع و خضوع سے بہت لمبی اور خوبصورت نماز پڑھا کرتے تھے۔ ذکرِ الٰہی آپؐ کو ہر دوسری چیز سے زیادہ پیارا تھا۔ آپؐ کی محبت کا اظہار نمازوں، عبادات، دعاؤں اور ذکرِ الٰہی سے خوب عیاں تھا۔ آپؐ کی زندگی میں کبھی ایسا موقع نہیں آیا کہ آپؐ ایک لحظہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوئے ہوں۔ آپؐ اپنے رب کے سچے عاشق تھے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبتِ الٰہی کے نظارے دیکھ کر مکّے کے لوگ سچ ہی تو کہتے تھے عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّہ ' کہ محمد تو اپنے رب پر عاشق ہو گیا ہے۔

(منبر الاسلام جلد 61 جزئیات 8 تا 12)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”نماز سے بڑھ کر اور کوئی وظیفہ نہیں ہے کیونکہ اس میں حمدِ الٰہی ہے، استغفار ہے اور درود شریف۔ تمام وظائف... کا مجموعہ یہی نماز ہے اور اِس سے ہر ایک قسم کے غم وہم دور ہوتے ہیں اور مشکلات حل ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر ذرا بھی غم پہنچتا تو آپؐ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور اسی لئے فرمایا ہے اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ (الرعد:29)۔ اطمینان، سکینتِ قلب کے لئے نماز سے بڑھ کر اَور کوئی ذریعہ نہیں... میرے نزدیک سب وظیفوں سے بہتر وظیفہ نماز ہی ہے نماز ہی کو سنوار سنوار کر پڑھنا چاہئے اور سمجھ سمجھ کر پڑھو اور مسنون دعاؤں کے بعد اپنے لئے اپنی زبان میں بھی دعائیں کرو۔ اس سے تمہیں اطمینانِ قلب حاصل ہو گا اور سب مشکلات خدا تعالیٰ چاہے گا تو اسی سے حل ہو جائیں گی۔ نماز یادِ الٰہی کا ذریعہ ہے اسی لئے فرمایا ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ۔“

(الحکم 31 مئی 1903ء صفحہ 9)

ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپؐ کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مجھے گھر میں سخت محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے حتٰی کہ چکّی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں آپؐ مجھے ایک غلام عنایت کر دیں... آپؐ نے فرمایا۔ کیا تم کو مَیں ایسی بات نہ بتاؤں جو اس چیز سے بہتر ہے جو تم نے مانگی ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا ضرور بتائیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ جب تم بستر پر لیٹنے لگو تو 34 دفعہ اللہ اکبر کہو، 33 بار سبحان اللہ اور 33 بار الحمدللہ کہو۔ یہ تمہارے لئے غلام سے بہتر ہے۔

(مسلم کتاب الذکر باب التسبیح اول النہار وعند النوم)

اللہ تعالیٰ کی صفات پر غور کرتے ہوئے ذکرِ الٰہی کرنے سے انسان کے دل میں تقویٰ پیدا ہوتا ہے، ذکرِ الٰہی سے مومن کے دل میں ایک جوش اور محبت پیدا ہوتی ہے، یقیناً مومن اللہ کے ذکر سے ہی اطمینانِ قلب پاتے ہیں۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرنا افضل ترین کام ہے، بخشش اور آسانی کے دروازے اِسی پکار سے کُھلتے ہیں اور رزق میں فراوانی ہوتی ہے۔ ذکرِ الٰہی دل کے شیشے کو جِلا بخشتا ہے۔

جو بے قراری ہو یہ نسخہ آزما لینا
خدا کے ذکر سے دل اور زباں سجا لینا

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں۔

"حضرت مسیح موعودؑ کسی بزرگ کا یہ مقولہ سنایا کرتے تھے کہ "دست با کار و دل با یار" یعنی انسان کے ہاتھ تو کاموں میں مصروف ہونے چاہئیں لیکن اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اِسی طرح ایک اور بزرگ کے متعلق مشہور ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ مَیں کتنی دفعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کروں۔ تو انہوں نے کہا "محبوب کا نام لینا اور پھر گن گن کر" تو اصل ذکر وہی ہے جو اَن گنت ہو۔ مگر ایک معین وقت مقرر کرنے میں یہ خوبی ہوتی ہے کہ انسان اُس وقت اپنے محبوب کے لئے اور کاموں سے بالکل الگ ہو جاتا ہے اور چونکہ یہ دونوں حالتیں ضروری ہیں اس لئے صحیح طریق یہی ہے کہ معین رنگ میں بھی ذکرِ الٰہی کیا

جائے اور غیر معین طور پر بھی اٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے اور اس کے فضلوں اور احسانات کا بار بار ذکر کیا جائے۔"

(تفسیر کبیر جلد 7 صفحہ 309)

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ ذکرِ الٰہی کرنے کے اوقات اور طریق کے بارہ میں فرماتے ہیں:

"یُوں تو ہر وقت ہی خدا تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ یَذکُرُ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ اَحیَانِہٖ (ترمذی کتاب الدعوات باب ما جاء ان دعوۃ المسلم مستجابۃ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ہی خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے... نماز کے بعد کا وقت ذکر کے لئے بہت ہی اعلیٰ درجہ کا ہے اس وقت ضرور ذکر کرنا چاہئے... ذکر کے متعلق کچھ اور احتیاطیں بھی ہیں اور وہ یہ کہ سوائے اُن موقعوں کے جو حدیث سے ثابت ہیں مجلس میں اونچی آواز سے ذکر نہ کیا جائے۔ بعض دفعہ اس طرح رِیا پیدا ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ دوسرے لوگوں کو ذکر کرنے یا نماز پڑھنے میں تکلیف ہوتی ہے... پھر بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں ذکر کرنے میں لذت بھی آجاتی ہے۔ مگر انہیں چاہئے کہ نفس کے لئے لذت نہ تلاش کریں اور ذکر کرنے کے وقت یہ نیت نہ ہو کہ لذت حاصل ہو۔ بلکہ عبادت سمجھ کر کرنا چاہئے۔ کیونکہ لذت اصل چیز نہیں ہے۔ اصل چیز عبادت ہے اور عبادت اُسی وقت قبول ہوتی جبکہ عبادت سمجھ کر کی جائے۔"

(انوار العلوم جلد 3 صفحہ 507-509)

ذکر الٰہی کے فوائد کے بارہ میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ذکر کرنے سے... اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جاتی ہے... ذکر کرنے والے بندہ کو خدا تعالیٰ اپنا دوست بنا لیتا ہے... اللہ تعالیٰ کا ذکر انسان کو بدیوں سے روکتا ہے... رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سات آدمیوں کے سر پر خدا کا سایہ ہو گا اور اُن میں سے ایک ذکر کرنے والا ہو گا... جس

پر خدا تعالیٰ کا سایہ ہو گا سمجھ لینا چاہئے کہ وہ کیسا خوش قسمت ہو گا... ذکر کرنے والے کی دعا قبول ہو جاتی ہے... خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو کوئی میرے ذکر میں لگا رہتا ہے اُسے مَیں اُس کی نسبت جو مانگتا رہتا ہے زیادہ دیتا ہوں۔“

(ذکر الٰہی، انوار العلوم جلد 3 صفحہ 534-537)

سامعین! انسان اپنے دنیاوی کام کرتے ہوئے بھی ذکرِ الٰہی کا شیریں پھل کھا سکتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ احمدی زمینداروں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”آپ جو احمدی زمیندار ہیں... جس وقت آپ اپنی زمین پر کام کر رہے ہوں تو سوائے خدا کے کسی اور کو یاد نہ کریں۔ سوائے اپنے رب کے کسی پر بھروسہ نہ رکھیں۔ اور ہل چلاتے ہوئے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ اللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰى خُلَفَاءِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰى عَبْدِكَ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ وغیرہ دیگر دعائیں کرتے جائیں تو مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے ہل میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جس طرح دوسری صورت میں زمین میں ہَل چلے گا۔ اس صورت میں بھی ہَل چل جائے گا۔ لیکن زمین کی رُوئید گی بڑھ جائے گی اس کی فصل پہلے کی نسبت زیادہ ہو جائے گی۔“

(خطبات ناصر جلد 1 صفحہ 478، 479)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”اپنے ذہنوں کو پاک رکھنے کے لئے ذکرِ الٰہی ضروری ہے۔ صرف ظاہری تسبیح پھیرنا ذکرِ الٰہی پر دلالت نہیں کرتا بلکہ دل، دماغ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، فضلوں کی سَمت کو سامنے رکھ کر اس طرح اللہ کو یاد کرے کہ تقویٰ پیدا ہو۔“

(خطبات مسرور جلد 6 صفحہ 398)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ تحریر فرماتے ہیں:

خاکسار کے حقیقی ماموں ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ بعض لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بیعت کرنے کے بعد سوال کیا کرتے تھے کہ حضور کسی وظیفہ وغیرہ کا ارشاد فرماویں۔ اس

کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اکثر یوں فرمایا کرتے تھے۔ کہ نماز سنوار کر پڑھا کریں اور نماز میں اپنی زبان میں دعا کیا کریں اور قرآن شریف بہت پڑھا کریں۔

نیز آپؑ وظائف کے متعلق اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اِستغفار کیا کریں۔ سورۃ فاتحہ پڑھا کریں۔ درود شریف پر مداومت کریں۔ اسی طرح لَا حَوْلَ اور سُبْحَانَ اللّٰہ پر مواظبت کریں اور فرماتے تھے کہ بس ہمارے وظائف تو یہی ہیں۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام منتر جنتر کی طرح وظائف کے قائل نہ تھے۔ بلکہ صرف دعا اور ذکرِ الٰہی کے طریق پر بعض فقرات کی تلقین فرماتے تھے۔

(سیرت المہدی جلد اوّل صفحہ 507)

حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ آپؑ کی خلوت کی عبادات اور دعاؤں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

آپ خواہ سفر میں ہوں یا حضر میں۔ دعا کے لئے ایک مخصوص جگہ بنالیا کرتے تھے اور وہ بیت الدعا کہلاتا تھا۔ مَیں جہاں جہاں حضرت کے ساتھ گیا ہوں مَیں نے دیکھا ہے کہ آپؑ نے دعا کے لئے ایک الگ جگہ ضرور مخصوص فرمائی اور اپنے روزانہ پروگرام میں یہ بات ہمیشہ داخل رکھی ہے کہ ایک وقت دعا کے لئے الگ کرلیا۔ قادیان میں ابتداء میں تو آپؑ اپنے اُس چوبارہ میں ہی دعاؤں میں مصروف رہتے تھے جو آپؑ کے قیام کے لئے مخصوص تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کی مشیتِ ازلی نے بیت الذکر بھی عام عبادت گاہ بنا دیا اور تخلیہ میسّر نہ رہا تو آپؑ نے گھر میں ایک بیت الدعا بنایا۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ صفحہ 504-505)

آپ کا خمیر محبت قرآن سے اٹھایا گیا تھا اس لئے آپ بچپن ہی سے دن رات قرآن شریف پڑھتے اس پر تدبُّر کرتے اور اس کے حاشیہ پر نوٹ لکھتے رہتے تھے۔ حضرت مرزا دین محمد صاحب لنگروال فرماتے ہیں:

مَیں اپنے بچپن سے حضرت مسیح موعودؑ کو دیکھتا آیا ہوں اور سب سے پہلے مَیں نے آپ کو مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کی زندگی میں دیکھا تھا۔ جبکہ مَیں بالکل بچہ تھا آپ کی عادت تھی کہ رات کو عشاء کے بعد جلد سو جاتے تھے اور پھر ایک بجے کے قریب تہجد کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور تہجد پڑھ کر

قرآن کریم کی تلاوت فرماتے رہتے تھے۔ پھر جب صبح کی اذان ہوتی تو سنتیں گھر میں پڑھ کر نماز کے لئے مسجد میں جاتے۔

(سیرت المہدی جلد 3 صفحہ 20)

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مسیح موعودؑ کی تلاوت قرآنی کے واقعات عجیب و غریب ہیں اور ان کی متواتر شہادت ان لوگوں سے ملی ہے جنہوں نے بلاواسطہ آپ کو تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے۔ آپ کے کلام میں ایک درد، رقت اور محبت کی لہر ہوتی تھی، باوجودیکہ اس میں موسیقی کا رنگ نہ ہوتا تھا۔ مگر اس میں بے انتہا جذب اور کیف آور لہر ہوتی تھی۔ آپ کے قرآن مجید پڑھنے کے کئی طریق تھے۔ بعض اوقات آپ قرآن مجید کو اس نیت سے پڑھتے تھے جبکہ آپ کو کوئی مضمون لکھنا ہوتا تھا۔ اس کا رنگ بالکل الگ تھا۔ بعض اوقات قرآن مجید کی تلاوت اللہ تعالیٰ سے محبت و عشق کی کیفیت میں ایک ہنگامہ خیز کیف پیدا کرنے کے لئے کرتے تھے اور یہ علی العموم آپ رات کو فرماتے تھے جبکہ دنیا سوئی ہوتی تھی۔ اس وقت آپ گنگنا کر قرآن مجید پڑھتے اور آپ پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہوتی تھی۔

حضرت حافظ حامد علی صاحبؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضور نماز میں اھدنا الصراط المستقیم کا بہت تکرار کرتے تھے اور سجدہ میں یاحی یا قیوم کا بہت تکرار کرتے۔ بار بار یہی الفاظ بولتے جیسے کوئی بڑے الحاح اور زاری سے کسی بڑے سے کوئی شے مانگے اور بار بار روتے ہوئے اپنی مطلوبہ چیز کو دہرائے۔

(الفضل 3، جنوری 1931ء)

مادہ پرستی کے اِس دَور میں ہر سُو ظلمتوں کا دَور دَورہ اور نفسا نفسی کا عالَم ہے۔ دنیا اطمینانِ قلب کی تلاش میں ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اپنے قلوب میں ذکرِ الٰہی کی شمع روشن کریں۔ پس آگے بڑھو اور اِس قرآنی نسخہ سے فائدہ اُٹھاؤ۔ اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ (الرعد:29) سنو! اللہ ہی کے ذکر سے دل اطمینان پاتے ہیں۔

خدا کرے کہ ہم اللہ کی یاد سے اپنے لبوں کو تَر کرتے ہوئے سکینت پانے والے بنیں۔ (آمین)

عادتِ ذکر بھی ڈالو کہ یہ ممکن ہی نہیں
دل میں ہو یادِ صنم لب پہ مگر نام نہ ہو

ہمارے پیارے امام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ذکرِ الٰہی کی ترغیب دلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"ہر احمدی کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اپنی زبانیں تَر رکھیں اور یہ کوشش ہونی چاہئے کہ ہمارا ہر فعل اور ہر عمل اور اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنے والا ہر قدم ایسا ہو جس سے اللہ تعالیٰ دوڑ کر ہمارے پاس آئے اور ہمیں اپنے پیار کی چادر میں لپیٹ لے۔"

(خطباتِ مسرور جلد 2 صفحہ 768)

نیز فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اپنی زبانیں تَر رکھیں اور زبانیں تَر رکھنے سے ہی ہماری فتوحات کے دروازے کھلنے ہیں۔ ان شاء اللہ"

(خطباتِ مسرور جلد 6 صفحہ 64)

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۞۞۞۞

﴿33﴾ ﴿مشاہدات۔860﴾

اَلْحُبُّ اَسَاسِیْ (حضرت محمدؐ)

محبت میری اساس ہے

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ:166)

یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ کی محبت میں (ہر محبت سے) زیادہ شدید ہیں۔

بے سہاروں کا سہارا تو بنا آکر یہاں
سب غریبوں بیکسوں کو تجھ سے رغبت ہوگئی

معزز سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ اپنی 20 خصوصیات اور اوصاف کا ذکر فرمایا ہے ان میں سے تیسری خصوصیت آپؐ نے یوں بیان فرمائی اَلْحُبُّ اَسَاسِیْ کہ محبت میری اساس ہے۔ آج میری تقریر کا عنوان بھی یہی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے آقاو مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ کی سیرت کے حوالہ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا:

اَلْمَعْرِفَةُ رَاسُ مَالِیْ وَالْعَقَلُ اَصْلُ دِیْنِیْ ، وَالْحُبُّ اَسَاسِیْ ، وَالشَّوْقُ مَرْکَبِیْ، وَذِکْرُ اللّٰہِ اَنِیْسِیْ، وَالثِّقَةُ کَنْزِیْ ، وَالْحُزْنُ رَفِیْقِیْ، وَالْعِلْمُ سَلَاحِیْ ، وَالصَّبْرُ رِدَائِیْ ، وَالرِّضَاءُ غَنِیْمَتِیْ وَالْعِجزُ فَخْرِیْ، وَالذُّھْدُ حِرْفَتِیْ، وَالیَّقِیْنُ قُوَّتِیْ،وَالصِّدْقُ شَفِیْعَتِیْ، وَالطَّاعَةُ حَسَبِیْ ، وَالْجِھادُ خُلُقِیْ وَقُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ وَثَمْرَۃُ فُؤَادِیْ فِیْ ذِکْرِہٖ وَغَمِّیْ لِاَجَلِ اُمَّتِیْ وَشَوْقِیْ اِلٰی رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ

(الشِّفَاءِ لقاضی عیاض بن موسیٰ صفحہ 81)

کہ معرفت میرا سرمایہ ہے اور عقل میرے دین کی بنیاد ہے اور محبت میری اساس ہے اور شوق میری سواری ہے اور ذکرِ الٰہی میرا مونس ہے اور وثوق میرا خزانہ ہے اور غم میرا رفیق اور علم میرا ہتھیار ہے، صبر

میری چادر ہے، رضا میری غنیمت اور عاجزی میرا فخر ہے اور زُہد میرا پیشہ اور یقین میری قوت اور صدق میرا شفیع اور اطاعت میرا حسب، جہاد میرا خلق اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، ذکرِ الٰہی میرے دل کا پھل ہے اور میرا غم میری امت کے لئے ہے اور میرا شوق اپنے رب عزّوجلّ کی طرف ہے۔

سامعین! اَلْحُبُّ عربی لفظ ہے جس کے معنی محبت، الفت، انس، پیار اور دوستی کے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ لفظ بہت جگہوں پر استعمال ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کی آیت خاکسار نے آغاز پر تلاوت کی ہے اور احادیث کی اگر مثال دوں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ کہ وطن کی محبت ایمان کا جزو ہے۔ اساس کے معنی جڑ اور بنیاد کے ہیں۔ اس لحاظ سے اَلْحُبُّ اَسَاسِیْ کے معنی ہوں گے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ محبت میری بنیاد میں شامل ہے۔ یعنی مَیں محبت لے کر پیدا ہوا ہوں۔ محبت میرے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اس میں اپنے خالق حقیقی سے محبت شامل ہے۔ اس کی پیاری کتاب سے محبت شامل ہے۔ اس کی مخلوق سے محبت شامل ہے۔ اس مخلوق میں اپنے ماننے والوں سے محبت شامل ہے۔ اس میں اپنے ماں باپ اور عزیز و اقارب سے محبت شامل ہے۔ یتامیٰ، خادم، مزدور اور کمزور لوگ شامل ہیں جن سے محبت اور پیار کیا جا سکتا ہے۔ اگر احادیث ،سیرت اور تواریخ کی کتب کا مطالعہ کریں تو آپؐ مجسّم محبت نظر آئے۔ آئیں! آج کی تقریر میں چند ایک واقعات کا احاطہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن سے ہی محبت تھی۔ لات وعزّیٰ دو بُت تھے۔ آپؐ ان کی قسم نہ کھاتے تھے اور نہ ہی ان کا ذکر کرتے تھے۔ آپؐ کو بچپن سے ہی اپنے خالق و مالک سے محبت تھی۔ جوانی میں ہی ہر سال غارِ حرا میں مہینہ بھر کے لئے اعتکاف کرتے اور اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اسی پیار کا نتیجہ تھا کہ آپؐ کو اِسی غار میں جب پہلی وحی ہوئی تو اس میں بھی اپنے پیدا کرنے والے پروردگار کا نام لے کر پڑھنے کی تاکید یوں کی گئی۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔

آپؐ کی محبت الٰہیٰ کے مناظر دیکھ کر اہل مکہ آپؐ کے بارے میں کہتے تھے عَشِقَ مُحَمَّدٌ عَلٰی رَبِّہٖ کہ محمد تو اپنے رب پر عاشق ہو گیا ہے۔

آپؐ حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ دعا بکثرت پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ حُبَّكَ، وَحُبَّ مَنْ یُحِبُّكَ، وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ، اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَأَھْلِیْ، وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ　(ترمذی کتاب الدعوات)

کہ اے اللہ! مَیں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور اُس کی محبت بھی جو تجھ سے محبت کرتا ہے۔ مَیں تجھ سے ایسے عمل کی توفیق مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔ اے اللہ! اپنی اتنی محبت میرے دل میں ڈال دے جو میری اپنی ذات، میرے مال، میرے اہل اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ ہو۔

آپؐ کی اللہ سے محبت کا یہ حال تھا کہ جنگِ احد کے موقع پر جب ابو سفیان نے اُعْلُ ھُبُل کا اعلان کیا تو آپؐ کی غیرتِ توحید جوش میں آئی اور صحابہ کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ جواب کیوں نہیں دیتے؟

کہو! اَللّٰہُ اَعلیٰ وَ اَجَل

خلائق کے دل تھے یقین سے تہی
بتوں نے تھی حق کی جگہ گھیر لی
ضلالت تھی دنیا پہ وہ چھا رہی
کہ توحید ڈھونڈے سے ملتی نہ تھی
ہوا آپؐ کے دم سے اس کا قیام
علیك الصلوٰة علیك السلام

سامعین! آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف عنایت کردہ اَلْحُبُّ میں ایک محبت، قرآن کریم کے ساتھ گہری محبت اور عشق عطا فرمایا گیا تھا۔ آپؐ نہایت سوز و گداز اور عشق و محبت سے تلاوتِ قرآن فرمایا کرتے تھے بلکہ ایسے صحابہؓ سے جن کو لحنِ داوٗدی عطا ہوا تھا اُن سے تلاوت سنا بھی کرتے تھے۔ آپؐ خوبصورت لحن اور غنا کے ساتھ جب تلاوت فرماتے تو ایک ایک لفظ الگ سے جدا ہوتا۔ ہر آیت کے بعد ذرا سا رکتے اور آیت پر غور فرماتے۔ دعائیہ کلمات پر آمین کہتے اور خوف و ڈر کی آیت پر استغفر اللہ پڑھتے۔ رات کو سوتے وقت فاتحہ، تینوں قل اور آیتِ کرسی پڑھ کر بستر پر جاتے۔

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ گھوموں
قرآن کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

سامعین! کسی روحانی بندے کی محبت ماپنے کا ایک پیمانہ اُس پر ایمان لانے والوں سے محبت و پیار سے پیش آنا ہوتا ہے۔

آئیں! اس پہلو سے آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاشبہ محبت اور احسان کر کے اپنے صحابہ کے دل جیتے۔ یہ آپؐ کی بے لوث محبت ہی تھی جس نے ہزاروں صحابہ کو آپؐ کے ارد گرد جمع کئے رکھا اور وہ ہر وقت آپؐ کے لئے جان، مال، عزت و آبرو اور وقت کی قربانی دینے کو تیار رہتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنا خون بہانے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپؐ کو سب سے پیارا کون ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ابو بکرؓ پھر عمرؓ۔ حضرت عمرؓ کا اسلام پر ایمان لانا ہی آپؐ کی اُس دعا کا نتیجہ تھا جو آپؐ نے عمر کی محبت میں کی تھی۔ آپؓ کی خداداد صلاحیتوں اور استعدادوں اور بہادری کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپؓ سے بہت محبت کرتے۔ آپؓ سے محبت کا یہ عالَم تھا کہ آپؐ نے ایک موقع پر فرمایا کہ اگر نبوت جاری رہتی تو عمر نبی ہوتا اور ایک موقع پر فرمایا کہ جس طرح بنی اسرائیل میں بعض ولی اللہ تھے جن سے خدا کلام کرتا تھا مگر وہ نبی نہ تھے۔ میری امت میں عمر ہے۔

(بخاری)

حضرت علیؓ سے محبت کا یہ عالَم تھا کہ فرمایا یہ مجھے ایسے ہی ہے جیسے ہارون کا تعلق موسیٰ سے۔

(بخاری)

اور ایک جگہ فرمایا جو مجھ سے محبت رکھتا ہے اُسے علیؓ سے محبت کرنی ہوگی۔

(ترمذی)

الغرض صحابہؓ کی یہ ایک لمبی اور طویل فہرست ہے جو اپنے سینہ میں لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور فریفتگی کے ہزاروں واقعات زمین میں مدفون ہو گئے۔

سامعین! اَلْحُبُّ اَسَاسِی کے حوالے سے اپنے بیوی بچوں اور عزیز و اقارب سے پیار اور محبت سے پیش آنے کا ذکر بھی ضروری ہے۔ جہاں تک اپنی بیگمات سے مشفقانہ سلوک کا تعلق ہے۔ آپؐ نے خود فرمایا خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَ اَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِی یعنی تم میں سے سب سے زیادہ بنی نوع انسان کے ساتھ بھلائی کرنے والا وہی ہے جو پہلے اپنی بیوی کے ساتھ بھلائی کرے اور مَیں اپنے اہل خانہ سے سب سے زیادہ خیر و بھلائی سے پیش آنے والا ہوں۔ آپؐ اپنی بیٹیوں، نواسوں، منہ بولے بیٹے اور رشتے داروں سے حسن سلوک کیا کرتے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ تحریر فرماتے ہیں کہ

”رشتہ دار تو الگ رہے آپؐ اپنے رشتہ داروں کے رشتہ داروں اور اُن کے دوستوں تک کا بھی بہت خیال رکھتے تھے جب کبھی آپؐ قربانی کرتے تو آپؐ حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کی طرف ضرور گوشت بھجواتے۔“

(دیباچہ تفسیر القرآن صفحہ 260)

آپؐ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید کے بیٹے حضرت اسامہ کو ایک دفعہ چوٹ لگ گئی۔ آپؐ خود اس کے زخم کا خون صاف کرتے جاتے اور ماں کی طرح فرماتے کہ اگر اسامہ لڑکی ہوتی تو مَیں اسے زیور پہناتا۔

(حضرت محمدؐ از غلام باری سیف صفحہ 226)

آپؐ کے والدین تو آپؐ کے بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے۔ مگر آپؐ رضاعی والدہ سے بہت تعظیم سے پیش آتے اور اپنے والدین کے عزیز و اقارب سے بھی ہمیشہ محبت سے پیش آتے۔

سامعین! تقریر کے آخر پر جانوروں سے حسن سلوک کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ صرف انسانیت سے ہی آپؐ پیار نہ کرتے تھے بلکہ آپؐ جانوروں پر ظلم کو بھی سخت ناپسند فرماتے تھے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ بنی اسرائیل میں ایک عورت کو اس لئے عذاب ملا کہ اُس نے اپنی بلی کو بھوکا مار دیا تھا اور اس کے بالمقابل فرمایا کہ سابقہ امتوں میں ایک شخص کو اس لئے بخش دیا گیا کہ اُس نے پیاسے کتے کو قریب کنویں سے اپنے بوٹ کے ذریعہ پانی نکال کر پلایا (بخاری کتاب المظالم) ایک دفعہ آپؐ نے بوجھ لدے اونٹ کو دیکھ کر اُس کے مالک سے کہا کہ تمہارا یہ اونٹ زبان سے شکایت کر رہا ہے اور ایک دفعہ گدھے کے منہ پر داغے گئے نشانات دیکھ کر مسلمانوں کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم ایسا نہ کرنا۔ منہ جسم کا نازک حصہ ہے۔ اگر نشان لگانا ہی ہو تو پیٹھ پر لگائیں۔

سامعین! انسان میں موجود حُبّ کو مختلف طریقوں سے آزمایا جا سکتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مجسّم محبت تھے۔ وطن سے محبت بھی آپؐ کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا حُبُّ الوَطَنِ مِنَ الاِیمَانِ

(بخاری)

کہ وطن سے محبت کرنا بھی ایمان کا حصہ ہے۔

آپؐ کو جہاں اپنے وطن سے محبت تھی اور مکہ کو چھوڑتے آپؐ اس شہر کی طرف دیکھتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے کہ تو مجھے بہت پیارا ہے مگر کیا کروں یہاں کے لوگ بہت ظالم ہیں مجھے رہنے نہیں دیتے۔ وہاں اہل وطن سے بھی ہمدردی رہی۔ اہل وطن میں انصاف کرنے کے لئے حِلفُ الفضول کا جو معاہدہ ہوا تھا اس کا ساری زندگی ذکر کر کے خوشی کا اظہار کیا کرتے تھے۔

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"مَیں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے۔ (ہزار ہزار درود اور سلام اُس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی۔ اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام انبیاء اور تمام اولین و آخرین پر فضلیت بخشی اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں"۔

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 119-118)

حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ فرماتے ہیں۔

" وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے رؤف و رحیم کہہ کر پکارا ہے، جو اپنوں اور غیروں کے لئے بے انتہا رحم کے جذبات لئے ہوئے تھا، آپؐ کی زندگی ان واقعات سے بھری پڑی ہے جب معمولی سے معمولی بات پر بھی آپؐ کا جذبہ رحم موجزن نظر آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا درد دل میں محسوس کرتے ہوئے یہ رحمۃٌ للعالمین اور رؤف و رحیم مخلوق کا درد دُور کرنے کے لئے بے چین ہو جاتا ہے... عقل کے اندھے پھر بھی یہی کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپؐ میں رحم کا جذبہ نہیں تھا۔ ہم دیکھیں گے کہ بعض ایسی معمولی باتیں ہیں جن پر دنیا کی نظر میں ایسے شخص کو جو اس مقام پر پہنچا ہو جہاں اس کے ماننے والے دیوانوں کی طرح سب کچھ اس پر قربان کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہوں، ان باتوں کے کرنے کا کبھی خیال آ ہی نہیں سکتا۔ آپؐ کے ماننے والوں کا، مومنین کا آپؐ کے لئے جو جذبہ تھا وہ دنیا کی نظر میں شاید دیوانگی ہو لیکن عشق و محبت کی

دنیا میں یہ عشق و محبت کی انتہا ہے۔ اس کی ایک مثال دیتا ہوں جس کو غیر نے بھی محسوس کیا اور اپنے لوگوں کو جا کر کہا کہ ان لوگوں کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے جو اس دیوانگی کی حد تک آپؐ سے عشق کرتے ہیں کہ آپؐ کے وضو کے پانی کے قطروں کو زمین پر پڑنے سے پہلے ہی اُچک لیتے ہیں۔ اگر کوئی دنیادار ہو تو اس اظہار کے بعد دوسروں کے لئے محبت و نرمی اور رحمت کے جذبات رکھنے کی بجائے خودسری اور خود پسندی میں بڑھ جائے۔ لیکن ہم قربان جائیں اپنے آقا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپؐ اس کے باوجود رحمت کے جذبے کے ساتھ اپنے لوگوں کو آرام پہنچانے کے لئے قربانیوں پر قربانیاں کر رہے ہیں، ان پر اپنی رحمت کے پر پھیلا رہے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے حصہ لینے کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جذب کرنے کے طریقے سکھا رہے ہیں۔ اس خیال سے بے چین ہو رہے ہیں کہ کہیں مجھ سے کسی کو کبھی تکلیف نہ پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے میرا نام رحمۃ للعالمین رکھا ہے تو رحمتیں اور شفقتیں مجھ سے نکلنی چاہئیں اور دوسروں کو پہنچنی چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ سے مومنوں کے لئے رحمت و مغفرت کی دعائیں مانگ رہے ہیں، ان کی تکلیفوں پر پریشان ہو رہے ہیں۔ کوئی ایسا نہیں جو اس نبیؐ کی رأفت اور رحمت کا رہتی دنیا تک مقابلہ کر سکے بلکہ اس کا عشرِ عشیر کیا، ہزارواں، لاکھواں حصہ بھی دکھا سکے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 2 مارچ 2007ء)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ: مسز فائقہ بشریٰ)

﴿34﴾ ﴿مشاہدات۔ 861﴾

اَلشَّوْقُ مَرْکَبِیْ وَشَوْقِیْ اِلٰی رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ (حضرت محمدؐ)

شوق میری سواری ہے اور میرا شوق اپنے رب عزّوجلّ کی طرف ہے

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

قَالَ ارْکَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (ہود:42)

یعنی اُس نے کہا کہ اِس میں سوار ہو جاؤ۔ اللہ کے نام کے ساتھ ہی اِس کا چلنا اور اِس کا لنگر انداز ہونا ہے۔ یقیناً میرا ربّ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

جِسْمِیْ یَطِیْرُ اِلَیْكَ مِنْ شَوْقٍ عَلَا
یَا لَیْتَ کَانَتْ قُوَّۃُ الطَّیَّرَانٖ

معزز سامعین! قاضی عیاض بن موسیٰ نے حضرت علیؓ کی زبانی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو 20 صفات اور خصوصیات بیان فرمائی ہیں آج مجھے اِن میں سے چوتھی اور بیسویں صفت اَلشَّوْقُ مَرْکَبِیْ اور شَوْقِیْ اِلٰی رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ یعنی شوق میری سواری اور میرا شوق اپنے رب عزّوجلّ کی طرف ہے، پر گفتگو کرنی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ کی سیرت کے حوالہ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا:

اَلْمَعْرِفَةُ رَاسُ مَالِیْ وَالْعَقَلُ اَصْلُ دِیْنِیْ ، وَالْحُبُّ اَسَاسِیْ ، وَالشَّوْقُ مَرْکَبِیْ، وَذِکْرُ اللّٰہِ اَنِیْسِیْ، وَالثِّقَةُ کَنْزِیْ ، وَالْحُزْنُ رَفِیْقِیْ، وَالْعِلْمُ سَلَاحِیْ ، وَالصَّبْرُ رِدَائِیْ ، وَالرِّضَاءُ غَنِیْمَتِیْ وَالْعِجزُ فَخْرِیْ، وَالزُّھْدُ حِرْفَتِیْ، وَالْیَقِیْنُ قُوَّتِیْ، وَالصِّدْقُ شَفِیْعَتِیْ، وَالطَّاعَةُ حَسَبِیْ ، وَالْجِھَادُ خُلُقِیْ وَقُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ وَثَمْرَةُ فُؤَادِیْ فِیْ ذِکْرِہٖ وَغَمِّیْ لِاَجَلِ اُمَّتِیْ وَشَوْقِیْ اِلٰی رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ

(الشِّفَاءِ لقاضی عیاض بن موسیٰ صفحہ 81)

کہ معرفت میرا سرمایہ ہے اور عقل میرے دین کی بنیاد ہے اور محبت میری اساس ہے اور شوق میری سواری ہے اور ذکرِ الٰہی میرا مونس ہے اور وثوق میرا خزانہ ہے اور غم میرا رفیق اور علم میرا ہتھیار ہے، صبر میری چادر ہے، رضا میری غنیمت اور عاجزی میرا فخر ہے اور زُہد میرا پیشہ اور یقین میری قوت اور صدق میرا شفیع اور اطاعت میرا حسب، جہاد میرا خلق اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، ذکرِ الٰہی میرے دل کا پھل ہے اور میرا غم میری امت کے لئے ہے اور میرا شوق اپنے رب عزّوجلّ کی طرف ہے۔

سامعین! مَیں اپنی سابقہ تین تقاریر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و شمائل بیان کرنے سے قبل عنوان میں بیان الفاظ کے لغوی و اصطلاحی معانی بیان کرتا آیا ہوں۔ آج بھی مجھے پہلے شوق اور مَرْکَب کے الفاظ پر روشنی ڈالنی ہے۔ شوق انسان کے اندر وہ صفت یا خوبی ہے جسے اپنا کر انسان اپنی مَن پسند نتائج کو پہنچ جاتا ہے کیونکہ شوق کے لغوی معنوں میں لکھا ہے۔ آرزو، تمنا، اشتیاق، رغبت، جوش، سرگرمی اور کوئی چیز دریافت کرنے کی خواہش۔ یہ دینی و دنیوی میدان دونوں میں ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ آغاز میں مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہے ہوئے قصیدے کا آخری شعر پڑھا تھا جس میں آپ علیہ السلام، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں 70 کے قریب اشعار میں آپؐ کی تعریف اور خوبیاں بیان فرما رہے ہیں اور آخری شعر میں بے ساختہ ان خوبیوں کی وجہ سے اپنے آقا و مولیٰ کی طرف اُڑان بھرنے کو دل چاہا ہے۔ پرواز کرنے کا شوق پیدا ہوا اور بے ساختہ برجستگی سے آپؐ کی طرف جانے کو دل چاہا اور فرمایا کہ

”میرا جسم تو شوقِ غالب سے تیری طرف اُڑنا چاہتا ہے۔ اے کاش! مجھ میں اُڑنے کی طاقت ہوتی۔“

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ 594)

جہاں تک مَرْکَب کا تعلق ہے۔ یہ عربی لفظ ہے اور اردو میں بھی مستعمل ہے جس کے معانی سواری کے ہیں۔ وہ کشتی بھی ہو سکتی ہے۔ جانور وغیرہ بھی ہو سکتا ہے اور جہاز بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ مَرْکَبِ تازی عربی گھوڑے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو مختلف صیغوں میں تبدیلی کے ساتھ قرآن کریم میں بکثرت استعمال فرمایا ہے جس پر ہر مومن سفر کر کے اللہ کی طرف اپنے روحانی سفر کو جاری رکھتے ہیں۔ جیسے حضرت نوحؑ کی کشتی پر سوار لوگوں نے کیا اور یہاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عنوان کے

دوسرے حصہ "میرا شوق اپنے رب عزّوجلّ کی طرف ہے" میں بیان فرمایا ہے۔ گویا آج مجھے اپنی تقریر میں اِن بیس اوصاف میں سے دو پر روشنی ڈالنی ہے۔

سامعین! آئیں! اب دیکھتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کن کن معنوں میں شوق کو بطورِ سواری اپنے روحانی و دینی سفر کو آگے سے آگے بڑھنے کے لئے جاری وساری رکھا۔

آپؐ کی ساری زندگی عشقِ الٰہی میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس کا آغاز آپؐ کے بچپن بلکہ پیدائش سے قبل آپؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کے اُس خواب سے ہوتا ہے جس میں آپؐ نے دیکھا کہ میرے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے جس کے اندر سے نور نکلا ہے جو ساری دنیا میں پھیل گیا ہے۔ پھر پیدائش کے بعد جب آپؐ کی عمر چار سال تھی آپؐ اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ جنگل میں کھیل رہے تھے۔ دو فرشتے متمثّل ہو کر آئے جنہوں نے آپؐ کو پکڑ کر آپؐ کا سینہ چاک کر کے اُس میں نور اور ایمان بھرا۔ گو یہ ایک کشفی نظارہ تھا مگر اس کی تعبیر یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے دل اور سینہ کو نورِ الٰہی سے بھر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے آپؐ نے ہوش سنبھالتے ہی اپنے خالقِ حقیقی اللہ تعالیٰ سے دل لگالیا تھا۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ

"رسول کریم کی عمر جب تیس سال سے زیادہ ہوئی تو آپؐ کے دل میں خدا تعالیٰ کی عبادت کی رغبت پہلے سے زیادہ جوش مارنے لگی۔ آخر آپؐ... مکہ سے دو تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی کی چوٹی پر پتھروں کی بنی ہوئی چھوٹی سی غار میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگ گئے۔ حضرت خدیجہؓ چند دن کی غذا آپؐ کے لئے تیار کر دیتیں۔ آپؐ وہ لے کر غارِ حرا میں چلے جاتے تھے اور ان دو تین پتھروں کے اندر بیٹھ کر خدا تعالیٰ کی عبادت میں رات اور دن مصروف رہتے تھے۔"

(دیباچہ تفسیر القرآن صفحہ 113)

سامعین! آپؐ نصف شب بیدار ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے کھڑے ہو جاتے اور صبح تک عبادت کرتے چلے جاتے۔ آپؐ کے پاؤں سوج جاتے۔ آپؐ کو دیکھنے والوں کو آپؐ پر رحم آتا۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے آپؐ سے پوچھ ہی لیا کہ آپؐ تو پہلے ہی خدا تعالیٰ کے مقرب ہیں پھر آپؐ اپنے نفس کو اتنی تکلیف میں کیوں ڈالتے ہیں۔ آپؐ نے جواباً فرمایا أَفَلَا أَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا کہ کیا مَیں ان انعامات اور افضال پر شکر کرنے کے لئے اللہ کا شکر گزار نہ بنوں۔ دشمن بھی آپؐ کی اسی للّٰہی محبت اور عشق کو دیکھ کر بول اٹھا تھا کہ

عَشِقَ مُحَمَّدٌ عَلٰی رَبِّہٖ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنے رب کا عاشق ہو گیا ہے۔ نماز کی پابندی کا آپؐ کو اتنا خیال تھا کہ سخت بیماری میں بھی آپؐ سہارا لے کر مسجد جاتے۔ ہاں ہاں !اُس وقت جب آپؐ کو قریشِ مکہ نے مختلف بڑے بڑے لالچ دیئے کہ آپؐ ہمارے بتوں کو بُرا بھلا کہنا چھوڑ دیں۔ اللہ کی عبادت نہ کریں۔ آپؐ کے شوق ہجرت الی اللہ نے اپنا سفر جاری رکھا اور فرمایا کہ اے چچا! اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر بھی رکھ دیں تو بھی مَیں خدائے واحد کی توحید کو پھیلانے سے نہیں رُک سکتا۔ اور غیرت ایمانی کا یہ عالم تھا کہ ابو سفیان نے جنگِ اُحد میں اُعلُ ھُبُل کا نعرہ بلند کیا تو آپؐ نے اپنے صحابہ سے اَللّٰہُ اَعلٰی وَ اَجَل کے نعرے بلند کروائے۔ آپؐ کے اسی شوق و ذوق کو دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے گواہی دی کہ آپؐ ہر وقت خدا کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ آپؐ کی زبان ہر وقت ذکرِ الٰہی کرتی رہتی تھی۔ آپؐ سوتے وقت، پہلو بدلتے، بیدار ہوتے، وضو یا غسل کرتے، لباس بدلتے۔ گھر سے باہر جاتے یا گھر میں آتے وقت، مسجد میں جاتے اور نکلتے وقت، سواری پر سوار ہوتے، بلندی پر چڑھتے، نئے چاند کو دیکھتے وقت، ہوا یا بارش کے طوفان کے وقت، نیا پھل کھاتے وقت حتیٰ کہ بیت الخلا میں جاتے اور آتے دعا کیا کرتے تھے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رب سے محبت اور اُس کی طرف جانے کا اشتیاق کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مکہ کے ظالموں نے اپنے ظلم کی آپؐ پر انتہا کر دی ہر طرح کے مظالم کا آپ کو نشانہ بنایا مگر آپؐ نے مکہ سے اس وقت تک ہجرت نہ فرمائی جب تک کہ خدا تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ مکہ سے ہجرت کا حکم نہ دیا۔ اس سے قبل اہل مکہ کے ظلموں کی شدت دیکھ کر جب صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی تو اصحابِ رسولؐ نے خواہش ظاہر کی کہ آپؐ بھی ان کے ساتھ چلیں تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے ابھی تک خدا تعالیٰ کی طرف سے اذن نہیں ملا۔ حضورؐ تنِ تنہا دشمنوں کے درمیاں رہے۔ صرف اس لیے کہ خدا کی طرف سے حکم نہیں ہوا تھا اور پھر جب مکہ والے لشکر بن کر مدینہ میں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑنے کو تیار تھے تو اس وقت بھی جب خدا نے مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دے دی تو آپؐ مقابلہ کے لیے نکلے۔ غرض ہر موقع پر آپؐ اپنے محبوب کے حکم یعنی اذنِ الٰہی کے منتظر رہے اور کبھی کوئی قدم خود سے نہ اٹھایا۔ بلکہ آپؐ کے عشق الٰہی کا اظہار آپؐ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری سے خوب ہوتا

ہے کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ چنانچہ جب سورۃ النصر میں افواج کے اسلام میں داخلہ پر استقبال کی خاطر اللہ کی تسبیح و تحمید اور استغفار کرنے کا حکم ہوا تو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: اس کے بعد رسول اللہؐ کی کوئی نماز خالی نہ جاتی تھی جس میں آپؐ یہ کلمات نہ پڑھتے ہوں کہ اے اللہ! تُو پاک ہے، اے ہمارے ربّ! اپنی حمد کے ساتھ، اے اللہ! مجھے بخش دے۔

(بخاری کتاب الاذان)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ سے عشق و محبت اور خدا پرستی کو دیکھ کر آپؐ کے عاشق صادق حضرت مسیح موعودؑ نے نہایت روح پرور اور وجد آفرین تقریر میں فرمایا۔

”آپؐ کے مبارک ناموں میں ایک سِرّ یہ ہے کہ محمدؐ اور احمدؐ جو دو نام ہیں ان میں دو جدا جدا کمال ہیں۔ محمدؐ کا نام جلال اور کبریائی کو چاہتا ہے جو نہایت درجہ تعریف کیا گیا ہے اور اس میں ایک معشوقانہ رنگ ہے۔ کیونکہ معشوق کی تعریف کی جاتی ہے۔ پس اس میں جلالی رنگ ہونا ضروری ہے۔ مگر احمدؐ کا نام اپنے اندر عاشقانہ رنگ رکھتا ہے کیونکہ تعریف کرنا عاشق کا کام ہے۔ وہ اپنے محبوب اور معشوق کی تعریف کرتا ہے۔ اس لیے جیسے محمدؐ محبوبانہ شان میں جلال اور کبریائی کو چاہتا ہے اسی طرح احمدؐ عاشقانہ شان میں ہو کر غربت اور انکساری کو چاہتا ہے۔ اس میں ایک سِر یہ تھا کہ آپؐ کی زندگی کی تقسیم دو حصوں پر کر دی گئی... مکہ کی زندگی میں اسم احمدؐ کی تجلّی تھی۔ اس وقت آپؐ کی دن رات خدا تعالیٰ کے حضور گریہ و بکا اور طلب استعانت اور دعا میں گزرتی تھی... جو تضرّع اور زاری آپؐ نے اس مکی زندگی میں کی ہے وہ کسی عاشق نے اپنے محبوب و معشوق کی تلاش میں کبھی نہیں کی اور نہ کر سکے گا۔ پھر آپؐ کی تضرّع اپنے لیے نہ تھی بلکہ یہ تضرّع دنیا کی حالت کی پوری واقفیت کی وجہ سے تھی۔ خدا پرستی کا نام و نشان چونکہ مٹ چکا تھا اور آپؐ کی روح اور خمیر میں اللہ تعالیٰ میں ایمان رکھ کر ایک لذت اور سرور آچکا تھا اور فطرتاً دنیا کو اس لذت اور محبت سے سرشار کرنا چاہتے تھے۔ اِدھر دنیا کی حالت کو دیکھتے تھے تو ان کی استعدادیں اور فطرتیں عجیب طرز پر واقع ہو چکی تھیں اور بڑے مشکلات اور مصائب کا سامنا تھا۔ غرض دنیا کی اس حالت پر آپؐ گریہ و زاری کرتے تھے اور یہاں تک کرتے تھے کہ قریب تھا کہ جان نکل جاتی۔ اسی کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء:4) یہ آپؐ کی متضرِّعانہ نہ

زندگی تھی اور اسم احمدؐ کا ظہور تھا۔ اس وقت آپ ایک عظیم الشان توجہ میں پڑے ہوئے تھے۔ اس توجہ کا ظہور مدنی زندگی اور اسم محمدؐ کی تجلّی کے وقت ہوا جیسا کہ اس آیت سے پتہ لگتا ہے۔ وَاسۡتَفۡتَحُوۡا وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیۡدٍ (ابراھیم:16)"

(ملفوظات جدید ایڈیشن جلد اول صفحہ 423)

سامعین! آپؐ کے فرمان اَلشَّوۡقُ مَرۡکَبِیۡ کو مدِ نظر رکھ کر آپؐ کے بہت سے شوقوں پر کچھ کہا جا سکتا ہے لیکن آج مَیں نے صرف آپؐ کے اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے سفر کے شوق کو سامنے رکھ کر آپ حاضرین سے گفتگو کی ہے اور اِسی پر اختتام کرتا ہوں اور آپؐ کو اللہ کے حضور حاضر ہوتے بھی توحید باری تعالیٰ کے قیام کی فکر تھی اور اللہ کو اپنا دوست قرار دیا جیسے آپؐ نے فرمایا کہ

"خدا بُرا کرے یہود و نصاریٰ کا کہ انہوں نے اپنے نبیوں کے مرنے کے بعد اُن کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔"

(بخاری کتاب المغازی)

اور پھر آخری نصیحت آپؐ نے اپنے صحابہ کو یہ فرمائی کہ اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُم کہ دیکھنا! میرے بعد نمازوں کہ نہ بھول جانا بلکہ اپنے ماتحت تمام کو نمازوں پر کاربند رکھنا اور سب سے بڑھ کر شَوۡقِیۡ اِلیٰ رَبِّیۡ عَزَّوَجَلَّ کی عملی مثال آپؐ نے وفات کے وقت اِلَی الرَّفِیۡقِ الۡاَعۡلٰی۔ اِلَی الرَّفِیۡقِ الۡاَعۡلٰی کے الفاظ دہرا کر دی یعنی کہ مَیں عرشِ مُعَلّٰی پر بیٹھنے والے اپنے مہربان دوست کی طرف جاتا ہوں۔ مَیں عرشِ مُعَلّٰی پر بیٹھنے والے اپنے مہربان دوست کی طرف جاتا ہوں۔ یہ کہتے کہتے آپ کی روح اِس جسم سے جُدا ہو گئی۔

(نبیوں کا سردار از حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ صفحہ 249)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ذات کے عاشق زار اور دیوانہ ہوئے اور پھر وہ پایا جو دنیا میں کبھی کسی کو نہیں ملا۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ سے اس قدر محبت تھی کہ عام لوگ بھی کہا کرتے تھے کہ عَشِقَ مُحَمَّدٌ عَلٰی رَبِّہٖ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب پر عاشق ہو گیا۔"

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 524 جدید ایڈیشن)

پھر آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

”مَیں ہمیشہ تعجب کی نگہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر)۔ یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی۔ اِس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام انبیاء اور تمام اوّلین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اس کے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں ہے بلکہ ذریّتِ شیطان ہے کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اُس کو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اُس کو عطا کیا گیا ہے۔ جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے۔ ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم کافرِ نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اِسی نبی کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اِسی کامل نبی کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی ہے اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں اِسی بزرگ نبی کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے۔ اس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اسی وقت تک ہم منوّر رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں“۔

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 118-119)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مقام جس کو قائم کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی محبت دلوں میں پیدا کرنے کے لئے آپؐ پیدا ہوئے تھے۔ ایک اعلیٰ انسان اور عبدِ رحمن کا مقام جو کسی کو ملا وہ سب سے اعلیٰ مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا اور بندے کی پہچان اپنی ذات کی پہچان اور خدا تعالیٰ کی ذات کی پہچان کرانے کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے۔ توحید کے قیام کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے۔ اور ساری زندگی اسی میں آپؐ نے گزاری۔ اور یہی آپ کی خواہش تھی کہ دنیا کا ہر فرد ہر شخص اس توحید پر

قائم ہو جائے اور اس زمانے میں بھی آپؐ کے غلام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی پہچان اس تعلیم کی رو سے ہمیں کروائی۔ پس ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اپنے آقا و مطاع صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں خدائے واحد کی عبادت اور اس کے نام کی غیرت کو اپنی زندگیوں کا حصہ بنائیں تبھی ہم حقیقت میں لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا کلمہ پڑھنے والے کہلا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔"

(خطبہ جمعہ 4 فروری 2005ء)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

(کمپوزڈ: مسز فائقہ بشریٰ)

﴿35﴾ ﴿مشاہدات۔867﴾

اَلرِّضَاءُ غَنِیْمَتِیْ (حضرت محمدؐ)

رضا میری غنیمت ہے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَالضُّحٰی ۙ - وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۙ ۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ؕ ۔وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ؕ ۔ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ؕ (الضُّحٰی:2-6)

کہ قسم ہے دن کی جب وہ خوب روشن ہو چکا ہو اور رات کی جب وہ خوب تاریک ہو جائے۔ تجھے تیرے ربّ نے نہ چھوڑا ہے اور نہ نفرت کی ہے اور یقیناً آخرت تیرے لئے (ہر) پہلی (حالت) سے بہتر ہے اور تیرا ربّ ضرور تجھے عطا کرے گا۔ پس تُو راضی ہو جائے گا۔

بَیْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (الفتح:30)

تُو انہیں رکوع کرتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھے گا۔ وہ اللہ ہی سے فضل اور رضا چاہتے ہیں۔

دَر دِلم جوشد ثنائے سَرورے
آنکہ دَر خُوبی ندارد ہمسَرے
آنکہ جانَش عاشِق یارِ ازَل
آنکہ رُوحش واصلِ آن دِلبرے

(براہین احمدیہ حصہ اوّل، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 17)

میرے دل میں اس سردار آقاؐ کی تعریف جوش مار رہی ہے، جو خوبی میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔ وہ جس کی جان خدائے ازل کی عاشق ہے، وہ جس کی رُوح اس دلبر سے واصل ہے۔

معزز سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اپنے متعلق نکلے ہوئے الفاظ پر تقاریر کا سلسلہ جاری ہے۔ آج الشفاء لقاضی عیاض بن موسیٰ میں درج روایت میں 20 خصوصیات میں سے دسویں وصف اور خصوصیت کی باری ہے۔ جو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن الفاظ میں بیان فرمائی کہ اَلرِّضَاءُ غَنِیْمَتِیْ کہ رضائے الٰہی میری غنیمت ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ سے روایت ہے کہ مَیں نے ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپکی سیرت بارے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ

اَلْمَعْرِفَةُ رَاسُ مَالِیْ وَالْعَقْلُ اَصْلُ دِیْنِیْ ، وَالْحُبُّ اَسَاسِیْ ، وَالشَّوْقُ مَرْکَبِیْ، وَذِکْرُ اللّٰہِ اَنِیْسِیْ، وَالثِّقَةُ کَنْزِیْ ، وَالْحُزْنُ رَفِیْقِیْ، وَالْعِلْمُ سَلَاحِیْ ، وَالصَّبْرُ رِدَائِیْ ، وَالرِّضَاءُ غَنِیْمَتِیْ وَالْعِجْزُ فَخْرِیْ، وَالزُّھْدُ حِرْفَتِیْ، وَالیَقِیْنُ قُوَّتِیْ، وَالصِّدْقُ شَفِیْعَتِیْ، وَالطَّاعَةُ حَسَبِیْ ، وَالْجِھَادُ خُلُقِیْ وَقُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ وَثَمْرَةُ فُؤَادِیْ فِیْ ذِکْرِہٖ وَغَمِّیْ لِاَجَلِ اُمَّتِیْ وَشَوْقِیْ اِلٰی رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ

(الشِّفَاءِ لقاضی عیاض بن موسیٰ صفحہ 81)

کہ معرفت میرا سرمایہ ہے اور عقل میرے دین کی بنیاد ہے اور محبت میری اساس ہے اور شوق میری سواری ہے اور ذکرِ الٰہی میرا مونس ہے اور وثوق میرا خزانہ ہے اور غم میرا رفیق اور علم میرا ہتھیار ہے، صبر میری چادر ہے، رضا میری غنیمت اور عاجزی میرا فخر ہے اور زُہد میرا پیشہ اور یقین میری قوت اور صدق میرا شفیع اور اطاعت میرا حسب، جہاد میرا خلق اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، ذکرِ الٰہی میرے دل کا پھل ہے اور میرا غم میری امت کے لئے ہے اور میرا شوق اپنے رب عزّوجلّ کی طرف ہے۔

معزز سامعین! ہم ہر تقریر کے آغاز پر عنوان میں درج الفاظ کے لفظی و لغوی معنی بتانے اور سمجھانے کے بعد اصل مضمون بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا یہاں بھی اَلرِّضَاءُ اور غَنِیْمَت کے لغوی معنی بیان کر دیتے ہیں۔

رَضاء، راء پر فتحہ کے ساتھ۔ اِس کے معنی ہوتے ہیں، راضی اور خوش ہونا۔ تقدیر پر راضی ہونا۔ خدا کی مرضی پر راضی ہونا۔ محاورہ ہے رَضائے مَولیٰ از ہمہ اولیٰ کہ خدا کی مرضی سب سے بہتر ہے۔ اس کے لئے رَضا بقضا اور برضا و رغبت کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ کسی کی وفات پر یہ بولا یا لکھا جاتا ہے۔ فلاں برضائے الٰہی وفات پاگئے گویا کہ رضا کی پہلی نسبت اللہ کی طرف کی جاتی ہے۔ جہاں تک غنیمت لفظ کا تعلق

ہے۔ یہ غَنِمَ سے ہے جس کے معنی مُفت کا مال ہے جو جنگوں میں مسلمانوں کو ملا کرتا تھا۔ اِس کے ایک معنی جو یہاں اپلائی کرنا زیادہ بہتر ہے وہ قابل قدر، قیمتی اور عمدہ مال کے ہیں۔ اِن معنوں کو اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اَلرِّضَاءُ غَنِیۡمَتِیۡ پر لاگو کریں تو معانی یہ ہوں گے کہ اللہ کی ہر بات خواہ وہ طبیعت کے موافق ہو یا ناموافق، راضی رہنے کی عادت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے اُس کی دین اور عنایت ہے۔ میری زبان پر کبھی شکوہ اور شکایت نہ آئی۔ مَیں ہر حال میں خدا کی ہر بات پر راضی رہ کر ذکرِ الٰہی، تسبیح وتحمید میں مصروف رہتا ہوں۔ رضائے الٰہی اور راضی برضا کے مضمون میں ذکرِ الٰہی، تسبیح و تحمید کے علاوہ توجہ الی اللہ، قربِ خداوندی، خوف ورجا، خشیتِ الٰہی اور یقین و توکّل کے تمام معانی آتے ہیں۔

سامعین! ہمارے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بہت بڑا وصف آپؐ کا قلبی سکون، روحانی خوشی اللہ کی رضا تھا۔ جب آپ یتیمی کے دَور سے گزر رہے تھے تو اس وقت بھی اپنے اللہ سے راضی اور خوش تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ٹھکانا دیا، آپؐ کی حفاظت فرمائی اور آپؐ کو چُن لیا تب بھی آپؐ شکر ادا کرتے۔ مالی مسائل کے وقت بھی اللہ سے راضی و خوش تھے، پھر اللہ نے آپؐ کو غنی کر دیا اور خوب نوازا۔ آپؐ مصائب و مشکلات اور سختیوں کا سامنا کرتے ہوئے بھی اللہ سے راضی تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی نصرت و تائید فرمائی اور حاجت روائی کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

رسول اللہ یا جب کوئی اچھی چیز (یا اچھی صورت حال) دیکھتے تو فرماتے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِی بِنِعۡمَتِہِ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس کے فضل و انعام سے نیک کام (اور مقاصد) پورے ہوتے ہیں۔ اور جب کوئی ناپسندیدہ چیز (یا بری صورتِ حال) سامنے آتی تو فرماتے اَلۡحَمۡدُ اللّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ ہر حال میں اللہ کی تعریف اور اس کا شکر ہے۔

(سنن ابن ماجہ، الادب، حدیث: 3803)

انسان کی زندگی میں کئی ایسے مواقع آتے ہیں جن سے وہ گھبرا جاتا ہے مثلاً مالی حالات ہیں، کوئی بیماری ہے ،اولاد کی کوئی تکلیف ہے، قرضہ ہے۔ اُس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے شکوے شکائتیں کرنے لگ جاتا ہے۔ ایسے کئی مسائل ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی آئے

مگر آپؐ نے ہمیشہ ان مصائب کا اطمینانِ قلب اور شرح صدر سے سامنا کرتے اور اپنے رب کے وعدے پر دلی طور پر راضی رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر پختہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو مقدر ٹھہرایا ہے اُسی میں بہتری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے آپ کو جھٹلایا، آپؐ سے لڑائی کی، آپؐ کو بُرا بھلا کہا، اذیت دی، گھر سے نکالا، جنون کا الزام لگایا، جادوگر کہا مگر آپؐ نے اپنے رب کی رضا کی خاطر یہ سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور اپنے ربّ کا فیصلہ تسلیم کیا۔

رضائے الٰہی کے میدان میں سب سے پہلے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچوں کی وفات پر راضی بقضا ہونے کی مثال دی جاسکتی ہے۔ اِس ضمن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ارشاد پیش ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

”ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی عظیم الشان قبولیت دعاؤں کی ہے۔ اِس کے مقابل رضا اور تسلیم کے بھی آپؐ اعلیٰ درجہ کے مقام پر ہیں۔ چنانچہ آپؐ کے گیارہ بچے مر گئے مگر آپؐ نے کبھی سوال نہ کیا کہ کیوں؟ جو لوگ فقراء اور اہل اللہ کے پاس آتے ہیں۔ اکثر اُن میں سے محض آزمائش اور امتحان کے لئے آتے ہیں۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 226)

پھر آپؑ فرماتے ہیں:

”دیکھو! ہمارے پیغمبرِ خدا کے ہاں 12 لڑکیاں ہوئیں۔ آپؐ نے کبھی نہیں کہا کہ لڑکا کیوں نہ ہوا اور جب کوئی غم ہوتا تو اِنَّا لِلّٰہ ہی کہتے رہے۔“

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 57-58)

اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کی وفات پر آپؐ کی آنکھوں میں آنسو تھے اور فرمارہے تھے۔

تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبَّنَا وَاللّٰهِ يَا اِبْرَاهِيْمُ اِنَّا بِكَ لَمَحْزُوْنُوْنَ

(مسلم کتاب الفضائل)

کہ آنکھیں آنسو بہاتی ہے اور دل غمگین ہے مگر ہم اُس کے سوا کچھ نہیں کہتے سوائے اس کے جس میں ہمارے رب کی رضا ہے۔ کمال قسم کے راضی بقضا تھے۔ اپنے لختِ جگر کی وفات پر کوئی بَین نہیں، کوئی واویلا نہیں اور کوئی رونا دھونا نہیں بلکہ اللہ کی رضا پر راضی تھے۔

آپؐ کی بعض ازواج مطہرات جو آپؐ کو بہت پیاری تھیں۔ آپؐ کی زندگی میں ہی داغِ مفارقت دے گئیں مگر آپؐ نے صبر سے کام لیا اور اللہ کی رضا پر راضی رہے۔ اِن میں سے سب سے زیادہ مدد کرنی والی، آپؐ کا خیال رکھنے والی حضرت خدیجہؓ تھیں۔ آپؓ کی وفات پر بھی حضورؐ نے دنیا کی ریل پیل کو جاری رکھا۔ آپؐ کے قریبی صحابہ یکے بعد دیگرے وفات پاتے گئے۔ جنگ اُحد میں درجنوں صحابہ شہید ہو گئے۔ ایک سریّہ پر 70 حفاظ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آپؐ نے اِن تمام صدمات کو اللہ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر برداشت کیا۔ جب آپؐ کے عزیز چچا جو سب سے زیادہ آپؐ کا دفاع کیا کرتے تھے اُن کی وفات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم و رضا کی تصویر بن گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اور مدد کرنے والے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو آپ نے کوئی واویلا کیے بغیر اللہ کے فیصلے پر رضامندی کا اظہار کیا اور معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔ جب آپؐ نے اللہ کی بہترین زمین کو چھوڑا اور کفار کی بغض و کینہ اور سازشوں سے بھری تلواروں کے محاصرے سے نکل کر غار میں پناہ لی تو دشمن تلاش کرتے کرتے وہاں بھی پہنچ گئے مگر ان کٹھن حالات میں بھی آپؐ کا دل اطمینان و رضا سے اس طرح لبریز تھا۔

سامعین! ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا تخلیق کی کئی کئی دن فاقہ سے گزارتے تھے وہ وقت بھی آتا جب نہ تو روٹی کا ایک ٹکڑا ہوتا نہ مٹھی بھر کھجوریں۔ بھوک سے پیٹ ساتھ لگ جاتا کئی کئی روز چولھا نہ جلتا صرف پانی یا کھجور پر گزارہ ہوتا پھر بھی آپ اپنے رب کے حکم پر راضی اور خوش رہتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

”ہمارا یہ حال تھا کہ ہم دو ماہ میں تین چاند دیکھتے تھے اور رسول اللہ کے گھروں میں آگ نہیں سلگتی تھی۔ مَیں نے پوچھا: پھر آپ کا گزارا کیسے ہوتا تھا؟ انہوں نے فرمایا: دو سیاہ چیزوں، یعنی پانی اور کھجوروں پر۔ ہاں، آپ کے کچھ انصاری پڑوسی تھے جن کے پاس دودھ دینے والی اونٹنیاں تھیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دودھ بھیج دیتے اور آپؐ ہمیں وہ دودھ پلا دیتے تھے۔“

(صحیح البخاری، الرقاق حدیث: 6459)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ میں اپنے لشکر پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کی تعداد بہت کم ہے اور سامنے دیکھتے ہیں تو مشرکوں کے لشکر حدِّ نگاہ تک پھیلے ہوئے ہیں جو پورے ساز و سامان کے ساتھ لیس ہیں

مگر پھر بھی آپ راضی ہیں اور اپنا معاملہ اپنے رب کے سپرد کر کے مطمئن ہیں اور خدا تعالیٰ آپؐ کے اس اطمینان اور خدا پر بھروسے کا صلہ فتح کی صورت میں عطا فرماتا ہے۔

ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تمام تر مشکلات اور مصائب برداشت کرنے کے باوجود اپنے صحابہ کو مطمئن رکھتے، ان کے دلوں میں اللہ کی تقدیر پر خوش و راضی رہنے کا جذبہ پیدا کرتے آپؐ انھیں کھو جانے والی ہر چیز پر اللہ کی طرف سے معاوضے کی یقین دہانی کراتے اور ہر نقصان کی تلافی کی امید دلاتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اپنے جوار میں ہمیشہ قائم رہنے والی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کا خلاصہ رب کی رضا پر خوش رہنے میں بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَالِكَ لِاَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ

کہ مؤمن کا معاملہ عجیب ہے۔ اس کا ہر معاملہ اس کے لیے بھلائی کا ہے اور یہ بات مؤمن کے سوا کسی اور کو میسر نہیں۔ اسے خوشی اور خوشحالی ملے تو شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے اچھا ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچے تو (اللہ کی رضا کے لیے) صبر کرتا ہے، اس میں (بھی) اس کے لیے بھلائی ہوتی ہے۔

(صحیح مسلم، الزهد والرقاق، حدیث:2999)

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی دعاؤں میں اللہ ہی کی رضا چاہتے تھے۔ آپؐ تہجد میں دعا کرتے اور گڑگڑاتے جبکہ آپ کی پاکیزہ روح عرش الٰہی کے ارد گرد طواف کر رہی ہوتی تو آپ ہمیشہ یہ دعا کرتے

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِرَضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ

(صحیح مسلم، الصلاۃ، حدیث:486)

اے اللہ! میں تیری ناراضی سے تیری رضامندی کی پناہ میں آتا ہوں۔

آپؐ دعا کرتے کہ

أَسْأَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ

(المعجم الاوسط للطبرانی 6/185)

میں قضا و قدر (کے فیصلے) کے بعد تیری رضامندی کا سوال کرتا ہوں۔

آپؐ کے پاس نہ تو کوئی محلات اور کوٹھیاں تھیں، نہ باغات اور فارم ہاؤس۔ نہ نہریں چلتی تھیں اور نہ خزانے تھے بلکہ اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کمرے میں رہتے تھے۔ ایک چٹائی پر بیٹھتے تھے۔ پیوند لگی چادر زیب تن کرتے تھے اور خشک روٹی کھاتے تھے۔ نہ آپ کے پاس نشان زدہ نسلی گھوڑے تھے اور نہ جاگیریں اور خزانے۔ آپ نے فقر و احتیاج، بھوک اور تنگی والی زندگی گزاری۔ لیکن سامعین! اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی ہر جگہ خوب مدد و نصرت فرمائی۔ آپ کو فتح مبین عطا کی۔ صراط مستقیم کی ہدایت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دین مکمل کیا۔ آپؐ پر نعمت پوری کی۔ آپؐ کے دشمنوں کو ناکام کیا اور مخالفین کی کمر توڑ دی۔ آپؐ کے دین کو پھیلایا اور آپؐ کے اصحاب اور پیروکاروں کو قیامت کے دن تک عزت بخشی۔

سامعین! ایک دفعہ آپؐ نے حضرت ابن عباسؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ پر نگاہ رکھ تُو اُسے اپنے سامنے پائے گا۔ اور تُو اللہ تعالیٰ کو خوشحالی میں پہچان۔ اللہ تعالیٰ تجھے تنگدستی میں پہچانے گا اور سمجھ لے کہ جو تجھ سے چوک گیا اور تجھ تک نہ پہنچ سکا، وہ تیرے نصیب میں نہیں تھا اور جو تجھ کو مل گیا وہ تجھے ملے بغیر رہ نہیں سکتا تھا کیونکہ تقدیر کا لکھا یونہی تھا۔ جان لو کہ (اللہ تعالیٰ کی) مدد صبر کرنے کے ساتھ ہے اور خوشی بے چینی کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور ہر تنگی کے بعد یُسر اور آسانی کے دن آتے ہیں۔

(حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 105)

گویا تقدیر پر ایمان لانا، رضائے الٰہی ہے۔ اگر کوئی شخص مالی لحاظ سے کمزور ہے تو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ اگر کوئی بیمار ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ اگر کسی کو آفت نے آلیا ہے، اگر کوئی مشکل آن پڑی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ثواب اتنا ہی زیادہ ہو گا، جتنی آزمائش سخت ہو گی اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو پسند فرماتا ہے تو اس کی آزمائش کرتا ہے، جو (اس آزمائش پر) راضی ہوا، تو اسی کے لئے (اللہ تعالیٰ کی) رضا ہے اور جو (آزمائش پر) ناراض ہو تو اس کے لئے ناراضی ہے“ (سنن ابن ماجہ: 4031)

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ساری زندگی میں اونچ نیچ آتی رہیں۔ ایک جنگ میں آپؐ زخمی بھی ہو گئے۔ درجنوں صحابی شہید ہوئے۔ آپؐ اس کو اللہ کی رضا سمجھ کر اپنے قدم آگے بڑھاتے رہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام احبابِ جماعت کو اِس حوالہ سے نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"تُم ایسے ہو جاؤ کہ خدا تعالیٰ کے ارادے تُمہارے ارادے ہو جائیں۔ اُسی کی رضا میں رضا ہو۔ اپنا کچھ بھی نہ ہو۔ سب کچھ اُس کا ہو جاوے۔"

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 64 انڈیکس)

حضرت امام الزمان مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"انسان کی طبعی حالتوں میں سے یہ بھی ایک حالت ہے کہ وہ مصیبت کے ظاہر ہونے کے وقت پہلے روتا پیٹتا ہے آخر بہت سا بخار نکل کر جوش تھم جاتا ہے اور انتہاتک پہنچ کر پیچھے ہٹنا پڑتا ہے پس یہ دونوں حرکتیں طبعی حالتیں ہیں ان کو خلق سے کچھ تعلق نہیں۔ بلکہ اس کے متعلق خلق یہ ہے کہ جب کوئی چیز اپنے ہاتھ سے جاتی رہے اور اس چیز کو خدا تعالیٰ کی امانت سمجھ کر کوئی شکایت منہ پر نہ لاوے اور یہ کہے کہ خدا کا تھا خدا نے لے لیا اور ہم اسی کی رضا کیساتھ راضی ہیں"

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 361)

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"قرآن شریف نے اعلیٰ طبقہ عبادت الٰہی اور اعمال صالحہ کا یہی رکھا ہے کہ محبت الٰہی اور رضاء الٰہی کی طلب سچے دل سے ظہور میں آوے... خدا تعالیٰ نے تو اس دین کا نام اسلام اس غرض سے رکھا ہے کہ تا انسان خدا تعالیٰ کی عبادت نفسانی اغراض سے نہیں بلکہ طبعی جوش سے کرے (خدا تعالیٰ کی عبادت نفسانی اغراض سے نہیں، ضرورتیں پوری کرنے کے لئے عبادت نہیں کرنی بلکہ طبعی جوش سے کرے) کیونکہ اسلام تمام اغراض کے چھوڑ دینے کے بعد رضا بقضا کا نام ہے۔ دنیا میں بجز اسلام ایسا کوئی مذہب نہیں جس کے یہ مقاصد ہوں۔ بے شک خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت جتلانے کے لئے مومنوں کو انواع اقسام کی نعمتوں کے وعدے دیئے ہیں مگر مومنوں کو جو اعلیٰ مقام کے خواہش مند ہیں یہی تعلیم دی ہے کہ وہ محبت ذاتی سے خدا تعالیٰ کی عبادت کریں۔" (نور القرآن نمبر 2 روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 436-441)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" ہمارا مقصد دنیاوی دولت کے حصول کے لئے اور دنیاوی لذات سے فائدہ اٹھانا کبھی نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ان چیزوں کا انجام اچھا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دنیاوی چیزوں کی مثال دیتے ہوئے فرماتا ہے یہ پھلنے پھولنے والی فصل کی طرح ہیں مگر آخر کو سوکھ کر چُورا ہو جاتی ہیں اور تیز ہوائیں اس کو اڑا کر لے جاتی ہیں۔ اسی طرح دنیاداروں کا انجام ہوتا ہے۔ نہ ان کے اموال کی کثرت، ان کے مال و دولت ان کے کام آتے ہیں۔ نہ ان کی اولادیں ان کے کام آتی ہیں۔ بعض تو اس دنیا میں ہی اپنے مال و اولاد سے محروم ہو جاتے ہیں اور اگر کسی کا ظاہری انجام دنیاوی لحاظ سے بہتر لگتا بھی ہے تو آخرت میں جو اُن کا حساب کتاب ہونا ہے وہ صرف دنیاوی لہو و لعب میں پڑنے کی وجہ سے اور خدا تعالیٰ اور دین کا خانہ خالی چھوڑنے اور خالی ہونے کی وجہ سے اور اس کی طرف زیادہ توجہ نہ دینے کی وجہ سے انہیں عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ ہاں بعض کی بعض نیکیاں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت کی چادر میں ڈھانپ کر ان سے مغفرت کا سلوک فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ اس کے تحت بعض لوگ اپنی بعض نیکیوں کی وجہ سے اس کی رضا، رضائے الٰہی حاصل کرنے والے بن جاتے ہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے، اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ تم یہ یاد رکھو کہ اس زندگی کو سب کچھ نہ سمجھو۔ اصل زندگی مرنے کے بعد کی زندگی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے، انجام بخیر کے لئے اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اس کے حکموں پر چلنا ضروری ہے اور جب انسان اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرے، اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلے تو نہ صرف انجام بخیر ہوتا ہے بلکہ یہ دنیا بھی اسے حاصل ہو جاتی ہے۔"

(خطبہ جمعہ 5 مئی 2017ء)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیۡتَ عَلٰی اِبۡرَاھِیۡمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبۡرَاھِیۡمَ اِنَّکَ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکۡ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکۡتَ عَلٰی اِبۡرَاھِیۡمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبۡرَاھِیۡمَ اِنَّکَ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی و مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴿36﴾ ﴿مشاہدات۔926﴾

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ

پس (اے جنّ وانس!) تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کا انکار کروگے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (الرحمٰن:14)

پس (اے جنّ وانس!) تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کا انکار کروگے

ہے شکر رب عزّوجل خارج از بیان
جس کی کلام سے ہمیں اُس کا ملا نشاں
وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اس کتاب میں
ہوگی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں
اُس سے ہمارا پاک دل و سینہ ہوگیا
وہ اپنے منہ کا آپ ہی آئینہ ہوگیا

معزز سامعین! مَیں نے آج آپ حاضرین کو جو روحانی اور علمی مائدہ دینے جارہا ہوں وہ سورت الرحمٰن کی آیت فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کی تفسیر و تشریح ہے اور وہ عظیم سبق بیان کرنے ہیں جو اس سورۃ میں بار بار یعنی 31 دفعہ دہرا کر بیان کیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے جلسہ سالانہ برطانیہ 2025ء کے بعد یکم اگست 2025ء کو جو خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اُس میں حضور نے شکرِ الٰہی اور بندوں کا شکریہ ادا کرنے کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اُس کے شکر گزار بندے بنو اور جب تم شکر گزاری کروگے تو مَیں تمہیں اپنے فضلوں سے اور زیادہ نوازوں گا اور زیادہ فضل تم پر برساؤں گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم: 8) کہ اگر تم شکر کرو گے، شکر گزار بنو گے تو مَیں تمہیں اور بھی زیادہ دوں گا۔ پس اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا مزید وارث بننے کے لیے شکر گزاری کی ضرورت ہے۔"

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ جوں جوں شکرِ الٰہی اور بندوں کے شکریہ ادا کرنے کے مضمون کو لے کر آگے بڑھے۔ میرا ذہن سورۃ الرحمان کی آیت فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کی طرف گیا جس کو آج خاکسار نے موضوعِ سخُن بنایا ہے۔ سورہ رحمن کی کل 79 آیات ہیں۔ جن میں سے 31 بار اِس آیت کو دہرایا گیا ہے۔ باقی 48 آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن نعمتوں کا ذکر کیا ہے جو اُس نے اپنے بندوں پر بلا تفریق رنگ و نسل اور بلا تمیز مذہب و ملت نازل کی ہیں۔ اگر ان نعماء کا احاطہ کرنا چاہیں تو وہ ناممکنات میں سے ہے کہ ان کو جمع کیا جائے۔ انسان کی پیدائش سے لے کر اُس کے لیے بنائی جانے والی ساری کائنات وَمَا فِيهَا کا ذکر کیا ہے جو انسان کی آسائش اور سہولت کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیدا کی اور بے شمار نعمتوں اور حسنات کا ذکر کیا ہے۔

نعمتِ الٰہی کا اقرار دل سے، زبان سے اور عمل سے کرنا ہمارے لیے بہت ضروری ہے کیونکہ ایسا نہ کرنا اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ اسی لیے جیسے ہی یہ آیت فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ پڑھی گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ ادا کیے:

لَا بِشَيْئٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْد

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے ہمارے ربّ! ہم تیری کسی بھی نعمت کا انکار نہیں کرتے۔ پس سب تعریف تیرے لیے ہے۔

سامعین! آیت نمبر 13 کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے نعماء کے ذکر کی بوچھاڑ کی ہے تو ہر آیت کے بعد فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کے الفاظ لا کر انس و جنّ کو توجہ دلائی ہے کہ ان نعمتوں کو جھٹلاؤ مت اور اپنے اللہ کا ذکر اور اس کا شکر ادا کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے رَبِّكُمَا کہہ کر جنّ و انس کا ذکر فرمایا ہے۔ عام انسانوں کے ساتھ جنوں کا ذکر اس لیے بالخصوص فرمایا کہ عام انسان تو اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتے ہی رہتے ہیں۔ اُس کے حضور دعائیں بھی کرتے ہیں مگر معاشرے میں بسنے والے بڑے لوگ جو جنّ کہلاتے ہیں اور کم ہی معاشرہ میں نمودار ہوتے ہیں ان کو بھی ان تمام نعماء کو سامنے رکھ کر اپنے اللہ کے حضور جھکنا چاہیے اور شکر کے جذبات بھی اُبھرنے چاہیے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ

"جنّ امراء اور اِنس عوام۔ سو آج کل ایک طرف امرا کا گروہ ہے یعنی کیپٹل ازم اور دوسری طرف دلتاریت یعنی عوام کا، یا یوں کہو کہ روس کا۔"

(تفسیر صغیر فٹ نوٹ آیت 34)

سامعین! یہاں شکرِ الٰہی کی طرف توجہ دلانے کا جو نیا اور انوکھا انداز اللہ تعالیٰ نے اپنایا ہے وہ بھی بہت نرالا انداز ہے اور اِس پر بھی بات کرنا ضروری ہے۔ اِس انداز میں شکر گزار اور ناشکرے دونوں کو توجہ دلائی ہے اور شکر گزار نہ بننے والوں کو زیادہ مخاطب کیا ہے کہ باوجود تمہارے خالقِ حقیقی اللہ تبارک و تعالیٰ کے تُم پر ہونے والے بے شمار احسانات اور انعامات کے تُم کن کن انعامات کا انکار کرو گے۔ تمہیں تو ہر نعمت پر شکر گزاری بجالانی چاہیے اور شکر گزار لوگوں کو مزید شکر گزار بندے بننے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

اِسی لیے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس آیت کے تحت فٹ نوٹ ہی میں تحریر کرتے ہیں۔

"یعنی تباہی کے وقت پوچھیں گے کہ کیا بے انتہا نعمتیں ہیں تم پر نازل نہ ہوئی تھیں اور تم دین سے تمسخر نہ کرتے تھے۔ اس میں یہ تحدید بھی ہے کہ اگر ناشکرا پن دکھلاؤ گے جس کے بدلے عذاب آجائے تو پھر اللہ کی نعمتوں کو یاد کریں گے۔ ان نعمتوں کا قبل اس کے کہ عذاب آجائے شکر ادا کرو تا اللہ تعالی کی نعمتوں میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔"

سامعین! کسی بات کو بار بار دہرانے سے اپنی بات کو مؤثر رنگ میں پیش کرنا ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی اہم بات کو دو دو تین تین بار دُہرایا کرتے تھے۔ یہی کیفیت مامور زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہے۔ آپ علیہ السلام کے متعلق تو پیشگوئی بھی تھی کہ وہ بات کو دُہرائے گا۔ آپ علیہ السلام اِس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

"فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ، بار بار توجہ دلانے کے واسطے ہے۔ اِس تکرار پر نہ جاؤ قرآن شریف میں اور بھی تکرار ہے۔ مَیں خود بھی تکرار کو اِسی وجہ سے پسند کرتا ہوں۔ میری تحریروں کو اگر کوئی دیکھتا ہے تو وہ اس تکرار کو بکثرت پائے گا۔ حقیقت سے ناخبر انسان اس کو منافی بلاغت سمجھ لے گا اور کہے گا کہ یہ بھول

کر لکھا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ شاید پڑھنے والا پہلے جو لکھا ہے اسے بھول گیا ہو۔ اس لیے بار بار یاد دلاتا ہوں تا کہ کسی مقام پر تو اس کی آنکھ کھلے۔ **اِنَّمَا الاعمالُ بالنِّیَّاتِ**

علاوہ بریں تکرار پر اعتراض ہی بے فائدہ ہے۔ اس لیے کہ یہ بھی تو انسانی فطرت میں ہے کہ جب تک بار بار ایک بات کو دہرائے نہیں وہ یاد نہیں ہوتی۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی اور سُبْحانَ رَبِّیَ الْعَظِیمِ بار بار کیوں کہلوایا؟ ایک ہی بار کافی تھا۔ نہیں۔ اس میں یہی سِرّ ہے کہ کثرت تکرار اپنا ایک اثر ڈالتی ہے اور غافل سے غافل قوتوں میں بھی ایک بیداری پیدا کر دیتی ہے۔

اسی لیے اللہ تعالی نے فرمایا۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (سورۃ الجمعہ:11)

یعنی اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم فلاح پاجاؤ۔

جس طرح پر ذہنی تعلق ہوتا ہے اور کثرت تکرار ایک بات کو حافظہ میں محفوظ کر دیتی ہے۔ اِسی طرح ایک روحانی تعلق بھی ہے اس میں بھی تکرار کی حاجت ہے۔ بدوں تکرار وہ روحانی پیوند اور رشتہ قائم نہیں رہتا.... حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مَیں ایک آیت اتنی مرتبہ پڑھتا ہوں کہ وہ آخر وحی ہو جاتی ہے۔ صوفی بھی اسی طرف گئے ہیں۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا کے یہ معنی ہیں کہ اس قدر ذکر کرو کہ گویا اللہ تعالی کا نام کنٹھ ہو جاوے۔ انبیاء علیہم السلام کے طرز کلام میں یہ بات عام ہوتی ہے کہ وہ ایک امر کو بار بار اور مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں۔ ان کی اصل غرض یہی ہوتی ہے کہ تا مخلوق کو نفع پہنچے۔ مَیں خود دیکھتا ہوں میری کتابیں پڑھنے والے جانتے ہیں کہ اگر چار صفحے میری کسی کتاب کے دیکھے جاویں تو ان میں ایک ہی امر کا ذکر 50 مرتبہ آئے گا اور میری غرض یہی ہوتی ہے کہ شاید پہلے مقام پر اس نے غور نہ کیا ہو اور یوں ہی سرسری طور پر گزر گیا ہو۔

قرآن شریف میں اعادہ اور تکرار کی بھی یہی حکمت ہے۔ یہ تو احمقوں کی خشک منطق ہے جو کہتے ہیں کہ بار بار تکرار سے بلاغت جاتی رہتی ہے۔ وہ کہتے رہیں۔ قرآن شریف کی غرض تو ایک بیمار کا اچھا کرنا ہے۔ وہ تو ضرور ایک مریض کو بار بار دوا دے گا۔ اگر یہ قاعدہ صحیح نہیں تو پھر ایسے معترض جب کوئی ان کے ہاں بیمار ہو جاوے تو اسے بار بار دعا کیوں دیتے ہیں اور آپ کیوں دن رات کے تکرار میں اپنی غذا، لباس وغیرہ

امور کا تکرار کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں مَیں نے کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ ایک انگریز نے محض اسی وجہ سے خودکشی کرلی تھی کہ بار بار وہی دن رات اور غذا مقرر رہے اور مَیں اس کو برداشت نہیں کرسکتا۔"

(الحکم جلد 9 نمبر 40 مورخہ 17 نومبر 1905 صفحہ 9)

سامعین! آلاء ایسی نعمتوں کو کہتے ہیں جو گنی نہ جاسکیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ سورہ الرحمٰن کے تعارفی نوٹ میں اس تکرار کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اِس کے بعد جنّ و انس کو مخاطب کرکے اس بات کی بکثرت تکرار ہے کہ تم دونوں آخر خدا کی کس کس نعمت کا انکار کروگے اور اِسی تعلق میں جنّ و انس کی پیدائش کا فرق بھی بیان فرمادیا کہ جنّ کو آگ کے شعلوں سے پیدا کیا گیا۔ فی زمانہ جنّ کے لفظ کی مختلف تشریحات کی جاتی ہیں لیکن یہاں جنّ کی ایک تشریح یہ ہے کہ وائرس اور بیکٹیریا بھی جنّات ہیں جو ابتدائے افرینش میں آسمان سے گرنے والی آتشی ریڈیائی لہروں کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔ فی زمانہ اس بات پر تمام سائنسدان متفق ہوچکے ہیں کہ بیکٹیریا، بیکٹیریا اور وائرسز براہ راست آگ سے توانائی پاکر وجود پکڑتے ہیں۔"

(ترجمۃ القران صفحہ 973)

جنّ و انس کو کیوں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کو کہا گیا۔ اس کی ایک وجہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں۔

"پھر انسان کے متعلق ایک ایسی پیش گوئی فرمائی گئی جو عظیم الشان حکمت اور تخلیق کے گہرے رازوں سے پردہ اٹھاتی ہے۔ گیلی مٹی سے انسان کے پیدا کرنے کا تصوّر تو پچھلی سب کتابوں میں موجود ہے لیکن کھنکتی ہوئی ٹھیکریوں سے انسان کا پیدا کیا جانا ایک ایسا تصوّر ہے جو قرآن مجید سے پہلے کسی کتاب نے بیان نہیں کیا یہاں تفصیل کا موقع نہیں لیکن سائنسدان جانتے ہیں کہ تخلیق کے دوران ایک ایسی منزل بھی آئی جب ضروری تھا کہ تخلیقی مادوں کو بجنے والی ٹھیکریوں کی صورت میں خشک کردیا جائے اور پھر سمندر نے واپس اس خشک مادے کو اپنی لہروں میں لپیٹ لیا اور انسان کی کیمیائی ترقی کا ایک ایسا سفر شروع ہوا جس میں انسان کی تخلیق کے لیے یہ ضروری کیمیا بار بار اپنے ابتدائی دور کی طرف نہ لوٹیں۔"

(ترجمۃ القران صفحہ 973)

سامعین! ہمیں اس بات پر بھی اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اُس نے انسان کو بے انتہا استعدادوں کے ساتھ پیدا کیا اور پھر اُس کو بیان کرنے کی طاقت بھی عطا فرمائی۔ وہ ساری قوتیں اور طاقتیں عطا فرمائیں جو ہمیں حیوانوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ انسان کو عقل دی علم دی جس سے وہ تحقیق کے مراحل طے کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی قدرت کی گواہی دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو جو اشرف المخلوقات بنایا ہے تو اس کی پرورش کے لئے اپنی نعمتیں بھی اتاری ہیں۔ ہمیں یہ خیال نہیں آنا چاہیے کہ جو رزق مہیا ہو رہا ہے یہ اللہ کے سوا کوئی اور مہیا کر رہا ہے۔ اس رزق کا پیدا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے جو رب العالمین ہے۔ زمین جو رزق پیدا کر رہی ہے اس رزق کے پیدا کرنے کے لئے بھی آسمان کی مدد کی ضرورت ہے۔ آسمانی پانی نہ ہو تو زمینی پانی بھی خشک ہو جاتا ہے۔ پس زمین سے رزق پیدا کرنے والا بھی خدا ہے اور آسمان سے ان ذرائع کا پیدا کرنے والا بھی خدا ہے جو زمینی رزق پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں اور ہمیں اُس رازق کا ہر لمحہ شکر گزار بننا ہے۔

سامعین! اب مَیں اختصار سے اس سورۃ میں بیان اللہ کی نعمتوں کا ذکر کر دیتا ہوں۔ آسمان کی رفعتوں میں توازن کا برقرار رہنا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ایک نعمت کا ذکر یوں فرماتے ہیں کہ

”آیت رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ میں دو مشرقوں اور دو مغربوں کا ذکر ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے انسان کو صرف ایک مشرق اور ایک مغرب کا علم تھا۔ اس بہت ہی چھوٹی سی آیت میں آئندہ زمانہ کی عظیم الشان دریافتوں کے بارے میں پیش گوئی ہے۔“

(ترجمۃ القران صفحہ 976)

شمس و قمر کی بناوٹ ان کی حرکت اور ہم آہنگی کو دیکھ کر انسان حیران اور ششدر رہ جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا ایک عظیم نظام ہے اور اس نظام کے اندر گہرے حقائق پوشیدہ ہیں اور اس سے نکلنے والے نتائج دُوررس ہیں۔ ہمارے لئے سورج ہی زیادہ اہم ہے یعنی ہم زمین کے باشندوں کے لئے کیونکہ انسان کی زندگی سورج کی حرارت کی مرہون منت ہے۔ اس طرح چاند جو اس زمین کا ایک چھوٹا سا سیارچہ ہے لیکن اسے بھی اس زمینی زندگی میں اہمیت حاصل ہے۔ سمندروں کے اندر مدّ و جزر اسی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ سورج زمین سے 5 لاکھ 29 میل دُور ہے۔ اگر یہ اس سے قریب تر ہوتا تو زمین جل جاتی اور تمام پانی بخارات میں بدل

جاتا اور بخارات فضا میں بلند ہو جاتے اور اگر یہ ذرا اور دُور ہو تا تو تمام چیزیں منجمد ہو جائیں۔ ہم تک سورج کی جو حرارت پہنچتی ہے، وہ اس کی حرارت کے دو ملین حصوں میں سے ایک حصہ پہنچتی ہے اور ہماری موجودہ زندگی کے لئے یہی معمولی حرارت کافی ہے۔ اِسی طرح چاند کا حجم بھی ایک حساب کے مطابق ہے۔ اگر یہ اس سے ذرا بھی بڑا ہوتا تو سمندر کے اندر اس قدر طوفان آتے کہ زمین بار بار ڈوبتی رہتی۔ اسی طرح اگر یہ ہم سے قریب ہو جاتا یعنی جہاں ہے تو بھی زمین پر طوفان مچا دیتا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ اُس نے جہاں سورج اور چاند کو رکھا ہے وہ وہاں سے بال برابر بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ فرماتے ہیں:

"اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ایک اصول ہے جو ایک رفتار پر ایک جہت میں ایک ہی زاویہ اور محور پر کار فرما ہے۔ زمین ایک ہی محور پر گردش کرتی ہے۔ اسی طرح چاند ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ اگر چند نیزوں کے فرق سے زیادہ قریب ہوتی زمین سورج سے تو یہاں اتنی گرمی ہوتی کہ انسان زندہ نہ رہ سکتا اور اگر چند نیزوں کے فرق سے پرے ہوتی، دور ہوتی تو یہاں اتنی سردی ہوتی کہ انسان زندہ نہ رہ سکتا۔"

(انوار القرآن جلد 3 صفحہ 385)

پھر فرمایا وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ یعنی اور اسی کی (صنعت) وہ کشتیاں ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح بلند کی جائیں گی۔ یہ اونچے اٹھے ہوئے جہاز اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نمونے ہیں کیونکہ سمندروں میں یہ اللہ کی قدرت اور اس کے حکم سے چلتے ہیں۔ گہرے سمندروں اور امواج کے تھپیڑوں میں انہیں صرف اللہ ہی حفاظت دیتا ہے۔ یہ اللہ ہی کی نگرانی اور نگہبانی ہے کہ یہ پانیوں کے اوپر تیرتے رہتے ہیں۔ یہ جہاز اس وقت بھی اور آج بھی اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے تھے اور ہیں۔ ان جہازوں نے لوگوں کی ضروریات نقل و حمل میں، سفر میں، سہولیات کی منتقلی میں اور تجارت اور کمائی میں اس قدر اہم کردار ادا کیا ہے کہ اس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔

پھر سمندر اور دریا ہیں۔ جن دو دریاؤں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ میٹھا سمندر اور کھارا سمندر ہیں۔ کھارے دریا سے مراد سمندر اور بڑے اور گہرے پانی ہیں اور میٹھے سے مراد چھوٹے دریا ہے۔ یہ باہم ملتے

ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنے حدود مقررہ سے آگے نہیں بڑھتا۔ ہر ایک اپنے حدود سے تجاوز نہیں کرتا اور ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے نہر سویز اور نہر پانامہ سے بحر قلزم اور روم اور دوسری طرف بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل کے ملانے کا ذکر فرمایا ہے۔

(تفسیر صغیر آیت 20 فٹ نوٹ)

جب سمندر کے پانی پر سورج چمکتا ہے تو اس سے بخارات اٹھتے ہیں اور انہی بخارات سے بادل اور بارشیں بن کر خشکی پر میٹھے پانی کے دریا بہتے ہیں۔ اس میٹھے پانی ہی پر انسانوں، حیوانوں اور نباتات کی زندگی موقوف ہے۔ تمام دریا جاکر سمندروں میں گرتے ہیں اور زمین کا نمک بہا کر یہ سمندر میں لے جاتے ہیں لیکن یہ سمندر کے پانیوں کو خراب نہیں کر سکتے۔ جتنے بھی دریا ہیں ان کی سطح سمندر کی سطح سے بلند ہوتی ہے۔ اس لئے سمندر بھی ان دریاؤں پر کوئی دست درازی نہیں کر سکتا کیونکہ یہ دریا سمندر ہی میں گرتے ہیں۔ دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔ پس (اے جن و اِنس!) تم دونوں اپنے ربّ کی کس کس نعمت کا انکار کروگے۔

پھر لؤلؤ اور مرجان کا ذکر ہے۔ مرجان (مونگا) بھی اللہ کی مخلوقات میں سے ایک عجیب مخلوق ہے۔ یہ سمندروں کے اندر تقریباً 3ء5 میٹر (3 اشاریہ 5 میٹر) کی گہرائی تک میں رہتا ہے۔ سرخ مرجان وہ گول اور مضبوط حصہ ہوتا ہے جو جانور کے مر جانے کے بعد رہتا ہے۔ موتی (لولو) بھی حیوان کی ایک قسم ہے یہ حیوان سیپی میں ہوتا ہے اور یہ سیپی چونے کے مواد سے بنی ہوتی ہے اور یہ سمندروں کی گہری تہوں میں اُتر جاتی ہے۔ یہ سیپی اسے خطرات سے بچاتی ہے۔ ان موتیوں اور مونگوں سے وہ زیورات بنائے جاتے ہیں جو نہایت شاندار اور قیمتی ہوتے ہیں۔

سامعین! اللہ تعالیٰ نے زمین کو اپنی مخلوق کے لئے بنایا۔ اس میں ہر طرح کے بکثرت پھل ہیں، کھجور کے درخت ہیں جن کے پھل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں۔ طرح طرح کے غلے ہیں جن میں بھوسا بھی ہوتا ہے اور دانہ بھی) اس زمین میں بس کر اور رہ رہ کر ہمیں یہ چیزیں نظر نہیں آتیں۔ اس زمین کے حالات واطوار کو دیکھ کر اور اپنے حالات واحوال کو ہر وقت دیکھ دیکھ کر ہم اس کی کوئی چیز انوکھی نہیں پاتے جو

دراصل عجوبہ ہوتی ہے اور دست قدرت کی عجب کارستانی ہوتی ہے۔ کھجور کے اونچے اونچے درخت ہیں جن کے پھل غلافوں میں بند ہوتے ہیں۔ کم اس تھیلے کو کہتے ہیں جن کے اندر سے کھجور کا پھل باہر آتا ہے اور پھر دوسرے خوشے دار فصل اور دانے ہیں جن کے اوپر بھوسہ ہوتا ہے اور اسے ہٹا کر دانے نکال کر انسانوں کے لئے اور بھوسہ مویشیوں کے لئے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ریحان کا بھی ذکر فرماتا ہے کہ بعض نباتات خوشبودار ہوتے ہیں اور ان خوشبودار نباتات میں سے کچھ انسانوں کی خوراک ہیں اور کچھ حیوانوں کی خوراک اور بعض محض خوشبوئیں ہیں۔

سامعین! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَلِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ یعنی اور جو بھی اپنے ربّ کے مقام سے ڈرتا ہے اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے اسے دنیا کی جنت نصیب ہوگی اور آخرت کی بھی۔ جو لوگ سچے دل سے خالص ہو کر خدا تعالیٰ کو تلاش کرتے ہیں اور اپنی ہستی کو اُس کی راہ میں مٹا دیتے ہیں تو ان کو خدا تعالیٰ وہ روحانی غذائیں دیتا ہے جو اُن کی روح کو روشن کر دیتی ہیں اور اُس کو خدا تعالیٰ دو جنتوں سے نوازتا ہے۔ اوّل تو اسے اسی دنیا میں بہشتی زندگی عطا ہو جائے گی اللہ تعالیٰ اس کے اندر پاک تبدیلی پیدا ہونے کی وجہ سے اُس کا متکفّل ہو جائے گا اور پھر دوسرے اس کے مرنے کے بعد اسے ایک جاودانی جنت عطا کی جائے گی کیونکہ اس نے خدا کے خوف اور اس کی محبت کو اپنے نفس اور دنیا پر مقدم کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”جو شخص خدا تعالیٰ کے مقام اور عزّت کا پاس کر کے اور اِس بات سے ڈر کر ایک دن خدا کے حضور میں پوچھا جائے گا گناہ کو چھوڑتا ہے۔ اُس کو دو بہشت عطا ہوں گے۔ اوّل اِسی دنیا میں بہشتی زندگی اِس کو عطا کی جاوے گی اور خدا اُس کا متوّلی اور متکفّل ہو گا۔ دوسرے مرنے کے بعد جاودانی بہشت اُس کو عطا کیا جائے گا۔ یہ اِس لئے کہ وہ خدا سے ڈرا اور اِس کو دنیا پر اور نفسانی جذبات پر مقدّم کر لیا۔“

(لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 158)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اس کامل علم رکھنے والے خدا نے جو باتیں اس عظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائیں اور اس کتاب میں جن کا ذکر ہوا جن میں سے بعض ایسی ہیں کہ چودہ سو سال تو دُور کی بات ہے، ماضی قریب کا انسان بھی اس بارہ میں سوچ نہیں سکتا تھا۔ بہت ساری پیشگوئیاں ہیں۔ مَیں یہاں ایک بیان کر رہا ہوں مثلاً سورۃ رحمن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ (الرحمن:20) کہ وہ دونوں سمندروں کو ملا دے گا جو بڑھ بڑھ کر ایک دوسرے سے ملیں گے۔ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ۔ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰن۔ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَان (الرحمن:23-21) کہ (سردست) اُن (دونوں سمندروں) کے درمیان ایک روک ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے۔ پس (اے جنّ وانس) تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔ دونوں میں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں۔ اب اس میں دو سمندروں کو ملانے کا ذکر ہے اور نشانی یہ بتائی کہ ان میں سے موتی اور مونگے یا مرجان نکلتے ہیں۔ ایک تو نہر سویز کے ذریعہ سے دونوں سمندروں کو ملایا۔ Red Sea اور میڈیٹرینین سی (Mediterian Sea) کو۔ اسی طرح پانامہ نہر نے دو سمندروں کو ملایا اور اس طرح بڑے سمندر آپس میں مل گئے۔ اب یہ علم آنحضرت کو خدا نے اس وقت دیا جب کسی کو اس بات کا علم نہیں تھا۔ علم تو علیحدہ بات ہے اس وقت کے زمانے کے عربوں کی تو سوچ بھی یہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھی کہ کس جگہ پر سمندر رہوں گے اور کس طرح ملائے جائیں گے اور پھر 1300 سال کے انتظار کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم نظارہ دکھایا اور اس پیشگوئی کو کس شان سے پورا فرمایا۔ پس یہ ہیں اُس عالَم الغیب خدا کے علم کی باتیں جنہیں اس نے قرآن کریم کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر فرمایا۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 18 جنوری 2008ء)

معزز سامعین! ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنی نعمتوں سے نوازا ہے کہ ہم جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کم ہے۔ ہماری زندگی کا ہر پل، ہر ذرہ خدا تعالیٰ کا دیا ہوا ہے ہمیں اپنے رب کا ہی احسان مند ہونا چاہیے۔ اس وقت مجھے حضرت مظہر جانِ جاناں جو ایک بڑے بزرگ گزرے ہیں اُن کا لڈو والا واقعہ یاد آرہا ہے کہ کیسے انہوں نے لڈو کو اپنے رومال پر رکھ کر اُس کا ایک ذرہ توڑا اور اسے منہ میں ڈالتے ہوئے کہا

سبحان اللہ سبحان اللہ واہ مظہرِ جان جاناں تجھ پر تیرے رب کا کتنا فضل ہے اور پھر لڈو کے متعلق پوچھا کہ اس میں کیا کیا شامل ہے اور ہر چیز پر غور کرتے ہوئے اُس کے ہر ذرے پر سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے تھے اور اللہ کا شکر ادا کرتے تھے کہ صرف ایک لڈو اللہ تعالیٰ نے جو اُن کو کھانے کو دیا وہ کیسے کتنے مراحل سے گزر کر اُن تک وہ پہنچا۔ تو ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بارے میں ہر پل ہر لمحہ سوچنا چاہیے اور اپنے رب کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(کمپوزڈ: مسز عطیۃ العلیم۔ ہالینڈ و مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴿37﴾ ﴿مشاہدات۔965﴾

مکتبۂ عشق

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

کہ اے محمدؐ! تُو کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔

واحد ہے عشق مکتبۂ دنیا جہاں میں
اِس کا نہ کوئی درس نہ ہی نصاب ہے
کیا عشق ہے منیرؔ، کر اِس میں غور تُو
نہ اِس کا کچھ حساب نہ ہی کتاب ہے

معزز سامعین! جرمنی سے تعلق رکھنے والے ایک منجھے ہوئے شاعر نے "مکتبۂ عشق" کے عنوان سے آٹھ اشعار پر مشتمل ایک نظم کہی ہے۔ جس کا عنوان اور تمام کے تمام اشعار دل کو چھو کر دِل میں اپنی جگہ بناتے گئے اور انہیں بار بار پڑھ کر لطف اندوز ہونے کو جی چاہتا رہا۔ اِس منظوم کلام کا ایک ایک شعر اپنی ذات میں تقریر کا ایک موضوع ہو سکتا ہے۔ لیکن شاعر نے "مکتبۂ عشق" کا عنوان اپنے اِس منظوم کلام کو دیا ہے وہ دل کو بہت بھا رہا ہے اِس لئے اِسی کو آج مَیں نے اپنی تقریر کا موضوع بنایا ہے۔ پوری نظم یوں ہے۔

جوں جوں قریب آتا ہے یہ وقتِ شباب ہے
یادوں میں ساتھ ماضی کے بہتا چناب ہے
اے عشق! مشقِ ناز کر رعنائیوں کے ساتھ
ہر وار تیرا سہنے کو اپنا پنجاب ہے

ایسا بھی عشق ہے وہ جگ میں جو قبول
پلتا ہے جس نگر میں وہ نگر بھی چناب ہے
واحد ہے عشق مکتبہؑ دنیا جہاں میں
اس کا نہ کوئی درس نہ ہی نصاب ہے
عاشق کو کیا غرض ہے دنیا کے چَین سے
اُس کا سکون و راحت بس اضطراب ہے
ہے پیار کی یہ خَصلت ہوتا ہے ایک سے
کیا اس کا پھر حساب یہ بے حساب ہے
عورت کا سارا حُسن اُس کے حیا میں ہے
اُڑتا بلند پرچم اُس کا نقاب ہے
آنکھوں سے جو پیئے اُس کا نشہ عجیب
اس جیسا میکدہ نہ کوئی شراب ہے
کیا عشق ہے منیر، کر اس پر غور تُو
نہ اس کا کچھ حساب نہ ہی کتاب ہے

سامعین! نظم میں درج مضمون اور اِس کے متعلقات کا ذکر کرنے سے قبل نظم کے عنوان "مکتبہؑ عشق" کے لفظی اور لغوی معنی بیان کرنے ضروری ہیں۔ کیونکہ اِسی کو خاکسار نے آج اپنی تقریر کا عنوان بنایا ہے تا لفظی و لغوی معانی جاننے کے بعد تقریر کے مضمون کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

مکتبہؑ عشق عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں لکھنے، پڑھنے اور درس و تدریس کی جگہ جسے ہم درس گاہ، تعلیم گاہ، مطالعہ گاہ کہہ سکتے ہیں، چونکہ ایسی جگہوں پر کتب کے ذخیرے بھی ہوتے ہیں اس لئے لائبریری اور کتب خانہ وغیرہ بھی کہا جاتا ہے۔ جہاں تک لفظ عشق کے معانی کا تعلق ہے۔ یہ محبت اور چاہت سے اگلی ڈِگری ہے۔ جس میں بہت شدید اور گہری محبت و چاہت پائی جاتی ہو۔ یا یوں کہہ لیں کہ دل کا اُس کے ساتھ

لگ جانا۔ اِس کی بالعموم دو اقسام بیان ہوئی ہیں۔ ایک عشقِ مجازی اور دوسرا عشقِ حقیقی۔ عشق مجازی میں انسان کی انسان سے شدید محبت ہے۔ اِس میں انسان، محبوب کی خواہشات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالتا ہے۔ جبکہ عشقِ حقیقی ایک لافانی اور لامحدود جذبہ ہے جو خدائے حکیم کی ذات سے شدید کشش اور تعلق رکھتا ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جو سیاسی قیادت اور دینی و اسلامی قیادت میں فرق کا ہے۔ سیاسی قیادت میں سیاسی لیڈرز ہجوم کی باتیں مانتے اور اُن کے نعروں اور جذبات کو لے کر آگے بڑھتے ہیں جبکہ روحانی لیڈرز یعنی انبیاء اور خلفاء اللہ کی تعلیمات اور اپنی آرزوؤں اور مقاصد کے پیچھے، اپنے ماننے والوں کو چلاتے ہیں۔ یہی وہ عشق ہے جسے تصوّف کی دنیا میں اُس آگ کو کہتے ہیں جو خدا اور اُس کے رسول اور خلیفہ کے ساتھ محبت کے سوا سب کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ پس اِس مندرج بالا معنوں میں "مکتبۂ عشق" کا مطلب یہ ہو گا کہ ایسی درسگاہ یا ایسی کتب جو تصوّف کی دنیا میں اللہ اور اُس کے رسولؐ اور خلیفہ سے لگاؤ، محبت اور چاہت کو ظاہر کرتی ہوں یا ایسی جگہ جہاں عشقِ حقیقی کے درس دیئے جائیں۔

حضرت مصلح موعودؓ نے شادی کو مدرسہ قرار دیا ہے۔ جو مکتبہ کے ہم معنی ہی ہے۔ حضورؓ نے اِس کی تفصیل میں فرمایا۔

"شادی ایک مدرسہ ہے جہاں خدا تعالیٰ کے عشق کا سبق پڑھایا جاتا ہے... اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے تعلقات کو اپنی محبت کا ایک نشان قرار دیا ہے... غرض ماں باپ کی محبت خدا تعالیٰ کی محبت کا ایک ظِلّ ہے، بیوی کی محبت بھی خدا تعالیٰ کی محبت کا ظِلّ ہے اور اپنی اولاد کی محبت بھی خدا تعالیٰ کی محبت کا ایک ظِلّ ہے... گویا یہ تینوں ایک درس گاہ ہیں۔ جن میں انسان اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبق سیکھتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔"

(خطبات محمود جلد 3 صفحہ 326)

سامعین! اب اِن معنوں کی روشنی میں شاعر کے جذبات کی طرف آتے ہیں۔ شاعر جناب منیر باجوہ نے اِن اشعار میں یہ حقیقت بیان کی ہے کہ عشق کے اِس ادارہ "مکتبۂ عشق" میں عشق کا کوئی نصاب یا درس اور کتاب نہیں ہے۔ عشقِ مجازی میں تو عشق رکھنے والے یا عشق کرنے والے کو سکون مل جاتا ہے لیکن حقیقی عشق رکھنے والے عاشق میں سکون کی بجائے اضطراب رہتا ہے۔ یہ ایک ایسی سچائی ہے جو اِن اشعار میں

بیان ہوئی ہے کیونکہ روحانی اور دینی جماعتوں میں اللہ، اُس کے رسولؐ اور خلیفہ سے محبت ایک جگہ رُکتی نہیں، دلوں کو بے چین کرتی ہوئی ایک مؤمن کو مضطرب کرتی رہتی ہے۔ مسابقت الی العشق پر عمل کرکے اس عشقِ الٰہی، عشقِ رسول میں آگے سے آگے بڑھتا ہے خواہ راستہ میں بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑے، روڑے اٹکائے جائیں اور مشکلات پیدا کی جائیں جن میں ایک مؤمن رستہ تلاش کرکے اور پگڈنڈی بناتا ہوا اپنے معشوق اور محبوب کی طرف بڑھتا ہے۔

آئیں! اِس تناظر میں مکتبۂ عشق کے سب سے پہلے اور عظیم مدرِّس اپنے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ربّ سے عشق کے نظارے کریں۔ کہتے ہیں جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ اپنے اللہ سے محبت اور عشق کی داستانیں تو ہماری کتابوں میں بھری پڑی ہیں۔ مکہ کے کفار، دشمنانِ اسلام بھی آپؐ کی اپنے اللہ سے محبت اور عشق کو دیکھ کر کہہ اُٹھے تھے۔ عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّہٗ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تو اپنے ربّ سے کمال کا عشق ہے یا یوں کہہ لیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنے ربّ کا عاشق ہو گیا ہے۔ یہ تو اپنے ربّ کا دیوانہ ہے۔ عشقِ الٰہی کا یہ اعتراف ایک دو تین دشمنوں کا نہ تھا بلکہ تمام سردارانِ مکّہ اِس بات کے معترف تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب بات کرتا ہے تو اللہ کے نام سے اِس کی بات شروع ہوتی ہے اور اللہ کے نام پر ہی اِس کی بات ختم ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپؐ کے اپنے ربّ سے عشق کے بارہ میں فرماتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ذات کے عاشق زار اور دیوانہ ہوئے اور پھر وہ پایا جو دنیا میں کبھی کسی کو نہیں ملا۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ سے اِس قدر محبت تھی کہ عام لوگ بھی کہا کرتے تھے کہ عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّہٗ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ربّ پر عاشق ہو گیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 524)

عشق الٰہی کے زُمرے میں اللہ تعالیٰ سے تعلق کے حوالہ سے جو چیزیں آتی ہیں اُن کے لیے آپؐ یہ دُعا کثرت سے نہ صرف خود کرتے بلکہ اپنے دوست احباب کو بھی پڑھنے کی تلقین کرتے۔ اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَشُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ

(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ)

کہ اے اللہ! مجھے اپنا ذکر، شکر کرنے اور اپنی عبادت کے اعلیٰ معیار پر اُترنے کی توفیق عطا فرماتا رہ۔

سامعین! اللہ تعالیٰ سے محبت اور عشق کے انداز ہی آپؐ کے نرالے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے مقابل کسی کا نام برداشت نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ! یہ کام ایسے ہوا جیسا کہ اللہ نے اور آپؐ نے چاہا۔ آپؐ نے اِس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ مجھے خدا کے ساتھ ملاتے ہو، ایسا نہ کرو۔ جب جنگِ اُحد پر اُعلُ ھُبَل کا نعرہ بلند ہوا تو آپؐ نے صحابہ سے کہا کہ کہو اَللّٰہُ اَعلیٰ وَاَجَلّ۔ وفات کے وقت آپؐ اَللّٰھُمَّ یا رفِیق اعلیٰ کہتے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہوئے۔

اللہ تعالیٰ سے عشق و محبت، اُس کی عبادت اور ذکر و شکر کو دیکھ کر ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فارسی شعر میں آپؐ کو یوں خراج تحسین پیش فرمایا۔

سرور خاصانِ حق، شاہِ گروہِ عاشقان
آنکہ روحش کرد طے پر منزل وصل نگار

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 23)

کہ وہ خاصانِ حق کا سردار اور عاشقانِ الٰہی کی جماعت کا بادشاہ ہے جس کی رُوح نے معشوق کے وصل کے ہر درجے کو طے کر لیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ آپؐ کے عشق الٰہی کے متعلق فرماتے ہیں:

”حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خالص توحید کے قیام کے لئے دنیا میں مبعوث فرمایا تھا اور بچپن سے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے ایسے انتظامات فرما دیے کہ آپؐ کے دل کو صاف، پاک اور مصفّٰی بنا دیا۔ بچپن سے ہی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اندر اپنی محبت اور شرک سے نفرت کا بیج بویا بلکہ پیدائش سے پہلے ہی آپؐ کی والدہ کو اُس نور کی خبر دے دی جس نے تمام دنیا میں پھیلنا تھا... خدائے واحد کی محبت کا ایک جوش تھا جس نے آپؐ کی راتوں کی نیند اور دن کا چین و سکون چھین لیا تھا۔ اگر کوئی تڑپ تھی تو صرف ایک کہ کس طرح دنیا ایک خدا کی عبادت کرنے لگ جائے، اپنے پیدا کرنے والے کو پہچاننے لگ جائے۔“ (خطبہ جمعہ 4 فروری 2005ء)

سامعین! یہ مضمون اتنا وسیع ہے کہ مکتبۂ عشق کے پہلے مدرّس کے ارد گرد گھومیں تو کئی تقاریر تیار ہو جائیں۔ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کی اقتداء میں خلفائے راشدین اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کے عشق الٰہی اور محبتِ رسولؐ کے واقعات ہیں۔ پھر اِس زمانہ میں آپؐ کے روحانی فرزند حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کے متبعین کے واقعات ہیں۔ جو اسلام احمدیت کی تاریخ کے روشن باب ہیں۔

آپؑ بچپن سے ہی دنیا و مافیا سے الگ تھلگ رہ کر زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے۔ جب آپؑ سے والد کی طرف سے نوکری کرنے کا پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا

"میری نوکری کی فکر نہ کریں۔ مَیں نے جہاں نوکر ہونا تھا ہو چکا ہوں"

گویا اس شعر میں آپؑ کے دو عشق کا ذکر ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ سے محبت و عشق کا اور دوسرے اُس کے رسولؐ سے عشق و محبت کا۔

سامعین! جب کسی سے دوستی ہو جائے، محبت ہو جائے تو عاشق اور معشوق میں دُوریاں مٹ جایا کرتی ہیں۔ آپؑ کو اللہ سے محبت تھی۔ پیار تھا تو اللہ نے بھی اس پیار کی لاج رکھی اور فرمایا

اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزَلَةِ تَوْحِیْدِی وَتَفْرِیْدِی۔ اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزَلَةِ وَلَدِیْ۔ اِنِّیْ مَعَكَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔

(تذکرہ صفحہ 490)

یعنی اے مسیح موعود! تم میری توحید کے منزلت کے برابر ہو تم میری اولاد کی طرح ہو اور اے ابن رسول اللہ! مَیں تمہارے ساتھ ہوں۔

ایک دفعہ کچھ دوستوں نے ایک ایسے جلسہ میں شمولیت اختیار کی جہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بدزبانی کی گئی تو جب اِس عاشقِ رسولؐ کو علم ہوا تو بڑے جوش اور جلالی رنگ میں فرمایا کہ

"تمہاری غیرت نے یہ کیسے برداشت کیا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف گالیاں سنتے رہے تم لوگ اس مجلس سے فوراً اٹھ کر باہر کیوں نہ آ گئے۔"

(ماخوز از حیات نور صفحہ 308)

عشق کی یہی کیفیت قرآن کے ساتھ تھی۔ آپؑ نے فرمایا۔

”جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔“

پھر فرمایا۔

”اگر قرآن نہ ہوتا تو مجھے میری زندگی کا مزہ نہ آتا۔“

فرمایا:

”مَیں نے اس کے حسن کو ہزاروں یوسفوں سے بڑھ کر پایا۔“

پس اِس مکتبۂ عشق میں ہم سب کو داخلہ لے کر اپنے اللہ سے، اُس کے رسولؐ سے، اُس کی کتاب قرآن سے، اُس کی مخلوق سے اور مامورِ زمانہ سے محبت، چاہت اور عشق میں بڑھتے چلے جانا چاہئے۔ اللہ ہمیں اِس کی توفیق دے۔ آمین

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴾38﴿ ﴾مشاہدات۔982﴿

نورِ الٰہی، نورِ مصطفویؐ اور نورِ قرآن احمدی مسمانوں کا ورثہ ہے

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَۃٍ ؕ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیۡتُوۡنَۃٍ لَّا شَرۡقِیَّۃٍ وَّلَا غَرۡبِیَّۃٍ ۙ یَّکَادُ زَیۡتُہَا یُضِیۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡہُ نَارٌ ؕ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ ؕ یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَیَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ (النور:36)

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے جس میں ایک چراغ ہو۔ وہ چراغ شیشے کے شمع دان میں ہو۔ وہ شیشہ ایسا ہو گویا ایک چمکتا ہوا روشن ستارہ ہے۔ وہ (چراغ) زیتون کے ایسے مبارک درخت سے روشن کیا گیا ہو جو نہ مشرقی ہو اور نہ مغربی۔ اس (درخت) کا تیل ایسا ہے کہ قریب ہے کہ وہ از خود بھڑک کر روشن ہو جائے خواہ اسے آگ کا شعلہ نہ بھی چھوا ہو۔ یہ نورٌ علی نور ہے۔ اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کا دائمی علم رکھنے والا ہے۔

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار
اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب
اُسے دے چکے مال و جان بار بار
ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار
لگاتے ہیں دل اپنا اس پاک سے
وہی پاک جاتے ہیں اس خاک سے

معزز سامعین! گزشتہ دنوں پاکستان کی ایک سیاسی پارٹی نے "مِشن نور" کے نام پر ایک احتجاج کا اعلان کیا جس کے تحت پورے ملک میں متعلقہ پارٹی کے لوگوں کو ہدایت دی گئی کہ وہ مساجد اور گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر اذانیں دیں۔ اِن میں سے بعضوں نے یہ شعشہ چھوڑا کہ "نور" جماعتِ احمدیہ کا پہلا خلیفہ تھا جس کے نام سے اِس کو مشن نور کا نام دیا گیا۔ یہ نام دینے پر پارٹی پر بڑی لَے دے ہوئی اور بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بہر حال اِس سے دو نتائج بر آمد ہوئے۔

اوّل۔ یہ کہ نور خواہ وہ خدا کا نور ہو، خواہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہو، خواہ قرآنِ کریم کا نور ہو یا ہر وہ نور جس کا تعلق اسلام سے ہے وہ جماعتِ احمدیہ کے پاس ہے۔ دنیا بھر میں بیس کے قریب قائم جامعات کی عمارتوں پر نور پر مشتمل یہ آیت آویزاں ہوتی ہے۔

وَاَشۡرَقَتِ الۡاَرۡضُ بِنُوۡرِ رَبِّهَا (الزمر:70)

دوم۔ ہم نے تو سرکاری طور پر احمدیوں پر اذان دینے پر پابندی لگائی ہے اب اِنہی کے نام سے ہم پورے ملک میں اذانیں دے رہے ہیں۔

جہاں تک اوّل حصہ میں بیان نور کا تعلق ہے۔ اِس پر جناب جمیل احمد بٹ صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ خاکسار اپنی تقریر میں اِسی کو حصہ بنا رہا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ "نور مشن" کے حوالے سے گزشتہ دنوں کی گئی سیاسی مہم جوئی میں فیصلہ کن امر سوشل میڈیا پر دوسرے فریق کے سیاست دانوں، مذہب کے نام پر سیاست کاروں اور بزعم خود تجزیہ کاروں کا بالاتفاق اور بتکرار اس بات کا اظہار تھا کہ نور احمدیوں سے متعلق ہے اس لئے جو کوئی نور کی بات کرتا ہے یا نور کا نام لیتا ہے تو وہ بلاشک وشبہ یا تو خود احمدی ہے یا احمدیوں کا ساتھی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ نور سے دور رہیں۔

سامعین! اِس مہم جوئی کے چند اور قابل ذکر واقعات یہ ہیں:

مشن نور کو قادیانی اصطلاح کہا گیا:

یہ ایک کھلا جھوٹ تھا۔ کیونکہ جماعت کی تاریخ میں کبھی بھی یہ اصطلاح استعمال ہی نہیں ہوئی ہے۔ اس دعوے کے حق میں جہاں جھوٹ گھڑے گئے جیسے یہ کہ ہر ملک میں پہلی مسجد کا نام مسجد نور ہوتا ہے وہیں حقائق پر پردہ ڈالا گیا جیسے دیگر اماموں کے ناموں سے منسوب اداروں فضل عمر فاؤنڈیشن اور طاہر فاؤنڈیشن کو چھپا کر کے صرف نور فاؤنڈیشن کا ذکر کیا گیا۔

عالمی بیعت کو مشن نور کہا گیا:

یہ بھی ایک کھلا جھوٹ تھا۔ عالمی بیعت ہر سال ہوتی ہے دنیا بھر سے جماعت میں شامل ہونے والے لاکھوں نئے احمدیوں کے ساتھ دیگر احمدی بھی تجدیدِ عہد کے لئے اس میں شامل ہوتے ہیں۔ ایم ٹی اے کے ذریعہ یہ عظیم روح پرور تقریب ساری دنیا میں دیکھی جاتی ہے اور سوشل میڈیا پر کئی دن اس کا چرچا رہتا ہے۔ ہر کوئی اسے عالمی بیعت کے نام سے جانتا ہے۔ اسے کوئی اور نام دینا صریح غلط بیانی تھا۔

صفائی میں مزید جھوٹ بولا گیا:

اس پروپیگنڈہ کے آگے گھٹنے ٹیک کر بہت سے سیاست کاروں نے عافیت اسی میں جانی کہ اس کی صفائی میں خود کو بھی احمدی مخالفین جیسا ثابت کریں۔ ایسا کرنے کے لئے جہاں انہیں مجبوراً اپنے ایمان کا ڈھنڈورا پیٹنا پڑا وہیں انہوں نے احمدیوں کو بُرا کہنے کا آسان راستہ بھی پکڑا اور حسب توفیق احمدیوں کو گالیاں دیں اور بے سر وپا جھوٹی الزام تراشیاں کیں۔

تاریخ کا بے جا حوالہ:

سامعین! جھوٹ کو سہارا دینے کے لئے اس معاملہ کو جماعت احمدیہ میں 77 سال پہلے ہونے والے ایک واقعہ کی تاریخ سے بھی جوڑا گیا۔ یہ ایک بے معنی بات تھی۔ وہ واقعہ اہم تھا اور حضرت مصلح موعودؓ کے عظیم کارناموں میں سے ایک۔ لیکن جماعت میں اس کی یادگار منانے کی کوئی روایت نہیں ہے۔ ہاں جماعت احمدیہ عالمگیر کے لئے ایک عظیم یادگار دن اس کا یومِ تاسیس ہے یعنی 23 مارچ 1889ء۔ احمدی ہر سال اس تاریخ کو یومِ مسیح موعودؑ منا کر اس کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ جبکہ اس کے 50 سال بعد ہونے والے ایک واقعہ کی یادگار 23 مارچ ہی کو سارے ملک میں منائی جاتی ہے۔ باوجودیکہ قرار داد پاکستان کا ڈرافٹ ایک احمدی حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے لکھا تھا لیکن غنیمت ہے کہ اس تاریخ کے یکساں ہونے پر ابھی تک کوئی کہانی نہیں گھڑی گئی۔

لفظ قادیانی کا اسم اعظم ہونا:

اس قضیہ سے ایک بار پھر یہ ثابت ہؤا کہ لفظ قادیانی ہمارے ملک میں ایسا اسم اعظم ہے کہ اس کو استعمال کر کے ہر غلط کام کیا جا سکتا ہے۔ اگر کسی کو اس کی ملکیتی جائداد سے بے دخل کرنا ہو، کسی کو اس کا جائز حق نہ دینا ہو، اپنے کاروبار کو ترقی دینے کے لئے مقابل کو میدان سے ہٹانا ہو، کسی سے لیا ہؤا قرض واپس نہ کرنا

ہو، کسی بھی تنازعہ میں مخالف پر ناجائز سختی کرنا ہو، کسی بھی سطح کے الیکشن میں مخالف کو ہرانا ہو، کسی کو عدالتوں میں انصاف لینے سے روکنا ہو، کسی پر بھی اپنی انا اور رعونت کی تسکین کے لئے ظلم و زیادتی کرنی ہو، غرضیکہ قانون، انتظامیہ اور عوام سب کی نظروں کے سامنے دھڑلے سے ہر ناانصافی، حق تلفی اور ظلم کرنے کا یقینی راستہ مظلوم احمدی ہونے کو شہرت دینا ہے۔ اسی طرح ہر انصاف پسند منصف، پولیس یا انتظامی افسر کو انصاف اور دادرسی سے روکنے کے لئے اس کے خلاف قادیانی نواز ہونے کا پروپیگنڈہ کافی ہوتا ہے۔

اس پروپیگنڈہ کے مثبت پہلو: حضرت مسیح موعودؑ نے مخالفت کو کھاد فرمایا ہے۔ یہ مخالف پروپیگنڈہ بھی دو لحاظ سے مفید ہؤا۔ ایک تو کثرت سے برملا اس بات کا اعتراف ہؤا کہ احمدی نہ صرف ملک ملک پھیلے ہوئے ہیں بلکہ انہوں نے ہر جگہ مساجد بھی تعمیر کی ہیں۔ دوسرے حضرت خلیفہ اوّلؓ کا نام بار بار دہرایا گیا جس سے بے شمار اور لوگوں کو بھی ان کے بارے میں جاننے کی طرف توجہ ہوئی اور وکی پیڈیا پر حضرت مولانا نورالدینؓ کے بارے میں مختص پیج دیکھنے والوں کی تعداد میں حیرت انگیز اضافہ ریکارڈ ہؤا۔

حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاولؓ کی عظیم شخصیت:

سامعین! زیب داستان کے لئے بے تعلق واقعات کو باہم جوڑ کر بنائے جانے والے اس بیانیہ کے کہانی کاروں نے حضرت مولانا نوردینؓ کا نام تو خوب دہرایا تھا لیکن صرف اپنی محدود سوچ کی حد تک۔ اِن کی نظر صرف نام پر رہی اور یہ بات اِن کی زبان پر نہ آسکی کہ یہ بڑا نام اپنی ذات میں اسم بامسمیٰ تھا اور اصل نور تو وہ نورِ یقین تھا جس سے ان کا قلبِ صافی منوّر تھا اور یہ کہ یہ یقین اس ایمان کا نتیجہ تھا جسے مامورِ زمانہ حضرت مسیح موعودؑ اپنے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش خبری کے تحت ثریا ستارے سے لَوٹا لائے تھے اور یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے حضرت مولانا نورالدینؓ کے اس درجہ ایمان پر اظہارِ خوشنودی کرتے ہوئے یہ دعا کی تھی اور اس خواہش کا اظہار فرمایا تھا کہ:

"خدا تعالیٰ اِس خصلت اور ہمت کے آدمی اِس اُمّت میں زیادہ سے زیادہ کرے۔ آمین ثم آمین

چہ خوش بودے گر ہر یک ز امت نوردیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پر از نورِ یقیں بودے"

(نشان آسمانی، روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 407)

کہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر اُمّت میں سے ہر ایک نور دین ہوتا۔ یہی ہوتا اگر ہر دل نورِ یقین سے بھرا ہوتا۔

نور سے تعلق احمدیوں کی زندگی ہے:

حقیقت تو یہ ہے کہ نور سے تعلق احمدیوں کا سرمایہ حیات ہے کہ اللہ، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کتابِ الٰہی جو احمدیوں کے ایمان کی بنیاد ہیں سب نور ہی ہیں اور ایمان بھی نور ہے۔ پس اگر مماثلت سے بچنا ہی مقصود ہے تو یہ سب کچھ چھوڑنا ہوگا۔

اللہ نور ہے:

جیسا کہ فرمایا۔

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ (نور:36)

حضرت مسیح موعودؑ نے اس کی وضاحت میں فرمایا:

"اس کا نورِ قدرت ساری زمین و آسمان اور ذرّہ ذرّہ کے اندر چمک رہا ہے۔"

(شحنہ حق، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 398)

پھر فرمایا۔

"خدا ہی ہے جو ہر دم آسمان کا نور اور زمین کا نور ہے۔ اس سے ہر ایک جگہ روشنی پڑتی ہے۔ آفتاب کا وہی آفتاب ہے۔ زمین کے تمام جانداروں کی وہی جان ہے۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 444)

ایک اور جگہ آپؑ فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے۔ ہر ایک نور اسی کے نور کا پرتوہ ہے۔"

(ایام الصلح، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 247)

"خدا اصل نور ہے۔ ہر ایک نور زمین و آسمان کا اُسی سے نکلا ہے۔"

(نسیم دعوت، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 386)

'خدا وہ ہے جو زمین اور آسمان میں اُسی کے چہرہ کی چمک ہے اور اُس کے بغیر سب تاریکی ہے'۔

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 97)

"خدا ہر ایک چیز کا نور ہے اسی کی چمک ہر ایک چیز میں ہے خواہ وہ چیز آسمان میں ہے اور خواہ وہ زمین میں۔"

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 120)

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نور اور سراج منیر ہیں۔

جیسا کہ فرمایا:

ترجمہ: یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آچکا ہے۔ (مائدہ 5:16)

ترجمہ: سورج روشنی دینے والا۔ (احزاب:47)

حضرت مسیح موعودؑ نے اس کی وضاحت میں فرمایا:

نام نور کے حامل صلی اللہ علیہ وسلم:

"قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نور اور سراج منیر رکھا ہے۔"

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 196 حاشیہ)

اعلیٰ درجہ کے نور کے حامل صلی اللہ علیہ وسلم:

"وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو انسان کو دیا گیا یعنی انسانِ کامل کو۔ وہ ملائک میں نہیں تھا۔ نجوم میں نہیں تھا۔ قمر میں نہیں تھا۔ آفتاب میں بھی نہیں تھا۔ وہ زمین کے سمندروں اور دریاؤں میں بھی نہیں تھا۔ وہ لعل اور یاقوت اور زمرّد اور الماس اور موتی میں بھی نہیں تھا۔ غرض وہ کسی چیز ارضی و سماوی میں نہیں تھا، صرف انسان میں تھا یعنی انسان کامل میں، جس کا اتمّ اور اکمل اور اعلیٰ اور ارفع فرد ہمارے سید و مولیٰ سید الانبیاء سید الاحیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں سو وہ نور اس انسان کو دیا گیا۔"

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 161)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ملنے والے نور:

"وہ نور جو بذریعہ نبی علیہ السلام کی پیروی کرنے والے کو ملتا ہے جس سے گناہ کے جذبات دور ہو جاتے ہیں وہ کیا چیز ہے سو اس سوال کا یہ جواب ہے کہ وہ ایک پاک معرفت ہے جس کے ساتھ کوئی تاریکی شک و شبہ کی نہیں۔ اور وہ ایک پاک محبت ہے جس کے ساتھ کوئی نفسانی غرض نہیں۔ اور وہ ایک پاک لذت ہے جو تمام لذتوں سے بڑھ کر ہے جس کے ساتھ کوئی کثافت نہیں اور وہ ایک زبردست کشش ہے جس پر کوئی

کشش غالب نہیں اور ایک قوی الاثر تریاق ہے جس سے تمام اندرونی زہریں دور ہوتی ہیں۔ یہ پانچ چیزیں ہیں جو نور کے طور پر روح القدس کے ساتھ سچی پیروی کرنے والے کے دل پر نازل ہوتی ہیں پس ایسا دل نہ صرف گناہ سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے بلکہ طبعاً اس سے متنفّر بھی ہو جاتا ہے۔“

(عصمت الانبیاء، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 681-682)

قرآن نور ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آ چکا ہے یعنی روشن کتاب۔ (المائدہ:16)

حضرت مسیح موعودؑ نے اس کی وضاحت میں فرمایا:

قرآن کا نور:

”خدا اپنے نور کی طرف (یعنی قرآن شریف کی طرف) جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔“

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 197 حاشیہ)

اور اس کی یہ کیفیت بیان فرمائی:

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلیٰ نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 305 حاشیہ در حاشیہ نمبر 2)

سامعین!

احمدیوں میں نور کے حوالے سے حضرت مسیح موعودؑ کے چند ارشادات:

حضرت مسیح موعودؑ نے گناہ کی تاریکی دور کرنے کے لئے نور کا پانا، نور پانے کے لئے کچھ نور کا ہونا اور تبدیلی کے لئے حقیقی نور کو لازمی فرمایا۔ امام الوقت کو آسمانی نور فرمایا۔ احمدیوں کو خود میں موجود نور کو مسلسل بڑھانے کے لئے نصائح کیں اور اس کے طریق بیان فرمائے۔ نور پانے والوں کو مبارک اور سعادت مند فرمایا۔ متقی کو تین قسم کے نور ملنے کی خبر دی۔

ایسے چند ارشادت یہ ہیں:

نور پانا ضروری ہے:

"گناہ اور غفلت کی تاریکی کو دور کرنے کے لئے نور کا پانا ضروری ہے۔ "

(کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 80)

یقین کی روشنی کا ذریعہ آسمانی نور:

"یقین کی روشنی صرف آسمان سے اس آفتاب کے ذریعہ سے آتی ہے جو امام الوقت ہوتا ہے ..اور جس شخص کو اس آسمانی نور کے ذریعہ سے یقین پیدا ہو گا اس کو نیکی کی طرف ایک کشش پیدا ہو گی۔"

(گناہ سے نجات کیونکر مل سکتی ہے، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 624)

نور پانے کے لئے کچھ نور کا ہونا ضروری ہے:

"نور کو نور سے مناسبت ہے... جس کے پاس کچھ نور ہے اسی کو اور نور بھی دیا جاتا ہے اور جس کے پاس کچھ نہیں اس کو کچھ نہیں دیا جاتا۔ جو شخص آنکھوں کو نور رکھتا ہے وہی آفتاب کا نور پاتا ہے اور جس کے پاس آنکھوں کا نور نہیں وہ آفتاب کے نور سے بھی بے بہرہ رہتا ہے اور جس کو فطرتی نور کم ملا ہے اس کو دوسرا نور بھی کم ہی ملتا ہے اور جس کو فطرتی نور زیادہ ملا ہے۔ اس کو دوسرا نور بھی زیادہ ہی ملتا ہے۔"

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 195-196 حاشیہ)

اور اس کی وجہ یہ فرمائی کہ

"نور نور کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور تاریکی تاریکی کو کھینچتی ہے۔"

(ستارہ قیصریہ، روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 117)

نورِ حقیقی:

"ہم نے اس نورِ حقیقی کو پایا جس کے ساتھ سب ظلمانی پردے اٹھ جاتے ہیں اور غیر اللہ سے در حقیقت دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ یہی ایک راہ ہے جس سے انسان نفسانی جذبات اور ظلمات سے ایسا باہر آ جاتا ہے جیسا کہ سانپ اپنی کینچلی سے۔"

(کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 65)

نور پانے والا مبارک اور سعادت مند ہے:

”جو چیز آسمان پر چمکتی ہے وہ ضرور زمین کو بھی منور کرتی ہے۔ مبارک وہ جو اس روشنی سے حصہ لے اور کیا ہی سعادت مند وہ شخص ہے جو اس نور میں سے کچھ پاوے۔“

(مسیح ہندوستان میں، روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 64-65)

متقی بننے پر تین قسم کے نور پانے کی خبر:

”اگر تم متقی بن جاؤ تو تم میں اور تمہارے غیر میں خدا تعالیٰ ایک فرق رکھ دے گا۔ وہ فرق کیا ہے کہ تمہیں ایک نور عطا کیا جائے گا جو تمہارے غیر میں ہرگز نہیں پایا جائے گا یعنی نورِ الہام اور نورِ اجابتِ دعا اور نورِ کراماتِ اصطفاء۔“

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 296)

نور پانے کی خوش خبری اور اس کی کیفیت:

حضرت مسیح موعودؑ نے متقی ہونے پر ثابت قدم رہنے والے احمدیوں کو سراپا نور ہو جانے کی یہ خوشخبری بھی عطا فرمائی:

”اگر تم متقی ہونے پر ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کے لئے اتقاء کی صفت میں قیام اور استحکام اختیار کرو تو خدا تعالیٰ تم میں اور تمہارے غیروں میں فرق رکھ دے گا۔ وہ فرق یہ ہے کہ تم کو ایک نور دیا جائے گا جس نور کے ساتھ تم اپنی تمام راہوں میں چلو گے یعنی وہ نور تمہارے تمام افعال اور اقوال اور قویٰ اور حواس میں آ جائے گا۔ تمہاری عقل میں بھی نور ہو گا اور تمہاری ایک اٹکل کی بات میں بھی نور ہو گا اور تمہاری آنکھوں میں بھی نور ہو گا اور تمہارے کانوں اور تمہاری زبانوں اور تمہارے بیانوں اور تمہاری ہر ایک حرکت اور سکون میں نور ہو گا اور جن راہوں میں تم چلو گے وہ راہ نورانی ہو جائیں گی۔ غرض جتنی تمہاری راہیں، تمہارے قویٰ کی راہیں، تمہارے حواس کی راہیں ہیں وہ سب نور سے بھر جائیں گی اور تم سراپا نور میں ہی چلو گے۔“

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 177-178)

اللہ کرے کہ ہم سے ہر ایک اپنے حق میں اس خوش خبری کے ہر پہلو کو انتہائی درجہ تک پورا کرنے کے لئے مطلوب سعی و جدوجہد کرنے والا ہو جائے۔ آمین

۞۞۞۞

﴿39﴾   ﴿مشاہدات۔1001﴾

وسیلہ یا واسطہ کا اسلامی فلسفہ

(تقریر نمبر1)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ وَجَاهِدُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِهٖ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ

(المائدہ:36)

وہ دعا سنتا اور دیتا ہے مضطر کو جواب
واسطہ رحم کا دے دے کے دعائیں کیجیے
یہی ہتھیار ہے اِس دَورِ مسیحائی میں
جیسے حضرت نے سکھایا ہے دعائیں کیجیے

معزز سامعین! مَیں آج آپ حاضرین کی مبارک محفل میں ایک ایسے ”واسطے“ پر گفتگو کرنے جارہا ہوں جو بالعموم ہم اپنے معاشرہ میں، اپنے ماحول میں اور اپنے گھروں میں اُس وقت استعمال کرتے ہیں جب ہم ڈپریس یا مغموم ہوں اور کسی سے کوئی کام کروانا ہو تو ہم اُسے اُس کے کسی پیارے کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں یا اُس سے درخواست کر رہے ہوتے ہیں۔ جیسے کسی شاعر نے رب کا واسطہ دے کر پیغام رساں کبوتر کو اپنے محبوب کو پیغام پہنچانے کی درخواست کرتے ہوئے کہا ہے۔

واسطہ ای رب دا تو جاویں وے کبوترا
چِھٹی میرے ڈھول نوں پہنچاویں وے کبوترا

ابھی حال ہی میں، مَیں نے ایک مقرر کو جذباتی رنگ میں یہ واسطہ دیتے ہوئے سنا ہے کہ ”آپ کو آپ کی ماؤں کے دودھ کا واسطہ دیتا ہوں“۔ یہ سلسلہ روحانی دنیا میں بھی ہمیں دیکھنے کو ملتا ہے۔ سورۃ المائدہ کی

آیت 36 جس کی مَیں اوپر تلاوت کر آیا ہوں اُس کا ترجمہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں کیا ہے۔

اے ایمان دارو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اُس کے حضور میں قرب (حاصل کرنے کی راہیں) ڈھونڈو اور اُس کی راہ میں کوشش کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

جبکہ حضرت خلیفۃُ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو ترجمہ کیا ہے وہ یہ ہے۔

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اُس کے قرب کا وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ اِس آیت کے فٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں۔

”اللہ کی طرف وسیلہ پکڑنے میں وسیلہ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اب براہ راست خدا تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اختیار نہ کیا جائے۔ اذان کے بعد کی دعا بھی، جس میں وسیلہ کا ذکر ہے، اسی مضمون کی تائید کرتی ہے۔“

(ترجمۃ القرآن صفحہ 180)

سامعین! اللہ تعالیٰ نے وسیلہ کا لفظ قرآن کریم میں ایک اور جگہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت 58 میں بھی استعمال کیا ہے جس کا ذکر کرنا وسیلہ اور واسطہ کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے بہت ضروری ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تفسیر صغیر میں اِس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

وہ لوگ جنہیں وہ پکارتے ہیں وہ بھی اپنے رب کے قرب کے لئے کوئی ذریعہ تلاش کرتے ہیں (یعنی یہ دیکھتے رہتے ہیں) کہ کون خدا کے زیادہ قریب ہے؟ (تاکہ ہم اس کی مدد حاصل کریں) اور وہ ہمیشہ اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ تیرے رب کا عذاب یقیناً ایسا ہے جس سے خوف کیا جاتا ہے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِس آیت کی تشریح میں اس کے فٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں۔

”معلوم ہوتا ہے اِس جگہ معبودانِ باطلہ سے مراد وہ نبی یا فرشتے ہیں جن کو مشرک خدا تعالیٰ کا شریک قرار دیتے تھے ورنہ بتوں پر یا ادنیٰ لوگوں پر یہ آیت کسی طرح چسپاں نہیں ہو سکتی۔“

(تفسیر صغیر صفحہ 462)

سامعین! واسطہ اور وسیلہ کے مضمون کو تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے رکھنے سے قبل ان الفاظ کے لغوی معنی جاننے ضروری ہیں۔ واسطہ اور وسیلہ قریباً ایک ہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ تاہم محاورہ میں لاحقہ کے ساتھ الگ الگ معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ واسطہ کے ساتھ دینا یا ڈالنا استعمال میں آئے گا۔ جبکہ وسیلہ پیدا کرنا کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ یہ محاورہ واسطہ کے ساتھ بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ لغات میں ان کے معنوں کے تحت لکھا ہے۔ ذریعہ، درمیانی چیز، سبب، قاصد، ثالث، ایلچی اور ایجنٹ۔ واسطہ کے معنوں کو آسانی سے سمجھنے کے لیے لغت سے فیروز اللغات میں واسطۃُ العقد کا محاورہ بھی لکھا ہے یعنی وہ بڑا اور قیمتی موتی جو موتیوں کی لڑی میں وسط یعنی درمیان میں پرویا جاتا ہے۔ جیسے تسبیح کے دانوں میں ایک بڑا لمبا موتی ہوتا ہے جس نے تمام دانوں کو باندھ کر اپنے تابع رکھا ہوتا ہے۔ حضرت خلیفۃُ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بڑے موتی کو "امام" سے تشبیہ دی ہے۔ جو بیش قیمت اور قیمتی ہوتا ہے۔ جس کا واسطہ بھی اللہ تعالیٰ کو دیا جا سکتا ہے۔ پس واسطہ دینا، واسطہ ڈالنا اور وسیلہ پیدا کرنا کے معنی ہوں گے کہ کسی کو بیچ میں ڈالنا، کسی کے نام کی دہائی دینا اور کسی کو حمایتی بنا کر پیش کرنا۔ دلّال وغیرہ۔ ان کے معنوں میں "ایجنٹ" بھی لکھا ہے جو گو اچھے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ تاہم حضرت خلیفۃُ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ

"خوب یاد رکھو! مَیں (خدا کا) ایجنٹ نہیں ہوں، مَیں اللہ کا ایک عاجز بندہ ہوں۔"

انگریزی دان نوجوانوں کے لیے ان الفاظ کا ترجمہ یہ یہ ہو سکتا ہے Mediator Middel Man اور Clint۔ یہ طریق ساری دنیا میں جاری ہے۔ ہماری جماعت میں بھی انتظامی درخواستوں پر صدر صاحب، امیر جماعت یا کوئی عہدے دار "مَیں سفارش کرتا ہوں" یا "تصدیق کی جاتی ہے" کہ الفاظ لکھ کر اپنے دستخطوں کے ساتھ درخواست آگے ریفر کرتے ہیں۔ اب تو دنیا اتنی آسان ہوتی جا رہی ہے کہ قریباً ہر محکمہ، ہر شعبہ میں Mediators موجود ہیں۔ زمین یا مکان خریدنے لگے، مکان کرایہ پر لینا ہو کوئی کیس عدالت میں لڑنا ہو تو درمیان میں مڈل مَین موجود ہیں جو وکیل یا Solicitors کہلاتے ہیں حتّٰی کہ سفر کے لیے اگر ہوائی جہاز کا سفر کرنا ہو تو جگہ جگہ ایئر لائنز کے ساتھ رابطہ کروانے کے لیے لوگ کاروبار کھول

کر بیٹھے ہیں اب تو اِس کی جگہ کمپیوٹرز، موبائل فونز اور دیگر Gadgets نے لے لی ہے کہ آپ گھر بیٹھے ان کے توسّط سے سیٹیں بک کروالیتے ہیں۔

سامعین! بہت تفصیل سے وسیلہ اور واسطہ کے معنی بیان ہونے کے بعد مَیں دوبارہ اپنے اصل مضمون کی طرف لوٹتا ہوں اور اسلامی دنیا میں وسیلہ اور واسطہ کے نتائج بتانا چاہتا ہوں۔ سورۃ المائدہ آیت 36 میں جو حکم بیان ہوا ہے۔ اُس میں اللہ تعالیٰ سے تعلق بنانے کے لیے راہیں ڈھونڈنے کے ساتھ اِس راستہ میں مسلسل سعی پیہم کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور نتیجہ کیا بیان فرمایا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ کہ تاتم کامیاب ہو جاؤ۔ گویا کہ اللہ کو پانے کے لیے، اس کی رضا چاہنے کے لیے کسی کو وسیلہ بنانا یا کسی کا واسطہ دینے سے فلاح اور کامیابی کے ضمانت دی گئی ہے۔ لیکن ضرورت سعیٔ مسلسل اور کوشش کرتے رہنے کی ہے۔

سامعین! جہاں تک اللہ تعالیٰ سے واسطوں کا تعلق ہے۔ اِن میں سب سے پہلا اور بڑا واسطہ تو اللہ تعالیٰ کے حضور اللہ تعالیٰ کا ہی واسطہ ہے۔ اُس کی تمام صفاتِ حسنہ کا واسطہ ہے یا جس قسم کی کوئی مصیبت آن پڑی ہے اُس کی مناسبت سے صفاتِ حسنہ کے نام لے کر اُن کا واسطہ دیا جا سکتا ہے۔ جیسے اگر کوئی بیمار ہے تو اُس کی بیماری کی تکلیف سے نجات کے لیے "الشافی" یا "شافیٔ مطلق" صفت کا واسطہ دیا جا سکتا ہے۔ صفتِ "الجبار" کے ایک معنی جوڑنے والے کے ہیں۔ مَیں نے ایک احمدی آرتھوپیڈک سرجن کے کلینک پر "الجبار" صفت بہت خوبصورت فریم میں لگی جب دیکھی تو اِس کی وجہ تسمیہ پوچھنے پر محترم ڈاکٹر صاحب نے مجھے بہت ہی پیاری اور دل پر اثر کرنے والی بات بتائی کہ صفت "الجبار" کے معنی جوڑنے کے بھی ہیں۔ چونکہ ہم بھی ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کے جوڑنے کا علاج کرتے ہیں تو مَیں عملاً "الجبار" صفت کا اس عظیم ہستی سے واسطہ دے کر علاج کرتا ہوں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ صفتِ شافی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ والی دعا مجھے بہت پسند ہے۔ مَیں تو اکثر اِس دعا کا وِرد کرتا رہتا ہوں اور دوسروں کو بھی یہ دعا دیتا ہوں اور اُن کو بھی اِسی طرز پر دعا کرنے کی تلقین کرتا رہتا ہوں۔

سامعین! اللہ تعالیٰ کو اللہ یا اُس کی صفات کا واسطہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ سے خدا کو مانگ رہے ہیں۔ اُس کی غیرت کا واسطہ بھی دیا جا سکتا ہے۔

مکرم شیخ محمد حسن صاحب مرحوم آف لندن بیان کردہ ایک ایمان افروز روایت ہے کہ

"احمدیت کی برکت سے مجھے خدا تعالیٰ نے کئی اعجازی نشان دکھائے۔ یعقوب نامی ایک شخص دہریہ خیالات رکھتا تھا۔ ایک دن اُس نے طنزاً کہا کہ کتنی شدید گرمی ہے، تُم اپنے ربّ سے کہو کہ بارش برسادے۔ پھر وہ پیچھے ہی پڑ گیا۔ خاکسار نے اُسے سمجھایا کہ خدا تعالیٰ ہماری خواہشوں کا پابند نہیں۔ لیکن وہ شوخی اور ضد میں اتنا بڑھا کہ میری طبیعت دعا کی طرف مائل ہو گئی۔ اُس رات بادل آئے، گرج چمک ہوئی لیکن بارش نہ ہوئی۔ میرا خدشہ درست ثابت ہوا کہ صبح جب مَیں کام پر پہنچا تو اُس نے طعنہ دیا کہ رات تمہارا خدا اگر جا تو بہت لیکن برسا نہیں۔ پھر مسلسل طنز کر کے اُس نے میرا بیٹھنا محال کر دیا تو مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ شدید گرمی میں باہر نکل کر مَیں نے آسمان کی طرف منہ اُٹھایا اور **اللہ تعالیٰ کو اُس کی غیرت کا واسطہ دے کر دعا کی۔** زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ نجانے کہاں سے بادل آئے اور میرے چہرے پر قطرے گرنے لگے۔ خاکسار نے زوردار بارش کی التجا کی تو اِتنی زور سے بارش ہوئی کہ وہ بھی بول اُٹھا کہ مَیں مان گیا ہوں کہ تمہارا خدا زندہ ہے۔ یہ بھی کہا کہ ایسا سلوک صرف مرزا صاحب کے ماننے والوں کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔"

(الفضل لندن 24 نومبر 2024ء)

سامعین! دوسرے نمبر پر اللہ تعالیٰ سے اُس کی سب سے پیاری اور پسندیدہ ہستی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا واسطہ دے کر یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر دعا کی جا سکتی ہے۔ اپنی مشکلات کی دوری کی دعا کر سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کو وسیلہ بنایا جا سکتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ انسان کی دعا زمین سے اٹھ کر آسمان پر پہنچنے سے قبل فضا میں اٹک جاتی ہے جو درود کے ذریعہ آسمان تک پہنچتی ہے گویا درود قبولیت دعا اور دربارِ الٰہی کے دستک کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے کی تعلیم ایک صحابی کو دی، چنانچہ حضرت عثمان بن حُنَیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر دعا کے طالب ہوئے تو ان کو یہ دعا ارشاد فرمائی

"اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْاَلُكَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّی قَدْ تَوَجَّھْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتُقْضٰی اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ فِیَّ"

اے اللہ تعالیٰ! مَیں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف نبی رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں۔ اُے محمدؐ! مَیں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کی طرف اپنی اس حاجت میں توجہ کی تا کہ میری حاجت پوری کر دی جائے، اے اللہ تعالیٰ! میرے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قبول فرما۔

(ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة والسنّة فيها، باب ما جاء فی صلاة الحاجة)

بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہو جاتے تو حضرت عمر بن خطابؓ حضرت عباس بن عبدُالمطلبؓ کے وسیلے سے بارش کی دعا کرتے اور عرض کرتے

"اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا"

اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑا کرتے تھے تو تُو ہم پر بارش برسا دیتا تھا اور اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں کہ ہم پر بارش برسا۔ تو لوگ سیر اب کیے جاتے تھے۔

(بخاری کتاب الاستسقاء باب سؤال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا)

اذان میں حضرت محمدؐ کو وسیلہ بنانے کی دعا

ویسے تو تمام دعائیں ہی مبارک اور فضیلت والی ہوتی ہیں۔ لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر جو دعا کی جاتی ہے وہ قبولیت کا درجہ جلد پاتی ہے۔ اذان کے بعد کی دعا میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے یہ استدعا کی جاتی ہے اے اللہ! محمدؐ کو وسیلۂ فضیلت عطا فرما۔ احادیث میں لکھا ہے کہ جو بھی یہ دُعا صدق نیت سے کرے گا قیامت کے دن وہ اللہ کی شفاعت کا مستحق ہوتا ہے۔

(بخاری کتاب الاذان)

سامعین! اللہ تعالیٰ کی پیاری کتاب قرآن کریم کو بھی مصائب کی دوری کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور وسیلہ بنایا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اِس کے جو اوصاف، خوبیاں اور حقائق بیان کیے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے

قرآن کریم کے لطائف و حقائق بیان فرمائے ان کا واسطہ دے کر مشکلات کی دوری کے لیے اللہ تعالیٰ کی منّت سماجت ہو سکتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”ہر ایک شخص کو خود بخود خدا تعالیٰ سے ملاقات کرنے کی طاقت نہیں ہے اس کے واسطے، واسطہ ضرور ہے اور وہ واسطہ قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس واسطے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑتا ہے وہ کبھی بامراد نہ ہوگا۔ انسان تو دراصل بندہ یعنی غلام ہے۔ غلام کا کام یہ ہوتا ہے کہ مالک جو حکم کرے اُسے قبول کرے اسی طرح اگر تم چاہتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض حاصل کرو تو ضرور ہے کہ اس کے غلام ہو جاؤ۔ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِم (الزمر:54)

اس جگہ بندوں سے مراد غلام ہی ہیں نہ کہ مخلوق۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بندہ ہونے کے واسطے ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو اور آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کرو۔ سب حکموں پر کاربند رہو جیسے کہ حکم ہے۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:32) یعنی اگر تم خدا تعالیٰ سے پیار کرنا چاہتے ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے فرماں بردار بن جاؤ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں فنا ہو جاؤ تب خدا تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

جب لوگ بدعتوں پر عمل کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ کیا کریں دُنیا سے چھٹکارا نہیں ملتا یا کہتے ہیں کہ ناک کٹ جاتی ہے۔ ایسے وقت میں گویا انسان خدا تعالیٰ کے اس فرمان کو چھوڑتا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا ہے اور خیال کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے محبت کرنا بے فائدہ ہے۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 321-322)

سامعین! اب مَیں تقریر کے آخر پر ربّ کو واسطے دے کر منانے کا ایک تازہ واقعہ بیان کر کے اپنی پہلی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ یہ دلچسپ اور ایمان افروز واقعہ کو بیان کرنا اِس لئے بھی ضروری ہے کہ یہی واقعہ اِس دلچسپ تقریر لکھنے کا باعث بنا ہے۔ میری نواسی عزیزہ ایمان عمران بعمر 7 سال کو کھیل کود میں ٹانگ پر چوٹ آئی۔ جب ڈاکٹرز سے رابطہ ہوا اور ابتدائی ٹیسٹ ہوئے تو انہوں نے ٹیومر کا شبہ ظاہر کر ایک بڑے

ہسپتال ریفر کر دیا جہاں تمام سینئر ڈاکٹرز اِس بات پر متفق نظر آئے جس کا وہ برملا اظہار کرتے رہے کہ یہ خطرناک ٹیومر ہے اور بچی کے والدین کو یہ دُکھ دیکھنے اور سہنے کے لئے تیار کرتے رہے۔ اِس تکلیف دِہ کیفیت میں ایک طرف ہم تمام اپنے اللہ تعالیٰ کے حضور اُن تمام واسطوں کا ذکر کر کے کامل شفایابی کے لئے دعائیں کرتے رہے جن کا ذکر مَیں اوپر کر آیا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ کی صفَت الشافی کا، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، قرآنِ کریم کا، حضرت مسیح موعودؑ اور اپنی اپنی نیکیوں کا (گو ہمارے گھیسے خالی تھے) مگر مختلف واسطے دے دے کر اِس موذی مرض سے نجات کے لئے منّت سماجت کی اور دوسری طرف امیر المؤمنین حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کو بھی ہر چھوٹے بڑے نے دعائیہ خطوط لکھے۔ حضور انور نے ایک عزیز کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا کہ

May Allah remove all doubts of doctors

خدا تعالیٰ نے اپنی رحمتوں کے در کھولے اور تمام رپورٹس کلیئر آئیں صرف بلڈ انفیکشن نظر آئی۔ واسطے بھی قبول ہوئے اور پیارے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ بھی بڑی شان سے پورے ہوئے اور وہ ڈاکٹرز جو بڑی تحدّی سے سو فیصدی کا کہہ کر خطرناک ٹیومر کا کہہ رہے تھے وہ بچی کے کمرے میں آنا چھوڑ گئے۔ سامنا کرنے سے کترانے لگے اور اپنے جونیئرز اور نرسز کو بھجوا کر ادویات بتانے لگے۔ سبحان اللہ۔ الحمد للہ۔ اللہ اکبر

سامعین! یہ موضوع جہاں بہت حسّاس ہے وہاں دلچسپ اور ایمان افروز بھی ہے۔ اِس لئے طوالت کے پیشِ نظر مَیں نے اِس کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ جو لگاتار دو دن جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلامی تعلیمات کو اپنانے کی توفیق دیتا چلا جائے۔ آمین

(کمپوزڈ: مسز عطیۃُ العلیم۔ ہالینڈ)

۞۞۞۞

﴿40﴾ ﴿مشاہدات۔1002﴾

وسیلہ اور واسطہ کا اسلامی فلسفہ

(تقریر نمبر2)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

(المائدہ:36)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کے قرب کا وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

تیری ہی ذات سے ہے ملا جو بھی سُکھ ملا
فضل و کرم سے تیرے ٹلا جو بھی دُکھ ملا
تیری سبھی صفاتِ کریمی کا واسطہ
اپنے کرم سے کر عطا بیمار کو شفا
ارحم من السماء، ارحم من السماء

معزز سامعین! خاکسار واسطہ اور وسیلہ کے متعلق خدا تعالیٰ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے حوالے سے کچھ باتیں اپنی پہلی تقریر میں بیان کر چکا ہے۔ میری آج کی تقریر اسی موضوع کی دوسری کڑی ہے۔

سامعین! دعا کی قبولیت کے لیے اپنے نیک اعمال کا واسطہ دیا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے کافی مواد اسلامی لٹریچر میں مل جاتا ہے صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی سفر کر رہے تھے کہ رات ہونے پر وہ ایک غار میں داخل ہوئے تا آرام کر سکیں کہ اچانک تیز ہواؤں سے ایک چٹان لڑھک کر آئی اور غار کا دھانہ یعنی منہ بند ہو گیا ان تینوں نے بہت زور لگایا مگر کچھ کامیابی نہ ہوئی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ اپنے اپنے کسی نیک کام کی اللہ تعالیٰ کو دہائی دیں۔ پہلا بولا کہ اے اللہ! مَیں ہر

رات ماں باپ کو دودھ پلا کر سوتا تھا۔ ایک رات تاخیر کی وجہ سے مَیں ایسا نہ کر سکا مَیں جب گھر آیا تو والدین سو چکے تھے۔ مَیں نے دودھ دوہا اور گلاس میں ڈال کر اُن کے سرہانے کھڑا رہا کہ جب جاگیں تو اُنہیں دودھ پلا سکوں۔ مگر وہ ساری رات نہ جاگے اور مَیں دودھ لئے اُن کے سرہانے کھڑا رہا۔ اے اللہ! اگر میرا یہ فعل تیرے رضا کے لیے تھا تو اس کے واسطے چٹان ہٹادے۔ اللہ تعالیٰ نے تھوڑا سی چٹان ہٹادی مگر وہ ابھی باہر نکل نہ سکتے تھے۔

دوسرا بولا! اے اللہ! مَیں اپنی کزن پر عاشق تھا۔ ایک رات مَیں نے اس سے بُرا فعل کرنا چاہا۔ مگر وہ خدا سے ڈرتی رہی۔ جہنم کی آگ سے اُس نے مجھے ڈرایا یعنی اس کا واسطہ دیا۔ مَیں اُس بُرے فعل سے رک گیا۔ حالانکہ مَیں 100 دینار اُسے دے کر راضی کر چکا تھا۔ اے اللہ! اگر میرا یہ فعل تیری رضا کے لیے تھا تو مَیں اِس کا واسطہ دیتا ہوں کہ اِس پتھر کو غار کے منہ سے ہٹا دے۔ خدا تعالیٰ نے اُس کی سن لی اور پتھر تھوڑا سا اور سرک گیا مگر ابھی بھی یہ باہر نکلنے کے قابل نہ تھے۔

اب تیسرے کی باری تھی۔ وہ اپنے خدا تعالیٰ سے یوں گویا ہوا کہ اے اللہ تعالیٰ! مَیں نے کچھ مزدور رکھے۔ سب کو اُن کی مزدوری دے دی۔ ایک نے نہ لی اور وہ چھوڑ کر چلا گیا۔ مَیں نے اُس کی چھوڑی ہوئی رقم کو کاروبار پر لگایا اور تھوڑے ہی عرصے میں اُس رقم سے خریدی گئی بھیڑیں، بکریاں، گائے اور اونٹوں سے وادی بھر گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ اپنی مزدوری لینے آیا تو مَیں نے بھری ہوئی وادی اس کے سپرد کر دی۔ اے اللہ! اگر میرا یہ فعل تیری رضا کے لیے تھا تو آج اِس کے واسطے پتھر کو غار کے منہ سے مکمل طور پر ہٹادے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کی سن لی اور پتھر مکمل طور پر غار کے منہ سے ہٹ گیا اور وہ تینوں آزاد ہو گئے۔ تو یہ نیک اعمال کا واسطہ دیکھ کر اپنے رب کو منوانے کا ایک اہم قابل تقلید واقعہ ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرماتے ہیں:

"وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔ وسیلہ کے دو معنی ہیں۔ ایک تو حاجت۔ پس مطلب ہوا کہ اپنی حاجتیں جناب الٰہی میں لے جاؤ... (اور) دوسرے معنی ہیں ذریعہ کے ... پس الْوَسِيْلَةَ فرمایا یعنی ذریعہ ہو۔ مگر اس ذریعہ کو دیکھ لو وہ بے ایمان کا تو نہیں۔ عقل و تجربہ و ایمان کے موافق ہے یا نہیں۔ مکلّف انسان عقل و تجربہ و ایمان سے تقویٰ کے سامان کرے مگر وہ عقل و تجربہ شریعت کے خلاف نہ ہو۔ پھر یہ مجاہدہ فی سبیل اللہ کرے۔ جب اِن تین قاعدہ پر چلے گا تو مظفر و منصور ہو گا۔" (حقائق الفرقان جلد 2 صفحہ 100-101)

مکرم شیخ مبارک احمد صاحب مرحوم رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ تحریر فرماتے ہیں کہ

”1939ء میں جب خاکسار مشرقی افریقہ سے قادیان میں چھ ماہ کی رخصت گزار کر واپس افریقہ جانے لگا تو میری خواہش پر حضرت سید میر محمد اسحاق نے میری ایک کاپی پر اپنے قلم سے یہ قیمتی نسخہ لکھا۔

مَاکَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْہِ کَانَ اللّٰہُ فِیْ عَوْنِہٖ کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص ہر وقت لوگوں کی دینی اور دنیوی بھلائیوں میں لگا رہے تو یقیناً اس کے دینی اور دنیوی کام خود بخود ہوتے رہیں گے۔ مَیں نے اس نسخہ کو اچھی طرح تجربہ کر کے دیکھا ہے کہ جب مَیں مشکلات دینی اور دنیوی میں ہوتا اور مَیں اپنے اوقات کو مخلوقِ خدا کے فائدہ کے لئے خرچ کرتا تو خود بخود غیب سے ایسے سامان پیدا ہو جاتے کہ بغیر لوگوں سے مدد مانگنے کے مجھے تمام ضروری سامان مل جاتے اور میری مشکلات حل ہو جاتیں اور ایسی ایسی جگہوں سے خدا میرے کام کروادیتا کہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ ہوتا اور یہی مفہوم ہے وَأَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ کا۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے کام خود بخود ہوتے جاویں وہ لوگوں کی مشکلات کے حل میں لگ جاوے۔ اللہ خود بخود اس کا متکفّل ہو جائے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ اپنے آپ کو پورے وقت کے لئے مخلوق خدا کی بہتری کے لئے وقف کر دے۔“

(الفرقان ستمبر، اکتوبر 1961 صفحہ 85)

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا واسطہ دے کر دعا کی جا سکتی ہے۔ حضرت سید میر محمد اسحاق رضی اللہ عنہ مزارِ اقدس حضرت مسیح موعودؑ پر جا کر اِس طرح اپنے رب کے حضور فریادیں کیا کرتے تھے کہ

”اے اللہ! تیرا یہ محبوب اور پیارا بندہ تھا جب تک اِس دنیا میں رہا۔ وہ تیرے دین کی خدمت واشاعت کے لئے ہر طرح کوشش کرتا رہا۔ اِس کے دل میں کچھ نیک تمنائیں تھیں اور کچھ مقاصد تھے۔ اب وہ تیرے پاس پہنچ چکا ہے۔ اے خدا! تُو ہمیں اِس بات کی توفیق دے کہ ہم ان نیک تمناؤں اور اعلیٰ نیک مقاصد کو پورا کرنے والے ہوں! (آمین)“

(حضرت میر محمد اِسحاقؓ کے مضامین کی جمع و تدوین از سید حنیف احمد قمر صفحہ 16)

سامعین! خلیفۃ المسیح کی دعاؤں کو اپنی دعاؤں میں شامل کرنا۔ لکھا ہے کہ حضرت مولوی غلام رسول راجیکیؓ نے 1919ء میں قادیان میں مکان بنانے کا ارادہ کیا لیکن حالات بہت کمزور تھے چنانچہ آپؓ نے حضرت

خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے مکان کے حوالہ سے دعا کی درخواست کی تو حضورؓ کی دعاؤں سے مکان بنانے کے غیر معمولی انتظامات ہوگئے۔ کچھ ہدیۃ اللہ تعالیٰ نے بندوبست کیا کچھ قرضِ حسنہ میسر آگیا حالانکہ آپؓ کے پاس ایک دیوار کھڑی کرنے کی گنجائش نہ تھی چنانچہ اِس مکان کی تیاری میں جو قرضِ حسنہ لیا تھا اُس کو اُتارنے کی فکر آپؓ کو دامن گیر رہتی۔ چنانچہ رمضان المبارک آگیا اور آپؓ نے تہیہ کیا کہ قرض کو اُتارنے کے لئے اِن ایام میں خاص دعائیں کروں گا لیکن اِس بار اِس پریشانی کا آپؓ، حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے ذکر نہ کرسکے چنانچہ آپؓ فرماتے ہیں۔ اِس رمضان میں بھی جب مَیں نے خاص توجہ سے گراں بار قرض کے اُترنے کے لئے دعا کی اور دعا کرتے ہوئے آٹھواں دن ہوا تو اللہ تعالیٰ کی قدوس ذات میرے ساتھ ہمکلام ہوئی اور اس پیارے اور محبوب مولیٰ نے مجھ سے ان الفاظ میں کلام فرمایا

"اگر تُو چاہتا ہے کہ تیرا قرض جلد اُتر جائے تو خلیفۃ المسیح کی دعاؤں کو بھی شامل کرلے"

(حیات قدسی صفحہ 267-268)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آئینہ کمالات اسلام کے عربی حصے میں قوم کے بارے میں کچھ دعائیں کی ہیں۔ اُن میں سے چند دعائیں ایک آدھ لفظ کی معمولی تبدیلی کے ساتھ مَیں پڑھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

آپؑ نے فرمایا:

"اے میرے رب! میری قوم کے بارہ میں میری دعا اور میرے بھائیوں کے بارے میں میری تضرّعات کو سن۔ مَیں تیرے نبی خاتم النبیّین و شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں۔ اے میرے رب! انہیں ظلمات سے اپنے نور کی طرف نکال اور دوریوں کے صحرا سے اپنے حضور میں لے آ... اور اپنی ہلاکت سے اس قوم کو بچا جو میرے دونوں ہاتھ کاٹنا چاہتے ہیں۔ ان کے دلوں کی جڑوں میں ہدایت داخل فرما۔ ان کی خطاؤں اور گناہوں سے درگزر فرما... انہیں پاک و صاف کر اور انہیں ایسی آنکھیں دے جن سے وہ دیکھ سکیں اور ایسے کان دے جن سے وہ سن سکیں اور ایسے دل دے جن سے وہ سمجھ سکیں اور ایسے انوار عطا فرما جن سے وہ پہچان سکیں اور ان پر رحم فرما اور جو کچھ وہ کہتے ہیں ان سے

درگزر فرما کیونکہ یہ ایسی قوم ہیں جو جانتے نہیں۔ اے میرے رب! حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور اور ان کے بلند درجات اور راتوں کو قیام کرنے والے مؤمنین اور دوپہر کی روشنی میں غزوات میں شریک ہونے والے نمازیوں اور جنگوں میں تیری خاطر سوار ہونے والے مجاہدین اور اُمُّ القریٰ مکہ مکرمہ کی طرف سفر کرنے والے قافلوں کا واسطہ۔ تُو ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان صلح کروا۔ تُو ان کی آنکھیں کھول دے اور ان کے دلوں کو منوّر فرما۔ انہیں وہ کچھ سمجھا جو تُونے ہمیں سمجھایا ہے اور ان کو تقویٰ کی راہوں کا علم عطا کر۔"

(ترجمہ از عربی عبارت آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 22۔ 23)

تمام سابقہ انبیاء کا واسطہ

سامعین! حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی تدفین کے بعد نبی پاک صلَّی اللہ علیہ وسلم نے دعا کرتے ہوئے اپنا اور گزشتہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا وسیلہ پیش فرمایا، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اِغْفِرْ لِاُمِّیْ فَاطِمَةَ بِنْتِ اَسَدٍ وَلَقِّنْهَا حُجَّتَهَا وَوَسِّعْ عَلَيْهَا مُدْخَلَهَا بِحَقِ نَبِيِّكَ وَالْاَنْبِيَاءِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِيْ فَاِنَّكَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ"

ترجمہ: اے اللہ! میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما، اُس کی حجت اُسے سکھا دے اور اپنے نبی کے توسّل اور مجھ سے گزشتہ انبیائے کرام کے توسّل سے اِس کی قبر کو وسیع فرما دے۔ بیشک تو رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

(المعجم الکبیر، جلد 24 صفحہ 351، رقم الحدیث 871)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"بعض لوگ دعا کے واسطے مجھے اس طرح سے کہتے ہیں کہ گویا مَیں خدا کا ایجنٹ ہوں اور بہر حال اِن کا کام کرادوں گا۔ خوب یاد رکھو! مَیں ایجنٹ نہیں ہوں، مَیں اللہ کا ایک عاجز بندہ ہوں"۔ حضرت خلیفہ اول کا جواب میں اسی لئے پڑھ رہا ہوں کہ وہی جواب ان کو میری طرف سے بھی ہے۔ "ہاں! اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی کرنا میرا کام ہے"۔ پھر فرمایا: "مگر جماعت کے بعض لوگ دعا کرانے کی درخواست میں بھی شرک

کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، کوئی تمہارا کارساز نہیں۔ مَیں علم غیب نہیں جانتا۔ نہ مَیں فرشتہ ہوں اور نہ میرے اندر فرشتہ بولتا ہے۔ اللہ ہی تمہارا معبود ہے۔ اسی کے تم ہم سب محتاج ہیں، کیا مخفی اور کیا ظاہر رنگ میں۔ اس کی طاقت بہت وسیع ہے اور اس کا تصرّف بہت بڑا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے"۔ پھر آپؐ نے فرمایا: "خدا ہی کا علم کامل ہے۔ اس کا تصرّفِ کامل ہے۔ اسی کے آگے سجدہ کرو۔ اسی سے دعا مانگو۔ روزہ، نماز، دعا، وظیفہ، طواف، سجدہ، قربانی، اللہ کے سوا دوسرے کے لئے جائز نہیں"۔ پھر بعض لوگ جو اللہ کے فضل سے جماعت میں تو نہیں لیکن بعض دفعہ بعض شکایتیں ایسی آتی ہیں کہ بعض عورتیں کمزوریاں دکھاتی ہیں۔ بالکل ہی بعض دعا کرانے والوں پہ اتنا اعتقاد ہوتا ہے کہ سمجھتی ہیں کہ بس اِن کے واسطے سے ہی اوپر دعا جاتی ہے۔ اگر دعا کا کوئی واسطہ ہے تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ ہے، اس کے علاوہ تو کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس لئے درود بھیجنا چاہئے۔"

دو پیارے قطروں کا واسطہ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حدیث قدسی ہے کہ دو قطرے مجھے بہت پیارے ہیں نمبر ایک۔ شہید کے خون کا قطرہ، نمبر دو۔ میرے خوف اور محبت میں نکلے آنسوؤں کا قطرہ۔ ان دونوں قطروں کا واسطہ دے کر دعا ہو سکتی ہے۔ آنسوں کا قطرہ تو ہم میں سے ہر ایک کو میسر آتا ہے اس کا واسطہ دے کر دعا کرو۔

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ درود شریف کے پڑھنے میں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں ایک زمانے تک مجھے استغراق رہا۔ کیونکہ میرا یقین تھا کہ خدا تعالیٰ کی راہیں نہایت دقیق راہیں ہیں۔ بجز وسیلۂ نبی کریمؐ کے مل نہیں سکتیں۔ جیسا کہ خدا بھی فرماتا ہے ۔ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (مائدہ آیت 33)۔ تب ایک مدت کے بعد کشفی حالت میں مَیں نے دیکھا کہ دو سقّے آئے ہیں اور ایک اندرونی راستے سے اور ایک بیرونی راستے سے میرے گھر میں داخل ہوئے اور ان کے کاندھوں پر نور کی مشکیں ہیں اور کہتے ہیں ھٰذَا مَا صَلَّيْتَ عَلٰى مُحَمَّدٍ" صلی اللہ علیہ وسلم

(حقیقۃ الوحی، حاشیہ صفحہ 128۔ تذکرہ صفحہ 77)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک الہام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ سَیِّدِ وُلْدِ اٰدَمَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ۔ درود بھیج محمدؐ اور آل محمدؐ پر جو سردار ہے آدم کے بیٹوں کا اور خاتم الانبیاء ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔"

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سب مراتب اور تفضّلات اور عنایات اسی کی طفیل سے ہیں اور اسی سے محبت کرنے کا صلہ ہے۔ سبحان اللہ اس سرور کائنات کے حضرت احدیت میں کیا ہی اعلیٰ مراتب ہیں اور کس قسم کا قرب ہے کہ اس کا محبّ خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔ اس مقام پر مجھ کو یاد آیا کہ ایک رات اس عاجز نے اس کثرت سے درود شریف پڑھا کہ دل و جان اس سے معطّر ہو گیا۔ اسی رات خواب میں دیکھا کہ آب زلال کی شکل پر نُور کی مشکیں اس عاجز کے مکان میں لئے آتے ہیں اور ایک نے اُن میں سے کہا کہ یہ وہی برکات ہیں جو تو نے محمد کی طرف بھیجے تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور ایسا ہی عجیب ایک اور قصہ یاد آیا ہے کہ ایک مرتبہ الہام ہوا۔ جس کے معنی یہ تھے کہ ملاءِ اعلی کے لوگ خصومت میں ہیں۔ یعنی ارادہ الٰہی احیاء دین کے لئے جوش میں ہے۔ لیکن ہنوز ملاءِ اعلیٰ پر شخص مُحیی کی تعیین ظاہر نہیں ہوئی۔ اس لئے وہ اختلاف میں ہے۔ اسی اثنا میں خواب میں دیکھا کہ لوگ ایک مُحیی کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور ایک شخص اس عاجز کے سامنے آیا اور اشارہ سے اس نے کہا هٰذَا رَجُلٌ یُحِبُّ رَسُوْلَ اللّٰہِ یعنی یہ وہ آدمی ہے جو رسول اللہ سے محبت رکھتا ہے اور اس قول سے یہ مطلب تھا کہ شرطِ اعظم اس عہدہ کی محبت رسول ہے۔ سو وہ اس شخص میں متحقق ہے۔

اور ایسا ہی الہام متذکرہ بالا میں جو آل رسول پر درود بھیجنے کا حکم ہے۔ سو اس میں بھی یہی سرّ ہے کہ افاضہ انوارِ الٰہی میں محبت اہل بیت کو بھی نہایت عظیم دخل ہے اور جو شخص حضرتِ احدیت کے مقرّبین میں داخل ہوتا ہے وہ انہیں طیبین طاہرین کی وراثت پاتا ہے اور تمام علوم و معارف میں ان کا وارث ٹھہرتا ہے۔"

(براہین احمدیہ ہر چہار حصص، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 597-599)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”بہر حال خلاصہ یہ کہ مولود کے دن جلسہ کرنا، کوئی تقریب منعقد کرنا منع نہیں ہے بشرطیکہ اس میں کسی بھی قسم کی بدعات نہ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کی جائے۔ اور اس قسم کا (پروگرام) صرف یہی نہیں کہ سال میں ایک دن ہو۔ محبوب کی سیرت جب بیان کرنی ہے تو پھر سارا سال ہی مختلف وقتوں میں جلسے ہو سکتے ہیں اور کرنے چاہئیں اور یہی جماعت احمدیہ کا تعامّل رہا ہے اور یہی جماعت کرتی ہے۔ اس لئے یہ کسی خاص دن کی مناسبت سے نہیں، لیکن اگر کوئی خاص دن مقرر کر بھی لیا جائے اور اس پہ جلسے کئے جائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کی جائے بلکہ ہمیشہ سیرت بیان کی جاتی ہے۔ اگر اس طرح پورے ملک میں اور پوری دنیا میں ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے لیکن یہ ہے کہ بدعات شامل نہیں ہونی چاہئیں۔ کسی قسم کے ایسے خیالات نہیں آنے چاہئیں کہ اس مجلس سے ہم نے جو برکتیں پالی ہیں ان کے بعد ہمیں کوئی اور نیکیاں کرنے کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ بعضوں کے خیال ہوتے ہیں۔ تو نہ افراط ہو نہ تفریط ہو۔

پس آج مَیں بقیہ وقت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بعض پہلو بیان کروں گا تاکہ ہم بھی ان کو اپنی زندگیوں کا حصہ بنانے کی کوشش کریں۔ تبھی ہم جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کر کے خدا تعالیٰ کی محبت کو پا سکتے ہیں اور تبھی ہمارے گناہ بخشے جائیں گے، تبھی ہماری دعائیں بھی قبولیت کا درجہ پائیں گی۔

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر دعا کی جا سکتی ہے؟ آپؐ کی سنت کی پیروی اور آپؐ سے محبت کا تعلق، اللہ تعالیٰ کی رضا آپ کو حاصل کرنے کا وسیلہ ہی ہے۔ اذان کے بعد کی دعا میں بھی یہی دعا سکھائی گئی ہے۔ جو آیت مَیں نے پڑھی ہے اس کا کچھ حصہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے درج فرمایا تھا۔ پوری آیت اس طرح ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران:32) تو کہہ دے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو وہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ پس ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ نے

کیا سنت قائم فرمائی؟ جن کی ہم نے پیروی کرنی ہے۔ آپؐ کے کیا کچھ عمل تھے جو آپؐ نے اپنے صحابہ کے سامنے کئے اور آگے روایات میں ہم تک پہنچے۔"

(خطبہ جمعہ 13/مارچ 2009ء)

سامعین! اب مَیں تقریر کے آخر پر ربّ کو واسطے دے کر منانے کا ایک تازہ واقعہ بیان کر کے اپنی پہلی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ یہ دلچسپ اور ایمان افروز واقعہ کو بیان کرنا اِس لئے بھی ضروری ہے کہ یہی واقعہ اِس دلچسپ تقریر لکھنے کا باعث بنا ہے۔ میری نواسی عزیزہ ایمان عمران بعمر 7 سال کو کھیل کود میں ٹانگ پر چوٹ آئی۔ جب ڈاکٹرز سے رابطہ ہوا اور ابتدائی ٹیسٹ ہوئے تو انہوں نے ٹیومر کا شبہ ظاہر کر ایک بڑے ہسپتال ریفر کر دیا جہاں تمام سینئر ڈاکٹرز اِس بات پر متفق نظر آئے جس کا وہ برملا اظہار کرتے رہے کہ یہ خطرناک ٹیومر ہے اور بچی کے والدین کو یہ دُکھ دیکھنے اور سہنے کے لئے تیار کرتے رہے۔ اِس تکلیف دِہ کیفیت میں ایک طرف ہم تمام اپنے اللہ تعالیٰ کے حضور اُن تمام واسطوں کا ذکر کر کے کامل شفایابی کے لئے دعائیں کرتے رہے جن کا ذکر مَیں اوپر کر آیا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ کی صفَت الشافی کا، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، قرآنِ کریم کا، حضرت مسیح موعودؑ اور اپنی اپنی نیکیوں کا (گو ہمارے کھیسے خالی تھے) مگر مختلف واسطے دے دے کر اِس موذی مرض سے نجات کے لئے منّت سماجت کی اور دوسری طرف امیر المؤمنین حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کو بھی ہر چھوٹے بڑے نے دعائیہ خطوط لکھے۔ حضور انور نے ایک عزیز کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا کہ

May Allah remove all doubts of doctors

خدا تعالیٰ نے اپنی رحمتوں کے در کھولے اور تمام رپورٹس کلیئر آئیں صرف بلڈ انفیکشن نظر آئی۔ واسطے بھی قبول ہوئے اور پیارے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ بھی بڑی شان سے پورے ہوئے اور وہ ڈاکٹرز جو بڑی تحدّی سے سو فیصدی کا کہہ کر خطرناک ٹیومر کا کہہ رہے تھے وہ بچی کے کمرے میں آنا چھوڑ گئے۔ سامنا کرنے سے کترانے لگے اور اپنے جونیئرز اور نرسز کو بھجوا کر ادویات بتانے لگے۔ سبحان اللہ۔ الحمد للہ۔ اللہ اکبر

سامعین! یہ موضوع جہاں بہت حسّاس ہے وہاں دلچسپ اور ایمان افروز بھی ہے۔ اِس لئے طوالت کے پیشِ نظر مَیں نے اِس کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اُن میں سے دو حصے تو بیان ہو چکے۔ تیسرا حصہ اِن شاء اللہ کل بیان کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلامی تعلیمات کو اپنانے کی توفیق دیتا چلا جائے۔ آمین

(کمپوزڈ: مسز عطیۃُ العلیم۔ ہالینڈ)

﴿41﴾ ﴿مشاہدات۔1003﴾

وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ

(از افاضات حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ وَجَاھِدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِہٖ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ (المائدہ:36)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اُس کے قرب کا وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو۔

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو
وُہی اُس کے مُقرَّب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں راہ اُس کی عالی بارگہ تک خود پسندوں کو
یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اُس سے قربت کو
اُسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کمندوں کو

معزز سامعین! خاکسار گزشتہ دو دنوں سے واسطہ اور وسیلہ کے حوالے سے گفتگو کر کے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنے کی اسلامی تعلیم پر گفتگو کر رہا ہے۔ آج مجھے اِسی کو آگے بڑھانا ہے لیکن ایک اور پہلو سے۔ اور وہ ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی بیان فرمودہ تفسیر کی روشنی میں وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ کے معانی اور نت نئے نکات آپ حاضرین کے سامنے رکھنا ہیں۔ آپؒ نے صرف وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ پر گفتگو نہیں فرمائی بلکہ آیت کے سیاق وسباق کے حصّے پر عارفانہ بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

”جو مختصر سی آیت اِس وقت مَیں نے تلاوت کی ہے وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ اِس میں نہایت حسین پیرایہ میں ایک نہایت ہی بنیادی اہمیت کا مضمون بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِس کی کتب اور اِس کے

رسولوں پر ایمان لانے کی کوئی غرض ہوتی ہے انسان کسی مقصد کے پیش نظر دنیا سے منہ موڑتا اور دنیا والوں کی دشمنی خرید کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا اور یہ اعلان کرتا ہے کہ مَیں اپنے ربّ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اِس کو جیسا کہ وہ چاہتا ہے اپنی ذات میں کامل اور اپنی صفات میں کامل سمجھے گا اور اِس بات پر یقین کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ اِسی طرح وہ یہ اعلان کرتا ہے کہ مَیں اُس کے رسول اور اُس کی کتاب پر ایمان لایا ہوں اور جو پہلے رسول گزرے ہیں اور جو کتب نازل ہوئی ہیں اُن پر بھی ایمان لایا ہوں اور اِیْمَان بِالرُّسُل اور اِیْمَان بِالْکُتُب کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان فلاحِ دارین حاصل کرے اور اِس زندگی میں بھی وہ خدا میں ہو کر با آرام زندگی پائے اور اُخروی زندگی میں بھی وہ فلاح کو حاصل کرے۔ فلاح کے معنی انتہائی کامیابی کے ہیں اور امام راغب نے اپنی کتاب مفردات میں لکھا ہے کہ اُخروی زندگی میں جو فلاح اور ابدی حیاتِ طیبہ ایک مومن کو ملے گی وہ چار خصوصیات کی حامل ہوگی۔ چار باتیں اس میں پائی جائیں گی اور وہ یہ ہیں۔

1: ایک ایسی ابدی زندگی جس پر کبھی فنا نہ آئے۔

2: ایک ایسی تونگری جس کے ساتھ کوئی احتیاج نہ رہے۔

3: اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایسی عزت کہ جس کے ساتھ شیطانی ذلّت کے اندھیرے کبھی اکٹھے نہیں ہوسکتے۔

4: وَعِلْمٌ بِلَا جَهْلٍ اور وہ حقیقی علم جو جہالت کی تمام ظلمتیں اور اُس کے اندھیروں کو دُور کر دیتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اس غرض سے ایمان لائے ہو کہ ایک ابدی حیات تمہیں حاصل ہو وہ حیاتِ طیبہ تمہیں ملے جو ابدی فیوض کی حامل اور خدا تعالیٰ سے نئے سے نئے اور زیادہ سے زیادہ فیض اور برکتیں اور رحمتیں حاصل کرنے والی ہو اور یہ ایک ایسی زندگی ہے جس کا تصوّر بھی ہم یہاں اِس دنیا میں نہیں کرسکتے۔

جہاں تک غنا اور احتیاج کا سوال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو چاہو گے تمہیں مل جائے گا۔ اس سے زیادہ اور کیا غنا ہوسکتی ہے۔ عزت کی ایک نگاہ بھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے کسی بندہ پر پڑے وہ بھی بڑی ہے لیکن جس زندگی کے متعلق یہ وعدہ ہو کہ اس کے ہر لمحہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی نگاہیں ایک عاجز انسان پر پڑتی رہیں گی اس سے بڑھ کر اور کیا عزت ہوگی۔ پھر علم اور علم کی زیادتی کا یہ حال کہ اللہ تعالیٰ

قرآنِ کریم کے متعلق هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ فرماتا ہے یعنی مومن ہدایت کے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کے کچھ مقامات حاصل کرتا ہے تو کچھ اور نئی راہیں اُس پر کھول دی جاتی ہیں پھر وہ ایک نئے بلند تر مقام پر پہنچتا ہے تو قرب کی کچھ اور راہیں اُس پر کھولی جاتی ہیں۔ یہ ہدایت اور علم ایسا نہیں جس پر انسان ایک وقت میں احاطہ کر لے اور سیر ہو جائے اور پھر تشنگی کا احساس اُس کے اندر پیدا نہ ہو بلکہ یہ وہ علم اور ہدایت ہے ہر لحہ انسان کو خدا تعالیٰ سے قریب سے قریب تر لے جاتا ہے۔ وہ علم ہے جو جس پر شیطان کی یلغار کا امکان ہی نہیں کیونکہ جنت کے دروازے شیطان پر بند ہو چکے ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس قسم کی ابدی حیاتِ طیبہ کے حصول کے لیے تم ایمان لاتے ہو اور میری آواز پر لبیک کہتے ہو مَیں تمہیں بتاتا ہوں کہ اِس اعلانِ ایمان کے نتیجہ میں تین قسم کی ذمہ داریاں تم پر عائد ہوتی ہیں اور تین تقاضے ہیں جو یہ ایمان انسان سے کرتا ہے۔

پہلا تقاضا اس کا یہ ہے کہ اِتَّقُوااللّٰہَ۔ انسان ایمان سے قبل بہت سی بدیوں اور بد عادتوں اور بد رسوم اور شیطانی خیالات میں پھنسا ہوا ہوتا ہے۔ ایمان کے ساتھ ہی اُس کو یہ ساری بُرائیاں چھوڑنی پڑتی ہیں اور چھوڑنی چاہئیں اگر وہ ایمان میں سچا ہے۔ تقویٰ کے معنی ہیں اپنے نفس کو گناہ اور معاصی اور نواہی کے ارتکاب سے انسان اس لیے بچائے کہ کہیں اُس کا ربّ اس سے ناراض نہ ہو جائے پس جب ایمان حقیقی ہو اور اُس کے ساتھ جیسا کہ چاہئے معرفت اور عرفان بھی ہو تو ایمان کا پہلا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ساری بُرائیوں اور بدیوں اور بد رسوموں اور بد عادتوں اور بد خیالات اور بد خواہشوں اور گندے میلانِ طبع کو انسان اپنے ربّ کی خاطر چھوڑ دے۔ غرض تمام گناہوں اور معاصی سے بچنے کا نام تقویٰ ہے اور عقلاً بھی انسان سے پہلا مطالبہ یہی ہونا چاہیے کیونکہ جب تم کہتے ہو کہ ہم خدا پر ایمان لائے تو عقل کہتی ہے کہ اب تم کسی ایسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہونا جو تمہارے ربّ کی پسندیدہ نہیں جس سے وہ ناراض ہو جاتا ہے۔ پس پہلا تقاضا ایمان ہم سے یہ کرتا ہے کہ ہم ہر اُس چیز سے بچیں جو ہمارے رب کو پسندیدہ اور پیاری نہیں ہے۔

دوسری ذمہ داری ہم پر یہ عائد ہوتی ہے یا یوں کہو کہ دوسرا تقاضا ایمان ہم سے یہ کرتا ہے کہ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ یعنی مقام خوف جس کا تقویٰ میں ذکر ہے صرف وہ کافی نہیں بلکہ اس کے بعد مقام محبت میں داخل ہونا ضروری ہے اور انسان کے دل کی یہ حالت ہونی چاہیے کہ وہ دلی تڑپ اور شوق اور رغبت کے

ساتھ ان راہوں کو ڈھونڈے جو راہیں کہ اُس ربّ کی طرف لے جانے والی ہیں۔ جب غرباء کی ایک جماعت نبی کریم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اِس لیے حاضر ہوئی تھی کہ امیر کچھ ایسی نیکیاں کرتے ہیں جو غریب بجانہیں لاسکتے اس لیے انہیں کچھ عبادتیں بتائی جائیں کہ وہ اُن کے ذریعہ اِس کمی کو پورا کرسکیں تو ان کے دل کی یہ خواہش وَابْتَغُوا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ہی کا ایک نظارہ ہمارے سامنے پیش کر رہی ہے۔ پس مومن کے دل کی یہ کیفیت ہونی چاہیے کہ ہر اُس راہ کو تلاش کرے جو راہ اسے اُس کے رب کی طرف پہنچانے والی ہو اور جس پر وہ چل کر اپنے رب کا قرب حاصل کرنے والا ہو۔ وَاسِلٌ کے معنی اللہ کی طرف راغب کے ہیں یعنی جو شخص اللہ کی طرف راغب ہوا ہے اُسے عربی زبان میں وَاسِلٌ کہتے ہیں اور مفردات راغب میں ہے کہ وسیلہ کی حقیقت یہ ہے کہ قرب کی راہوں کی معرفت اور عرفان شوق سے حاصل کیا جائے۔ مَیں لفظی ترجمہ نہیں کر رہا بلکہ انہوں نے جو معنی کیے ہیں ان کا مفہوم اپنی زبان میں بیان کر رہا ہوں۔ اسی طرح قرب کی راہیں جو انسان پر کھلیں ان راہوں پر شوق سے چلا جائے اس کو انہوں نے عبادت کے نام سے پکارا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کے جو احکام ہیں اور وقت اور حالات اور مقام اور ماحول کے مطابق جو بہترین ہدایتیں ہوں اُن بہترین ہدایتوں پر دلی رغبت سے عمل کیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ انسان سے خوش ہو جائے۔

پس ایک معنی وَابْتَغُوا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کے یہ ہیں کہ ان راہوں کی دلی رغبت اور شوق کے ساتھ تلاش جو خدا کی طرف لے جاتی اور انسان کو خدا تعالیٰ کا مقرّب بنا دیتی ہیں۔ پھر وسیلہ کے ایک معنی ہم قرآن کریم کے بھی کر سکتے ہیں کیونکہ قرآن کریم نے بڑی وضاحت کے ساتھ ان راہوں کی نشاندہی کی ہے جو راہیں خدا تعالیٰ کی طرف لے جانے والی ہیں اور اس صورت میں وَابْتَغُوا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کہ یہ معنی ہوں گے کہ قرآن کریم کی ہدایات اور احکام سے دلی پیار اور محبت کرو تا تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے پھر وَسِيْلَةَ کہ ایک معنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی کیے جاسکتے ہیں اس کی طرف خود قرآنِ کریم نے سورہ بنی اسرائیل میں اشارہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ (بنی اسرائیل :58) کہ انسانوں میں جن کو مشرک معبود بناتے ہیں وہ خود

ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر چکے ہوں اور جن کی مدد سے یا جن کے اُسوہ پر چل کر وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کر سکیں۔ ایک مومن تو ان سے بھی زیادہ اُسوہ کی تلاش کی تڑپ اپنے اندر رکھتا ہے اور جب ہم اَیُّهُمۡ اَقۡرَبُ کے مفہوم کی روشنی میں جو وسیلہ کے اندر پایا جاتا ہے اور جسے سورہ بنی اسرائیل کی یہ آیت وضاحت کرتی ہے۔ وَابۡتَغُوۡا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ پر غور کریں تو ہم یہ معنی بھی کر سکتے ہیں کہ قربِ الٰہی کی راہوں کی تلاش میں اُسوہ حسنہ کی تلاش کرو یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن راہوں پر گامزن ہو کر اللہ تعالیٰ کے مقرب بنے تم بھی ان راہوں کو اختیار کرو کیونکہ آپؐ ہی کامل اُسوہ ہیں۔ تمہارے سامنے چونکہ ایک مثال پہلے سے موجود ہے اس لیے تم انہیں زیادہ آسانی سے پا سکو گے اور آپؐ کے اُسوہ کو سامنے رکھ کر اور آپؐ کی نقل کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کے قرب کو زیادہ سہولت کے ساتھ حاصل کر سکو گے۔ غرض دوسری ذمہ داری جو ایمان کی وجہ سے کسی انسان پر عائد ہوتی ہے وہ اس آیت میں وَابۡتَغُوۡا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ بتائی گئی ہے۔ لغت والے لکھتے ہیں کہ اَلۡوَسِیۡلَةَ کے اندر یہ مفہوم پایا جاتا ہے کہ قربِ الٰہی کی راہوں کو رغبت اور شوق کے ساتھ تلاش کیا جائے۔ پس وَابۡتَغُوۡا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ کے یہ معنی ہوئے کہ تم شوق اور رغبت کے ساتھ اِن راہوں کو تلاش کرو جو خدا تک لے جاتی ہیں۔

بعض لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم بڑی مالی قربانیاں دیتے ہیں نمازوں میں باقاعدگی نہ ہوئی تو کیا ہوا۔ وہ وَابۡتَغُوۡا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ پر عمل نہیں کر رہے ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومن کی یہ شان بتائی ہے کہ وہ قرب کی ہر راہ سے محبت اور پیار اور رغبت اور شوق کا تعلق رکھتا ہے یہ نہیں کہ وہ بعض راہوں پر چلے اور بعض راہوں کو چھوڑ دے۔

پھر بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ "جی سارا دن عبادت کردے رہندے آں چندے نہ دتے تے کیہ ہو گیا" حالانکہ ہر قرب کی راہ کو بشاشت سے قبول کرنا چاہیے اور اِس کے ساتھ پیار کرنا چاہیے اور یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہماری زندگی کا ہر راستہ ہمارے رب تک پہنچانے والا ہو تا کہ ہم اُس کی رضا کو زیادہ حاصل کر سکیں۔ وَابۡتَغُوۡا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ کا ہی مظاہرہ تھا کہ بعض صحابہ کے متعلق آتا ہے کہ چاہے انہیں پیشاب کی حاجت نہ ہوتی وہ بعض جگہ پیشاب کرنے کے لیے بیٹھ جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں پیشاب کرتے دیکھا تھا اس لیے ہم رہ نہیں سکے اور ہم نے یہاں پیشاب کیا ہے۔ بظاہر

اس فعل میں کوئی دینی چیز نہیں لیکن اس کے پیچھے جو محبت کام کر رہی ہے وہ بڑی عجیب ہے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً ایسے جذبات کو قبول کرتا ہے۔ یہ چیز انسان کو کہیں سے کہیں اٹھا کر لے جاتی ہے۔ غرض وَابۡتَغُوا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ میں ہمیں اس طرف متوجہ کیا ہے کہ ہم نے قرب کی ہر راہ سے پیار کرنا ہے یہ نہیں کہ بعض راہوں کو لے لیا اور بعض کو چھوڑ دیا۔

جب خدا تعالیٰ کی طرف لے جانے والی راہوں کی تعین ہو گئی اور ان راہوں سے پیار ہو گیا تو پھر ایمان کا تیسرا تقاضا یہ ہے کہ جَاھِدُوۡ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ دراصل جیسا کہ مَیں نے پہلے اشارہ کیا ہے کہ وَابۡتَغُوا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ کا تعلق محبت الٰہی کے ساتھ ہے جیسا کہ اِتَّقُوۡااللہَ کا تعلق خوفِ الٰہی کے ساتھ ہے پھر جَاھِدُوۡ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ جس وقت انسان صحیح معنی میں اپنے رب کو پہچاننے لگتا ہے اور اُس کی ذات اور اُس کی صفاتِ کاملہ حسنہ کا کامل عرفان حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی ہی قدر اور عزت انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اُس کی عزت اور عظمت اور اُس کی جلال کچھ اس طرح سے دل میں بیٹھ جاتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں رہتی وہ ہیچ نظر آتی ہے۔ قدر دانی کا یہ جذبۂ محبت اور خوف سے جداگانہ ہے اور مَیں سمجھتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تجربہ رکھنے والے اس پر گواہی دیں گے کہ یہ خوف اور محبت کے جذبہ سے بلند تر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خوف اور محبت کے بعد جب تم واقع میں اللہ تعالیٰ کو پہچاننے لگے اور اُس کی معرفت تمہیں حاصل ہو گئی تو پھر تم اِس بات سے رہ نہیں سکتے کہ اُس کے راستہ میں جہاد کرو یعنی وہ راہ جب مل گئی تو دنیا کی ہر تکلیف برداشت کرتے ہوئے ہر قربانی دے کر اِس راہ پر گامزن رہنا یہ مجاہدہ ہے۔ مال کی قربانی ہے، نفس کی قربانی ہے، جان کی قربانی ہے، اوقات کی قربانی ہے، عزتوں کی قربانی ہے اور اولاد کی قربانی ہے ہر قسم کی قربانی ہے جس کا مطالبہ جَاھِدُوۡا ہم سے کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا مقام انسان نے پہچان لیا تو وہ کہاں بخل کرے گا۔ بخل تو ایسے دل اور ایسے دماغ میں داخل ہو نہیں سکتا وہ تو یہ کہے گا کہ ہر چیز خدا کی راہ میں قربان ہے اور یہ تیسری ذمہ داری ہے جو خدا تعالیٰ نے انسان پر ڈالی ہے۔

پس اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اوّل خدا کا خوف پیدا ہو اور انسان تمام بُرائیوں کو چھوڑ دے پھر خدا کی محبت پیدا ہو اور انسان نیکی کی ہر راہ پر گامزان ہونے کے لیے تیار ہو جائے اور خدا تعالیٰ کی قدر اور اُس کی

عظمت اور اُس کا جلال اُس کے دل کو اپنے قبضہ میں لے لے اور اُس کی راہ میں ہر چیز قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائے جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ اور اِس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالو۔ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

پھر جب یہ تینوں مطالبے تم پورے کرو گے لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تب ہی تم اس فلاحِ دارین کو حاصل کرو گے جو تمہارے ایمان کی غرض ہے۔ اگر تم ایمان کا دعویٰ کرو لیکن ان مطالبات کو پورا نہ کرو تو تم فلاحِ دارین حاصل نہیں کر سکتے۔ تمہارے جیسا بد بخت اور بد قسمت پھر کوئی نہیں ہو گا کہ جس کے ہاتھ میں نہ دنیا رہی نہ دین رہا۔ دنیا دار دین کی وجہ سے اِس سے پیچھے ہٹ گئے اور ناراض ہو گئے اور خدا کے سامنے اس کے اعمال پیش کیے گئے تو ان میں ہزار کیڑے دنیا کے نکلے اور خدا تعالیٰ نے بھی انہیں ردّ کر دیا۔"

(خطبات ناصر جلد دوم صفحہ 154-159)

پھر ایک اور موقع پر آپؒ فرماتے ہیں۔

"قرآن کریم نے کامیابیوں کے حصول کے لیے متعدد جگہ مختلف پہلوؤں سے صداقت و ہدایت کی راہوں کی نشاندہی کی ہے اور اُن راہوں کو روشن کیا ہے اور اُن کی طرف انسان کی رہنمائی کی ہے اور اُن کی برکتوں کی طرف انسان کو متوجہ کیا ہے۔ اِس وقت جو مختصر سی آیت مَیں نے پڑھی ہے اِس میں اِس سلسلہ میں ایک حسین مضمون بھی بیان ہوا ہے۔ مَیں اس لیے بھی کہتا ہوں کہ قرآن کریم کے بہت سے بطون ہیں اور ہر وطن اس کے حسن کو دوبالا کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری حقیقی کامیابی اس بات میں ہے کہ تم ان راہوں سے پرہیز کرتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اور ان بد عقائد اور بد اعمال سے بچتے ہو جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور قہر نازل ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے حضور وہ چیز پیش کرو جو اُسے پسند ہو اور اُس کی پناہ میں آجاؤ۔ اپنی حفاظت کے لیے اُسے اپنی ڈھال بنالو اور اُسے اپنی کامیابی کا ذریعہ بنالو تو تب تم کامیاب ہو گے اور ایک ایسی کامیابی تمہیں حاصل ہو گی جس سے بڑھ کر کسی کامیابی کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ فلاح کے معنی عربی میں عظیم کامیابی کے ہوتے ہیں۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اے ایمان کا دعوی کرنے والو! ناکامیوں سے بچنے میں اپنی حفاظت کے لیے خدا تعالیٰ کو اپنی پناہ بنالو اور اس کو اپنی ڈھال بنالو وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ اور ڈھال اس طرح بناؤ کہ اُس کے قرب کی راہوں کو تلاش کرو۔ زبانی دعووں سے تو اللہ تعالیٰ کسی کی ڈھال نہیں بن سکتا بلکہ اُس کے قرب کی راہیں متعین ہیں اور اِن متعین راستوں کو

اختیار کر کے اِن راہوں پر چل کر اللہ تعالیٰ انسان کو اُس مقام تک پہنچا دیتا ہے جو اُس کے قرب کا مقام اور اُس کی رضا کا مقام ہے۔

وَسِیْلَۃٌ کے لیے تین طریقے بیان کیے گئے ہیں اور وہ اِس مضمون کو ظاہر کرتے اور اِس کو نمایاں کرتے ہیں۔ وَسِیْلَۃٌ کے معنی ہیں خدا تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنا اوراِس کے لیے جو راہ اور جو ذریعہ ہے وہ ایک تو علم و معرفت ہے اور دوسرے عبادت ہے اور تیسرے ہے مکارمِ شریعت کو اختیار کرنا۔ جیسا کہ دوسری جگہ بتایا ہے علم و معرفت خدا تعالیٰ کی ذات کو پہچاننا اور اُس کی صفات کا عرفان رکھنا بہت ضروری ہے اور پھراس کے نتیجہ میں جو تقاضے پیدا ہوتے ہیں اِن کو پورا کرنے کے لیے عبادت اور مکارم کے لباس میں خود کو ملبوس کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔

وَابْتَغُوا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ قرب اور وسیلہ کے حصول کے لیے جو راستہ اور سبیل ہے وہ تین قسم کی ہے۔ ایک تو صحیح روحانی علم کا حاصل ہونا، معرفت کا حاصل ہونا دوسرے خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریق پر اس کی عبادت کرنا اور تیسرے شریعتِ حقّہ اسلامیہ کے مکارم کو اختیار کرتے ہوئے اپنی روح اور اپنے ذہن اور اپنے عمل اور اپنے عقیدہ میں حسن پیدا کرنے کی کوشش کرنا۔ ان تینوں چیزوں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ انسان کی ڈھال بن جاتا ہے اور اُسے اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے۔

اگر انسان کو خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کی معرفت نہ ہو تو اُس نے خدا کو پہچانا ہی نہیں۔ اِس لیے اُس کے قرب کی راہوں کی تلاش وہ صحیح معنی میں کر ہی نہیں سکتا۔ اِسی لیے آپ کو دنیا میں ایسے لوگ بھی نظر آئیں گے جو زبان سے تو یہ دعویٰ کر رہے ہوں گے کہ وہ خدائے واحد و یگانہ کی پرستش کرتے ہیں اور اُس کی وحدانیت کی معرفت رکھنے والے ہیں لیکن وہی لوگ جب مقبروں میں جاتے ہیں تو قبروں کو سجدہ کرنے لگ جاتے ہیں اور جب اپنے بزرگوں کے پاس جاتے ہیں تو انہیں ارباب سمجھنے لگ جاتے ہیں اور اُن کی پرستش شروع کر دیتے ہیں۔ ہزار بت اپنے سینوں میں انہوں نے سجائے ہوتے ہیں اور ہزار بت کے گردِ اُن کا طواف ہے اور زبان سے یہ دعویٰ بھی ہے کہ ہم خدائے واحد و یگانہ کی پرستش کرنے والے ہیں۔ یہ تضاد ہمیں اس لیے نظر آتا ہے کہ بنیادی طور پر انہیں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت حاصل نہیں اور چونکہ انہیں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا، اُس کے احد ہونے کا عرفان ہی حاصل نہیں اس لیے خدا تعالیٰ کی

وحدانیت کی معرفت اور اُس کا علم جن باتوں کا تقاضا کرتا ہے وہ اُس کو پورا نہیں کرتے اور پورا کر ہی نہیں سکتے کیونکہ انہیں علم ہی نہیں کہ خدائے واحد ویگانہ کی معرفت کے بعد انسان پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ خدا تعالیٰ ربّ ہے نیز قرآن کریم نے دوسری بہت ساری صفات بیان کی ہیں جن کا تعلق انسان کی زندگی کے ساتھ ہے۔ ان میں سے بعض بنیادی ہیں اور بعض اُن سے تعلق رکھنے والی ہیں۔ اِس کے ساتھ ہی یہ کہا کہ میرے صفات کا مظہر بننے کی کوشش کرو اور میری صفات کا رنگ اپنے اوپر چڑھاؤ۔ اب اگر انسان ربّ کی ربوبیت کا علم ہی نہیں رکھتا اُسے اُس کی معرفت ہی حاصل نہیں، اُس رنگ کو وہ پہچانتا ہی نہیں تو اپنی ذات پر اور اپنی صفات پر وہ اِس رنگ کو کیسے چڑھائے گا۔ یہ واضح بات ہے کہ کوئی گہری اور دقیق بات نہیں ہے کہ جب تک رنگ کی پہچان نہیں اُس رنگ کو اپنے نفس کے اوپر چڑھایا ہی نہیں جاسکتا۔ اب ربوبیت ربّ العالمین کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں تک انسان کی طاقت ہو وہ ہر مخلوق کی نشو نما کے سامان پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ جہاں تک کہ انسان کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے تو ربّ ہونے کی حیثیت سے اگر کسی چیز کو پیدا کیا تو اس کو اور طاقتیں بھی دیں اور اُن کی نشو نما کے سامان بھی پیدا کیے بس جو شخص صفت ربّ العالمین کی معرفت اور علم رکھتا ہے وہ تو یہی رنگ اپنے پر چڑھائے گا اور وہ کسی شخص کو اس کے حق سے محروم نہیں کرے گا لیکن جو شخص اُس صفت کا علم ہی نہیں رکھتا اُسے اُس کی معرفت ہی حاصل نہیں وہ اُس کے مطابق عمل نہیں کر سکتا اور یہ بنیادی حکم کہ میری صفات کا رنگ اپنے اوپر چڑھاؤ اور اُس کے مطابق دنیا سے یعنی اپنے بھائی بندوں سے اور دوسری مخلوق سے سلوک کرو وہ اُس کے مطابق عمل نہیں کر سکتا۔

پس خدا تعالیٰ کو اپنی حفاظت کے لیے ڈھال بنانے، خدا تعالیٰ کے قرب کی راہوں کو حاصل کرنے کے لیے اس کی پناہ میں آجانے اور خدا تعالیٰ کے پیار کو خدا کے فضل سے حاصل کرنے کے لیے جو ذریعہ ہے اس کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کہ اس وسیلہ کو تلاش کرو جو خدا تعالیٰ نے تمہارے سامنے رکھا ہے اور مَیں نے بتایا ہے کہ وہ تین باتیں ہیں۔ ان میں سے پہلی بات علم اور معرفت اور عرفان حاصل کرتا ہے اور پہلوں کے مشاہدات اور اِن کے تجربوں کے نتائج سے غفلت برت کر خود کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرتا اور ایک اس کا اپنا مشاہدہ ہے وہ بھی علم کا ذریعہ بنتا ہے ......اگر یہ پہلو یعنی

خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق علم اور معرفت رکھنا جو کہ پہلا پہلو اور بنیادی چیز ہے اگر یہ نہ ہو گا تو اِتَّقُوْا کا جو حکم ہے کہ خدا کی پناہ میں آ جاؤ اور اپنی ترقیات کے لیے اور اپنی جنتوں کے حصول کے لیے اُس کے قرب کو حاصل کرو یہ حکم پورا نہیں ہو سکتا۔ اِس علم کے نتیجہ میں پھر آگے دو چیزیں پیدا ہوتی ہیں ایک عبادت ہے خدا تعالیٰ کے حضور انسان کا سر جھک جاتا ہے اس کو ہم حقوق اللہ کی ادائیگی کہتے ہیں اور دوسرے مکارم شریعت پر عمل کرنا ہے۔

الغرض وَسِیْلَۃٌ کے لیے یعنی قرب الٰہی کے حصول کے لیے تین باتیں بتائی گئی ہیں۔ اِن میں سے پہلی بات علم ہے یعنی خدا تعالیٰ اور اُس کی صفات کی معرفت اور عرفان اور ان صفات کے جلووں پر غور کرنا جو اُس نے انسان کے سامنے اپنے کلام میں ظاہر کیے اور جو خدا تعالیٰ اپنے اس تعلق میں ظاہر کرتا ہے جو اُس کے نیک بندے اِس سے حاصل کر سکتے ہیں مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہے اُس پر غور کرنے سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ خدا تعالیٰ کتنا پیار کرنے والا، خدا تعالیٰ کس رنگ میں ربوبیت کا مظاہرہ کرنے والا اور خدا تعالیٰ کس طرح اپنی رحمانیت کے جلوے انسان پر ظاہر کرنے والا ہے۔ اعلیٰ ہذا القیاس اور اس معرفت اور عرفان کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک تو حقوق اللہ کی ادائیگی کی طرف ہمیں توجہ ہوتی ہے اور ہم عبادت کو اُس کے پورے حقوق کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور دوسرے بنی نوع انسان کے آپس کے تعلقات میں شریعت محمدیہ اور شریعت حقہ اسلامیہ کے مکارم کو اپنانے اور خدا کے پیدا کردہ انسان کے ساتھ حسنِ سلوک کے کرنے کی طرف ہمیں توجہ ہوتی ہے۔ جس سلوک کا حکم قرآن کریم کی شریعت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ اور ارشادات میں ہمیں نظر آتا ہے۔ پس وَسِیْلَۃٌ یعنی خدا تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنے کی جو راہ ہے اس کے تین طریقے بتائے گئے ہیں، تین راہوں کی تعین کی گئی ہے جو خدا تعالیٰ کے قرب تک لے جانے والی ہیں۔ ایک علم ہے یعنی معرفت اور عرفان دوسرے اس کا تقاضا عبادت اور حقوق اللہ کی ادائیگی ہے اور تیسرے مکارمِ شریعت کے مطابق انسان کے ساتھ حسن سلوک اور خدا تعالیٰ کی دوسری مخلوق کے ساتھ وہ برتاؤ ہے جیسا برتاؤ کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں کہا ہے کہ ہونا چاہیے اور جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ اور ارشادات میں ہمیں نظر آتا ہے۔

یہ تین باتیں جو وَسِیۡلَۃٌ کے اندر آتی ہیں اس کے تین دشمن ہیں اور جس وقت انسان خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ اُس کی راہ میں روک بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا عظیم رسول ایک کامل اور مکمل شریعت لے کر دنیا کی طرف آیا ایک ایسی شریعت لے کر جس نے خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا اتمام کر دیا اور ان کی تکمیل کر دی تو اُس کے بعد یہ نہیں ہوا کہ کوئی مقابلے میں کھڑا نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد یہ ہوا کہ رؤسائے مکہ نے اپنی میانوں سے تلواریں نکال لیں وہ یہ سمجھے کہ شاید تلوار کے ساتھ ہم خدا تعالیٰ کے اس سلسلہ کو، خدا تعالیٰ کے اسلام کو، خدا تعالیٰ کی کامل اور مکمل شریعت کو اور اس کامل اور مکمل شریعت کے لانے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناکام اور نامراد کر دیں گے۔ اُنہوں نے یہ سمجھا اور اُنہوں نے تلواریں نکال لیں لیکن اسلام کو ناکام کرنے کے لیے صرف ظاہری دشمن کی مادی طاقت کا مظاہرہ ہی تو نہیں ہوا صرف تلواریں ہی میانوں سے نہیں نکلیں، صرف کمانوں پر چلّے نہیں چڑھائے گئے اور ان میں تیر نہیں رکھے گئے، صرف نیزوں کی اَنیّوں کو تیز نہیں کیا گیا، صرف گھوڑوں کی پرورش نہیں کی گئی جن پر سوار ہو کر مسلمانوں کے قتل کرنے کا اُنہوں نے منصوبہ بنایا تھا بلکہ اس ظاہری دشمن کے ساتھ ساتھ ایک مخفی دشمن بھی مقابلہ پر آ گیا۔ مذہب کی اصطلاح میں اس کو شیطان کہتے ہیں۔ شیطان اپنا کام کافر کے ذریعے بھی کرتا ہے اور شیطان اپنا کام منافق کے ذریعے بھی کرتا ہے۔ وہ دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے وہ جھوٹی افواہیں پھیلاتا ہے۔ وہ ان کو اپنی جگہ سے ہلا کر اور معنی بدل کر دنیا کے سامنے پیش کرتا اور انسان کے دل میں غلط فہمیاں پیدا کرتا ہے اور پھر انسان کے اندر بشری کمزوریاں ہیں یہ صداقت کا اور خدا تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلہ میں پروئے جانے والوں کا تیسرا دشمن ہے جو کھڑا ہوتا ہے۔ یہ ہر شخص کا اپنا نفس ہے اسی واسطے قران کریم نے کہا کہ جَاهِدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِهٖ امام راغب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس جہاد اور مجاہدہ میں تینوں دشمنوں کا مقابلہ آ جاتا ہے۔ ظاہر دشمن کا بھی، شیطانی وساوس کا بھی اور اپنے نفس کی کمزوریوں کا بھی جو کہ شہوات دنیا کی طرف مائل ہو جاتا اور دنیا کے لالچ کی طرف پھسلتا اور تباہی کے سامان پیدا کرتا ہے۔

بس جہاں خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کا عرفان حاصل کرنا ضروری ہے اور قرآن کریم نے اسے بیان کیا وہاں اس کے مقابلہ میں تین دشمن بھی ہیں ایک نے کہا کہ سر پھوڑ دیں گے تمہارا اگر تم نے نمازیں

پڑھیں۔ چنانچہ مکی زندگی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک لمبا عرصہ چُھپ چُھپ کر خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے اور وہ معرفت اور علم اتنا عظیم علم، اتنا حسین علم، ایسا علم جس کے اندر احسان کی بڑی زبردست طاقتیں ہیں اس کے متعلق ظاہری دشمن نے بھی یہ اعلان کیا کہ یہ تو کوئی چیز نہیں ہے اور اس کی طاقت کوئی طاقت نہیں ہے۔ ان کے خیال میں یہ روحانی علم ایسا تھا کہ جسے تلوار کی دھار کاٹ سکتی تھی۔ تلوار کی دھار مادی چیزوں کو کاٹا کرتی ہے اور جو روحانی قوتیں اور طاقتیں ہیں انہیں تلوار کی دھار اور انہیں تیر خواہ وہ کس قدر طاقتور کمان سے ہی کیوں نہ چھوڑے جائیں اور انہیں نیزہ کی انّی نہیں کاٹا کرتی۔ وہ علم تو اپنی جگہ قائم رہنے والی روحانی طاقت ہے لیکن انہوں نے اپنے زعم میں یہی خیال کیا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے چند ایک ہیں شاید وہ ان کی گردنیں اڑا کر خدا تعالیٰ کے سلسلہ کو ختم کر دیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس ظاہری دشمن کا بھی مقابلہ کرنا ہے جب وہ ظاہری اور مادی سامان لے کر آئے تو تمہیں ظاہری اور مادی سامان لے کر اس کے مقابلہ میں جانا چاہیے خواہ اس کے مقابلہ کے لیے تمہارے پاس ظاہری اور مادی سامان ان کی طاقت کے مقابلہ میں 100 میں سے ایک بھی نہ ہو کیا ہزار میں سے ایک بھی نہ ہوں یا لاکھ میں سے ایک بھی نہ ہوں لیکن اگر تمہیں کہا جائے کہ خدا تمہیں کہتا ہے کہ ان مادی سامانوں کا مقابلہ مادی سامانوں سے کرو تو تم ان کا مقابلہ کرو۔ یہ ظاہری مادی طاقت جو بعض ہر بھرے انسانوں کے ہاتھ میں ہمیں نظر آتی ہے اس کو ناکام کرنے کے لیے خدا تعالیٰ نے غیر مادی روحانی طاقتیں بھی پیدا کی ہیں اور یہی چیز ہے جو مومن مسلم انسان کی طاقت کو ثابت کرتی ہے۔ غرض پہلے مفسرین نے بھی کہا ہے کہ جَاهِدُوا فِيْ سَبِيْلِهٖ میں تینوں دشمنوں کا ذکر آتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی تینوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور پہلوں سے بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ اور بہت زیادہ حسن کے ساتھ اور بہت زیادہ موثر طریقے پر اور بہت زیادہ قائل کرنے والے بیان کے ساتھ دنیا کو بتایا ہے۔

جَاهِدُوْا میں جس دوسرے مخالف سے مقابلہ کرنے کا ذکر آتا ہے وہ ہے شیطانی کوششوں کا مقابلہ۔ شیطان چھپی ہوئی راہوں سے آتا اور خدا کے دین کو کمزور کرنے کی کوشش کرتا ہے مثلاً پچھلے 1400 سال سے یہودی اور عیسائی اسلام کے خلاف وساوس پیدا کرنے کی انتہائی کوشش کرتے چلے آرہے ہیں لیکن

پچھلے 1400 سال میں اسلام میں ترقی اور تناظر اتار چڑھاؤ تو نظر آتا ہے لیکن کوئی زمانہ ایسا نہیں ہوا کہ جس میں خدا تعالیٰ کے لاکھوں محبوب بندوں نے اسلام کی شمع کو روشن نہیں رکھا۔ روشنی کبھی تیز تھی اور کبھی کم اس سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ قریہ قریہ اور گاؤں گاؤں اور ملک ملک ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اسلام کی شمع کو بجھنے نہیں دیا یہاں تک کہ پھر مہدی علیہ السلام بدرِ منیر کی حیثیت سے دنیا کی طرف مبعوث ہو کر آ گئے اور اب خدا تعالیٰ کے اس بندے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرزند کے ذریعہ سورج (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اخذ کی ہوئی روشنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور آپؐ سے لی ہوئی روشنی، ساری دنیا میں پھیلانے کا کام شروع ہو چکا ہے اور یہ ہر شخص کو نظر آرہا ہے عیسائیوں کو بھی اب نظر آرہا ہے کہ اسلام کی روشنی ان جگہوں پر پہنچ گئی جن کے متعلق ان کو خیال بھی نہیں تھا کہ اسلام کبھی ان کے اندھیروں کو چیرتا ہوا اپنی روشنی کی شعاعوں کے ساتھ ان اندھیروں کے بعض مقامات کو منور کرنا شروع کر دے گا۔ بہر حال جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ میں یہ حکم بھی ہے کہ شیطانی وساوس اور اعتراضات کا مقابلہ بھی انتہائی کوشش کے ساتھ کرو۔ پھر انسان کا اپنا ہی نفس اس کا اپنا ہی شیطان بن جاتا ہے اور دنیا کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور دنیا جو کسی سے وفا نہیں کرتی۔ اُس کی خاطر وہ اُس کو جس سے بڑھ کر کوئی وفا کرنے والا نہیں یعنی خدا تعالیٰ کی ذات، اُس کو وہ چھوڑ دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں اُس دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی ہمیں ہدایتیں دی ہیں جنہیں ایک مسلمان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔"

(خطبات ناصر جلد ششم صفحہ 444-451)

(کمپوزڈ: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿42﴾ ﴿مشاہدات۔546﴾

احکامِ الٰہی کی حفاظت کرو تا اللہ کو اپنے سامنے پاؤ (الحدیث)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا (الفرقان:31)

اور رسول کہے گا اے میرے رب! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو متروک کر چھوڑا ہے۔

قرآن کو یاد رکھنا پاک اعتقاد رکھنا
فکر معاد رکھنا پاس اپنے زاد رکھنا
اکسیر ہے پیارے صدق و سداد رکھنا
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ احکامِ الٰہی کی حفاظت کرو تا اللہ کو اپنے سامنے پاؤ (الحدیث)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (سواری پر) پیچھے تھا، آپ نے فرمایا: اے لڑکے! میں تمہیں چند کلمات سکھاتا ہوں، (اللہ تمہاری حفاظت فرمائے اور تم اللہ کے احکام کی حفاظت کرو)، اگر تم اللہ کے احکامات کی حفاظت کرو گے تو تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ پس جب تم کوئی چیز مانگو تو صرف اللہ سے اور جب مدد چاہو تو صرف اللہ سے۔ یہ بات سمجھ لو کہ اگر ساری امت بھی جمع ہو کر تمہیں کچھ نفع پہنچانا چاہے تو وہ تمہیں اس سے زیادہ کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتی جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور اگر تمام امت تمہیں کچھ نقصان پہنچانے پر اتفاق کر لے تو اس سے زیادہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔

(ترمذی کتاب صفة القیامة والرقائق والورع باب ما جاء فی صفة أوانی الحوض)

سامعین! اس ارشاد نبویؐ میں درج ذیل چھ امور بیان ہوئے ہیں۔

1. جو احکام الٰہی کی حفاظت کرے گا اس کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے گا۔
2. جو اللہ کے احکام کی حفاظت کرے گا تو وہ اللہ کو اپنے سامنے پائے گا۔
3. تم جو چیز بھی مانگو تو اپنے اللہ سے مانگو۔ مدد بھی اُسی سے چاہو۔
4. اللہ کے مقرر کردہ نفع سے بڑھ کر کوئی (اللہ سے) زیادہ نفع نہیں پہنچا سکتا۔
5. جو نقصان اللہ نے کسی کے لئے لکھ رکھا ہے اس سے بڑھ کر کوئی شخص کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔
6. اور آخری بات ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے کہ "قلم اٹھا لئے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں" ان الفاظ میں خدا کی تقدیر کا مضمون بیان ہوا ہے کہ اب کوئی نیا قانون، نیا صحیفہ نہیں آئے گا اور یہ کہ قرآن خاتَمُ الکتب ہے اور اللہ نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِی کہ یہ اللہ کی تقدیر ہے کہ وہ اور اس کے رسول لازماً غالب آئیں گے۔

ان چھ امور میں سے تین کا تعلق اللہ کے دیئے گئے احکام سے ہے اور تین کا تعلق اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہے اور اس دوسرے نمبر پر بیان امور اللہ کی پہچان، اس کی عبادت کرنے، اس کو یکتا جاننے، اس کی طرف جھکنے، سجدہ کرنے، اس سے مانگنے وغیرہ وغیرہ کے احکامِ الٰہی سے ہی ملتا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں بھی احکامِ الٰہی کی حفاظت کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اور ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایسا کرو گے تو اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ گویا خدا کو دیکھنے اور پانے کا پہلا ذریعہ احکام الٰہی پر عمل کرنا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مَیں تم میں دو چیزیں ایسی چھوڑے جاتا ہوں کہ جب تک تم ان پر عمل پیرا رہو گے کبھی ناکام و نامراد نہ ہو گے اور وہ کتاب اللہ یعنی اللہ کی کتاب اور سنتِ رسولہ یعنی اس کے رسول کی سنت ہے۔ (الموطا)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قرآن پر عمل کرنے والے کے والدین کو بھی ثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

جس شخص نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا تو اس کے ماں باپ کو قیامت کے روز دو تاج پہنائے جائیں گے جن کی روشنی سورج کی چمک سے بھی زیادہ ہو گی۔ (ابوداؤد)

ایک اور مقام پر فرمایا۔

قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والے کے لئے قیامت کے روز قرآن شفاعت کرے گا۔

(مسلم)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”جو شخص قرآن کے سات سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے۔“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 26)

پھر فرماتے ہیں۔

”جو شخص ان سب حکموں میں سے ایک کو بھی ٹالتا ہے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ عدالت کے دن مواخذہ کے لائق ہو گا۔“

(ازالہ اوہام حصہ دوم، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 548)

ایک اور موقع پر فرمایا۔

”قرآن شریف میں اول سے آخر تک اوامر و نواہی اور احکام الٰہی کی تفصیل موجود ہے اور کئی سو شاخیں مختلف قسم کے احکام کی بیان کی ہیں۔“

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 655)

پھر آپ علیہ السلام فرماتے ہیں۔

” تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے اُن کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔ بنی نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مَت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہو گی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 13-14)

سامعین! فرمایا:

"سب کتابیں چھوڑ دو اور رات دن کتاب اللہ ہی کو پڑھو۔ بڑا بے ایمان ہے وہ شخص جو قرآن کریم کی طرف التفات نہ کرے اور دوسری کتابوں پر ہی رات دن جھکا رہے۔ ہماری جماعت کو چاہئے کہ قرآن کریم کے شغل اور تدبر میں جان و دل سے مصروف ہو جائیں اور حدیثوں کے شغل کو ترک کریں۔ بڑے تاسف کا مقام ہے کہ قرآن کریم کا وہ اعتناء اور تدارس نہیں کیا جاتا جو احادیث کا کیا جاتا ہے۔ اس وقت قرآن کریم کا حربہ ہاتھ میں لو تو تمہاری فتح ہے۔ اس نور کے آگے کوئی ظلمت ٹھہر نہ سکے گی۔"

(ملفوظات جلد اول ایڈیشن 1988ء صفحہ 386)

"قرآن شریف پر تدبر کرو اس میں سب کچھ ہے۔ نیکیوں اور بدیوں کی تفصیل ہے اور آئندہ زمانہ کی خبریں ہیں وغیرہ۔ بخوبی سمجھ لو کہ یہ وہ مذہب پیش کرتا ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے برکات اور ثمرات تازہ بہ تازہ ملتے ہیں۔ انجیل میں مذہب کو کامل طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ اُس کی تعلیم اُس زمانہ کے حسب حال ہو تو ہو لیکن وہ ہمیشہ اور ہر حالت کے موافق ہرگز نہیں۔ یہ فخر قرآن مجید ہی کو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہر مرض کا علاج بتایا ہے اور تمام قویٰ کی تربیت فرمائی ہے اور جو بدی ظاہر کی ہے اس کے دُور کرنے کا طریق بھی بتایا ہے اس لئے قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہو اور دعا کرتے رہو اور اپنے چال چلن کو اس تعلیم کے ماتحت رکھنے کی کوشش کرو۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 102 ایڈیشن 1988ء)

احکام الٰہی پر عمل کرنے کے صحابہ رسولؐ اس قدر مشّاق تھے کہ بعض صحابہؓ نے احکامِ خداوندی کی فہرستیں تیار کر رکھی تھیں تا ان پر عمل ہو سکے۔ یہی کیفیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہؓ کی تھی۔ حضرت حکیم مولانا نور الدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے متعلق ذکر ہے کہ آپؓ نے اپنے زیر استعمال قرآن پر احکام خداوندی کی نشان دہی کر رکھی تھی۔

ایک روایت ہے کہ ایک مہاجر صحابیؓ نے قرآنی حکام کی فہرست تیار کر رکھی تھی اور اُن کی کوشش رہتی کہ کوئی ایسا حکم قرآن کا نہ رہ جائے جس پر وہ عمل پیرا نہ ہوں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ قرآنی حکم "اگر تمہیں کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو" پر تعمیل کی غرض سے مَیں ساری عمر کوشاں رہا۔ مدینہ کے ہر گھر کا

دروازہ کھٹکھٹایا کہ کوئی مجھے کہہ دے کہ مَیں اس وقت ملاقات نہیں کرنا چاہتا تم واپس لوٹ جاؤ تو مَیں واپس لوٹ آؤں۔ مگر مجھے ایسی آواز سنائی نہ دی اور یہ حکم بغیر عمل کے رہ گیا۔

(جامع البیان فی تفسیر القرآن از ابو جعفر محمد بن حریر الطبری جلد 18 زیر آیت سورۃ النور: 28 از 700 احکام خداوندی صفحہ 37)

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو حرزِ جان بنانے کا سہرا آج کے دور میں جماعت احمدیہ کے سر ہے۔ مَیں نے تقریر کے آغاز پر جس آیت کی تلاوت کی ہے اُس کے فٹ نوٹ پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے تحریر فرمایا۔

”یہ آیت صحابہ کے متعلق تو یقیناً نہیں ہے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بلکہ اس کے بعد تین صدیوں تک آنے والے صحابہ اور تابعین و تبع تابعین نے قرآن کو نہیں چھوڑا۔ لازماً یہ ایک پیشگوئی ہے جو آئندہ زمانہ میں پوری ہونے والی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم عملاً قرآن کو چھوڑ دے گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ سے اس کی شکایت کریں گے۔“

(قرآن کریم ترجمہ از حضرت خلیفہ المسیح الرابع رحمہ اللہ صفحہ 617)

اللہ تعالیٰ ہم احمدیوں کو صحابہؓ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دیتا رہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں۔

”انسان کو ہمیشہ یہ کوشش کرنی چاہئے کہ میرا مقصد اور میرا کام صرف یہ ہے کہ مَیں نے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اس کے احکامات پر عمل کرنا ہے اور اس کے بے شمار احکامات ہیں۔ ایک درجے کا آپ کو کس طرح پتہ چل سکتا ہے؟ پہلے قرآن کریم سے تلاش کریں۔ قرآن کریم کے 700 حکم ہیں یا بعض جگہ پر 1200 بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ تو کیا ان 700 یا 1200 حکموں پر عمل کر لیا ہے؟ کیا ان کی تلاش کر لی ہے؟ جب ان حکموں کی تلاش کر لی ہے اور ان پر عمل کر لیا ہے تو پھر اگلی بات آپ کریں کہ کیا اب مَیں کوئی اور درجہ دیکھوں گا تو پھر خدا تعالیٰ خود وہ درجہ عطا فرماتا ہے۔ انسان کی کوششوں سے عطا نہیں ہوتا۔ اس لئے ایک مومن کا کام یہ ہے کہ.... اس کے حکموں پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں احکام الٰہی پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(کمپوزڈ: زاہد محمود)

۞۞۞۞

﴾43﴿ ﴾مشاہدات۔97﴿

اللہ تعالیٰ سے کبھی بے وفائی نہ کرنا

رہِ خدا میں ہی جاں فدا ہو، دل عشقِ احمد میں مبتلا ہو
اس پہ ہی میرا خاتمہ ہو، یہی مرے دل کا مدعا ہے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ ؕ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَیَقۡتُلُوۡنَ وَ یُقۡتَلُوۡنَ ۟ وَعۡدًا عَلَیۡہِ حَقًّا فِی التَّوۡرٰىۃِ وَ الۡاِنۡجِیۡلِ وَ الۡقُرۡاٰنِ ؕ وَ مَنۡ اَوۡفٰی بِعَہۡدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَیۡعِکُمُ الَّذِیۡ بَایَعۡتُمۡ بِہٖ ؕ وَ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ (التوبہ:111)

یقیناً اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لئے ہیں تاکہ اس کے بدلہ میں اُنہیں جنت ملے۔ وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں پس وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ اس کے ذمہ یہ پختہ وعدہ ہے جو تورات اور انجیل اور قرآن میں (بیان ہے)۔ اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہے۔ پس تم اپنے اس سودے پر خوش ہو جاؤ جو تم نے اس کے ساتھ کیا ہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ **"اللہ تعالیٰ سے کبھی بے وفائی نہ کرنا"**

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی متبرک تحریر میں لکھے الفاظ" **اللہ تعالیٰ سے کبھی بے وفائی نہ کرنا**" نظروں میں آئے۔

یہ مبارک الفاظ پیارے حضور خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنے مبارک قلم سے تحریر فرما کر آٹو گراف کے طور پر دیئے ہیں۔ جو اَب حضور انور ہی کی تحریر میں سوشل میڈیا پر برکتیں بکھیرتے ہر جگہ

دِکھنے کو ملتے ہیں۔ اِن متبرّک الفاظ میں آٹو گراف لینے والے خوش نصیب کے لئے تو پیغام ہے ہی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان الفاظ میں جماعت کا ادنیٰ اور اعلیٰ ہر شخص، چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا خاتون، بوڑھا ہو یا نوجوان، بچہ ہو یا بچی مخاطب ہے اور ہم میں سے ہر ایک کو اس تحریر کا مخاطب سمجھنا چاہئے۔ اسی لئے خاکسار نے آج اِس پاکیزہ اور پُر معارف مضمون پر مشتمل تقریر کو موضوعِ سُخن بنایا ہے۔

دو الفاظ کے لغوی معنی

تقریر میں جانے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس اہم عنوان میں موجود دو الفاظ اللہ تعالیٰ اور بے وفائی کے لغوی و اصطلاحی معانی سامعین کے سامنے رکھے جائیں۔

اللہ

یہ خدا کا اسمِ ذات ہے۔ اس حوالے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اللہ، جو خدائے تعالیٰ کا ایک ذاتی اسم ہے اور جو تمام جمیع صفاتِ کاملہ کا مستجمع ہے۔“

(ملفوظات جلد اوّل ایڈیشن 2016ء صفحہ 86)

پھر فرماتے ہیں:

”اللہ اسم اعظم ہے اور جلالی نام ہے۔ اس کے ہمارے پاس دلائل ہیں۔ سارے قرآن شریف میں اللہ ہی کو موصوف ٹھہرایا گیا ہے۔ **لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی**۔ اس میں وہ سب نام داخل ہیں جو قرآن شریف میں ذکر کئے گئے۔ ان سب سے موصوف اللہ ہی ہے جو اسمِ اعظم ہے۔ پس اسمِ اعظم کا ظہور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ ہونا چاہئے تھا۔“

(ملفوظات جلد دوم ایڈیشن 2016ء صفحہ 90)

پس اللہ (تعالیٰ) وہ بابرکت ذات ہے جو وحدہ لاشریک ہے، وہ بے نیاز ہے، نہ اُس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور اُس کا کبھی کوئی ہمسر نہیں ہوا۔ (سورۃ اخلاص) تمام نقائص سے منزہ اور تمام صفاتِ کاملہ جن کی تعداد یکصد سے زیادہ ہے سے متصف ہے۔ خالقِ کائنات و ربُّ العالمین ہے۔ اللہ لفظ کے ساتھ ”تعالیٰ“ لگا کر اللہ تعالیٰ لکھنے اور پڑھنے میں بہت برکات ہیں۔

وفاداری دو طرح سے ہے

سامعین! اب تقریر کے اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہوئے یہ بتانا ضروری ہے کہ بے وفائی دو طرح سے ہے ایک مادی لحاظ سے شکر خداوندی کہ اللہ نے ہم سب کو اشرف المخلوقات بنایا اور دوم روحانی معنوں میں کہ اللہ نے اِس زمانے کے نبی اور امام مہدی کو ماننے کی توفیق عطا فرمائی۔

اشرف المخلوقات کی تخلیق

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں لاکھوں، کروڑوں کی اقسام وانواع میں ذی روح پیدا کئے۔ جو زمین اور پہاڑوں کی تہہ در تہہ مہیب چٹانوں میں چُھپے ہیں اور سات سمندر کے پانیوں کی اتھاگہرائیوں میں موجود ہیں۔ جن تک آج کی دنیا سائنسی دنیا میں جدید ٹیکنالوجی کے ہر قسم کے ذرائع مہیا ہونے کے باوجود آج انسان کی رسائی ممکن نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے خالق اور مالک ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک تو انسان ان کیڑے مکوڑوں، چرند پرند اور مختلف جانوروں میں سے اکثر اقسام سے بالکل ناواقف تھا، مگر آج جانوروں کی دنیا سے تعلق رکھنے والے زوآلوجی کے ماہرین اور سیاح حضرات اور ٹی وی چینلز نے اپنی دستاویزی پروگراموں اور فلموں کے ذریعہ کسی حد تک اللہ تعالیٰ کی نہاں در نہاں چھپی مخلوقات سے انسان کو آشکار کیا ہے۔ اِن میں بعض کیڑے مکوڑوں کو دیکھ کر ترس بھی آتا ہے، اِن میں بعض عجیب الخلقت ہیں۔ اِن کا کھانا پینا، چلنا پھرنا عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ جو شاید آپس میں باتیں اپنی زبان کے اشاروں کنائیوں سے کرتے ہوں گے۔ اپنا مافی الضمیر بھی بیان کرتے ہوں۔ لیکن دیگر جانوروں کی طرح شعور والی کوئی بات دِکھنے کو نہیں ملتی اور آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زرخیز سوچوں، شعور کی نعمت سے مالامال اور احسنِ تقویم پر مبنی دماغ صرف انسانوں کو عطا ہوا ہے۔ سورۃ التین میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ۔ اِس آیت کی روشنی میں انسان اشرف المخلوقات کہلایا۔ لہٰذا اِس ناطے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی ضرورت ہے جس نے ہمیں کسی جانور یا چرند پرند اور کیڑے مکوڑے کی شکل نہیں دی۔ بلکہ ایک باشعور انسان بنایا، سوچنے کے لئے دماغ دیا۔ ظاہری بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت بھی عطا کی۔ اپنی زندگیوں کی اونچ نیچ اور اِسے آرام وسکون سے گزارنے کے لئے بامقصد اور قابل استعمال بنانے کے لئے ہاتھ دیئے اور اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے پاؤں دیئے۔ ہم اپنے

مناسب حال اعضاء کو زیر استعمال لا کر اور دماغ سے سوچ سمجھ کر اپنے لئے مقصدِ حیات طے کرتے، روزی کماتے، اپنی بہترین، خوبصورت، رہن سہن کے مطابق اور باسہولت رہائش اختیار کرتے ہیں۔

پھر اس سوچ، فکر اور شکر کا ایک اور انداز بھی ہے کیونکہ اشرف المخلوقات میں بعض نابینا ہیں، بعض سماعت سے محروم ہیں۔ بعض اولاد سے محروم ہیں۔ بعضوں کے ہاں نرینہ اولاد نہیں اور بعضوں کے گھروں میں معذور اولاد موجود ہے۔ کسی کے ہاتھ نہیں۔ کوئی ٹانگوں سے محروم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو صحیح سالم انسان بنایا۔ اِس لحاظ سے اپنے اللہ کا جس قدر شکر ادا کریں کم ہے۔ اِن حالات میں اپنے اللہ کی طرف جھکنا، اُس کی عبادات بجالانا اور اُس سے بے وفائی نہ کرنا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"یہ بات قریب بہ کفر ہو جاتی ہے۔ اگر یہ تسلیم کریں کہ کوئی حرکت یا سکون یا ظلمت یا نور بدوں خدا کے ارادے کے ہو جاتا ہے اس پر ثبوت اوّل قدرت ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے دو آنکھیں، دو کان، ایک ناک دیئے ہیں۔ اتنے ہی اعضاء لے کر بچہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر اِسی طرح عمر ہے اور بہت سے امور ہیں جو ایک دائرہ کے اندر محدود ہیں۔ بعض کے اولاد نہیں ہوتی۔ بعض کے لڑکے یا لڑکیاں ہی ہوتی ہیں۔ غرض یہ تمام امور خدا تعالیٰ کے قدیر ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔"

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 24۔25)

بھائیو! آئیں! اس کو ایک اور زاویے سے دیکھیں کہ ہم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو مختلف تکلیف دہ موذی اور خطرناک بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ جن کو دیکھ کر جسم پہ کپکپی اور خوف طاری ہو جاتا ہے۔ بعض بیماریاں تو ظاہری ہیں مگر بعض ایسی پُراسرار بیماریاں ہیں جن کو ڈاکٹرز بھی سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں، اس لئے بھی اپنے اللہ سے کبھی بے وفائی نہ کرنے کے عہد و پیمان باندھنے کی ضرورت ہے۔

اسی مضمون کو اِس لحاظ سے بھی آگے بڑھایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں موت وحیات کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔ اللہ کوئی نعمت یا برکت دیتا بھی ہے تو لے بھی لیتا ہے جس کو انسان اپنی عقل کے مطابق جلد واپس لینا سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے شکوہ و شکایت شروع کر دیتا ہے۔ حضرت ایوبؑ جن کے صبر کے بارے میں قرآن کریم رطب اللسان ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ خداوند نے دیا، خداوند نے لے لیا۔ پس اس لحاظ

سے بھی اپنے پیارے اللہ کا باوفا دوست بننے کی ضرورت ہے۔ کبھی بھی شکوہ و شکایت زبان پر نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ کی انگنت نعمتیں اس جہان میں موجود ہیں جن سے انسان مالا مال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم:35) اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گنو تو کبھی ان کا شمار نہ کر سکو گے۔

اللہ تعالیٰ سے وفا نبھانے کے مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور احادیث میں بھی مختلف انداز اور اچھوتے پیراؤں میں بیان فرمایا ہے۔ مثلاً سورۃ بنی اسرائیل آیت 84 میں (یہ مضمون اور جگہوں پر بھی بیان ہوا ہے) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں تو وہ اعراض کرتا ہے اور اپنا پہلو کتراتے ہوئے پَرے ہٹ جاتا ہے اور جب اُسے کوئی شر پہنچے تو سخت مایوس ہو جاتا ہے۔ (اللہ کو کوستا اور بُرا بھلا کہتا ہے) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس حوالہ سے ایک رہنما اصول وضع کر رکھا ہے۔ فرماتا ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (ابراہیم:8)

اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں ضرور تمہیں بڑھاؤں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے۔

بھائیو! حضرت لقمانؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکمت کی باتیں عطا ہوئیں اُن میں مرکزی نقطہ شکر ہی تھا۔ کیونکہ قرآن کے حکم کے مطابق شکر کا فائدہ شکر کرنے والے کو ہی پہنچتا ہے۔ جیسے فرمایا: وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ (النمل:41)

اللہ تعالیٰ سے تمام زندگی وفا سے کام لینا اور اُس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا اِس قدر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو مقامات (النمل:20 اور الاحقاف:16) پر حقیقی شکر ادا کرنے کی توفیق مانگنے کی دعا بھی سکھلا دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ (النمل:20)

اے میرے ربّ! مجھے توفیق بخش کہ میں تیری نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر کی اور میرے ماں باپ پر کی اور ایسے نیک اعمال بجالاؤں جو تجھے پسند ہوں اور تُو مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیکو کار بندوں میں داخل کر۔

ہر دو مقام پر شکر کی دعا مانگنے کے ساتھ اِس دُعا کا جن الفاظ سے اللہ نے اختتام فرمایا ہے وہ دونوں مختلف ہیں۔ سورۃ النمل میں ذکر ہے کہ "تُو مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک کار بندوں میں داخل کر" جبکہ سورۃ الاحقاف آیت 16 میں اَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ کہ میرے لئے میری ذرّیّت کی بھی اصلاح کر دے کا ذکر ہے۔ اور ان دونوں معنوں کو اِس تقریر کے عنوان "اللہ تعالیٰ سے کبھی بے وفائی نہ کرنا" سے ملا کر دیکھیں تو اللہ تعالیٰ کا وفادار اور وفا پرست بن کر زندگی گزارنے اور اُس کا شکر ادا کرنے کے نتیجہ میں اول نیک لوگوں میں شمار رہے گا اور دوم اولاد بھی صالحین میں لکھی جائے گی۔

میرے بھائیو! عنوانِ بالا کے ذکر میں اشرف المخلوق کے حوالے سے پیدائش اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، فضلوں اور عنایات پر شکرِ خداوندی کے ذکر میں اللہ تعالی سے وفادار ہونے کا ذکر کر آیا ہوں۔ اِس دوسرے حصہ میں روحانی معنوں میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کے ذکر میں اللہ تعالیٰ سے وفادار اور وفا شعار رہنے کا بیان ہو گا۔

یہ محض اور محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اُس نے ہم میں سے بہتوں کے والدین، بزرگان، آباء و اجداد اور اسلاف کو دَورِ حاضر کے مسیح و مہدی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو ماننے کی توفیق سے نوازا اور ہم اپنے بڑوں کے اِس دور کے نبی کی بیعت کرنے اور قربانیاں دینے کی وجہ سے جماعت احمدیہ میں شامل ہوئے اور پیدائشی احمدی بنے اور بعض نیک فطرت افراد و خواتین کو اللہ تعالیٰ نے خود احمدیت قبول کرنے کے اعزاز سے نوازا۔

دوسری طرف ہم میں سے بعض خوش نصیب ہستیوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک سلام حضرت مسیح و مہدی علیہ السلام کو پہنچانے کی توفیق ملی اور صحابہ کہلائے اور یوں وہ عظیم پیشگوئی کے مصداق ٹھہرے کہ اگر برفیلے پہاڑوں پر گھٹنوں کے بل بھی چل کر جانا پڑے تو میرے مہدی کو میرا سلام کہنا۔ اِس سلام کو پہنچانے کے سلسلہ میں اِن کو اپنوں اور غیروں سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، خاندان سے جدا کئے گئے، معاشرے سے کاٹ دیئے گئے اور بائیکاٹ کا سامنا رہا اور سماجی اور معاشی طور پر الگ تھلگ کر دیئے گئے اور مجموعی طور پر دنیا کے بعض ایسے خطوں میں جیسے کہ پاکستان، الجزائر، انڈونیشیا، بنگلہ دیش، بُرکینا فاسو اور بعض عرب، مسلمان اسٹیٹس میں تمام احمدیوں کو ہی مخالفت کا سامنا رہتا ہے۔ ہم پر پتھر پھینکے

جاتے ہیں۔ نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جھوٹے مقدمات بنا کر ملک بدر، معاشرہ بدر ہونے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ کاروبار اور جائیدادیں جلائی جاتی ہیں۔ اذیتیں دے کر شہید کیا جاتا ہے۔ اِس دنیا کی بدترین مخلوق ملاں اور انتظامیہ کے ذریعہ مساجد گرائی جاتی ہیں، اُن کر مینار اور محرابیں شہید کی جارہی ہیں۔ حتّٰی کہ قبرستانوں میں احمدی وفات یافتگان بھی اُن کے ہاتھوں اور دست بُرد سے محفوظ نہیں۔ قبروں کے کتبے توڑے جاتے ہیں اور نعشوں کی بے حرمتی کرتے ہوئے اُن کو قبر میں سے نکال کر باہر رکھ دیا جاتا ہے۔

جو سچے مومن بن جاتے ہیں موت بھی ان سے ڈرتی ہے
تم سچے مومن بن جاؤاور خوف کو پاس نہ آنے دو
وہ تم کو حسین بناتے ہیں اور آپ یزیدی بنتے ہیں
یہ کیا ہی سستا سودا ہے دشمن کو تیر چلانے دو

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے ہمیں مسیح و مہدی اور اُس کی روحانی جماعت کو وٹّے اور سوٹے مارنے والوں میں شامل نہیں کیا اور احمدی گھرانوں میں پیدا فرمایا، الحمدللہ۔

بس اس خوش قسمتی کے ناطے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری نبھانے کی ضرورت ہے۔ ایک اور اعزاز بھی اللہ کے آگے شکرانے کے لئے سجدہ کرنے پر زور دیتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم احمدی اللہ تعالیٰ کے فضل ورحم اور احسان کی وجہ س سوا سو سال سے خلافت احمدیہ کے مبارک نظام سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور اس کی وجہ سے راہ راست پر رہتے ہوئے زندگیاں گزار رہے ہیں۔

میرے بھائیو! اس کی تفصیل خاکساریوں بیان کر کے اپنے اللہ سے وفاداری کا ثبوت مہیا کرنا چاہتا ہے۔

روحانی معنوں میں اللہ تعالیٰ سے وفاداری اور وفا پرستی کرنے کا ایک ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کو خلافت سے نواز رکھا ہے اور اِس وقت اِس کے پانچویں مظہر سیدنا حضرت مرزا مسرور احمد، خلیفۃ المسیح کی صورت میں ہمارے درمیان موجود ہیں۔ جن کے الفاظ "اللہ تعالیٰ سے کبھی بے وفائی نہ کرنا" پر یہ تقریر کرنے کی خاکسار کو توفیق مل رہی ہے۔ آپ ایدہ اللہ کی اطاعت اور پیروی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند اور نمائندہ سمجھتے ہوئے کرنی اور اُن سے وفا کا تعلق مضبوطی سے باندھ کر رکھنا ہم میں سے ہر ایک

کے لئے ضروری اور لازم ہے۔ آپ کے ہر لفظ پر کان دھرنا، خطبات، خطابات، نصائح اور ارشادات سن کر اپنی تربیت کے تشنہ پہلوؤں کو سیر اب کر کے بہترین عملی شکل دینا ہم پر فرض ہے۔ کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس خلافت کو خلافتِ راشدہ کا تسلسل ہی قرار دیا ہے اور اِس کا نام خلافت علی منہاج نبوۃ رکھا ہے۔ اگر ہم خلیفۃ المسیح سے وفاداری کریں گے تو یہ وفاداری اللہ سے ہو گی کیونکہ آپ اِس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے اللہ تعالیٰ کے نمائندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ سے وفاداری یوں ہے کہ ہم احکام خداوندی پر کان دھریں۔ قال اللّٰہ وقال الرسولؐ کو حرزِ جان بنائیں۔ عبادات کا حق ادا کرنے والے ہوں۔ نمازیں پڑھیں۔ نوافل پڑھیں۔ تسبیحات کریں۔ اُس کے بندوں کے حقوق ادا کریں جو اُس کی مخلوق ہیں اور اشرف المخلوقات داخل ہونے کے لحاظ سے احترام کے قابل ہیں۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام اور احمدیت کی تاریخ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور بزرگ اسلاف نیز مخلص احباب جماعت کی مالی، جانی، عزت اور وقت کی قربانیوں سے بھری پڑی ہے۔ جماعت احمدیہ میں حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف شہیدؓ اور حضرت عبد الرحمٰن شہیدؓ کی کابل میں شہادتوں، پاکستان میں آئے دن ہونے والی شہادتوں بالخصوص 28 مئی 2010ء کو لاہور میں 85 کے مخلصین احمدیت احباب کی شہادتوں اور پھر بیرون پاکستان میں شہادتوں کی ایک لمبی فہرست ہے جس میں حال ہی میں افریقی ملک بُرکینا فاسو نے بھی شامل ہو کر اللہ سے وفاداری کا ثبوت دیا ہے۔ جنہوں نے اپنی جانیں محض للہ جانِ آفرین کے سپرد کر دیں مگر اسلام احمدیت اور اپنے خاندان پر ذرہ بھر بھی حرف اور عزت پر آنچ نہیں آنے دی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ شہادت سے قبل بعض جماعت احمدیہ کے بہادر سپوتوں کو لالچ دیا گیا مگر ان وفاداروں نے اس لالچ کو جوتے کی نوک پر رکھ کر رد کر دیا اور دشمنوں کو شکستِ فاش سے دوچار کر دیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی قربانیوں کی بنیادوں پر جماعت احمدیہ کی ترقیات کی بلند وبالا عمارت ایستادہ ہے۔ قربانیوں کا یہ سلسلہ اور یہی وہ وفا تھی جو صحابہؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے جماعت احمدیہ مسلمہ میں منتقل ہوئی اور مسلسل ہوتی جارہی ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی ہوتی چلی جائے گی۔

تری محبت کے جرم میں ہاں جو پیس بھی ڈالے جائیں گے ہم
تو اس کو جانیں گے عین راحت، نہ دل میں کچھ خیال لائیں گے ہم
ہوا ہے سارا زمانہ دشمن، ہیں اپنے بیگانے خوں کے پیاسے
جو تو نے بھی ہم سے بے رُخی کی تو پھر تو بس مر ہی جائیں گے ہم

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس سلسلہ میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ ہم میں سے بعض کو ان کے بزرگوں کی نیکیوں کی وجہ سے اس سلسلہ کو شناخت کرنے کی توفیق عطا ہوئی اور ہم احمدی خاندانوں میں پیدا ہوئے اور بعض کو خود اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی کہ وہ بیعت کر کے سلسلے میں داخل ہوئے اور یہ سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ جاری رہے گا تا کہ ہم اس گروہ خاص میں شامل ہو جائیں جس نے شیطان کے خلاف اسلام کی آخری جنگ لڑ کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والا بننا ہے۔ اس وجہ سے ہم میں سے بعض کو بعض ممالک میں سختیوں اور ابتلاؤں سے بھی گزرنا پڑ رہا ہے کہ ہم نے اس زمانہ کے امام کو مانا ہے۔ لیکن ایک عظیم مقصد اور غرض کے حصول کے لئے ہماری قربانیاں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو بے شمار تحریرات میں ہمیں ہمیشہ ان امتحانوں اور ابتلاؤں سے آگاہ فرماتے رہے جو آج بھی موجود ہیں کہ ابتلاء آئیں گے، تمہیں آزمایا جائے گا اور پھر اس کے نتیجہ میں خوشخبریاں بھی دیں۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ: ”اس وقت میرے قبول کرنے والے کو بظاہر ایک عظیم الشان جنگ اپنے نفس سے کرنی پڑتی ہے۔ وہ دیکھے گا کہ بعض اوقات اس کو برادری سے الگ ہونا پڑے گا۔ اس کے دنیاوی کاروبار میں روک ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس کو گالیاں سننی پڑیں گی۔ لعنتیں سنے گا۔ مگر ان ساری باتوں کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں ملے گا۔“

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 16 جدید ایڈیشن)

آج اس زمانہ میں بھی ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان الفاظ کو جو آپؑ نے فرمائے بعض ملکوں میں بعینہٖ اسی طرح پورا ہوتے دیکھ رہے ہیں اور آج بھی جو احمدی قربانیاں کر رہے ہیں وہ یقیناً

اللہ تعالیٰ کا اجر پانے والے ہیں۔ ان دنوں میں پاکستان میں اور پاکستان کے بعد ہندوستان میں بھی خاص طور پر غیر احمدیوں نے نومبائعین کے ساتھ انتہائی ظلم کا سلوک روا رکھا ہوا ہے۔ پاکستان میں بھی نئی حکومت کے بعد احمدیوں پر ہر قسم کی ظلم و زیادتی کو کارِ ثواب سمجھا جاتا ہے۔ مولویوں کو حکومت نے کھلی چھٹی دے رکھی ہے اور ان لوگوں کے عزائم اور منصوبے انتہائی خوفناک اور خطرناک ہیں۔ ایک تو ملک میں ویسے بھی قانون نہیں ہے۔ آج کل لاقانونیت کا دَور دَورہ ہے اور پھر احمدیوں کے لئے تو رہا سہا قانون بھی کسی قسم کی مدد کرنے کے قابل نہیں ہے۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ جب بھی یہ لوگ جماعت کے خلاف کوئی بڑا منصوبہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ ان کے مکر ان پر الٹا دیتا ہے اور ان کو اپنی پڑ جاتی ہے۔ گزشتہ چند سالوں سے ہم یہی دیکھ رہے ہیں اور ان دنوں میں بھی بظاہر یہی نظر آتا تھا کہ ایک منصوبہ جماعت کے خلاف بنانے کی کوشش کی جاری ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے خود ملک میں ایسی افراتفری پیدا کر دی کہ ان کو اپنی پڑ گئی۔

پس جہاں جہاں بھی احمدی ظلم کا نشانہ بن رہے ہیں وہ یاد رکھیں کہ یہ شیطان کے ساتھ آخری جنگ ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر آپ اس فوج میں داخل ہوئے ہیں جو اس زمانے کے امام نے بنائی۔ اس لئے اپنے ایمانوں کو مضبوط کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ سے ثبات قدم اور استقامت مانگتے ہوئے ہمیشہ اور ہر وقت صبر اور حوصلے کا مظاہرہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کے آگے مزید جھکیں۔ آخری فتح ان شاء اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کی ہی ہے۔ جیسا کہ آپؑ نے فرمایا ہے کہ ان شیطانی اور طاغوتی قوتوں کو شکست دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم فرمایا ہے۔ لیکن ایک بات ہمیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ بیرونی شیطان کو شکست دینے کے لئے جو اندرونی شیطان ہے اس کو بھی زیر کرنا ہوگا۔ کیونکہ ہماری فتح مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جڑنے کی وجہ سے ظاہری اسباب سے نہیں ہونی بلکہ دعاؤں سے ہونی ہے اور دعاؤں کی قبولیت کے لئے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی رضا کے مطابق چلنے والا بنانے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے نفس کا جہاد بھی بہت ضروری ہے۔“

(خطبہ جمعہ 6/مئی 2009ء)

اب خاکسار اپنی تقریر کے اختتام پر حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت اقدس میں یہ عہد کرتا ہے کہ اے خلیفۃ المسیح ! آج ہم عہد کرتے ہیں کہ اپنے خالق حقیقی اللہ تعالیٰ سے ہم اور ہماری اولادیں اپنی زندگیوں میں کبھی بھی بے وفائی نہیں کریں گے۔ خلافت احمدیہ کے مرتے دم تک وفادار رہیں گے اور آپ نے خلافت جوبلی کے موقع پر جماعت احمدیہ کو جو خلافت سے وفا و اطاعت کا عہد عطا فرمایا ہے، اس کے ہر لفظ پر ایمان لائیں گے اور اس پر عمل یقینی بنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

صادق ہے اگر تو صدق دکھا، قربانی کر ہر خواہش کی
ہیں جنسِ وفا کے ماپنے کے دنیا میں یہی پیمانے دو

✡✡✡✡

﴿44﴾ ﴿مشاہدات۔59﴾

اللہ کا رنگ پکڑیں

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

صِبۡغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَةً

کہ اللہ کا رنگ پکڑو اور رنگ میں اللہ سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے؟

پیارے بھائیو اور بہنو! آج میری تقریر کا عنوان ہے **"اللہ کا رنگ پکڑیں"**

قرآن کریم کی تلاوت کے دوران جب بار بار صفات باری تعالیٰ سے گزر ہوتا ہے تو ہر صفت پر سورت البقرہ کی آیت 139 ذہن میں آتی ہے اور اللہ کے رنگ اپنانے کے حوالہ سے اُس اللہ کی ہر صفت پکار پکار کر یہ دعوت دیتی ہے کہ میرے اندر بیان مضمون یا مفہوم کا لبادہ اوڑھیں تا نَحۡنُ لَهٗ عٰبِدُوۡنَ میں بیان عبادت گزاروں کی صفات کو اپنا کر اللہ تعالیٰ کے حقیقی عبد بن جائیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے یعنی انسان جو اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس میں یہ استعداد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو ظلی طور پر اپنا سکے۔

(مسند احمد از حدیقۃ الصالحین صفحہ 40)

پھر فرمایا کہ

اللہ (ذاتی نام) کے علاوہ اس کے ننانوے صفاتی نام ہیں جو شخص زندگی میں ان کو مد نظر رکھے گا اور ان کا مظہر بننے کی کوشش کرے گا وہ جنت میں داخل ہو گا۔

(ترمذی از حدیقۃ الصالحین صفحہ 33-34)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

”خدا تعالیٰ تو ہر ایک انسان کو اپنی معرفت کے رنگ میں رنگین کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کو خدا تعالیٰ نے اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔“

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 23 جدید ایڈیشن ربوہ)

سامعین! اللہ اور اس کے بندے کا تعلق کا مضمون بہت گہرا ہے۔ جسے چند منٹ کی ایک تقریر میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم یہاں اللہ تعالیٰ کی چند ایسی صفات کا ذکر کروں گا، جن کو ایک مؤمن یا مؤمنہ اپنے اندر حلول کرے تو حقیقی معنوں میں اللہ کے رنگ میں رنگین ہو سکتا ہے۔ جیسے رمضان میں ایک مومن کم کھا کر، کم سو کر اور کم بول کر اللہ تعالیٰ سے مشابہت یا مماثلت اختیار کر تا لیتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن صفات کا نام لیا ہے۔ اس میں سب سے پہلے ”الرب“ کی صفت ہے۔ جس کے معنی ہیں پالنے والا۔ اس صفت کی مناسبت سے والدین بالخصوص ماں اپنے بچوں کو پالتی پوستی ہے۔

اس صفت کے تحت ہم میں سے ہر ایک مربی ہے۔ ہمیں اپنے خاندان اور پھر معاشرہ میں پلنے والے تمام بچوں کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

پھر ایک صفت الرحمٰن بمعنیٰ بن مانگے دینے والا ہے۔ اللہ سے مماثلت کرتے ہوئے ماں باپ اپنی اولاد کی ایسی ضروریات کا خود خیال کرتے ہیں۔ ہمیں معاشرہ میں بھی رحمٰن صفت کے تحت مستحق لوگوں کی ضروریات کا خود خیال رکھنا چاہیے۔

- الرحیم صفت کے معانی ہیں نہایت رحم کرنے والا۔ جو کوئی بھی اپنی ضروریات ہمارے سامنے رکھے ہمیں اللہ کی اس صفت کے تحت حسب توفیق مستحق و غرباء کی ضروریات کو پورا کرنا چاہیے۔
- السّلام بمعنیٰ سلامتی والا۔ ہمیں بھی اس صفت کو اپنے اندر اتار کر اپنے ارد گرد بسنے والے تمام لوگوں کے لیے سلامتی کا موجب بننا چاہیے۔
- المؤمن بمعنیٰ امن دینے والا۔ جس طرح ہم سلامتی کا موجب ہوں۔ اسی طرح ہمارے پلیٹ فارم سے امن شانتی کا ہی پیغام سب کو جانا چاہیے۔

•المهيمن بمعنیٰ پناہ دینے والا۔ مخلوق کو ہماری کوکھ میں سکون ملنا چاہیے اور پناہ کا موجب بنیں۔

•الجبار بمعنیٰ جوڑنے والا۔ ٹوٹے کام بنانے والا۔ یہ صفت تقاضا کرتی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک خاندان کو جوڑنے والا ہو۔ بگڑے کاموں کو سنوارنے والا ہو۔

•الغفّار بمعنیٰ بخشنے والا۔ ہمیں غفور خدا کا رنگ اپنے اوپر چڑھاتے ہوئے لوگوں کے لیے معافی کا پیغمبر بن کر جانا چاہیے۔

•الوھاب بمعنیٰ بہت دینے والا۔ جب خدا دیتا ہے تو اس کی اقتداء میں ہمیں بھی مخلوق کو دینے والا ہونا چاہیے۔ اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيرٌ مِّنَ الْيَدُ السُّفْلىٰ۔

•الرزاق بمعنیٰ رزق دینے والا۔ اللہ تو بغیر حساب کے دیتا ہے۔ انسان کو اللہ کی مخلوق جو اس کی عیال ہے، کا خیال رکھنا چاہیے اور اپنے سے کم تر لوگوں کے لیے رزق فراہم کرنے والا بننا چاہئے۔

•الباسط بمعنیٰ کشادہ کرنے والا۔ اپنے ہاتھ کو دوسروں کے لیے ہمیشہ کشادہ رکھنے والا ہو۔

•الرافع بمعنیٰ بلند کرنے والا۔ کبھی انسان کے ساتھ تحقیر آمیز رویہ نہ رکھیں بلکہ اس کے مقام و مرتبہ کو بلند کرنا چاہیے۔

سامعین! پھر ایک صفت المعزّ بمعنیٰ بہت عزت دینے والا ہے

•السميع بمعنیٰ بہت سننے والا۔

سامعین! انسان کے اندر یہ ایک خامی پائی جاتی ہے کہ وہ دوسروں کی باتوں کو ذرا کم سنتا اور اپنی ہانکتا چلا جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ السمیع ہے جو اپنی مخلوق کی دادرسی کرتا ہے۔ مخلوق اپنے اللہ سے باتیں کرنا پسند کرتی ہے چونکہ وہ سنتا ہے۔ ایک مشہور مصنفہ ہیلن کیلر جو خود سماعت، گویائی اور نظر سے محروم تھیں کہتی ہیں کہ سننے کی صلاحیت تو اکثر لوگ رکھتے ہیں مگر سماعت کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔

•البصیر بمعنٰی دیکھنے والا۔ انسان عموماً دیکھی ان دیکھی کر جاتا ہے اور آنکھوں سے دیکھ کر بھی نہ سبق حاصل کرتا ہے اور نہ دوسروں کے لیے رہنما بنتا ہے جبکہ کہا جاتا ہے کہ خوبصورتی منظر میں نہیں ہماری آنکھ میں ہوتی ہے۔ اس کو بصارت بولتے ہیں۔ اگر بصارت حاصل ہو تو پھر اللہ تعالیٰ بصیرت بھی عطا کر دیتا ہے۔

•العدل بمعنٰی انصاف کرنے والا۔ ایک مومن کو اپنے خالق اللہ کے تابع رہتے ہوئے اپنے آپ اور معاشرے میں بسنے والوں سے عدل و انصاف سے پیش آنا چاہیے۔ اور میانہ روی ومتوازن زندگی گزارنی چاہیے۔

•الحلیم بمعنٰی بُردباد، نرمی حلم والا۔ اپنے خالق سے پیار رکھنے والے ایک مؤمن اور مؤمنہ کو حلیم وودود بن کر خاندان اور معاشرہ میں لوگوں سے حلم نرمی پیار، رافت اور بردباری سے پیش آنا ضروری ہے۔

•الغفور بمعنٰی بار بار مغفرت کا عادی۔ یعنی بار بار معاف کرنے والا۔ ہم انسانوں کو بھی اپنے ماحول میں بسنے والوں کی غلطیوں کو بار بار معاف کرنا چاہیے۔

•الشکور بمعنٰی قدردان۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک اہم صفت ہے۔ جس کے تحت اللہ، اپنے بندوں کی اداؤں اور اپنے ساتھ بندوں کی محبت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس لئے بندوں کو بھی معاشرہ میں اس صفت کو رواج دینا چاہیے اور معاشرہ میں بسنے والے اپنے ساتھی بھائیوں اور بہنوں کی قدر کرنی چاہیے۔

•الحفیظ بمعنٰی حفاظت کرنے والا ہے۔ اس صفت کے تحت ہم اللہ سے اپنی حفاظت کے طلب گار ہوتے ہیں۔ اس دنیا میں ہمیں بھی ایک دوسرے کی حفاظت کے ضامن بن کر سامنے آنا چاہیے۔ دوسرے کی ذات پر کیچڑ اچھالنا اور اسے ذلیل کرنے کی اسلام ہر گز اجازت نہیں دیتا۔

•المقیت بمعنیٰ نگران غذا بہم پہنچانے والا۔ اصل میں مقیت اس کو کہتے ہیں جو مخلوقات کو خوردونوش کی اشیاء پہنچائے۔ اپنی حکمت اور مرضی سے جس کو جس قدر چاہے رزق پہنچائے۔ جو انسان کو چاہے وہ دے۔

•الکریم بمعنیٰ عزت دینے والا۔ اس صفت کے تحت احترام آدمیت و انسانیت لازم ہے۔ بڑوں کو تو ہم عزت و احترام کا درجہ دیتے ہی ہیں۔ اپنے چھوٹوں اور اپنے سے کم مرتبہ، کمزوروں، خادموں اور مزدوروں سے بھی عزت سے پیش آنا اور ان کا احترام کرنا لازم ہے۔

•المجیب بمعنیٰ قبول کرنے والا۔ جواب دینے والا۔ گو ان خوبیوں کے حوالہ سے کچھ گفتگو اوپر ہو چکی ہے لیکن خصوصی طور پر اس صفت کو اپنا کر ہر بندے کی بات کو سننا اور جواب دینا نیز اس کی خدمات و جذبات کو قبول کرنا بھی ضروری ہے۔ ورنہ تو بعض متکبرانہ رنگ میں سوالی یا مخاطب کی بات سن تو لیتے ہیں مگر حقارت سے جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

•الودود بمعنیٰ محبت کرنے والا۔ خدائے عزوجل کی جو بنیادی صفات ہیں۔ ان میں یہ ایک صفت ہے جس کے نظارے ہم روزانہ اپنی زندگیوں میں بھلائی و خیر کی صورت میں دیکھتے ہیں۔ ہمیں آپس میں محبت و شفقت، اخوت والفت کو اپنانا چاہیے اور ہمیں ایک دوسرے سے محبت پیار سے پیش آنا چاہیے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کو ہدایت فرمائی کہ ''الودود الولود '' سے شادی کرو یعنی ایسی خاتون سے جو بچے جننے والی اور محبت کرنے والی ہو۔

•الوکیل بمعنیٰ کام سنبھالنے والا۔ ہم اِس لفظ کو اپنے معاشرے میں کثرت سے استعمال کرتے ہیں اور ہم جائز و ناجائز معاملات میں ایک دوسرے کی وکالت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ جبکہ ان معنوں میں معاشرہ کے بے بس و مجبور لوگوں کے کام کرنے اور سنبھالنے کا ذکر ہے۔

بھائیو! الولیُّ بمعنیٰ حمایت کرنے والا دوست۔ یہ لفظ ولایت سے نکلا ہے۔ معاشرہ میں انسان کو خود سری سے پیش نہیں آنا چاہیے بلکہ جائز کاموں کی حمایت کرنا اور ایک دوسرے کو دوست بنا کر گزر بسر کرنی چاہیے۔ انسان کو زندگی گزارنے کے لیے کئی ایسے پیشہ رکھنے والے لوگوں

کی ضروریات رہتی ہے جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس ناطے خیر خواہی کے جذبات رکھ کر دوستی کو اپنانا اور ولی بنانا ضروری ہے۔

•الحیُّ القیوم بمعنیٰ زندہ اور سب کو تھامنے والا۔ بظاہر دیکھنے سے یہ صفات صرف اور صرف خدا کے لئے مختص نظر آتی ہیں۔ لیکن گہرائی سے سوچنے پر اس کے ایسے معانی سامنے آتے ہیں جو ہر انسان اپنے خالق حقیقی کا مظہر بن کر اپنے اوپر لاگو کر سکتا ہے۔ انسان بظاہر تو زندہ ہے اور اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لیے کئی جتن بھی کرتا ہے۔ لیکن اخلاقی و روحانی اعتبار سے اپنے آپ کو زندہ رکھنے اور دوسرے گرتے پڑتے لوگوں کو تھامنے اور ان کو اخلاقیات سے آراستہ کرنے کا مفہوم اس میں موجود ہے گویا کہ داعی الی اللہ بننے کے لیے ان صفات کو اپنے وجود میں اتارنا چاہیے۔

•الماجد بمعنی عزت دینے والا۔ اس حوالہ سے بھی اوپر گفتگو گزر چکی ہے۔ معاشرے میں ہر انسان کو عزت کے ساتھ رہنے کا حق ہے اور دوسروں کی عزت کرنا بھی اتنا ہی فرض ہے جتنا اپنی عزت کے ساتھ دنیا میں رہنے کا حق ہے۔

•المقدّم بمعنی آگے کرنے والا۔ انسان کو اس صفت سے اپنے آپ کو رنگین کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں، کولیگز کو معاشرے میں اچھے معنوں میں پیش کرنے، انہیں ترقیات کے لئے آگے کرتے رہنا چاہیے۔

•الاوّل بمعنیٰ سب سے پہلے۔ **سامعین!** مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مکرم سید میر محمود احمد عفی عنہ نے مسجد مبارک ربوہ میں حدیث کے درس میں یہ اہم نکتہ اپنے شاگردوں کو سمجھایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ''الاوّل '' ہے۔ آپ کو بھی دنیا کے ہر میدان میں اول رہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

•اَلْبَرُّ بمعنی احسان کرنے والا۔ اسلامی تعلیمات میں احسان سے پیش آنے کی بہت تلقین ملتی ہے۔ والدین، عزیز و اقارب، کمزوروں، یتیموں، بے کسوں، خادموں، مزدوروں اور پسے ہوئے طبقہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آکر ''اَلْبَرُّ ''صفت کا لبادہ انسان پہن سکتا ہے۔

•الستار بمعنیٰ ستر یعنی پردہ پوشی کرنے والا۔ معاشرے میں بالعموم غیروں کی برائیوں کو اچھالنے، تجسس و عیب جوئی کرنے کی عادت عام ہوتی ہے۔ جبکہ خدائے کریم و برتر نے آپ کے بے شمار عیوب کو ڈھانپ رکھا ہے۔ اس کے پیش نظر ہم پر لازم ہے کہ ہم دوسروں کے عیوب کو عیاں کرنے کی بجائے ستر، پردہ پوشی، چشم پوشی سے کام لیں۔

بھائیو! باقی صفات میں سے التوّاب بمعنیٰ رجوع کرنے والا ہے۔ گھروں میں برتن رکھے ہوں وہ آپس میں ٹکرا کر آواز پیدا کر ہی دیتے ہیں۔ اسی طرح معاشرہ میں لڑائی جھگڑا اور تو تکرار ہونا بھی حقیقت ہے۔ مگر اس کے بعد اکڑ میں رہنا اور میل ملاقات بند کر دینا انسانیت کے دائرہ سے باہر جانے کی بات ہے۔ رجوع کر کے اللہ کی صفت کو اپنے اوپر چڑھانا ضروری ہے۔

•العفو بمعنیٰ معاف کرنے والا۔ یہ صفت تو بہت واضح ہے۔ ہم ہر روز گناہ کرتے ہیں اور پھر اللہ سے معافی کے طلبگار ہوتے ہیں اور وہ ہمیں معاف بھی کر دیتا ہے۔ ہم بار بار غلطی کرتے ہیں اور وہ بار بار رجوع برحمت ہو کر ہمیں معاف کرتا چلا جاتا ہے۔ جبکہ ہم اپنے ہی کسی ساتھی کی ایک ہی غلطی کو دل میں بٹھا کر سالوں سال انتقام کی آگ میں جلتے بھڑکتے اور معاف کرنے کا نام ہی نہیں لیتے اور خدا سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہماری غلطیوں کو معاف کرتا رہے۔ اللہ کی صفت ''العفو'' کو اپنا کے اسے معاشرہ میں عام کرنے کی ضرورت ہے۔

•الرؤوف بمعنیٰ مہربانی کرنے والا۔ معاشرہ کو حسین اور اسلامی بنانے کے لیے یہ صفت بھی ہر فرد کو اپنانا ضروری ہے۔ اگر ہم معاشرے میں ایک دوسرے سے مہربانی، رافت و نرمی سے پیش آئیں تو ہر جگہ اللہ ہی اللہ ہو اور معاشرہ جنت نظیر بن جائے۔

•اَلْمُقْسِطُ بمعنیٰ انصاف کرنے والا۔ اوپر ''العدل'' صفت کے تحت انصاف کا ذکر ہو آیا ہے عدل اور قسط میں معمولی فرق ہے لیکن مفہوم وہی ہے جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔

•النافع بمعنیٰ نفع پہنچانے والا۔ ہمارے معاشرہ میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے کسی کو نفع کی امید نہیں کی جاتی۔ جبکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ''النافع'' کو سامنے رکھ کر انسان کو دوسروں کے لیے نفع رساں وجود بننا چاہیے۔

•النور بمعنیٰ روشن کرنے والا۔ اللہ کی اس صفت کو مد نظر رکھ کر انسان کو دوسروں کے لیے روشنی کا مینار بن کر علمی، اخلاقی، معاشرتی روشنی سے متمتع کرتے رہنا چاہیے۔

•الھادی بمعنیٰ ہدایت دینے والا۔ ویسے تو ہدایت اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے لیکن ہدایت بمعنی راہنمائی لیے جائیں تو ایک مومن دوسرے مومن کے لیے راہنمائی کے اصول وضع کرتا ہے۔

•الرشید بمعنیٰ نیک راہ چلنے والا۔ یہ لفظ بھی رشد یعنی ہدایت و رہنمائی سے نکلا ہے۔ ایک مومن کو خود بھی نیکی کی راہیں اختیار کرنی چاہیں اور دوسروں کو بھی نیکی کی راہوں پر چلانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ الغرض اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ کی دعا کو ہر وقت مشعل راہ بنائے رکھنا چاہیے۔

پیارے بھائیو! ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ صِبۡغَۃَ اللّٰہِ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبۡغَۃً۔ وَنَحۡنُ لَہٗ عٰبِدُوۡنَ (البقرۃ:139) کہ اللہ کا رنگ پکڑو اور رنگ میں اللہ سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے اور ہم اُسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ پس مقصدِ پیدائش کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ کا رنگ پکڑنے، اُس کی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے تبھی انسان حقیقی عبد بن سکتا ہے۔ دنیاوی رشتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ پیار کا یہ رشتہ تو ایک طرف رہا، خونی رشتے تو ایک طرف رہے، آقا اور غلام کے رشتوں میں بھی غلام اپنے آقا کی پسند اور ناپسند کو اپنے اوپر طاری کر لیتا ہے یا اس کی کوشش کرتا ہے۔ ان رشتوں میں تو بعض دفعہ دکھاوا اور جھوٹ بھی شامل ہو جاتا ہے اور فائدہ بھی یقینی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ مختلف قصے آتے ہیں ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک بادشاہ کا درباری تھا، بادشاہ کو کہیں سے بینگن تحفہ آئے اور اُس کی بڑی تعریف ہوئی تو اس نے روزانہ وہی کھانے شروع کر دیئے۔ درباری نے بے تحاشہ اُس کی تعریفیں کیں، اتنی زیادہ مبالغہ آمیز تعریفیں کہ حد کر دی۔ آخر بادشاہ نے ہر کھانے پر جب اُسے کھانا شروع کیا تو بیمار ہو گیا۔ اُس بادشاہ نے جب اس کی بد تعریفی کی تو اُسی درباری نے اُس کی بد تعریفیں شروع کر دیں۔ تو بادشاہ نے پوچھا پہلے تم تعریف کر رہے تھے اب تم بد تعریفیں کر رہے ہو۔ اس نے کہا جی حضور میں تو آپ کا غلام ہوں، ان بینگنوں کا غلام تو

نہیں۔ تو یہ رنگ نہیں چڑھتا۔ اُس نے تو اپنے پر وہ رنگ چڑھانے کی کوشش کی تھی کہ جو مالک کہہ رہا ہے میں بھی وہ کہتا جاؤں لیکن اللہ تعالیٰ کا رنگ ایسا ہے جو انسان جب چڑھاتا ہے تو اپنی دنیا و عاقبت سنوار لیتا ہے۔ خدا تعالیٰ جو زمین و آسمان کا مالک ہے، اُس کے رنگ میں رنگین ہونے والا تو اپنی دنیا و عاقبت سنوار رہا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنا کر ایک بندہ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ یہی رنگ ہے جو مومن اپنے اوپر چڑھاتا ہے تو اپنی پیدائش کے حقیقی مقصد کو حاصل کر لیتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کا عبد بننے کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بننے کی بھی ایک مؤمن کو کوشش کرنی چاہئے۔ اُن چیزوں کو کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، وہ اعمال بجالانے کی کوشش کرنی چاہئے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ اُن باتوں سے رُکنا چاہئے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ تبھی صحیح رنگ میں انسان اللہ تعالیٰ کا عبد بن سکتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کا رنگ اختیار کرنے کی کوشش کرو، اُس کی صفات کا مظہر بننے کی کوشش کرو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت انسان کو عطا فرمائی ہے کہ وہ یہ صفات اپنا سکے۔ اور پھر اپنے دائرہ کے اندر اُن صفات کا اظہار بھی کر سکے۔ انسان اپنے دائرہ میں مالکیت کا رنگ بھی اختیار کر سکتا ہے، رحمانیت کا رنگ بھی اختیار کر سکتا ہے، رحیمیت کا رنگ بھی اختیار کر سکتا ہے، ربوبیت کا رنگ بھی اختیار کر سکتا ہے، ستار ہونے کا رنگ بھی اختیار کر سکتا ہے، وہاب ہونے کا رنگ بھی اختیار کر سکتا ہے بلکہ ایک عام انسان کی زندگی میں بسا اوقات ان باتوں کے اظہار ہو بھی رہے ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگ ہیں جو ان صفات کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں لیکن اس نیت سے نہیں کہ خدا کے رنگ میں رنگین ہوں۔ لیکن ایک حقیقی مؤمن جو ہے، وہ مومن جو خدا تعالیٰ کی رضا اور اُس کے پیار کو چاہتا ہے، اُس کی نشانی یہ ہے کہ ان صفات کا اظہار اس لئے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے پیار کو جذب کرنے کے لئے ان صفات کا اظہار ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے ان صفات کا اظہار ضروری ہے۔ انسانیت کو برائیوں سے بچانے کے لئے ان صفات کا اظہار ضروری ہے۔ اپنے مقصدِ پیدائش کے حصول کے لئے ان صفات کا اظہار ضروری ہے۔ تو یہ رنگ اپنانا اور ان کا اظہار کرنا پھر ثواب بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیار کو جذب کرنے والا بن جاتا ہے۔"

(خطبہ جمعہ 10 اگست 2012ء)

پیارے بھائیو! یہاں خاکسار نے وقت کی مناسبت سے اللہ تعالی کی 40 صفات کا اختصار سے ذکر کیا ہے۔ جو صرف ایک نوالہ کے طور پر ہے تا ان کی روشنی میں ہم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی ہر صفت سے رنگیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بن کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

﴿45﴾ ﴿مشاہدات۔1015﴾

اَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ (القصص:78)

جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے تُو بھی لوگوں پر احسان کر

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰکَ اللّٰہُ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ (القصص:78)

اور جو کچھ اللہ نے تجھے عطا کیا ہے اس کے ذریعہ دارِ آخرت کمانے کی خواہش کر اور دنیا میں سے بھی اپنا معیّن حصہ نظر انداز نہ کر اور احسان کا سلوک کر جیسا کہ اللہ نے تجھ سے احسان کا سلوک کیا اور زمین میں فساد (پھیلانا) پسند نہ کر۔ یقیناً اللہ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا

ڈھونڈو وہ راہ جس سے دل و سینہ پاک ہو
نفسِ دَنی خدا کی اطاعت میں خاک ہو
ملتی نہیں عزیزو! فقط قصّوں سے یہ راہ
وہ روشنی نشانوں سے آتی ہے گاہ گاہ

معزز سامعین! سورہ القصص کی آیت 78 کے اِس مختصر ٹکڑے میں ایک ایک اہم خُلق کو نہایت اچھوتے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ خُلق ایک حکم کی صورت میں بیان ہوا ہے۔ اِس میں وہی طریق سمجھایا گیا ہے کہ جب بیٹے کو اُس کے والد کے حوالے سے بتایا جاتا ہے کہ بیٹا! والد کے تُم پر بہت احسانات ہیں۔ اُس نے تمہیں اُس وقت پالا پوسا جب تُم اپنے آپ کو ہلانے جُلانے کے قابل نہ تھے۔ اُس نے تمہیں پڑھایا لکھایا، تمہیں رشتۂ ازدواج سے منسلک کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اِن احسانات کا بدلہ اب تُم اپنے والد کے ساتھ احسان کا سلوک کرکے نرمی اور رافت کے ساتھ دو۔ اِسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ بھی باپ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُس

نے ہمیں اشرف المخلوقات بنایا، سب سے پہلے انسان کی صورت میں اُس نے ہماری تخلیق کی ہے۔ تمام اعضاء کے ساتھ مکمل اور صحیح سالم انسان بنایا یعنی معذور پیدا نہیں کیا۔ معاشرہ میں مقیم انسانوں کو بعض اوقات جو متعدّی اور موذی بیماریاں لاحق ہیں اُن سے محفوظ رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور جماعت احمدیہ میں پیدا کیا یا بعض کو احمدیت قبول کرکے اِس نعمت سے مالا مال کیا۔ اے اللہ! تُو نے صفت الرحمان کے تحت ہمارے بغیر مانگے ہماری جملہ ضروریات پوری کیں اور نعماء سے نوازا۔ صفَت الرحیم کے تابع ہماری دعاؤں اور التجاؤں کو سن کر ہماری اُمنگوں اور آرزوؤں کے مطابق ہمیں دیا۔ ہمیں اعلیٰ تعلیم سکھلائی۔ ہمیں ہُنر سکھلائے۔

اللہ تعالیٰ نے بھوک جیسے عذاب سے محفوظ رکھا، دوسری مخلوق سے بہتر بنایا، بُری عادات سے محفوظ رکھا۔ ہسپتال میں پڑے مریضوں کو دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کرنے کو دل کرتا ہے کہ اُس نے ایسی بیماریوں سے بچایا۔ بعضوں کو سانس کی موذی تکلیف ہے اللہ نے اِس سے ہم کو بچایا۔ انسان بنایا، جانور اور چرند پرند نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہر ضرورت سے مستفیض فرمایا ہے۔ خلافت جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی، نیک صالح ساتھی اور اولاد سے نوازا۔ علیٰ ھذا القیاس۔ ہر انسان کو اپنے اپنے دائرہ کے حساب سے اپنے اور اپنے اہل خانہ کے اوپر ہونے والی نعمائے الٰہی کا سوچ کر اپنے اللہ کے حضور جھکنا، اُس کی عبادت کرنا، اُس کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اصول اِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ کے تحت شکرِ الٰہی کرنے پر اللہ تعالیٰ ان نعماء کو لازوال بنائے گا اور مزید نعماء و افضال سے نوازے گا۔ اس پر مزید مہربان ہوگا اور مزید نیک کاموں کی توفیق ملتی رہے گی۔

یہ اللہ کے ایسے احسانات ہیں جن کا انکار نہیں۔ اِس اب ہمارا فرض ہے کہ ہم اے اللہ! تیرے اِس احسانات کا پَرتَو آگے تیری مخلوق جس کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَلۡخَلۡقُ عَیَالُ اللّٰہِ، پر احسان کریں یُوں ہم تیرے حکم **اَحۡسِنۡ کَمَاۤ اَحۡسَنَ اللّٰہُ اِلَیۡکَ** (القصص:78) پر عمل کرنے والے ہوں گے۔ پس ہم اِس حکمِ خداوندی کو حرزِ جان بنائیں تا تیرے شکر گزار بندے بنیں رہیں۔

سامعین مکرم! احسان کا لفظ بہت وسیع معانی اپنے اندر رکھتا ہے۔ نیکی، اچھا سلوک، مہربانی، اچھا برتاؤ، اچھے سلوک کا احترام یعنی شکر گزاری کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ آج تقریر کے موضوع پر احسان

اُتارنے کا محاورہ استعمال ہوتا ہے یعنی سلوک کے بدلے اچھا سلوک کرنا، بھلائی کا عوض دینا۔ اللہ تعالیٰ نے احسان کے لفظ کو قرآنِ کریم میں بیشتر مقامات پر استعمال فرمایا ہے۔ اِس کی اہمیت و افادیت اور برکات کا ذکر فرمایا ہے بلکہ ایک موقع پر فرمایا کہ اللہ تعالی کو محسنین یعنی احسان کرنے والے بہت پسند ہیں ۔ پھر برکات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ (الاعراف:57)۔ کہ یقیناً اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب رہتی ہے۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے احسان کو عدل اور اِیۡتَآءِ ذِی الۡقُرۡبٰی کے درمیان بیان فرما کر مؤمنوں کو یہ بتایا ہے کہ نیکی کے میدان میں آگے بڑھنے کے یہ تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ اگر کوئی ہم سے نیکی کرتا ہے تو اِس کے بدلے ہم اُس سے اُتنی نیکی کریں۔ یہ عدل ہو گا۔ دوسرے درجہ میں اُس نیکی سے بڑھ کر بدلے میں نیکی کرنا احسان کہلائے گا جس کا ذکر اِس تقریر میں ہو رہا ہے۔ اِس کی مثال یُوں دی جا سکتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے اونٹ قرض کے طور پر لیا اور جب واپسی کا وقت آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے بہتر، تگڑا اور خوبصورت اونٹ واپس کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اِس احسان کا ذکر سورۃ الرحمٰن آیت 61 میں یُوں فرمایا ہے۔ هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ کہ کیا احسان کی جزاء احسان کے سوا بھی ہو سکتی ہے؟۔ یعنی نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اور تیسرا درجہ اِیۡتَآءِ ذِی الۡقُرۡبٰی کا ہے کہ جیسے والدین اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت اور افزائش بغیر کسی لالچ کے کر رہے ہوتے ہیں اور اپنی خدمت کا کوئی مطالبہ نہیں کرتے۔ یہ ایتاء ذی القربیٰ ہے۔ حضرت خلیفۃُ المسیح الرابعؒ نے سورۃ النحل کے تعارفی نوٹ میں اِس فلسفہ کو یوں بیان فرمایا ہے۔

”قرآن کریم کی تعلیم ہر چیز پر حاوی ہے۔ اس کی مثال آیت کریمہ نمبر 91 ہے جو خود اخلاقی اور روحانی تعلیمات کو سمیٹے ہوئے ہے اور ان پر حاوی ہے۔ سب سے پہلے عدل کا ذکر فرمایا گیا جس کے بغیر دنیا میں کوئی اصلاح ممکن نہیں۔ پھر احسان کا ذکر فرمایا گیا جو انسان کو عدل سے ایک بالا مقام عطا کرتا ہے۔ پھر اِیۡتَآءِ ذِی الۡقُرۡبٰی فرما کر اس مضمون کو آخری بلندی تک پہنچا دیا گیا کہ وہ بنی نوع انسان کی ہمدردی میں اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ جیسے ماں اپنے بچوں پر کرتی ہے اور اس کے بدلہ میں کسی خدمت یا صلہ کا واہمہ تک اس کے دل سے نہیں گزرتا اور یہ اعلیٰ ترین مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا تھا کہ آپ ہر قسم کے عوض کے تصور سے پاک رہ کر بنی نوع انسان کو فیض پہنچا رہے تھے۔“

(تعارف سورۃ النحل از حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

یہ آیتِ قرآنیہ یوں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَاِيۡتَآئِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَيَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ وَالۡبَغۡىِ ۚ يَعِظُكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ (النحل:91)

یقیناً اللہ عدل کا اور احسان کا اور اقرباء پر کی جانے والی عطا کی طرح عطا کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور ناپسندیدہ باتوں اور بغاوت سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم عبرت حاصل کرو۔

سامعین! احسان کا ذکر ہمارے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بار بار ملتا ہے۔ آپؐ اِس پر عمل پیرا بھی رہے اور اپنی تقاریر، خطبات وخطابات کے آغاز پر جو تشہد پڑھتے اُس میں عدل واحسان کی تعلیم پر عمل کرنے کی یاددہانی بار بار کرواتے کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ کہ اللہ تم کو عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو برابری کے سلوک کی تلقین تو فرمائی ہے لیکن اپنے ساتھ ہونے والے نیک اور عمدہ سلوک سے کہیں اچھا اور بڑھ کر سلوک کرنے کی تلقین ''احسان'' کے لفظ میں کر دی۔ جیسے ماں ہمیشہ اپنے ساتھ کئے گئے سلوک سے کہیں بڑھ کر بغیر کسی غرض اور لالچ کے اولاد کے ساتھ سلوک کرتی ہے۔ اِسے احسان کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔

سامعین! اپنے اصل مضمون کی طرف لوٹتے ہوئے سورۃ القصص آیت 78 میں مؤمنوں کی ذمہ داریاں بیان ہوئی ہیں۔ اِس آیت میں احسان کے معانی بیان ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کے آغاز میں فرمایا وَابۡتَغِ فِيۡمَاۤ اٰتٰٮكَ اللّٰهُ الدَّارَ الۡاٰخِرَةَ کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا کیا ہے اُس کے ذریعہ دارِ آخرت کمانے کی خواہش کر۔ مَیں نے جو تمہیں عطا کیا ہے نیک اعمال اور تقویٰ کی صورت میں۔ اِس کو بڑھاتا رہ تا آخرت میں اپنا گھر خریدنے کے قابل ہو سکے مگر آخرت کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے دنیا ومافیہا کی نعمتوں کو نہیں بھولنا۔ درمیان میں **اَحۡسِنۡ كَمَاۤ اَحۡسَنَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ** لا کر پھر زمین میں فتنہ وفساد سے بچنے کا ذکر فرمایا ہے گویا کہ احسان کی تعلیم دینے میں زمین سے ملنے والی نعماء کو نہ بھولنے کی تلقین کر کے تکبّر سے دُور رہتے ہوئے دنیا میں فساد پھیلانے سے پرہیز کی تعلیم دی گئی ہے۔

حضرت خلیفۃُ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں کہ

”لَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا یعنی دار آخرت کے حصول کے حکم کے یہ معنی نہیں کہ دنیا بالکل چھوڑ دو بلکہ اسلام دین میں، دنیا میں ایک حد بندی چاہتا ہے چنانچہ بعض اوقات نماز پڑھنا بھی منع ہے۔ اِس واسطے صوم متواتر اور ساری رات جاگنے کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ واٰلِہٖ وسلم نے منع فرمایا۔“

(حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 324)

احسان کے مضمون کو مختلف پہلوؤں سے اللہ تعالیٰ نے اپنی الٰہی کتاب قرآنِ کریم میں 200 کے لگ بھگ بیان فرمایا ہے۔ احسان کا بنیادی نکتہ یا سبق کہہ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء آیت 79 میں اِن الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

اللہ کے احسانوں کے ذکر میں ایک حدیث بیان کرنی ضروری ہے جس میں احسان کی جامع تعریف بیان ہوئی ہے۔ ایک روز حضرت جبرائیل علیہ السلام، بارگاہ رسالتِ مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں انسانی شکل میں حاضر ہوئے اور ایمان، اسلام اور احسان کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کئے۔ احسان کے سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا:

”احسان یہ ہے کہ تُو اللہ کی عبادت اِس طریق پر کرے گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تُو اللہ کو نہیں دیکھ رہا تو کم از کم تمہارا یہ یقین ہو کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔“

(متفق علیہ)

ایک مومن کی اپنے ربّ کی خاطر ہر حرکت، ہر ادا، ہر نیکی اور ہر عمل عبادت کا ہی ایک رنگ رکھتا ہے۔ اس ناطے ہر عمل، ہر حرکت اور اسلام کی خاطر ہر ادا کے وقت ایک مومن کی یہ کیفیت اور سوچ ہونی چاہئے کہ مَیں خدا کو دیکھ رہا ہوں یا کم از کم یہ سوچ ہو کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ انسان کی اس اعلیٰ کیفیت کا نام احسان ہے اور یہی احسان کی جامع و مانع تعریف ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تم اپنے اللہ کی ایسی بندگی کرو کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔

سامعین! اب ہمیں اسلامی تعلیم کی روشنی میں ”اَحْسِنْ“ پر غور کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں درجہ بدرجہ کون کون آتا ہے۔ ہر انسان خود بھی انسانوں کے زُمرے سے ہے اس لئے احسان کا مضمون انسان

کے اپنے آپ سے، اپنے نفس سے شروع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا (بنی اسرائیل:8) اگر تم اچھے اعمال بجالاؤ تو اپنی خاطر ہی اچھے اعمال بجالاؤ گے اور اگر تم بُرا کرو تو خود اپنے لئے ہی بُرا کرو گے۔

میرے بھائیو! انسان کی سوچ سے یہ چیز بسا اوقات باہر ہوتی ہے کہ انسان اپنے لئے بھی بُرا سوچ سکتا ہے۔ یہ مضمون اتنا گہرا ہے کہ انسان بالعموم غیروں کے شر سے بچنے کے لئے خود دعا بھی کرتا ہے اور دوسروں سے بھی کرواتا ہے لیکن اپنے نفس کے شر سے بچنے کی دعا تو کیا؟ اِس کا سوچنا بھی نہیں۔ جبکہ ہر انسان کے اندر ایک اور انسان موجود ہے جو ظاہری طور پر نظر آنے والے انسان سے نیکیاں کروا کر اُسے راہِ راست پر بھی رکھتا ہے اور بعض اوقات اُسے پھسلا کر بُرے اور قبیح کام کروا کر دوزخ کی طرف بھی لے جاتا ہے۔ اس لئے ہم میں سے ہر انسان کو اَوامر پر عمل کرنا اور اُن نواہی سے بچنا چاہئے جو "فَلَهَا" کے تحت آتے ہیں جیسے جھوٹ، چغلی، غیبت، تجسس وغیرہ وغیرہ۔

سامعین! اشرف المخلوقات کے حوالے سے احسان کے دائرے یا مدراج میں دوسرا نمبر والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا ہے۔ جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (بنی اسرائیل:24)

کہ تیرے ربّ نے صرف اپنی بندگی کرنے کا حکم دیا ہے اور اپنے والدین کے ساتھ احسان کرو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی توحید اور بندگی اختیار کرنے کے ساتھ والدین سے احترام کا تعلق روا رکھنے اور اُن کے ساتھ احسان سے پیش آنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اِس کی بڑی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب اللہ کسی نفس کو زمین میں لانے کا فیصلہ کرتا ہے تو والدین کو ذریعہ بناتا ہے جن کی اطاعت و احترام لازم ہے۔

تیسرے نمبر پر عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرنے کا ذکر اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ آیت 84 میں یوں فرماتا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا

کہ جب ہم نے بنی اسرائیل کا میثاق (اُن سے) لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے اور والدین سے احسان کا سلوک کرو گے اور قریبی رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے بھی اور لوگوں سے نیک بات کہا کرو۔

سامعین! اسلام، سلامتی کا مذہب ہے اور یہ سلامتی اپنوں سے نکل کر غیروں کی طرف جاتے اپنے دائرہ کو وسیع کرتی جاتی ہے اور معاشرہ میں بسنے والے کمزور، لاغر اور مستحق لوگوں کو اپنا حصہ بناتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دائرہ سے متعلقہ لوگوں کے ساتھ احسان سے پیش آنے کا ذکر سورۃ النساء آیت 37 میں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ

کہ والدین کے ساتھ احسان کرو اور قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکین لوگوں، رشتہ دار ہمسائیوں اور غیر رشتہ دار ہمسائیوں اور اپنے ہم جلیسوں سے بھی اور مسافروں سے بھی احسان کرو۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں کمال حکمت سے ہمسایہ میں قریب اور دور کے ہمسائے سے حسن سلوک کی تلقین فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں 40 گھروں تک ہمسایہ کا درجہ دیا ہے بلکہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمسائے کے لئے سالن میں پانی ڈالنے کی بھی تلقین فرمائی اور فرمایا:

وَاَحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَكَ تَكُنْ مُسْلِمًا

یعنی ہمسایہ کے ساتھ عمدہ ہمسائیگی کرو تا تم کامل مسلم بنو۔

اس طبقہ کے ساتھ حسن سلوک اور اُن کے ساتھ احسان کرنا معاشرہ کے وقار کو بلند کرنا ہے اور اِس کو اسلامی معاشرہ کا نام دیا جاسکتا ہے۔ جماعت میں ایسے ایسے حسین اور نیک لوگ بھی ہیں جو اپنی شب وروز دعاؤں میں ایسے لوگوں کو بھی شامل رکھتے ہیں جو اُجرت پر گھروں میں کام کرتے ہیں۔ جو گھر میں دودھ مہیا کرنے والے (دودھی) کو، جمعدار اور گھر میں کام کاج کرنے والی ماسی کو اپنی تہجد کی دعاؤں میں شامل رکھتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ہماری خدمت کے لئے مامور کیا ہے۔ خواہ رقم لے کر یہ خدمت کرتے ہیں اگر یہ نہ ہوں تو ہماری زندگی بہت مشکل ہو جائے۔

1947ء میں پارٹیشن کے وقت قادیان میں مقامات مقدسہ کی حفاظت کرنے والے درویشانوں میں حضرت مصلح موعودؓ نے موچی، قصائی، دودھی اور دوسرے کام کرنے والے لوگوں کو شامل فرمایا تھا تا اگر احمدی مسلمانوں کو حصار میں رہنا پڑے تو ایک ہی جگہ میں ہر انسانی ضرورت پوری کرنے والے لوگ میسر آسکیں۔ تو ایسے لوگ ہماری دعاؤں کے جہاں مستحق ہوتے ہیں وہاں ہمارے پیار، محبت اور احسان و مروّت کے بھوکے بھی ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اِس دائرہ کو اِس حد تک بڑھایا ہے کہ طلاق یا خلع کے وقت عورتوں کو احسان کے ساتھ رخصت کرنے کی تعلیم تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ (البقرہ:230) کے الفاظ میں دی ہے۔ نیز غصہ پی جانے والوں ،لوگوں کو معاف کرنے والوں کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ نے وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ کے الفاظ کو استعمال فرما کر سبق دیا کہ غصہ پینا اور لوگوں سے نرمی کا سلوک بھی احسان کرنا ہی ہے۔ یہ تعلیم آج کے دور میں اس لئے بھی ضروری اور اہم ہے کہ عدمِ برداشت نام کی کوئی چیز دنیا کے معاشرہ میں نظر نہیں آتی۔

عقیدہ و مذہب سے بالا ہو کر احسان کرنا

میرے بھائیو! اللہ کی مخلوق جو اس کی "عیال" ہے سے احسان و مروّت سے پیش آنے کا ایک دائرہ بلا تمیز مذہب و عقیدہ کے پیار و محبت سے ملنا اور سلامتی کی فضا برقرار رکھنا ہے۔ جس کی آج دنیا بھر میں تمام مذاہب کو اپنانے کی بہت ضرورت ہے جبکہ ان مذاہب میں جنگ کی سی کیفیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ آیت 14 میں اِن کے ساتھ جو مخالفت کرتے، دشمنی کرتے اور مذہب اور اس کے ماننے والوں کو نقصان پہنچاتے ہیں احسان کا سلوک روا رکھنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ

یعنی اِن سے درگزر کر اور صرفِ نظر بھی۔ یقیناً اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

3۔ نباتات جمادات اور حیوانات کے ساتھ احسان کرنا

سامعین! اسلام ایک آفاقی مذہب ہے۔ اس کی تعلیمات بھی عالمگیر اور تا قیامت قابل عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ، ہر جگہ اصلاح کی طرف توجہ دلائی ہے اور فساد سے نفرت کی تعلیم دی ہے۔ اشرف المخلوقات کے ساتھ حسنِ سلوک اور احسان و مروّت، محبت سے پیش آنے کی تعلیم اور اُن سے متعلق احکامات دینے

کے بعد ضروری تھا کہ دنیا میں دوسری پائی جانے والی مخلوق اور دیگر مرئی اور غیر مرئی اشیاء کے ساتھ احسان کے سلوک کا ذکر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جنگوں میں درختوں اور نباتات اور دیگر اشیاء کو تباہ نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ اور گدھوں پر اُن کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنے سے صحابہؓ کو منع فرمایا۔

ایک صحابی نے پرندے کے انڈے گھونسلے سے نکال لئے۔ آپؐ نے انہیں دوبارہ گھونسلے میں رکھنے کو فرمایا۔ آگ اور پانی کے عذاب یعنی اِن سے کسی کو تباہ وبرباد کرنے سے منع فرمایا۔ زمین میں اصلاح کرنے اور فساد سے باز رہنے کے بعد فرمایا:

اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ (الاعراف:57)

کہ اللہ کی رحمت محسنوں کے قریب ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جابجا لکھا ہے کہ ”میں احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہوں“ یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے جو احسان برتنے والوں کو دیا جاتا ہے۔ ہم سب پر لازم ہے کہ ہم اپنی زندگیوں میں احسان کے مضمون کو پھیلائیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الۡاِحۡسَانَ عَلٰی کُلِّ شَئٍ

(مسلم)

کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا بھر کی ہر چیز میں احسان کو ضروری قرار دیا ہے۔

لٰہذا ہمیں زندگی کے ہر موڑ پر احسان کو ملحوظ رکھنا چاہئے صرف اپنے نفس کے ساتھ ہی نہیں، اپنی صحت، اپنے علم، اپنی عقل، اپنی روح، اپنے کاروبار، اپنی عبادت، اپنے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں بالخصوص دفاتر میں اپنی مُفوضہ ذمہ داریوں اور ڈیوٹی کی ادائیگی میں احسان کو مد نظر رکھنا ہوگا۔ ہمارے ایشیائی معاشرے میں دفاتر کے حقوق کماحقہ ادا نہیں کئے جاتے۔ وقت کی پابندی کا خیال رکھا جائے۔ کام بروقت کیا جائے۔ آج کا کام کل پر نہ ڈالا جائے، استاد بھی ٹیچنگ میں احسان کو مدّ نظر رکھیں۔ الغرض اپنے ذمہ ہر ڈیوٹی کو باحسن طریق سرانجام دیا جائے، اس ضمن میں احسان کا یہ اصول مدّ نظر رہے کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے اور اردو زبان میں احسان کے معنی ایک دو یا تین لئے جاتے ہیں جبکہ یہ عربی کا لفظ ہے اور عربی

زبان میں احسان کے بہت وسیع معانی ہیں۔ ان تمام معانی کو مدّ نظر رکھ کر احسان کے بارے میں مَیں نے اپنی تقریر میں تفصیل بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

میرے بھائیو اور بہنو! ایک دفعہ ایک عورت اپنی دو بچیوں کے ہمراہ دربار رسالت مآبؐ میں حاضر ہوئیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر پر نہ تھے۔ حضرت عائشہؓ کے پاس ایک ہی کھجور تھی جو آپ نے ماں کو دے دی۔ اِس ماں نے اُسے دو بچیوں میں نصف نصف تقسیم کر دیا اور خود کچھ نہ کھایا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے یہ قصہ آپؐ کو سنایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو بچیوں سے آزمایا اور اس باپ نے اُن کے ساتھ احسان کا سلوک کیا تو اس سے جہنم دور کر دی جائے گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”بعد اس کے اِیۡتَآءِ ذِی الۡقُرۡبٰی کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہاری پرستش اور تمہاری محبت اور تمہاری فرمانبرداری سے بالکل تکلّف اور تصنّع دور ہو جائے اور تم اس کو ایسے جگری تعلق سے یاد کرو کہ جیسے مثلاً تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو اور تمہاری محبت اس سے ایسی ہو جائے کہ جیسے مثلاً بچہ اپنی پیاری ماں سے محبت رکھتا ہے۔

دوسرے طور پر جو ہمدردی جو بنی نوع سے متعلق ہے اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ اپنے بھائیوں اور بنی نوع سے عدل کرو اور اپنے حقوق سے زیادہ ان سے کچھ تعرض نہ کرو اور انصاف پر قائم رہو۔ اور اگر اس درجہ سے ترقی کرنی چاہو تو اس سے آگے احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تُو اپنے بھائی کی بدی کے مقابل نیکی کرے اور اس کی آزار کی عوض میں تُو اس کو راحت پہنچاوے اور مروّت اور احسان کے طور پر دستگیری کرے۔ پھر بعد اس کے اِیۡتَآءِ ذِی الۡقُرۡبٰی کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تُو جس قدر اپنے بھائی سے نیکی کرے یا جس قدر بنی نوع کی خیر خواہی بجالاوے اس سے کوئی اَور کسی قسم کا احسان منظور نہ ہو بلکہ طبعی طور پر بغیر پیش نہاد کسی غرض کے وہ تجھ سے صادر ہو جیسی شدتِ قرابت کے جوش سے ایک خویش دوسرے خویش کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔ سو یہ اخلاقی ترقی کا آخری کمال ہے کہ ہمدردی خلائق میں کوئی نفسانی مطلب یا مدعا یا غرض درمیان نہ ہو بلکہ اخوت و قرابتِ انسانی کا جوش اس اعلیٰ درجہ پر نشوونما پا جائے کہ خود بخود بغیر کسی

تکلف کے اور بغیر پیش نہاد رکھنے کسی قسم کی شکر گذاری یا دعا یا اَور کسی قسم کی پاداش کے وہ نیکی فقط فطرتی جوش سے صادر ہو۔"

(ازالہ اوہام حصہ دوم، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 551-552)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہ صرف اپنے بھائیوں، عزیزوں، رشتہ داروں، اپنے جاننے والوں، ہمسایوں سے حسن سلوک کرو، ان سے ہمدردی کرو اور اگر ان کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے تو اُن کی مدد کرو، ان کو جس حد تک فائدہ پہنچا سکتے ہو فائدہ پہنچاؤ بلکہ ایسے لوگ، ایسے ہمسائے جن کو تم نہیں بھی جانتے، تمہاری ان سے کوئی رشتہ داری یا تعلق داری بھی نہیں ہے جن کو تم عارضی طور پر ملے ہو ان کو بھی اگر تمہاری ہمدردی اور تمہاری مدد کی ضرورت ہے، اگر ان کو تمہارے سے کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے تو ان کو ضرور فائدہ پہنچاؤ۔ اس سے اسلام کا ایک حسین معاشرہ قائم ہو گا۔ ہمدردیٔ خلق اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو فائدہ پہنچانے کا وصف اور خوبی اپنے اندر پیدا کر لو گے اور اس خیال سے کر لو گے کہ یہ نیکی سے بڑھ کر احسان کے زمرے میں آتی ہے اور احسان تو اس نیت سے نہیں کیا جاتا کہ مجھے اس کا کوئی بدلہ ملے گا۔ احسان تو انسان خالصتاً اللہ تعالیٰ کی خاطر کرتا ہے۔ تو پھر ایسا حسین معاشرہ قائم ہو جائے گا جس میں نہ خاوند بیوی کا جھگڑا ہو گا، نہ ساس بہو کا جھگڑا ہو گا، نہ بھائی بھائی کا جھگڑا ہو گا، نہ ہمسائے کا ہمسائے سے کوئی جھگڑا ہو گا، ہر فریق دوسرے فریق کے ساتھ احسان کا سلوک کر رہا ہو گا اور اس کے حقوق اسی جذبہ سے ادا کرنے کی کوشش کر رہا ہو گا۔ اور خالصتاً اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کا پیار حاصل کرنے کے لئے، اس پر عمل کر رہا ہو گا۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 12 ر ستمبر 2003ء)

اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو احسان کے باریک معنوں کو سامنے رکھ کر اس کا لبادہ اوڑھنے کی توفیق عطا فرماتا رہے اور شکر الٰہی کے بہترین طریق پر عمل کرنے والا بنائے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی تسبیح کو اپنی زندگیوں کا حصہ بنائے اور اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنَ کے مطابق شکر الٰہی کرنے والا بنائے۔ آمین ثم آمین

﴿46﴾ ﴿مشاہدات۔794﴾

عشقِ الٰہی وَسّے منہ پر وَلیاں ایہہ نشانی

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا۔ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا

(الاحزاب:45-46)

اے نبی! یقیناً ہم نے تجھے ایک شاہد اور ایک مبشّر اور ایک نذیر کے طور پر بھیجا ہے اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے اور ایک منور کر دینے والے سورج کے طور پر۔

معزز سامعین! آج خاکسار کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک الہامی مصرع "**عشقِ الٰہی وَسّے منہ پر وَلیاں ایہہ نشانی**" پر گفتگو کرنی ہے۔

سامعین! جیسا کہ مَیں اوپر بیان کر آیا ہوں کہ یہ مامورِ زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پُنجابی میں الہامی مصرع ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ ولیوں کی صداقت اُن کے منہ سے پہچانی جاتی ہے کیونکہ عشقِ الٰہی اُن کے مونہوں پر وسدا اے۔ اُن کے چہروں پر نظر آتا ہے۔ ویسے تو جب سے دنیا بنی ہے اور لوگوں کی اصلاح اور تربیت کی خاطر انبیاء کے آنے کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ اِس کے ذیل میں خلفاء و اولیاء بھی وقتاً فوقتاً آتے رہے یہ تمام کے تمام یا اِن کی صداقت اِن کے چہروں سے عیاں ہوتی رہی۔ چونکہ یہ الہامی مصرع سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کا ہے اِس لئے مجھے آج اپنی تقریر میں اِسے آپؑ پر ہی لاگو کر کے آپؑ کی صداقت بیان کروں گا۔ اِس الہامی فقرے کو دو حصوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ اوّل۔ آپؑ کے عشقِ الٰہی کے واقعات اور دوم۔ آپؑ کے چہرے سے عیاں ہوتی ہوئی صداقت۔ مجھے آج اِس دوسرے حصّہ کو سامنے رکھ کر اپنا مافی الضمیر بیان کرنا ہے۔

مکرم مولانا جمیل الرحمان رفیق صاحب نے اپنی تحقیق میں اِس حوالہ سے لکھا ہے کہ

"...بعد میں اچانک ذہن میں پنجابی زبان کا ایک قطعہ اُبھرا جو لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ کا خوبصورت ترجمہ ہے۔ یہ قطعہ خاکسار نے جماعتی لٹریچر میں اُن دنوں پڑھا تھا اور زبانی یاد بھی ہو گیا تھا جب خاکسار آٹھویں نویں جماعت کا طالبعلم تھا۔ وہ قطعہ یہ تھا:

عشق الٰہی منہ پر وَسّے ولیاں ایہہ نشانی
لاثانی دا جو ہے عاشق اُس کا کوئی نہ ثانی
بکری بھیڈ خدا دی راہ وچہ کُہنا ہے کی مشکل
جو ہن کُہندے نفس دَنی نوں سچّی ایہہ قربانی

میرے خیال میں یہ قطعہ حضرت مسیح موعودؑ کا تھا۔ اِس پر تحقیق کی تو درّ ثمین میں صرف یہ مصرع "عشق الٰہی وسّے منہ پر ولیاں ایہہ نشانی" بطور الہام الٰہی درج تھا۔ مگر پورا قطعہ ساری درثمین میں نہ ملا۔ میرے ذہن میں یہ مصرع یوں تھا "عشق الٰہی منہ پر وسّے" جبکہ اصل مصرع یوں نکلا "عشقِ الٰہی وسّے منہ پر"... اب خیال آیا کہ یہ قطعہ کسی احمدی شاعر نے حضورؑ کا الہامی مصرع شامل کر کے لکھا ہو گا۔ مزید تحقیق پر یہ چیز سامنے آئی جو میری درخواست پر خاکسار کے ایک دوست کی تحقیق کا نتیجہ ہے کہ یہ سارا قطعہ حضورؑ کا ہی ہے جو محمد فخر الدین صاحب ملتانی نے اپنی کتاب دُرِّ مکنون جس کا حصہ اول 1916ء میں اور دوسرا حصہ 1917ء میں شائع کیا اِس میں درج کیا ہے۔ دُرِّ مکنون میں انہوں نے حضورؑ کے وہ اشعار اور مصرعے درج کیے ہیں جو اِس سے قبل کسی کتاب میں شائع نہیں ہوئے تھے۔ خاکسار نے ضرور درمکنون ہی سے یہ قطعہ پڑھ کر یاد کر لیا ہو گا۔ سوائے معمولی لفظ کے آگے پیچھے ہونے کے باقی سارا قطعہ بالکل وہی ہے۔ فالحمد للہ علی ذالك"

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 28 اپریل 2022ء)

سامعین! حضرت مسیح موعودؑ، پُرنور روحانی چہرہ سے شناخت کے حوالے سے اپنا کشف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ایک دفعہ مَیں نے دیکھا کہ ایک وسیع میدان ہے۔ اِس میں مجذوب (جس میں محبت الٰہی کا جذبہ ہے) میری طرف آرہاہے۔ جب میرے پاس پہنچا تواُس نے یہ پڑھا عشق الٰہی وسّے منہ پر ولیاں ایہہ نشانی“

(البدر)

پھر آپؑ فرماتے ہیں:

”کوئی صاحبِ نور دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا جاتا ہے اور جب وہ آتا ہے تواُس کی طرف مستعد روحیں کھنچی چلی آتی ہیں اور پاک فطرتیں خود بخود روبحق ہوتی جاتی ہیں اور جیسا کہ ہرگز ممکن نہیں کہ شمع کے روشن ہونے سے پروانہ اس طرف رخ نہ کرے ایسا ہی یہ بھی غیر ممکن ہے کہ ہر وقت ظہور کسی صاحبِ نور کے صاحبِ فطرت سلیمہ کا اس کی طرف بارادت متوجہ نہ ہو“

(روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 646)

سینکڑوں لوگ اس نورانی مکھڑا کو دیکھ کر انوارِ ماموریت بھانپ گئے اور اس سے خود بھی نور لیا۔ جیسے حضرت مولوی حکیم نورالدینؓ۔ آپؓ نے دیکھتے ہی فرمایا:

یہی مرزاہے اور اس پر سارا ہی قربان ہو جاؤں۔

پھر فرمایا:

”دیکھو! خدا تعالیٰ کا مامور ہمارے سامنے موجود ہے اور خود اس مجلس میں موجود ہے۔ ہم اس کے چہرے کو دیکھ سکتے ہیں۔ یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ ہزاروں ہزار ہم سے پہلے گزرے جن کی دلی خواہش تھی کہ وہ اس کے چہرہ کو دیکھ سکتے پر انہیں یہ بات حاصل نہ ہوئی اور ہزاروں ہزار اس زمانہ کے بعد آئیں گے جو یہ خواہش کریں گے کہ کاش وہ مامور کا چہرہ دیکھتے۔ پر ان کے واسطے یہ وقت پھر نہ آئے گا۔“

سامعین! حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

”چہرہ دیکھتے ہی مجھے انہوں نے قبول کرلیا اور کمال انشراح سے میرے دعویٰ مسیح موعود ہونے پر ایمان لائے۔“ (روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 329)

آپ نے خود فرمایا:

’’مَیں نے ایسا پُر نور حُسن کبھی بھی نہیں دیکھا‘‘

ابو سعید عرب نے بیان کیا ہے کہ

مَیں نے ایک دفعہ ایک چینی کے سامنے حضرت مسیح موعودؑ کی تصویر پیش کی۔ وہ کچھ دیر دیکھتا رہا اور بولا! یہ شخص کبھی جھوٹ بولنے والا نہیں ہے۔ پھر ابو سعید بیان کرتے ہیں مَیں نے دیگر بادشاہوں کی تصویریں پیش کیں۔ جنہیں وہ دیکھ کر خاموش رہا اور آپؑ کی تصویر کو دیکھ کر بار بار یہی کہتا یہ ہر گز جھوٹ بولنے والا نہیں۔

ڈلہوزی کے سفر کا ایک واقعہ سیرت المہدی میں لکھا ہے جو آپ علیہ السلام کے تقویٰ اور **عشق الٰہی وَسّے منہ پر ولیاں ایہہ نشانی** کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ حضرت اماں جانؓ بیان فرماتی ہیں کہ

’’حضرت مسیح موعودؑ نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ کسی مقدمہ کے واسطے مَیں ڈلہوزی پہاڑ پر جا رہا تھا راستہ میں بارش آگئی مَیں اور میرا ساتھی یکہ سے اُتر آئے اور ایک پہاڑی آدمی کے مکان کی طرف گئے جو راستہ کے پاس تھا۔ میرے ساتھی نے آگے بڑھ کر مالک مکان سے اندر آنے کی اجازت چاہی مگر اُس نے روکا۔ اِس پر اِن کی باہم تکرار ہو گئی اور مالک مکان تیز ہو گیا اور گالیاں دینے لگا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ مَیں یہ تکرار سن کر آگے بڑھا۔ جونہی میری اور مالک مکان کی آنکھیں ملیں تو پیشتر اِس کے کہ مَیں کچھ بولوں۔ اُس نے اپنا سر نیچے ڈال لیا اور کہا کہ اصل میں بات یہ ہے کہ میری ایک جوان لڑکی ہے اس لئے مَیں اجنبی آدمی کو گھر میں نہیں گھسنے دیتا مگر آپ بے شک اندر آجائیں۔ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ وہ ایک اجنبی آدمی تھا نہ مَیں اُسے جانتا تھا اور نہ وہ مجھے جانتا تھا۔

(سیرت المہدی جلد اوّل روایت 8)

مردان سے ایک شخص حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب کی طب کا شہرہ سن کر قادیان آیا۔ یہ شخص حضرت مسیح موعودؑ کا سخت ترین دشمن تھا۔ اس شرط پر قادیان آیا کہ مرزا صاحب سے ملاقات نہ ہو گی۔ اُس نے قادیان آکر اپنی رہائش کے لئے مکان بھی احمدیہ محلہ سے باہر لیا۔ علاج سے افاقہ ہوا۔ جب واپس جانے لگا تو کسی دوست نے اُسے کہا کہ مسجد تو دیکھ جاؤ۔ یہ اس شرط پر راضی ہوا کہ نماز کا وقت نہ ہو تا کہ

مَیں مرزا صاحب کو دیکھ نہ سکوں۔ چنانچہ اُس دوست کو ایسے وقت مسجد لے جایا گیا جو نماز کا وقت نہ تھا۔ مگر قدرت خدا کا کرنا یہ ہوا جونہی یہ مسجد میں داخل ہوا۔ حضور کھڑکی کھول کر اچانک مسجد آ گئے۔ جب اِس کی نظر حضورؑ کے نورانی چہرہ پر پڑی وہ فوراً قدموں میں آگرا اور بیعت کرلی۔ کسی نے سچ کہا ہے:

''فرشتہ صفت چہرہ سچائی کا مظہر ہوتا ہے''

سامعین کرام! یہ مضمون، صداقتِ مسیح موعودؑ پر ایک روشن نشان کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے خلفاء کو اگر اِس جہت سے دیکھیں تو آپ تمام خلفاء کے چہرے سچے اولیاء کے معلوم ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر غیر بھی برملا یہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ یہ سچے کا چہرہ ہے۔ حضرت خلیفۃُ المسیح الثالثؒ قومی اسمبلی 1974ء میں جونہی نمودار ہوئے تو آپؒ کے نورانی چہرہ کو دیکھ کر اِن اراکینِ اسمبلی میں سے اکثر کے مونہوں سے یہ فقرہ بے ساختہ نکلا کہ ''یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں''

مکرم محمد شفیق قیصر صاحب مرحوم بیان کرتے ہیں کہ

''سوات کے یا قبائلی علاقہ کے ایک ممبر تھے غالباً پیپلز پارٹی کے اُن سے ملے اور کہا کہ سنا ہے آج جماعت احمدیہ کے سربراہ نے بھی خطاب کیا ہے۔ آپ تھے اُس وقت؟ کہنے لگے جی ہاں۔ ان کے بارے میں آپ کے تاثرات کیا ہیں۔ کہنے لگے کہ مَیں تو خدا کا بھی قائل نہیں۔ یہ لوگ ختمِ نبوت کے پتہ نہیں کس چکر میں پڑے ہوئے ہیں اور مسلم اور غیر مسلم قرار دینے میں دن رات ایک کیے ہوئے ہیں۔ لیکن قادیانیوں کی جماعت کے سربراہ کا چہرہ دیکھ کر مجھے اتنا یقین آگیا ہے کہ کوئی تو بالا ہستی ہے جس نے ایسا نورانی چہرہ پیدا کیا ہے۔''

(اندر کی کہانی عینی شاہد کی زبانی از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ 342)

اسی طرح مولوی مفتی محمود نے اسمبلی ممبران کے تاثرات کے بارے میں بیان کیا کہ

''اس میں شک نہیں کہ ممبران اسمبلی کا ذہن ہمارے موافق نہیں تھا بلکہ اُن سے متاثر ہو چکا تھا تو ہم بڑے پریشان تھے اور خصوصاً جب اسمبلی ہال میں مرزا ناصر آیا تو قمیض پہنے ہوئے اور شلوار و شیروانی میں ملبوس، بڑی پگڑی، طرہ لگائے ہوئے تھا اور سفید داڑھی تھی تو ممبروں نے دیکھ کر کہا کہ کیا یہ شکل کافر کی ہے؟ اور جب وہ بیان پڑھتا تھا تو قرآن مجید کی آیتیں پڑھتا تھا اور جب حضور اکرم صلعم کا نام لیتا تو درود شریف

بھی پڑھتا تھا تو ہمارے ممبر مجھے گھور گھور کر دیکھتے تھے کہ یہ قرآن اور رسول کریم کے نام کے ساتھ درود شریف پڑھتا ہے اور تم اسے کافر کہتے ہو۔"

(اندر کی کہانی عینی شاہد کی زبانی از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ 347)

دنیا بھر سے اکثر لوگ يَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ کے تحت خلفاء کے شبیہوں کو دیکھ کر ایمان لے آتے ہیں۔ ہمارے موجودہ امام ایدہ اللہ تعالیٰ کی کرشماتی شبیہ ہزاروں کی رہنمائی کا باعث بنی ہے۔

اب نیچے اُتر کر عام احبابِ جماعت کی بات کریں تو ایک احمدی بہت بڑے مجمع میں اپنی شکل اور چہرے، اعمال وافعال اور اخلاص کی وجہ سی جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔

سن 2003ء کی بات ہے کہ مجھے جلسہ سالانہ جرمنی میں شمولیت کا موقع ملا۔ جلسہ کے بعد مجھے میرے نسبتی بھائی مکرم ڈاکٹر محمد جلال شمس صاحب ایک پہاڑی سلسلہ "کوبلنز" پر سیر کے لئے لے گئے۔ میرے ساتھ میرا کزن بھی تھا۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک جوڑا نمودار ہوا تو میرے کزن نے ہمیں مخاطب ہو کر کہا کہ یہ احمدی لگتے ہیں۔ ہم نے پوچھا۔ آپ کو اِس جنگل بیابان میں کیسے پتہ چلا کہ یہ احمدی ہیں تو وہ کہنے لگے چہرے سے۔ تو یہ ہے احمدی چہروں کی پہچان اور واقعتاً وہ احمدی نکلے۔

اِسی پر بس نہیں۔ یہ بات ہے آج سے قریباً 45 سال پہلے کی جب مَیں بدوملہی ضلع سیالکوٹ حال ضلع نارووال میں مربّی تھا۔ ایک دورہ کے دوران مجھے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں پیدل جانے کا اتفاق ہوا۔ کھیتوں میں سے پنگڈیوں پر چلتے ہوئے اپنے آبائی گاؤں کے قریب ایک بزرگ کے پاس سے گزر ہوا تو وہ بزرگ میرے سے مخاطب ہو کر بولے کہ تم فلاں کے پوترے (پوتے) تو نہیں ہو۔ مَیں نے بزرگ بابا جی جن کی نظر بھی کمزور معلوم ہوتی تھی سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ بابا جی! دادا جان کو گاؤں چھوڑے 50 سال سے زائد کا عرصہ گزر گیا ہے اور اب اُنہیں وفات پائے بھی دو دہائیاں بیت رہی ہیں اور مَیں بھی اپنی زندگی میں اپنے اِس آبائی گاؤں میں شاید دوسری دفعہ آرہا ہوں تو آپ نے مجھے کیسے پہچانا تو کہنے لگے۔ آپ کی چال ڈھال اور ماندھرے یعنی چہرے سے۔ کیونکہ ہم آپ کے دادا کے ساتھ اکھٹے بیٹھا کرتے تھے گو فرقے مختلف تھے لیکن دوستی یاری تھی۔ تو چہرہ شناس حقیقت کو بھانپ لیتا ہے۔ شناخت کر لیتا ہے۔

سامعین! حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی کے ثبوت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

''یمن کی ایک خاتون ایمان صاحبہ کہتی ہیں کہ مجھے نو عمری کے عرصہ سے ہی امام مہدی کے زمانے تک زندہ رہنے کی خواہش تھی اور اس کے لئے دعا کرتی تھی۔ ایک روز میں ایک عربی چینل دیکھ رہی تھی کہ اس پر ایک دینی پروگرام میں ایک معروف مولوی سے کسی نے جماعت احمدیہ کا نام لئے بغیر پوچھا کہ اس کا دعویٰ ہے کہ امام مہدی آچکے ہیں اور ان کے بعد خلافت قائم ہو چکی ہے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ یہ لوگ اوہامِ باطلہ کا شکار ہیں۔ جھوٹے لوگ ہیں۔ اس لئے آپ ان چکروں میں پڑنے کی بجائے اپنی معمول کی زندگی گزاریں کیونکہ جب امام مہدی آئے گا تو سب کو پتا چل جائے گا۔ ان کو ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ کہتی ہیں یہ بات میرے دل میں، ذہن میں اٹک گئی اور پھر ایک روز 2009ء میں میرے چھوٹے بھائی نے مجھے بتایا کہ اس نے ایک چینل دیکھا ہے جس پر کچھ لوگ امام مہدی کے ظہور کا اعلان کر رہے تھے۔ یہ سنتے ہی مجھے مذکورہ مولوی صاحب سے پوچھا جانے والا سوال اور ان کا جواب یاد آ گیا اور مَیں سمجھ گئی کہ دراصل سوال امام مہدی کے ظہور کا اعلان کرنے والی اس جماعت کے بارے میں تھا۔ کہتی ہیں کہ مَیں نے اپنے بھائی سے اس چینل کی فریکوئینسی لی اور پھر جب یہ چینل لگایا تو وہاں پر پروگرام 'الحوار المباشر' لگا ہوا تھا۔ مَیں نے اس پروگرام کے شرکاء کو ایک ایک کر کے بڑی گہری نظر سے دیکھا۔ ان کے چہروں پر عجیب چمک اور نور تھا۔ لیکن مجھے ان پر ترس آیا کہ اتنے سمجھدار ہونے کے باوجود یہ لوگ راستہ بھٹک گئے ہیں۔ نیز مَیں نے کہا کہ آج تو ہمیں اتحاد کی ضرورت ہے لیکن انہوں نے آ کر ایک اَور فرقہ بنا لیا ہے۔ کیا اسلام میں اس سے پہلے کم فرقے تھے۔ باوجود اس احساس کے جب مَیں نے ان کی باتیں سنیں تو وہ میرے دل کو لگیں۔ ایک طرف یہ احساس کہ ایک نیا فرقہ بنا دیا دوسری طرف باتیں بھی اچھی لگ رہی ہیں۔ کہتی ہیں کہ پروگرام ختم ہونے پر ایک قصیدہ پیش کیا گیا جس کے بارے میں یہ لکھا گیا کہ یہ حضرت امام مہدی کا لکھا ہوا ہے۔ اس قصیدے کے کلمات اور تاثیر غیر معمولی تھی۔ مَیں اپنے خاوند کے ساتھ اس چینل کو ہر روز دیکھنے لگی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلمات کی تاثیر ہی کچھ عجیب تھی۔ آپ کا قصیدہ سننے کے دوران میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے کیونکہ یہ الفاظ کسی

خدا کی طرف سے آنے والے کے منہ سے ہی نکل سکتے ہیں۔ کسی عام انسان کی بس کی بات نہیں کہ ایسا مؤثر اور بلیغ کلام کہہ سکے۔ کہتی ہیں بہر حال تمام امور کے بارے میں اطمینان کر لینے کے بعد مَیں نے جنوری 2010ء میں بیعت کا خط لکھ دیا۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 7/جولائی 2017ء)

پاکستان میں سرکاری دفاتر میں احمدی اپنے کردار سے پہچانا جاتا اور مشکلات اور ابتلاؤں میں ڈالا جاتا ہے۔ 20/مارچ 2012ء کے اخبار روزنامہ جنگ لندن میں تازہ تحقیق یہ شائع ہوئی کہ انسان کے اندر کی حرکات کے انسانی چہرے پر آثار نمایاں ہو جاتے ہیں۔

ماہرین نفسیات نے مختلف ملکوں کے ٹیلی ویژن پر آنے والے 52 افراد کے چہروں کا باریک بینی سے تجزیہ کیا۔ اِن میں سے نصف یعنی 26 جھوٹ اور 26 سچ بول رہے تھے۔ اب تو جھوٹ پکڑنے والی مشینیں بھی ایجاد ہو گئی ہیں جو چہرے پر نمودار ہونے والے تاثرات کو دیکھ کر سچے یا جھوٹے ہونے کی پہچان کرتی ہیں۔

سامعین! پس نورانی چہروں پر حُسن، انسان کے اندرونے سے آتا ہے۔ یہ اخلاق کا حسن ہے جو چہرے پر زندگی کی چمک پیدا کرتا ہے جو دیرپا بھی ہوتا ہے اور پُرکشش بھی۔ ہم نے بالعموم دیکھا ہے کہ انسان کی کیفیات خوشی، غمی اور پریشانی کا اظہار چہرہ پر نمودار ہو ہی جاتا ہے۔ جسے معاشرے میں عام آدمی بھی پہچان لیتا ہے اور ہم کسی اپنے عزیز یا دوست کے چہرے کو بھانپ کر ہم بوجھ لیتے ہیں کیا بات ہے ؟ آپ کے چہرے سے پریشانی کے آثار نمایاں ہیں۔ یا کسی کا چہرہ کسی خوشی کی وجہ سے تمتمارہا ہو تو ہم تب بھی مبارک بادیں دینے لگتے ہیں۔ اندر کی نیکی چہرے پر آ ہی جاتی ہے۔ رقت میں پڑھی ہوئی نماز کو خواہ بہت چھپایا جائے۔ اس کے اثرات چہرہ پر نمودار ہو ہی جاتے ہیں۔ الغرض انسان کے اندرونی احساسات چہرے پر نمایاں ہو جاتے ہیں۔ انسان کے اندرونے کی اصلاح کا علاج اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ میں بیان فرمایا ہے کہ اللہ کے ذکر سے دل اطمینان پاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفت "اَلْمُصَوِّر" یعنی صورت بنانے والا بھی ہے اور تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کے تحت صفات باری تعالیٰ کو ایک مومن کو اپنانے کی تلقین کی گئی ہے۔ جب انسان "اَلْمُصَوِّر" ہو جائے گا تو وہ اپنے اندر ایک ایسی پاک طینت تصویر بنائے گا جو صحابہؓ جیسی ہو گی اور اِس کا عکس اُس کے چہرہ پر ظاہر ہو گا۔

جماعت احمدیہ میں اس مصوّر کو دیکھ کر جب صحابہؓ یاد آئیں گے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ اشعار اُن پر صادق آئیں گے۔

مبارک وہ جو اب ایمان لایا
صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا
وہی مے ان کو ساقی نے پلادی
فَسُبحَانَ الَّذِی اَخزَی الاَعَادِی

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ کَمَا اَحسَنتَ خَلقِیْ فَاَحسِنْ خُلُقِیْ

(مسند احمد بیروت جلد6 صفحہ 150)

کہ اے اللہ! جب تو نے مجھے خوبصورت شکل و شباہت دی ہے۔ اب تو ہی میرے اخلاق کو بھی حسین و جمیل اور خوبصورت بنادے۔

یہ دعا دراصل انسان کو اپنے اندر کے ٹوٹ پھوٹ کو اصلاح کے ذریعہ درست کرنے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب السُوء اور جارا لسُّوِء (طبرانی جلد17 صفحہ 294) یعنی بُرے ساتھی اور بُرے ہمسائے سے پناہ کی دُعا بھی سکھلائی ہے۔ اس سے جہاں ظاہری بُرے ساتھی یا ہمسایہ مراد ہے وہاں وہ بُرا ساتھی بھی مراد ہے جو انسان کے اندر رہ کر اس کو نقصان پہنچاتا ہے اِسی لئے کہتے ہیں کہ ہر انسان کے اندر ایک اور انسان موجود ہے جس کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امتِ مسلمہ کے لئے جو دُعاؤں کا خزانہ چھوڑا ہے۔ اُس میں ظاہری و باطنی بیماریوں کے شر سے بچنے کی بے شمار دعائیں ہیں۔ جو انسان کے اندرونے کو درست کرتی ہیں جس کا اظہار انسان کے چہرے سے ہوتا ہے۔ یوں جب ایک مومن کا ظاہری و اندرونی چہرہ پاک صاف ہو گا تو وہ اللہ تعالیٰ کا قرب پالے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پنجابی کا ایک الہام بھی ہے کہ:
عشق الٰہی وسّے منہ پر ولیاں ایہہ نشانی
کہ ولیوں کی یہ نشانی ہے کہ عشق الٰہی منہ پر برس رہا ہوتا ہے

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 106 حاشیہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔
"جیسا کہ انبیاء کی تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کے دعوے کے بعد اُن کی مخالفت بھی ہوتی ہے اور جوں جوں جماعت پھیلتی ہے مخالفت اور حسد کی آگ بھی بڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔ مخالفین کے مخالفت کے طریق بھی مخالفت کی ہر ممکن صورت اختیار کرتے جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ دعویٰ کرنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے مخالفتوں کے باوجود ترقی کے وعدے اور خوشخبریاں دی ہوتی ہیں اس لئے کوئی مخالفت ترقی کی راہ میں روک نہیں بنتی اور نہ بن سکتی ہے۔
اللہ تعالیٰ نے جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسیح اور مہدی بنا کر بھیجا تو آپ کے ساتھ بھی اس سنّت کے مطابق سلوک ہونا تھا اور اللہ تعالیٰ کی جو تائید و نصرت کی سنّت ہے اسی کے مطابق سلوک ہونا تھا اور اللہ تعالیٰ نے وہ سلوک بھی فرمایا اور آپ کی جماعت کے ساتھ بھی یہی سلوک اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔ جہاں مخالفتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پہلے خبر دی تو وہاں مخالفین کے بدانجام اور مخالفتوں کے باوجود آپ کے سلسلہ کے بڑھنے اور آپ کی تائیدات کی خبر دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا، بہت سارے الہامات ہیں، ایک یہ الہام ہے کہ "مَیں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا"۔(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 648) پھر ایک یہ الہام ہے کہ "میں تیرے ساتھ اور تیرے پیاروں کے ساتھ ہوں" (بدر جلد 6 نمبر 51 مورخہ 19 دسمبر 1907ء صفحہ 4) پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ مِنَ السَّمَآءِ "یعنی تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کے دلوں میں ہم اپنی طرف سے الہام کریں گے۔(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 77) پھر فرمایا کہ "مَیں تجھے عزت دوں گا اور بڑھاؤں گا"۔(آسمانی فیصلہ، روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 342)۔... اسی طرح جیسا کہ مَیں نے کہا تائید و نصرت کے بے شمار الہامات ہیں۔ اب یہ صرف ظاہری باتیں نہیں جو نعوذ باللہ حضرت مسیح

موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے کر دیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں اس کا عملی اظہار بھی کرتا رہتا ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ مخالفین کے مکر اُن پر الٹا کر اپنی تائید کے عملی نظارے دکھاتا ہے۔ کہیں خود لوگوں کی رہنمائی کر کے انہیں احمدیت کی سچائی دکھاتا ہے۔ کہیں غیروں کے دلوں میں ڈالتا ہے کہ وہ غیروں کے حملوں کے خلاف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماننے والوں کی تائید اور مدد کریں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ یہ وعدے ہیں ان کے عملی اظہار، جیسا کہ مَیں نے کہا، وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 7جولائی 2017ء)

پر وہ سعید جو کہ نشانوں کو پاتے ہیں
وہ اُس سے مل کے دل کو اُسی سے ملاتے ہیں
وہ اُس کے ہوگئے ہیں اُسی سے وہ جیتے ہیں
ہر دم اُسی کے ہاتھ سے اِک جام پیتے ہیں
جس مے کو پی لیا ہے وہ اُس مے سے مست ہیں
سب دشمن اُن کے اُن کے مقابل میں پست ہیں
کچھ ایسے مست ہیں وہ رُخِ خوبِ یار سے
ڈرتے کبھی نہیں ہیں وہ دشمن کے وار سے
اُن سے خدا کے کام سبھی معجزانہ ہیں
یہ اس لئے کہ عاشقِ یارِ یگانہ ہیں

﴿47﴾ ﴿مشاہدات۔827﴾

خلافت کے ذریعہ توحید کا قیام

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْامِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (النور:56)

کہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اُن سے اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اُس نے اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور اُن کے لئے اُن کے دین کو، جو اُس نے اُن کے لیے پسند کیا، ضرور تمکنت عطا کرے گا اور اُن کی خوف کی حالت کے بعد ضرور اُنہیں امن کی حالت میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو اس کے بعد بھی ناشکری کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ "خلافت کے ذریعہ توحید کا قیام" ہے۔

اللہ تعالیٰ نے محوّلہ بالا متلوّ آیت میں خلافت کی تین برکات کا ذکر فرمایا ہے۔ جن میں سے تیسری برکت کا ذکر اللہ تبارک و تعالیٰ نے "يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ" (النور:56) کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ (متبعین) میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو اس کے بعد بھی ناشکری کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔

اِس آیتِ استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے تمام قسم کے خلفاء کے حوالے سے فرمایا ہے کہ اِن کی پہلی اور آخری ذمّہ داری توحید کا قیام ہوتا ہے۔ حضرت خلیفۃُ المسیح الرابع رحمہ اللہُ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کے براہِ راست کہلانے والے خلفاء یعنی انبیاء کے حوالے سے سورہ النّمل کے تعارف میں فرمایا ہے کہ

''اِس کے بعد مسلسل ایسے نبیوں کا ذکر ہے جنہوں نے توحید کا جھنڈا اُٹھایا تو مشرک قوموں نے جیسا کہ سَبَا کی قوم مشرک تھی اِن کو بار بار ردّ کر دیا اور اگرچہ اللہ تعالیٰ نے سَبَا کی قوم کو تو ہدایت پانے کی وجہ سے معاف فرمادیا لیکن وہ لوگ پے بہ پے شرک کا رستہ اختیار کرنے کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے۔ اِس کے بعد پھر یہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا مضمون انبیاء پر بارش کی طرح نازل ہوتا ہے جو زندگی کا سرچشمہ ہے۔ مادی زندگی بھی اِس آسمانی پانی سے عطا ہوتی ہے اور روحانی زندگی بھی انبیاء کو اِسی آسمانی بارش کے فیض سے نصیب ہوتی ہے۔''

(قرآنِ کریم اردو ترجمہ صفحہ 648)

اور پھر آپؒ آیتِ استخلاف کے فُٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

''نبوّت کی آمد کا مقصد دنیا میں توحید کا قیام ہے۔ چنانچہ خلافتِ حقّہ کی بھی یہی نشانی رکھی ہے کہ اِس کا آخری مقصد توحید کا قیام ہے۔''

(قرآنِ کریم اردو ترجمہ صفحہ 606)

سامعین! حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام تک تمام معلوم انبیاء کا جائزہ قرآنِ کریم، احادیث اور دیگر مقدس کتب کی روشنی میں لیں تو تمام انبیاء نے توحید کے قیام میں اپنی بساط کے مطابق کام کیا۔ اِس راستے میں مخالفین کی طرف سے انبیاء کو مشکلات اور مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ بعض آرے سے کاٹے گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو توحید کا پیغام دینے کی وجہ سے آگ میں ڈالا گیا۔ نبیوں کے سردار خاتَم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ آپؐ کی پُشت پر اونٹ کی بھاری بھرکم بچہ دانی اُس وقت ڈال دی گئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اللہ کے حضور سجدہ ریز قیام و استحکامِ توحید کے لئے دعاؤں میں مصروف تھے۔ آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے اور گندگی پھیلائی جاتی تا آپؐ اپنے اللہ کی عبادات بجالانے کے قابل نہ ہو سکیں اور قیامِ توحید کے لئے سعی بھی نہ کر سکیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی روشنی میں شرک کو سب سے بڑا

گناہ قرار دیا ہے۔ حضرت عبد اللہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ یَا رَسُولَ اللّٰہ! اَیُّ الذَّنْبِ اَعْظَمُ؟ کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: اَن تَجْعَلَ لِلّٰہِ نِدًّا وَ ھُوَخَلَقَكَ۔ یعنی یہ کہ تُو کسی کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر ٹھہرائے، حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے۔

(سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب فی تعظیم الزنا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو مَیں آپؐ کی قبر کو کھلا رکھتی لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں اُسے بھی مسجد نہ بنا لیا جائے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدعت کے ڈر سے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی: اَللّٰھُمَّ لَا تَجعَلْ قَبرِیْ وَ ثَنَاءً لَعَنَ اللّٰہُ قَوماً اِتَخُذُوْا قُبُورَ اَنبِیَاۤئِھِمْ مَسَاجِدَ

(مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 246 مطبوعہ بیروت)

کہ اے اللہ! میری قبر کو بت پرستی کی جگہ نہ بنانا، اللہ اس قوم پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو مساجد بنا لیا۔

سامعین! آپؐ نے عورتوں کو سخت تنبیہ فرمائی کہ وہ قبروں وغیرہ پر چراغ اور دیگر ایسی اشیاء، جن سے ان قبروں کی غیر ضروری عقیدت اور احترام ہو، نہ کریں۔ روایت میں آیا ہے :لَعَنَ اللّٰہُ زَائِرَاتِ القُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیھَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ

(الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر للامام السیوطی حدیث نمبر 7276)

یعنی اللہ تعالیٰ قبروں کی زیارت کرنے والیوں اور ان پر سجدہ گاہیں بنانے والوں اور چراغ رکھنے والوں پر لعنت کرے۔

حضرت قیسؓ بن سعد روایت کرتے ہیں کہ مَیں ایک مرتبہ حیرہ قوم کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہ اپنے بڑے سردار کو سجدہ کر رہے ہیں۔ مَیں نے دل میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ حقدار ہیں کہ ان کو سجدہ کیا جائے۔ پھر مَیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تو عرض کی: حضورؐ! مَیں نے اس طرح حیرہ قوم کو سجدہ کرتے دیکھا ہے، حالانکہ آپؐ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپؐ کو سجدہ کیا

جائے۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے بتاؤ تو سہی کہ اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرو تو کیا تم بھی میری قبر کو سجدہ کروگے؟ مَیں نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا: پس تم ایسا نہ کرنا، اگر خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ روا ہوتا تو مَیں عورتوں کو کہتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں، بسبب اس حق کے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عورتوں پر دیا ہے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی حق الزوج علی المرائۃ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو نصیحت فرمائی کہ تم میری تعریف میں ویسا مبالغہ نہ کرنا جیسا کہ نصاریٰ نے مسیحؑ کی شان میں غلو سے کام لیا (یعنی مجھے خدا کا بیٹا نہ بنانا) مَیں تو صرف ایک بندہ ہوں، پس کہو کہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔

(شمائل ترمذی باب ما جاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نجد کی طرف ایک غزوہ میں تشریف لے گئے کہ دوپہر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیکر کے ایک درخت کے نیچے قیام پذیر ہوئے۔ آپؐ نے اپنی تلوار درخت پر لٹکا دی۔ ایک بدّو نے تلوار پکڑ لی اور حضورؐ سے پوچھا۔ کون تمہیں مجھ سے بچائے گا؟۔ تو حضورؐ نے بڑے جلالی انداز میں فرمایا کہ اللہ!۔ یہ تھا توحید اور توکّل علی اللہ کا عزم۔

سامعین! یہی کیفیت مامورِ زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تھی۔ آپؑ اور مسجد کے درمیان مخالفین نے دیوار کھینچ دی کہ آپؑ اپنے اللہ کی عبادت نہ کر سکیں۔ مخالفین اور معاندین نے آپؑ کو اللہ کے پیغام پہنچانے سے روکنے کے لئے عدالتوں کا دروازہ بھی کھٹکھٹایا مگر آپؑ اِس کام سے نہ رکے اور نہ رکنے والے تھے۔

حضرت مولوی محمد ابراہیم بقاپوریؓ بیان کرتے ہیں:

”ایک دفعہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ سیر سے واپس آرہے تھے، جب حضورؑ احمدیہ چوک میں پہنچے تو ایک سائل نے سوال کیا، تُو داتا ہے! مجھے کچھ دے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا۔ **داتا خدا ہے**۔ اُس نے کہا کہ ہاں! مگر تو بھی مجھے کچھ دے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے اس کو ایک روپیہ عطا فرمایا“ (الحکم 21/مارچ 1935ء صفحہ 5)

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ بیان فرماتے ہیں:

"چکوال ضلع جہلم میں مولوی محمد خیاط اپنے علاقہ میں ایک مشہور مولوی تھے، خصوصیت سے وہ شیعہ فرقہ کے مسلمانوں سے مباحثات کیا کرتے تھے۔ کرم دین کے مقدمہ کے ایام میں مجھے چکوال جانا پڑا اور ان سے ملاقات ہوئی۔ انہیں اپنے علم اور طریق مناظرہ پر بھی ایک ناز تھا، لیکن حضرت مسیح موعودؑ پر جس چیز نے ان کے ایمان کو بہت مضبوط کیا وہ ایک واقعہ ہے، جس کا ذکر انہوں نے ہمیشہ کیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ جب مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوا تو اتفاق سے میری موجودگی کے ایام میں ایک شخص حضرتؑ کی خدمت میں آیا۔ چونکہ اس زمانہ کے رسمی پیروں کے ہاں لوگ سجدے کرتے ہیں وہ آتے ہی حضرتؑ کے قدموں کی طرف جھکا۔ آپؑ نے اسے روک دیا اور منع فرمایا کہ ایسا نہیں چاہیے اور پھر اسی سلسلہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: کہ مَیں تو شرک اور تعظیم غیر اللہ کو مٹانے کے لئے آیا ہوں تا کہ خدائے واحد کی عظمت کو قائم کروں اور ہر ایک قسم کے شرک سے لوگوں کو بچاؤں۔ مجھے ہر گز پسند نہیں کہ میرے سامنے کوئی شخص اس قدر جھکے جو خدا تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے، ہر ایک انسان خواہ کتنا ہی عظیم المرتبت ہو، وہ آخر انسان ہی تو ہے"

سامعین! ایک اور واقعہ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ کے الفاظ میں سُنا کر مَیں آگے بڑھتا ہوں۔ آپؓ بیان کرتے ہیں:

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ اپنے مریدوں میں اس طرح مل جل کر بیٹھتے کہ نووارد کو ہر گز پتہ نہ لگتا کہ اس مجلس کا سردار کون ہے؟ اس لئے بعض نووارد غلطی سے کبھی مولوی نورالدین صاحبؓ کو، کبھی مولوی محمد احسن صاحبؓ اور کبھی مولوی عبدالکریم صاحبؓ کو سمجھ لیتے کہ آپ مسیح موعودؑ ہیں۔ چونکہ مَیں خود پیر اور پیروں کے خاندان سے تھا، لہٰذا مجھے اس بات سے تکلیف ہوتی۔ آخر ایک دن مَیں نے عرض کیا۔ حضور! نوواردوں کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے اگر اجازت ہو تو حضور کے نیچے ایک چھوٹا سا غالیچہ اور پیچھے ایک گاؤ تکیہ رکھ دیا جائے۔ یہ سنتے ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"صاحبزادہ صاحب! مَیں اپنی پوجا تو نہیں کرانے آیا، مَیں تو خدا کی پرستش کرانے آیا ہوں"

(الفضل 5/دسمبر 1941ء صفحہ 7)

سامعین! جہاں تک نبوّت کے بعد والی خلافت کے ذریعہ قیامِ توحید کا تعلق ہے۔ اِس میں بھی خلفاء نے توحید کے قیام اور اُس کے استحکام کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ تمام سابقہ انبیاء کے بعد کے خلفاء کو چھوڑتے ہوئے خلافتِ راشدہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی بات کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفاء کے ذریعہ سے بت پرستی کو مٹا کر توحید کو قائم کرواتا رہا، جس طرح نبی توحید کا علمبر دار ہوتا ہے اسی طرح خلفاءِ راشدین توحید کے علمبر دار تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡئًا وَمَنۡ کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ“ کہ وہ توحید پر قائم ہوتے ہیں۔

سامعین! اکابر صحابہؓ کا ایک وفد، جس میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بھی شامل تھے، حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کچھ عرصہ کے لئے اُس لشکر کو روک لیں جس کو بھجوانے کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھجوانے کا ارشاد فرمار کھا تھا۔ جب بغاوت فرو ہو جائے تو پھر بے شک اسے بھیج دیا جائے، مگر اب اس کا بھیجنا خطرہ سے خالی نہیں۔ مدینہ کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں اور دشمن کا لشکر ہماری طرف بڑھتا چلا آرہا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے جلالی انداز میں فرمایا کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابو قحافہ کا بیٹا سب سے پہلا کام یہ کرے کہ جس لشکر کو روانہ کرنے کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا اسے روک لے۔ مَیں اس لشکر کو کسی صورت میں روک نہیں سکتا۔ اگر تمام عرب باغی ہو گیا ہے تو بے شک ہو جائے اور اگر مدینہ کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں ہے تو بے شک نہ رہے۔ خدا کی قسم! اگر دشمن کی فوج مدینہ میں گھس آئے اور ہمارے سامنے مسلمان عورتوں کی لاشیں کُتے گھسیٹے پھریں، تب بھی مَیں اس لشکر کو نہیں روکوں گا جس کو روانہ کرنے کا حکم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صادر فرمایا ہے۔

(تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ 51)

اگر تم دشمن کی فوج سے ڈرتے ہو، تو بے شک میرا ساتھ چھوڑ دو، مَیں اکیلا ہی مقابلہ کروں گا۔ حضرت ابو بکرؓ کا یہ عزم اور توکل ”یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡئًا“ کا کتنا روشن ثبوت ہے۔

اسلامی تاریخ میں اختلافات کے متعلق بھی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشگوئی فرمائی تھی۔ کہ جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ لوگوں میں بڑا اختلاف دیکھیں گے۔ پس ایسے وقت میں

میری وصیت تمہیں یہی ہے کہ تم میری سنت اور میرے بعد میں آنے والے خلفاء الراشدین کی جو ہدایت یافتہ ہوں گے، سنت کو اختیار کرنا۔ تم اس سنت کو مضبوطی سے پکڑ لینا اور جس طرح کسی چیز کو دانتوں سے پکڑ لیا جاتا ہے، اسی طرح اس سنت سے چمٹے رہنا اور کبھی اس راستہ کو نہ چھوڑنا جو میرا ہے یا میرے خلفاء الراشدین کا ہے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد4 صفحہ 127)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ حضرت ابو بکرؓ کو تم کیا سمجھتے ہو۔ وہ تو نبوت کا ایک نسخہ اجمالی ہے۔ ورق ثانی ہے نبوت کا۔ یعنی خلافت صدیقی تتمہ ہے نبوت کا۔ وہ تمام ارباب فضل اور ارباب شجاعت کا امام ہے۔ وہ نبیوں کے خمیر کا بقیہ ہے۔

(سر الخلافہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی کہ الٰہی! اسلام کو عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام (ابو جہل) کے ذریعہ عزت دے۔ (نہج البلاغہ لابن ابی الحدید) یہ دعا حضرت عمرؓ کے حق میں معجزانہ طور پر قبول ہوئی۔ آپؓ سخت مخالف تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے (نعوذ باللہ) قتل کے مشورہ میں شریک تھے، جہاں آپ قتل کے لیے مقرر ہوئے۔ لیکن آخر خدا تعالیٰ نے ان کو وہ جوش اسلام دیا کہ غیر مسلم بھی ان کی تعریف کرتے اور ان کا نام عزت سے لیتے ہیں۔ اور وہ عمر جو ایک وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے لیے نکلے تھے، دوسرے وقت اسلام کے شہید ہوئے۔"

(ملفوظات جلد2 صفحہ 180)

آج اِن مقدّس وجودوں کے طفیل سے مکہ اور مدینہ میں ایسا کڑا نظام ہے کہ عبادات کے دوران کوئی شخص مزار کو سجدہ نہیں کر سکتا۔ چوم نہیں سکتا حتّٰی کہ جنتُ البقیع میں موجود قبروں کے نام ونشان کو مٹا دیا گیا ہے تا کوئی کسی وقت کسی کی پوجا نہ کر پائے۔ عبد اللہ بن سبا جیسے لوگوں نے اپنی پوری قوت کے ساتھ اسلام کو نقصان پہنچانا چاہا اور اِن جیسے دشمنانِ اسلام نے تین خلفاء کو شہید بھی کر دیا مگر توحید باری تعالیٰ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکا۔

سامعین! آج دَورِ آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد توحید کو قائم کرنے اور مستحکم بنیادوں پر اُستوار کرنے کے مشن کو آپ علیہ السلام کے خلفاء نے خوب آگے بڑھایا اور مسلسل بڑھاتے چلے جارہے ہیں۔ دراصل نبوت کے قیام کا خاصہ ہی توحید کا قیام ہے جس کے ذریعہ سے دنیا کے سارے لوگ وحدت کی ایک لڑی میں پروئے جاتے ہیں اور روحانی ترقیات کی راہوں پر چلنے کے قابل ہوتے ہیں۔ نبوت کے اس فیضان کو خلفائے احمدیت جاری رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت خلیفۃُ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے 17/ جنوری 1902ء کو درس القرآن کے دوران احباب جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

”اللہ جلّ شانہٗ کی سچی فرمانبرداری اختیار کرو۔ اس کی اطاعت کرو۔ اس سے محبت کرو۔ اس کے آگے تذلّل کرو۔ اس کی عبادت کرو اور اللہ کے مقابل کوئی غیر تمہارا مطاع، محبوب، مطلوب، امیدوں کا مرجَع نہ ہو۔ اللہ کے مقابل تمہارے لئے کوئی دوسرا نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تمہیں ایک طرف بلاتا ہو اور کوئی اور چیز خواہ وہ تمہارے نفسانی ارادے اور جذبات ہوں یا قوم اور برادری، سوسائٹی کے اصول اور دستور ہوں، سلاطین ہوں، امراء ہوں، ضرورتیں ہوں، غرض کچھ ہی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابل تم پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ پس خدا تعالیٰ کی اطاعت، عبادت، فرمانبرداری، تذلّل اور اس کی حُبّ کے سامنے کوئی اور شے محبوب، مقصود، مطلوب اور مطاع نہ ہو۔“

(روزنامہ الفضل ربوہ 25/ جولائی 1993ء)

حضرت خلیفۃُ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جلسہ سالانہ پر 28/ دسمبر 1914ء کو اپنی تقریر میں بڑی تحدّی کے ساتھ جماعت کو توحیدِ الٰہی پر قائم رہنے اور شرک سے کلیۃً اجتناب رہنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

”مَیں تمہیں بڑے زور سے بتلاتا ہوں کہ دنیا میں لوگ خدا تعالیٰ سے غافل ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اس سے بڑھ کر خوبصورت، اس سے بڑھ کر محبت کرنے والا، اس سے بڑھ کر پیارا اَور کوئی نہیں ہے۔ تم لوگ اگر پیار کرو تو اس سے کرو، محبت لگاؤ تو اس سے لگاؤ، ڈرو تو اس سے ڈرو، خوف کرو تو اس سے کرو۔ اگر وہ تمہیں حاصل ہو جائے تو پھر تمہیں کسی چیز کی پروا نہیں رہ جاتی اور کوئی روک تمہارے سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔“

(برکات خلافت صفحہ 110)

پھر خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر کرتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''صرف ایک ہی اللہ ہے۔ اگر کوئی سمجھے کہ اس کو چھوڑ کر اَور کسی کو تلاش کر لوں گا تو ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ ایک ہی ہے، دو نہیں، چار نہیں اور ہزاروں لاکھوں نہیں۔ جب ایک ہی اللہ ہے تو اس کو چھوڑ کر کہاں جاؤ گے؟''

(برکات خلافت صفحہ 111)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''یہ ایک دھوکا ہے کہ سلسلۂ خلافت سے شرک پھیلتا ہے اور گدیوں کے قائم ہونے کا خطرہ ہے کیونکہ آج سے تیرہ سو سال پہلے خدا تعالیٰ نے خود اس خیال کو ردّ فرما دیا ہے کیونکہ خلفاء کی نسبت فرماتا ہے۔ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا۔ (النور:56) خلفاء میری ہی عبادت کیا کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں قرار دیں گے۔ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ ایک زمانہ میں خلافت پر یہ اعتراض کیا جائے گا کہ اس سے شرک کا اندیشہ ہے اور غیر مامور کی اطاعت جائز نہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے آیتِ استخلاف میں ہی اس کا جواب دے دیا کہ خلافت شرک پھیلانے والی نہیں بلکہ اِسے مٹانے والی ہوگی اور خلیفہ مشرک نہیں بلکہ موحّد ہوں گے ورنہ آیتِ استخلاف میں شرک کے ذکر کا کوئی موقع نہ تھا۔''

(انوار العلوم جلد 2 صفحہ 13-14)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دَورِ مبارک میں شرکِ خفی یعنی بدعات و رسومات سے بچنے کی طرف جماعت کو بار بار توجہ دلائی اور عملاً اِس کے خلاف جہاد کا اعلان فرمایا۔ چنانچہ آپؒ عورتوں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔

''مَیں بڑی تاکید کے ساتھ آپ میں سے ہر ایک کو کہتا ہوں کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے تعلیمی لحاظ سے قرآن کریم کے اِس اعلان کے ذریعہ اِن رسوم کو یک قلم مٹا دیا ہے آپ اپنے گھروں سے اور اپنی زندگیوں سے اِن رسومات کو اور بدعات کو یکسر اور یک قلم مٹا دیں اور دنیا اور دنیاداروں کی پرواہ نہ کریں اور اپنے رب کی رضا کی پرواہ کریں۔''

(المصابیح صفحہ 32)

پھر آپؒ توحید کے قیام کے بارہ میں فرماتے ہیں:

”جماعت میں یہ احساس زندہ اور بیدار رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرما کے اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے قیام سے توحید خالص کے قیام اور غلبۂ اسلام کی ایک عظیم مہم جاری کی ہے اور اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ قہ اس زمانہ میں اسلام کو تمام ادیانِ باطلہ پر غالب کرے گا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوئے تلے دنیا کی ہر قوم کی گردن کو لے آئے گا۔“

(خطبات ناصر جلد اوّل صفحہ 913)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ فرمایا:

”حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ فرمایا کہ میری بعثت کی اصل غرض یہ ہے کہ توحید باری تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کو دنیا میں قائم کروں تو آپ نے دوسرے الفاظ میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے ایک ایسی جماعت دی جائے گی جو توحید پر قائم ہو گی اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کو جاننے اور پہچاننے والی ہو گی اور اس عزت کے لیے ساری ذلتیں قبول کرنے کے لیے تیار ہو گی۔“

(خطبات ناصر جلد دوم صفحہ 876)

سامعین! حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلافت کے قیام کا مدعا ان الفاظ میں بیان فرمایا:

”خلافت کے قیام کا مدّعا توحید کا قیام ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے اٹل۔ ایسا کہ جو کبھی ٹل نہیں سکتا۔ زائل نہیں ہو سکتا۔ اس میں کوئی تبدیلی کبھی نہیں آئے گی... خلافت کا انعام یعنی آخری پھل تمہیں یہ عطا کیا گیا ہے کہ میری عبادت کرو گے۔ میرا کوئی شریک نہیں ٹھہراؤ گے۔ کامل توحید کے ساتھ میری عبادت کرتے چلے جاؤ گے اور میری حمد و ثنا کے گیت گایا کرو گے۔ یہ وہ آخری جنت کا وعدہ ہے جو جماعت احمدیہ سے کیا گیا ہے۔“

(الفضل 22؍جون 1982ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”مَیں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ نے جب توحید کا پیغام دنیا میں پہنچایا ہے تو یاد رکھیں کہ اس راہ میں تکلیفیں دی جائیں گی... مَیں جانتا ہوں کہ اس زمانے میں توحید کے لئے جتنی جماعت احمدیہ نے قربانیاں دکھائی ہیں دنیا کے پردے پر توحید کے لئے دی جانے والی ساری قربانیاں ایک طرف کر دیں تو اس کے مقابلہ پر ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس زمانے میں توحید کے نام پر سوائے احمدیت کے کسی کو سزا نہیں دی جارہی... خدا کی قسم! آج آپ ہی تو ہیں جو توحید کے لئے ایسی قربانیاں پیش کر رہے ہیں... پس ہم توحید کے محض دعویدار نہیں ہیں، ہم توحید کو اپنے اعمال میں جاری کر چکے ہیں۔ آج ایک ہم ہی تو ہیں جو توحید کے نام پر ہر قسم کے ابتلا میں مبتلا کئے گئے اور ہر ابتلا سے ثابت قدم باہر نکلے ہیں۔ اسی کا نام قدمِ صدق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ جماعت احمدیہ کو قدم صدق عطا فرماتا رہے۔“

(روزنامہ الفضل ربوہ 20/ نومبر 1993ء)

سامعین! خلافتِ خامسہ کے دَور کے بابرکت ہونے اور توحیدِ الٰہی کے قیام اور استحکام کے لئے دیگر بشارات کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی پیشخبریاں موجود تھیں جس کے پیشِ نظر آپ کا دَور توحیدِ الٰہی کے ظاہری و خفی قیام کے لئے بہت مبارک ثابت ہوا۔ جہاں جماعت کے اندر احباب وخواتین، بچوں بوڑھوں اور نوجوانوں کا رجحان عبادات، عشقِ الٰہی و قربِ الٰہی کی طرف بڑھا وہاں عالمی سطح پر کانفرنسز اور خطوط نیز ایم ٹی اے کے ذریعہ بڑے بڑے بادشاہوں، لیڈروں کو توحید کا پیغام ملا۔ ابھی چند دن کی بات ہے کہ ایک خاتون کو برطانیہ میں احمدی ہونے کی توفیق ملی جس کی وجہ سے اُسے اپنے بہن بھائیوں اور عزیز و اقارب کی وجہ سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک دن اِس کی بڑی بہن نے اپنی احمدی ہونے والی بہن سے کہا کہ اچھا! تم احمدی تو ہو گئی ہو۔ مَیں تمہیں ایک بزرگ کی ویڈیو بھجواتی ہوں وہ بڑی اچھی باتیں کرتا ہے۔ بات مختصر مگر جامع ہوتی ہے۔ اگر تم نے اپنا مذہب تبدیل کرنا ہی ہے تو اِس بزرگ کو جوائن کر لو۔ جب بڑی بہن نے وہ ویڈیو بھجوائی تو وہ امیر المؤمنین کی تھی جس پر چھوٹی بہن نے کہا کہ یہی تو وہ بزرگ ہیں جن کی مَیں نے بیعت کی ہے۔ تو یوں توحید کا پیغام دنیا بھر میں پھیل رہا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

”جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھ لیا اس نے خدا تعالیٰ کو سمجھ لیا اور جس نے خدا تعالیٰ کو سمجھ لیا اس نے سب کچھ ہی سمجھ لیا کیونکہ شرک ہی تمام بدیوں، غفلتوں اور گناہوں کی جڑ ہے اور توحید پر قائم ہونے کے بعد انسان میں اعلیٰ اخلاق، علم، عرفان، تمدن، سیاست، دوسرے فنون میں کمال، سب ہی کچھ آجاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نور ایک تریاق ہے جس میں تمام امراض کا علاج ہے۔ پس ہمارا ماٹو جو خود بخود خدا تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ باقی تفصیلات ہیں جو نصیحت کے طور پر کام آسکتی ہیں۔ اس زمانے میں چونکہ دجال اپنی تمام طاقت کے ساتھ دنیا میں رونما ہوا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ میں دنیا کو دین پر مقدم رکھوں گا۔ یہ دجال کا مقصد ہے کہ دنیا کو دین پر مقدم کرنا ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اس کے مقابل پر ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا نعرہ لگائیں۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی شرائط بیعت میں یہ فقرہ شامل فرمایا ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ اپنے اوپر ہم دین کی تعلیم لاگو رکھیں گے اور ہر مخالف کے اعتراض کے مقابل پر اسلام کا خوبصورت چہرہ دکھائیں گے اور یہ سب اس لئے کہ ہم لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کو دنیا میں قائم کرنے والے بنیں۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 9 مئی 2014ء)

فرمایا:

”خدا کی حقیقی صفات کا ادراک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احمدیوں میں پیدا کیا ہے۔ دوسرے اس تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔ دوسرے مسلمان آج کل باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے، اللہ تعالیٰ کی صفات کا حقیقی ادراک نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ کو عزیز ماننے کے باوجود، سب قدرتوں کا مالک ماننے کے باوجود بعض ایسے نظریات رکھتے ہیں جن سے لاشعوری طور پر خدا کے شرک کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر بیٹھنا سمجھنا۔ ابھی بہت بڑا طبقہ اس نظریے پر قائم ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظاہری طور پر پرندے پیدا کرنا۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ انسان یا جو بھی اس کے مقابلے پر شریک کھڑے کئے جائیں ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، کجا یہ کہ تم کہتے ہو کہ فلاں انسان نے زندہ پرندے بنا کر پیدا کر دیئے... تو یہ حال ہے ہمارے بعض علماء کا جن کے پیچھے چل کر

بعض معصوم لوگ اپنے ایمان کو بھی خراب کرتے ہیں۔ پس احمدی کو اس واحد خدا کی طرف ہمیشہ جھکنا چاہئے جو سب طاقتوں کا سرچشمہ ہے۔ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کی طاقتوں کا مقابلہ کر سکے اور یہی خدا کی بادشاہت دلوں میں پیدا کرنے کا طریق ہے۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 30نومبر 2007ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”جماعت احمدیہ کے قیام کا مقصد نیکی اور تقویٰ اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا ادراک اپنے اندر پیدا کرنا، اس کے قیام کے لئے عملی تصویر بننا اور دنیا میں بھی اس کو قائم کرنا ہے۔ اُس خدا کی بادشاہت دنیا میں قائم کرنا ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ اس کی بے شمار مخلوق اس زمین میں ہی ہے اور یہ زمین کائنات کا اتنا معمولی حصہ ہے کہ اس کی حیثیت ایک نقطے سے زیادہ نہیں ہے۔ پس ہم جو انسان کہلاتے ہیں اور بعض بڑے فخر اور تکبر سے زمین پر چل رہے ہوتے ہیں، ان کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُس نے اِس بے حیثیتی کے باوجود ہمیں اشرف المخلوقات ہونے کا مقام دیا ہے اور ہمارے سپرد بعض کام کئے ہیں اور ہماری پیدائش کی ایک غرض یہ بتائی ہے کہ اس کا ہم نے عابد بننا ہے۔ لیکن دنیا کی اکثریت اس غرض پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں کیونکہ دنیا کی لہو ولعب نے، اس کھیل کود نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ شیطان نے اسے اپنے جال میں پھنسا لیا ہے۔ لیکن وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پر ایمان لانے والے ہیں، اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے والے ہیں، وہ اس غرض کو یاد رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو تمام قدرتوں کا مالک ہے، غالب ہے، جس نے زمین و آسمان پیدا کیا ہے، خالق ہے، بے شمار قسم کی مخلوق اِس زمین پر اُس نے پیدا کر دی ہے۔ اُس کو اس زمین پر اپنی عبادت کروانے اور اپنی بادشاہت کے قیام کے لئے کسی انسان کی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اس نے اپنے بندوں کو عقل و شعور دے کر اس طرف توجہ دلائی کہ مَیں نے تمہیں اس عقل و شعور کے ساتھ یہ آزادی بھی دے دی ہے کہ میرے انبیاء جو تعلیم میری طرف سے لے کر آئیں ان پر ایمان لاؤ یا انکار کر دو۔ یہ تمہاری آزادی ہے۔ اگر عقل اور علم کا صحیح استعمال کرو گے تو ایمان لانے والے اور اس تعلیم پر عمل کرنے والے ہو گے۔ تو پھر مَیں تمہیں ان لوگوں میں شمار کروں گا جو میری بادشاہت کے قائم کرنے کی کوشش

کرنے والے ہیں۔ جو انکار کریں گے ان کا شمار ان لوگوں میں ہو گا جو شیطان کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔ پس فرماتا ہے کہ میرے بندے اور مجھے معبود سمجھنے والے وہی لوگ ہیں جو میری تعلیم اور میرے احکامات پر عمل کرنے والے ہیں۔ وہ احکامات جو مَیں نے انبیاء کے ذریعہ سے نازل فرمائے اور جن کی انتہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری شرعی کتاب قرآن کریم کی صورت میں ہوئی۔ اب کوئی احکامات لانے والا نہیں مگر وہی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے۔ پس اس تعلیم کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں بھیجا تا کہ دنیا کو معبود حقیقی کی پہچان کروائیں۔ خدا میں اور اس کی مخلوق میں جو دُوری پیدا ہو گئی ہے، جو فاصلے بڑھ گئے ہیں اور بڑھتے چلے جا رہے ہیں، ان کو ختم کر کے اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان حقیقی تعلق قائم کریں۔ اب ہم میں سے ہر ایک کا یہی کام ہے کہ اس مشن کو آگے بڑھائے تبھی ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں شامل ہونے کا حق ادا کرنے کی کوشش کرنے والے کہلا سکیں گے۔ تبھی ہم خدا تعالیٰ کی بادشاہت کو دنیا میں قائم کرنے کی کوشش کرنے والوں میں شمار ہو سکیں گے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 30 نومبر 2007ء)

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی جماعت کو توحیدِ باری تعالیٰ کی نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "ضرور ہے کہ انواع رنج و مصیبت سے تمہارا امتحان بھی ہو جیسا کہ پہلے مؤمنوں کے امتحان ہوئے سو خبردار رہو! ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ۔ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے۔ جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھوں سے نہ دشمن کے ہاتھوں سے۔ اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہیں ایک لازوال عزت آسمان پر دے گا۔ سو تم اس کو مت چھوڑو اور ضرور ہے کہ تم دُکھ دیئے جاؤ اور اپنی کئی اُمیدوں سے بے نصیب کئے جاؤ، سو اِن صورتوں سے تم دلگیر مت ہو کیونکہ تمہارا خدا تمہیں آزماتا ہے کہ تم اُس کی راہ میں ثابت قدم ہو یا نہیں؟ اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو اور گالیاں سنو اور شکر کرو اور ناکامیاں دیکھو اور پیوند مت توڑو۔ تم خدا کی آخری جماعت ہو سو وہ عمل نیک دکھلاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجہ پر ہو۔ دیکھو! مَیں بہت خوشی سے خبر دیتا ہوں کہ تمہارا خدا در حقیقت موجود ہے۔ اگرچہ سب اُسی کی مخلوق ہے

لیکن وہ اس شخص کو چن لیتا ہے جو اس کو چنتا ہے وہ اس کے پاس آجاتا ہے، جو اس کے پاس جاتا ہے، جو اس کو عزت دیتا ہے وہ بھی اس کو عزت دیتا ہے۔ تم اپنے دلوں کو سیدھے کر کے اور زبانوں اور آنکھوں اور کانوں کو پاک کر کے اس کی طرف آجاؤ کہ وہ تمہیں قبول کرے گا۔"

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 15)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو خلافت کے حقوق ادا کرتے ہوئے اِس مبارک نظام سے مُنسلک اور وابستہ رہنے کی توفیق دیتا رہے تا توحیدِ باری تعالیٰ کا عَلم بلند سے بلند تر ہوتا چلا جائے۔ آمین

خلافت سے زندہ دلوں میں خدا
خلافت غریبوں کا ہے آسرا
نہ کیوں جان و دل سے ہوں اِس پر فدا
اِسی کے ہے دم سے ہماری بقا

❁❁❁❁

﴿48﴾ ﴿مشاہدات۔853﴾

حضرت مسیح موعودؑ کے آنے کی غرض

"تالوگ قوتِ یقین میں ترقی کریں"

(تقریر نمبر1)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ۔حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ۔كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۔كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ۔لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ۔ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ۔ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ۔(التکاثر:2-9)

تمہیں غافل کر دیا ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی دوڑ نے۔ یہاں تک کہ تم نے مقبروں کی بھی زیارت کی۔ خبر دار! تم ضرور جان لو گے۔ پھر خبر دار! تم ضرور جان لو گے۔ خبر دار! اگر تم یقینی علم کی حد تک جان لو۔ تو ضرور تم جہنّم کو دیکھ لو گے۔ پھر تم ضرور اُسے آنکھوں دیکھے یقین کی طرح دیکھو گے۔ پھر اس دن تم ناز و نعم کے متعلق ضرور پوچھے جاؤ گے۔

آواز آرہی ہے یہ فونو گراف سے
ڈھونڈو خدا کو دل سے نہ لاف و گزاف سے
جب تک عمل نہیں ہے دل پاک و صاف سے
کمتر نہیں یہ مشغلہ بت کے طواف سے

معزز سامعین! مجھے آج اِس تقریب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آنے کی غرض "تا لوگ قوتِ یقین میں ترقی کریں" پر روشن ڈالنی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے پاکیزہ لٹریچر میں مختلف مقامات پر اپنی آمد کی اغراض بیان کی ہیں جن میں سے ہر غرض پر الگ سے تقریر کی جاسکتی ہے مگر آج "تالوگ قوتِ یقین میں ترقی کریں" پر کچھ کہنا ہے۔

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں روایت ہے کہ حضرت مولوی عبد الکریم صاحبؓ فرماتے ہیں:

”مجھے خوب یاد ہے اور مَیں نے اپنی نوٹ بک میں اس کو لکھ رکھا ہے کہ جالندھر کے مقام پر ایک شخص نے حضرت اقدس امام صادق حضرت میرزا صاحبؑ کی خدمت میں سوال کیا کہ آپ کی غرض دنیا میں آنے سے کیا ہے؟“ آپؑ نے فرمایا کہ ”مَیں اس لئے آیا ہوں **تا لوگ قوتِ یقین میں ترقی کریں۔**“

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 1، ایڈیشن 2003ء)

یقین ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جو گمان و شک سے پاک ہو۔ جس کے پرپا ہونے میں ذرا بھر شک و شبہ کا شائبہ تک نہ ہو۔ اردو زبان کا مقولہ ہے کہ ”یقین بڑا رہبر ہے“ یعنی انسان کو اگر یقین ہو تو اُسے کامیابی مل ہی جاتی ہے۔ ہم اِس دنیا میں دیکھتے آئے ہیں اور آئندہ بھی دیکھتے چلے جائیں گے کہ مادی اور روحانی ہر دو دنیا میں کامیابیاں کامل یقین رکھنے والے کو ملتی ہیں۔ کیونکہ ایمان و ایقان میں ترقی اور اِس میں مضبوطی کامل یقین سے ہی آتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام علم کی تین قسمیں تحریر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

”ان آیات (سورت التکاثر کی آیات جن کی تلاوت مَیں اوپر کر آیا ہوں) میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ اِسی جہان میں بدکاروں کے لئے جہنمی زندگی پوشیدہ طور پر ہوتی ہے اور اگر غور کریں تو اپنی دوزخ کو اسی دنیا میں دیکھ لیں گے اور اس جگہ اللہ تعالیٰ نے علم کو تین درجوں پر منقسم کیا ہے یعنی علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین اور عام کے سمجھنے کے لئے ان تینوں علموں کی یہ مثالیں ہیں کہ اگر مثلاً ایک شخص دور سے کسی جگہ بہت سا دُھواں دیکھے اور دھویں سے ذہن منتقل ہو کر آگ کی طرف چلا جائے اور آگ کے وجود کا یقین کرے اور اس خیال سے کہ دھوئیں اور آگ میں ایک تعلق لَا یَنْفَكُ اور ملازمت تامّہ ہے۔ جہاں دھواں ہو گا ضرور ہے کہ آگ بھی ہو۔ پس اس علم کا نام علمُ الیقین ہے اور پھر جب آگ کے شعلے دیکھ لے تو اس علم کا نام عَینُ الیقین ہے اور جب اس آگ میں آپ ہی داخل ہو جائے تو اس علم کا نام حقُّ الیقین ہے۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہنم کے وجود کا علم الیقین تو اسی دنیا میں ہو سکتا ہے۔ پھر عالم برزخ میں عین الیقین حاصل ہو گا اور عالم حشر اجساد میں وہی علم، حقُّ الیقین کے کامل مرتبہ تک پہنچے گا۔“

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 402)

اِسی مضمون کو حضورؑ نے اپنی اِسی کتاب میں ایک اور جگہ یوں تحریر فرمایا ہے کہ پانچواں سوال یہ ہے کہ علم اور معرفت کے ذریعے کیا کیا ہیں؟

”اس سوال کے جواب میں واضح ہو کہ اس بارے میں جس قدر قرآن شریف نے مبسوط طور پر ذکر فرمایا ہے۔ اس کے ذکر کرنے کی تو اس جگہ کسی طرح گنجائش نہیں لیکن بطور نمونہ کسی قدر بیان کیا جاتا ہے۔ سو جاننا چاہئے کہ قرآن شریف نے علم تین قسم پر قرار دیا ہے۔ (1) علم الیقین (2) عین الیقین (3) حق الیقین۔ جیسا کہ ہم پہلے اس سے سورہ اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُر کی تفسیر میں ذکر کر چکے ہیں اور بیان کر چکے ہیں کہ علم الیقین وہ ہے کہ شیئ مقصود کا کسی واسطہ کے ذریعہ سے نہ بلا واسطہ پتہ لگایا جائے۔ جیسا کہ ہم دھوئیں سے آگ کے وجود پر استدلال کرتے ہیں ہم نے آگ کو دیکھا نہیں مگر دھوئیں کو دیکھا ہے کہ جسسے ہمیں آگ کے وجود پر یقین آیا۔ سو یہ علمُ الیقین ہے اور اگر ہم نے آگ کو ہی دیکھ لیا ہے تو یہ بموجب بیان قرآنِ شریف یعنی سورہ اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُر کے علم کے مراتب میں سے عینُ الیقین کے نام سے موسوم ہے اور اگر ہم اس آگ میں داخل بھی ہو گئے ہیں تو اس علم کے مرتبہ کا نام قرآن شریف کے بیان کی رو سے حقُّ الیقین ہے۔“

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 431)

قوت یقین کی اہمیت اور اس کے لیے نہایت مؤثر نصائح

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

”اے خدا کے طالب بندو! کان کھولو اور سنو کہ یقین جیسی کوئی چیز نہیں یقین ہی ہے جو گناہ سے چھڑاتا ہے۔ یقین ہی ہے جو نیکی کرنے کی قوت دیتا ہے یقین ہی ہے جو خدا کا عاشق صادق بناتا ہے کیا تم گناہ کو بغیر یقین کے چھوڑ سکتے ہو۔ کیا تم جذبات نفس سے بغیر یقینی تجلّی کے رُک سکتے ہو۔ کیا تم بغیر یقین کے کوئی تسلی پا سکتے ہو۔ کیا تم بغیر یقین کے کوئی سچی تبدیلی پیدا کر سکتے ہو کیا تم بغیر یقین کے کوئی سچی خوشحالی حاصل کر سکتے ہو۔ کیا آسمان کے نیچے کوئی ایسا کفّارہ اور ایسا فدیہ ہے جو تم سے گناہ ترک کرا سکے... پس تم یاد رکھو کہ بغیر یقین کے تم تاریک زندگی سے باہر نہیں آسکتے اور نہ روح القدس تمہیں مل سکتا ہے۔ مبارک وہ جو یقین رکھتے ہیں کیونکہ وہی خدا کو دیکھیں گے۔ مبارک وہ جو شبہات اور شکوک سے نجات پا گئے ہیں کیونکہ

وہی گناہ سے نجات پائیں گے۔ مبارک تم جب کہ تمہیں یقین کی دولت دی جائے کہ اس کے بعد تمہارے گناہ کا خاتمہ ہو گا۔ گناہ اور یقین دونوں جمع نہیں ہو سکتے کیا تم ایسے سوراخ میں ہاتھ ڈال سکتے ہو جس میں تم ایک سخت زہریلے سانپ کو دیکھ رہے ہو کیا تم ایسی جگہ کھڑے رہ سکتے ہو جس جگہ کسی کوہ آتش افشاں سے پتھر برستے ہیں یا بجلی پڑتی ہے یا ایک خونخوار شیر کے حملہ کرنے کی جگہ ہے یا ایک ایسی جگہ ہے جہاں ایک مہلک طاعون نسل انسان کو معدوم کر رہی ہے پھر اگر تمہیں خدا پر ایسا ہی یقین ہے جیسا کہ سانپ پر یا بجلی پر یا شیر پر یا طاعون پر تو ممکن نہیں کہ اس کے مقابل پر تم نافرمانی کر کے سزا کی راہ اختیار کر سکو یا صدق و وفا کا اُس سے تعلق توڑ سکو۔

اے وے لوگو! جو نیکی اور راستبازی کے لئے بلائے گئے ہو تم یقیناً سمجھو کہ خدا کی کشش اُس وقت تم میں پیدا ہو گی اور اُسی وقت تم گناہ کے مکروہ داغ سے پاک کئے جاؤ گے جبکہ تمہارے دل یقین سے بھر جائیں گے شائد تم کہو گے کہ ہمیں یقین حاصل ہے سو یاد رہے کہ یہ تمہیں دھوکا لگا ہوا ہے یقین تمہیں ہرگز حاصل نہیں کیونکہ اُس کے لوازم حاصل نہیں وجہ یہ کہ تم گناہ سے باز نہیں آتے تم ایسا قدم آگے نہیں اُٹھاتے جو اُٹھانا چاہئے تم ایسے طور سے نہیں ڈرتے جو ڈرنا چاہئے خود سوچ لو کہ جس کو یقین ہے کہ فلاں سوراخ میں سانپ ہے وہ اس سوراخ میں کب ہاتھ ڈالتا ہے اور جس کو یقین ہے کہ اس کے کھانے میں زہر ہے وہ اس کھانے کو کب کھاتا ہے اور جو یقینی طور پر دیکھ رہا ہے کہ اس فلاں بَن میں ایک ہزار خونخوار شیر ہے اُس کا قدم کیونکر بے احتیاطی اور غفلت سے اُس بَن کی طرف اُٹھ سکتا ہے۔ سو تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں اور تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں کیونکر گناہ پر دلیری کر سکتی ہیں اگر تمہیں خدا اور جزا سزا پر یقین ہے گناہ یقین پر غالب نہیں ہو سکتا اور جب کہ تم ایک بھسم کرنے اور کھا جانے والی آگ کو دیکھ رہے ہو تو کیونکر اُس آگ میں اپنے تئیں ڈال سکتے ہو اور یقین کی دیواریں آسمان تک ہیں شیطان اُن پر چڑھ نہیں سکتا ہر ایک جو پاک ہوا وہ یقین سے پاک ہوا۔ یقین دکھ اُٹھانے کی قوت دیتا ہے یہاں تک کہ ایک بادشاہ کو تخت سے اُتارتا ہے اور فقیری جامہ پہناتا ہے۔ یقین ہر ایک دکھ کو سہل کر دیتا ہے یقین خدا کو دکھاتا ہے۔ ہر ایک کفّارہ جھوٹا ہے اور ہر ایک فدیہ باطل ہے اور ہر ایک پاکیزگی یقین کی راہ سے آتی ہے وہ چیز جو گناہ سے چھڑاتی اور خدا تک پہنچاتی اور فرشتوں سے بھی صدق اور ثبات میں آگے بڑھا دیتی ہے وہ

یقین ہے۔ ہر ایک مذہب جو یقین کا سامان پیش نہیں کرتا وہ جھوٹا ہے۔ ہر ایک مذہب جو یقینی وسائل سے خدا کو دکھا نہیں سکتا وہ جھوٹا ہے ہر ایک مذہب جس میں بجز پرانے قصوں کے اور کچھ نہیں وہ جھوٹا ہے۔ خدا جیسے پہلے تھا وہ اب بھی ہے اور اس کی قدرتیں جیسی پہلے تھیں وہ اب بھی ہیں اور اُس کا نشان دکھلانے پر جیسا کہ پہلے اقتدار تھا وہ اب بھی ہے پھر تم کیوں صرف قصوں پر راضی ہوتے ہو وہ مذہب ہلاک شدہ ہے جس کے معجزات صرف قصے ہیں جس کی پیشگوئیاں صرف قصے ہیں اور وہ جماعت ہلاک شدہ ہے جس پر خدا نازل نہیں ہوا اور جو یقین کے ذریعہ سے خدا کے ہاتھ سے پاک نہیں ہوئی۔ جس طرح انسان نفسانی لذّات کا سامان دیکھ کر اُن کی طرف کھینچا جاتا ہے اِسی طرح انسان جب روحانی لذّات یقین کے ذریعہ سے حاصل کرتا ہے تو وہ خدا کی طرف کھینچا جاتا ہے اور اس کا حسن اس کو ایسا مست کر دیتا ہے کہ دوسری تمام چیزیں اُس کو سراسر ردّی دکھائی دیتی ہیں اور انسان اُسی وقت گناہ سے مَخلصی پاتا ہے جب کہ وہ خدا اور اس کے جبروت اور جزا سزا پر یقینی طور پر اطلاع پاتا ہے ہر ایک بیباکی کی جڑھ بے خبری ہے جو شخص خدا کی یقینی معرفت سے کوئی حصہ لیتا ہے وہ بیباک نہیں رہ سکتا۔ اگر گھر کا مالک جانتا ہے کہ ایک پُرزور سیلاب نے اس کے گھر کی طرف رخ کیا ہے اور یا اس کے گھر کے اِردگرد آگ لگ چکی ہے اور صرف ایک ذرہ سی جگہ باقی ہے تو وہ اس گھر میں ٹھہر نہیں سکتا۔ تو پھر تم خدا کی جزا سزا کے یقین کا دعویٰ کر کے کیونکر اپنی خطرناک حالتوں پر ٹھہر رہے ہو سو تم آنکھیں کھولو اور خدا کے اُس قانون کو دیکھو جو تمام دنیا میں پایا جاتا ہے چوہے مت بنو جو نیچے کی طرف جاتے ہیں بلکہ بلند پرواز کبوتر بنو جو آسمان کے فضا کو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔"

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 66)

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کا محور خدمتِ دین تھا۔ آپ اپنی جماعت کو اسی راہ پر گامزن کرنا چاہتے تھے اور اِس پر آپؑ کو یقینِ مُحکم تھا چنانچہ آپؑ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"عزیزو! یہ دین کے لئے اور دین کی اغراض کے لئے خدمت کا وقت ہے اس وقت کو غنیمت سمجھو کہ پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔"

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 83)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی زندگی دن رات دین کی خاطر قربانیوں میں وقف تھی۔ آپؑ نے موجودہ زمانہ کے حالات کو سامنے رکھ کر ہر احمدی کو اسی طرح کی زندگی بسر کرنے کی نہ صرف نصیحت کی بلکہ واضح اور یقینی الفاظ میں فرمایا کہ اس کے بغیر اسلام کی فتح نہ ہوگی۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:

''سچائی کی فتح ہوگی اور اسلام کے لئے پھر اُس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے۔ لیکن ابھی ایسا نہیں۔ ضرور ہے کہ آسمان اُسے چڑھنے سے روکے رہے جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں اور ہم سارے آراموں کو اُس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں اور اعزاز اسلام کے لیے ساری ذلّتیں قبول نہ کرلیں۔ اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلّی موقوف ہے۔''

(فتح اسلام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 10-11)

سامعین! آپؑ نہایت مؤثر نصائح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''صادق تو ابتلاؤں کے وقت بھی ثابت قدم رہتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ آخر خدا ہمارا ہی حامی ہوگا اور یہ عاجز اگرچہ ایسے کامل دوستوں کے وجود سے خدا تعالیٰ کا شکر کرتا ہے لیکن باوجود اس کے یہ بھی ایمان ہے کہ اگرچہ ایک فرد بھی ساتھ نہ رہے اور سب چھوڑ چھاڑ کر اپنا اپنا راہ لیں تب بھی مجھے کچھ خوف نہیں۔ مَیں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے اگر مَیں پیسا جاؤں اور کچلا جاؤں اور ایک ذرّے سے بھی حقیر تر ہو جاؤں اور ہر ایک طرف سے ایذا اور گالی اور لعنت دیکھوں تب بھی مَیں آخر فتح یاب ہوں گا مجھ کو کوئی نہیں جانتا مگر وہ جو میرے ساتھ ہے مَیں ہر گز ضائع نہیں ہو سکتا۔ دشمنوں کی کوششیں عبث ہیں اور حاسدوں کے منصوبے لاحاصل ہیں۔

اے نادانو اور اندھو! مجھ سے پہلے کون صادق ضائع ہوا جو مَیں ضائع ہو جاؤں گا۔ کس سچے وفادار کو خدا نے ذلت کے ساتھ ہلاک کر دیا جو مجھے ہلاک کرے گا۔ یقیناً یاد رکھو اور کان کھول کر سنو کہ میری روح ہلاک ہونے والی روح نہیں اور میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں مجھے وہ ہمت اور صدق بخشا گیا ہے جس کے آگے پہاڑ ہیچ ہیں۔ مَیں کسی کی پرواہ نہیں رکھتا۔ مَیں اکیلا تھا اور اکیلا رہنے پر ناراض نہیں کیا خدا مجھے چھوڑ دے گا کبھی نہیں چھوڑے گا کیا وہ مجھے ضائع کر دے گا کبھی نہیں ضائع کرے گا۔ دشمن ذلیل ہوں گے

اور حاسد شرمندہ اور خدا اپنے بندہ کو ہر میدان میں فتح دے گا۔ مَیں اُس کے ساتھ وہ میرے ساتھ ہے کوئی چیز ہمارا پیوند توڑ نہیں سکتی اور مجھے اُس کی عزت اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے دنیا اور آخرت میں اِس سے زیادہ کوئی چیز بھی پیاری نہیں کہ اُس کے دین کی عظمت ظاہر ہو اُس کا جلال چمکے اور اُس کا بول بالا ہو۔ کسی ابتلا سے اُس کے فضل کے ساتھ مجھے خوف نہیں اگرچہ ایک ابتلا نہیں کروڑ ابتلا ہو۔ ابتلاؤں کے میدان میں اور دکھوں کے جنگل میں مجھے طاقت دی گئی ہے۔"

(انوار الاسلام، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 23)

استقلال اور ہمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ پر گامزن ہونے کی نصیحت

پیارے دوستو! مَیں اِس وقت حضرت مسیح موعودؑ کی آمد کی غرض "تا لوگ قوتِ یقین میں ترقی کریں" پر بات کر رہا ہوں اِس لئے آپؑ کے وہ ارشادات پیش کر رہا ہوں جن پر آپؑ اللہ پر یقین کے ساتھ بات کر رہے ہیں۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"مَیں خدا تعالیٰ پر ایسا ایمان پیدا کرانا چاہتا ہوں کہ جو خدا تعالیٰ پر ایمان لاوے وہ گناہ کی زہر سے بچ جاوے اور اس کی فطرت اور سرشت میں ایک تبدیلی ہو جاوے۔ اُس پر موت وارد ہو کر ایک نئی زندگی اُس کو ملے۔ گناہ سے لذّت پانے کی بجائے اُس کے دل میں نفرت پیدا ہو۔ جس کی یہ صورت ہو جاوے وہ کہہ سکتا ہے کہ مَیں نے خدا کو پہچان لیا ہے۔ خدا خوب جانتا ہے کہ اس زمانے میں یہی حالت ہو رہی ہے کہ خدا کی معرفت نہیں رہی۔ کوئی مذہب ایسا نہیں رہا جو اس منزل پر انسان کو پہنچا دے اور یہ فطرت اس میں پیدا کرے۔ ہم کسی خاص مذہب پر کوئی افسوس نہیں کر سکتے۔ یہ بلا عام ہو رہی ہے اور یہ وبا خطرناک طور پر پھیلی ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں خدا پر ایمان لانے سے انسان فرشتہ بن جاتا ہے، بلکہ ملائکہ کا مسجود ہوتا ہے۔ نورانی ہو جاتا ہے۔

غرض جب اس قسم کا زمانہ دنیا پر آتا ہے کہ خدا کی معرفت باقی نہیں رہتی اور تباہ کاری اور ہر قسم کی بدکاریاں کثرت سے پھیل جاتی ہیں۔ خدا کا خوف اُٹھ جاتا ہے اور خدا کے حقوق بندوں کو دیئے جاتے ہیں تو خدا تعالیٰ ایسی حالت میں ایک انسان کو اپنی معرفت کا نور دے کر مامور فرماتا ہے۔ اُس پر لعن طعن ہوتا ہے اور ہر طرح سے اُس کو ستایا جاتا اور دُکھ دیا جاتا ہے لیکن آخر وہ خدا کا مامور کامیاب ہو جاتا اور دنیا میں سچائی کا نور پھیلا دیتا ہے۔ اسی طرح اس زمانے میں خدا نے مجھے مامور کیا اور اپنی معرفت کا نور مجھے بخشا"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 493-494 ایڈیشن 1988ء)

حضرت مسیح موعودؑ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

"مجھے حیرت ہوتی ہے کہ جب مَیں کسی کتاب کا مضمون لکھنے بیٹھتا ہوں اور قلم اٹھاتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کوئی اندر سے بول رہا ہے اور مَیں لکھتا جاتا ہوں۔ اصل یہ ہے کہ یہ ایک ایسا سلسلہ ہوتا ہے کہ ہم دوسروں کو سمجھا بھی نہیں سکتے۔ خدا تعالیٰ کا چہرہ نظر آجاتا ہے اور میرا ایمان تو یہ ہے کہ جنت ہو یا نہ ہو۔ خدا تعالیٰ پر پورا یقین ہونا ہی جنت ہے۔"

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 270 ایڈیشن 1988ء)

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اے پاکیزگی کے ڈھونڈنے والو! اگر تم چاہتے ہو کہ پاک دل بن کر زمین پر چلو اور فرشتے تم سے مصافحہ کریں تو تم یقین کی راہوں کو ڈھونڈو اور اگر تمہیں اس منزل تک بھی رسائی نہیں تو اس شخص کا دامن پکڑو جس نے یقین کی آنکھ سے اپنے خدا کو دیکھ لیا ہے۔"

(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 474-475)

سامعین!

"ایک دفعہ کسی بحث کے دوران میں حضرت مسیح موعودؑ سے کسی مخالف نے کوئی حوالہ طلب کیا۔ اس وقت وہ حوالہ حضرت کو یاد نہیں تھا اور نہ آپ کے خادموں میں سے کسی اور کو یاد تھا لہذا شماتت کا اندیشہ پیدا ہوا۔ مگر حضرت صاحب نے بخاری کا ایک نسخہ منگوایا اور یونہی اس کی ورق گردانی شروع کر دی اور جلد جلد ایک ایک ورق الٹانے لگ گئے اور آخر ایک جگہ پہنچ کر آپ ٹھہر گئے اور کہا کہ لو یہ لکھ لو۔ دیکھنے والے سب حیران تھے کہ یہ کیا ماجرہ ہے اور کسی نے حضرت صاحب سے دریافت بھی کیا جس پر حضرت نے فرمایا کہ جب مَیں کتاب ہاتھ میں لے کر ورق الٹانے شروع کیے تو مجھے کتاب کے صفحات ایسے نظر آتے تھے کہ گویا وہ خالی ہیں اور ان پر کچھ نہیں لکھا ہوا۔ اسی لیے مَیں ان کو جلد جلد الٹاتا گیا۔ آخر مجھے ایک صفحہ ملا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا اور مجھے یقین ہوا کہ یہ وہی حوالہ ہے جس کی مجھے ضرورت ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ایسا تصرّف کیا کہ سوائے اس جگہ کے کہ جس پر حوالہ درج تھا باقی تمام جگہ آپ کو خالی نظر آئی۔"

(سیرت المہدی حصہ دوم مطبوعہ 1935 صفحہ 2-3)

اللہ اللہ کیا ہی اعلیٰ مثال خدا پر یقین کے بارہ میں ہے۔

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”آج کی مادی دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا جو ہے مادیت میں ڈوب کر اپنے پیدا کرنے والے خدا کو بھول چکی ہے اور جو بظاہر مذہب یا خدا کے وجود کو کچھ سمجھتے ہیں، کچھ تسلیم کرتے ہیں تو وہ بھی ظاہری رنگ میں۔ نہ اُنہیں خدا تعالیٰ کی ذات کے بارے میں کچھ یقین ہے، نہ اس کا ادراک ہے، نہ فہم ہے، نہ مذہب کا کچھ ادراک ہے۔ اُن کے لئے اصل چیز دنیا اور اس کی جاہ و حشمت ہے۔ صرف نام کے طور پر کسی مذہب کو ماننے والے ہیں۔ ایسے حالات میں یقیناً یہ ایک بہت بڑا دعویٰ ہے۔ لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس قدر یقین ہے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے پر کس قدر اعتماد ہے، اس کا اظہار جو الفاظ مَیں نے پڑھے ہیں ان کی شوکت سے ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ سب الفاظ، یہ آپ کا دعویٰ، یہ بعثت کی غرض اور مقاصد ہمیں بھی کچھ توجہ دلا رہے ہیں کہ یہ سب کچھ ہے جس کو پڑھ اور سن کر ہم جماعت میں داخل ہوئے ہیں، یا ہمارے باپ دادا جماعت احمدیہ میں شامل ہوئے تھے اور ہم نے ان کی اس نیکی کا فیض پایا، یہ ہم سے کچھ مطالبہ کر رہا ہے یا یہ مقاصد ہم سے کچھ مطالبہ کر رہے ہیں۔ اور وہ یہ کہ ہم ان مقاصد کو اپنی زندگیوں کا حصہ بنائیں۔ ہمیں ان کو اپنی زندگیوں کا حصہ بنانے کی ضرورت ہے۔ ہم نے بھی ان کے نتائج کے حصول کی کوشش کرنی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام جو جو باتیں دنیا میں پیدا کرنے آئے ہم نے بھی اُن کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ ہم نے بھی مسیح موعود علیہ السلام کے مشن کی تکمیل کے لئے مددگار بننا ہے۔ جب ہم نے منادی کی آواز کو سنا اور ایمان لائے تو اب ہم بھی یہ اعلان کرتے ہیں اور ہمیں یہ اعلان کرنا چاہئے کہ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہ۔ کہ ہم اپنی حالتوں میں یہ تبدیلیاں پیدا کریں گے اور اس پیغام کو پھیلائیں گے اس مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے جس کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام تشریف لائے۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 22 نومبر 2013ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین

﴿49﴾ ﴿مشاہدات۔854﴾

حضرت مسیح موعودؑ کے آنے کی غرض

”تا لوگ قوتِ یقین میں ترقی کریں“

(تقریر نمبر2)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ۔ وَوَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ۔ الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ۔ وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ۔ فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا۔ اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا۔ فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ۔ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ۔ (الم نشرح:2-9)

کیا ہم نے تیری خاطر تیرا سینہ کھول نہیں دیا؟ اور تجھ سے ہم نے تیرا بوجھ اتار نہیں دیا؟ جس نے تیری کمر توڑ رکھی تھی۔ اور ہم نے تیرے لئے تیرا ذکر بلند کر دیا۔ پس یقیناً تنگی کے ساتھ آسائش ہے۔ یقیناً تنگی کے ساتھ آسائش ہے۔ پس جب تُو فارغ ہو جائے تو کمر ہمت کَس لے۔ اور اپنے ربّ ہی کی طرف رغبت کر۔

وہ دیں ہی کیا ہے جس میں خدا سے نشاں نہ ہو
تائیدِ حق نہ ہو مددِ آسماں نہ ہو
مذہب بھی ایک کھیل ہے جب تک یقیں نہیں
جو نور سے تہی ہے خدا سے وہ دیں نہیں
دینِ خدا وہی ہے جو دریائے نور ہے
جو اس سے دور ہے وہ خدا سے بھی دور ہے

معزز سامعین! مجھے آج اِس تقریب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آنے کی غرض ”تا لوگ قوتِ یقین میں ترقی کریں“ پر روشن ڈالنی ہے۔

اِس سلسلہ میں میری یہ دوسری تقریر ہے۔ آج اِس سلسلہ میں مَیں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃُ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا ایک ارشاد پیش کرنے جارہاہوں جس میں آپؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان فرمودہ یقین بارے تین مدارج کی تشریح فرمائی ہے۔ اِس میں آپؓ نے فرمایاہے کہ ہر کام کی بنیاد حق الیقین پر ہونی چاہئے۔ اِس ارشاد سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کی غرض ”تالوگ قوتِ یقین میں ترقی کریں“ عیاں ہوتی ہے۔ آپؓ سورۃ الم نشرح کی تفسیر میں ایک درس القرآن کے موقع پر فرماتے ہیں۔

”قرآن کریم نے یقین کے مختلف مدارج بیان کئے ہیں۔ یوں تو اس کے ہزاروں مدارج ہیں مگر موٹے موٹے تین مدارج ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں میں جو خاص اصولی مضامین ہیں ان میں سے ایک یہ بھی مضمون ہے جو مراتب یقین کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ پہلے صوفیاء کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں پہلے صوفیاء کی کتابوں میں بھی بے شک اس کا ذکر ملتا ہے مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون میں جو جِدتیں پیدا کی ہیں وہ ان لوگوں کی تشریحات میں نہیں ہیں۔ بعض لوگ اس حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اعتراض کر دیا کرتے ہیں کہ یہ باتیں تو امام غزالیؒ کی کتابوں میں بھی پائی جاتی ہیں یا فلاں فلاں مضامین انہوں نے بھی بیان کئے ہیں۔ جیسے ڈاکٹر اقبال نے کہہ دیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس قسم کے مضامین صوفیاء کی کتابوں سے چرا لئے تھے حالانکہ اگر غور وفکر سے کام لیا جائے تو دونوں کے تقابل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ انہوں نے مضمون میں وہ باریکیاں پیدا نہیں کیں جو ایک ماہرِ فن پیدا کیا کرتا ہے اور نہ مضمون کی نوک پلک انہوں نے نکالی ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس مضمون کو بھی لیا ہے ایک ماہرِ فن کے طور پر اس کی باریکیوں اور اس کے خدوخال پر پوری تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور کوئی پہلو بھی تشنۂ تحقیق رہنے نہیں دیا اور یہی ماہر کا کام ہوتا ہے کہ دوسروں سے نمایاں کام کر کے دکھا دیتا ہے۔ مثلاً تصویر کھینچنا بظاہر ایک عام بات ہے ہر شخص تصویر کھینچ سکتا ہے میں بھی اگر پنسل لے کر کوئی تصویر بنانا چاہوں تو اچھی یا بُری جیسی بھی بن سکے کچھ نہ کچھ شکل بنادوں گا مگر میری بنائی ہوئی تصویر اور ایک ماہرِ فن کی بنائی ہوئی تصویر میں کیا فرق ہوگا یہی

ہو گا کہ ماہرِ فن اس کی نوکیں پلکیں خوب درست کرے گا اور میں صرف بے ڈھنگی سی لکیریں کھینچ دینے پر اکتفا کر دوں گا۔ پس کسی مضمون کا خالی بیان کر دینا اَور بات ہوتی ہے اور اس کی نوک پلک درست کر کے اسے بیان کرنا اور بات ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گو بعض جگہ وہی مضامین لئے ہیں جو پُرانے صوفیاء بیان کرتے چلے آئے تھے مگر آپ کے بیان کردہ مضامین اور پہلے صوفیاء کے بیان کردہ مضامین میں وہی فرق ہے جو ایک اناڑی اور ماہر مصور کی بنائی ہوئی تصاویر میں ہوتا ہے۔ انہوں نے تصویر اس طرح کھینچی ہے جیسے ڈرائنگ کا ایک طالب علم کھینچتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تصویر اس طرح کھینچی ہے جس طرح ایک ماہرِ فن تصویر کھینچ کر اپنے کمالات کا دنیا کے سامنے ثبوت پیش کرتا ہے اور پھر ہر بات پر قرآن کریم سے شاہد پیش کر کے بتایا ہے کہ اس مضمون کا بتانے والا قرآن کریم ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس تشریح کے مطابق علم الیقین تو یہ ہوتا ہے کہ زید یا بکر ہمارے پاس آئے اور وہ ہمیں بتائے کہ فلاں بات یوں ہے جیسے ایک شخص ہمارے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تمہارے گھر میں گوشت پہنچا دیا ہے۔ ہم اُس کی بات سنتے اور خیال کر لیتے ہیں کہ اس نے ٹھیک ہی کام کیا ہو گا حالانکہ ہو سکتا ہے کہ اس نے گوشت نہ پہنچایا ہو اور محض دھوکا دینے کے لئے ہمیں ایک غلط خبر دے دی ہو۔

دنیا میں بہت سی خرابیاں بِالعموم علم الیقین سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر کاموں کی بنیاد علم الیقین کی بجائے حق الیقین پر رکھی جائے اور اُس وقت تک انسان اطمینان حاصل نہ کرے جب تک اُسے یہ یقین حاصل نہ ہو جائے کہ جو کام میرے سپرد کیا گیا تھا یا جو کام میں کرنا چاہتا تھا وہ اپنی تکمیل کو پہنچ گیا ہے تو وہ نقائص جو عموماً واقع ہوا کرتے ہیں اور جن کی بناء پر بعض دفعہ بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہو جایا کرتی ہیں کبھی واقع نہ ہوں۔

مجھے اپنی ساری عمر میں لوگوں سے کام لینے میں اگر کوئی دقت پیش آئی ہے تو وہ یہی ہے کہ جو شخص بھی کام کرتا ہے علم الیقین پر اس کی بنیاد رکھتا ہے حق الیقین پر بنیاد نہیں رکھتا۔ میں نے مختلف صیغہ جات مقرر کئے ہوئے ہیں، مختلف محکمے کام کی سہولت کے لئے قائم کئے ہوئے ہیں اور مختلف لوگ ان محکموں کے انچارج ہیں مگر جب بھی کسی محکمہ میں کوئی نقص واقعہ ہوتا ہے اس کی بنیادی وجہ یہی ہوتی ہے کہ کام کی اہمیت کو

نظر انداز کر کے علم الیقین پر بنیاد رکھ لی جاتی ہے اور یہ خیال کر لیا جاتا ہے کہ کام ہو گیا ہو گا حالانکہ وہ کام نہیں ہوا ہوتا۔ میں نے پرائیویٹ سیکرٹری کے محکمہ کو دیکھا ہے جب بھی ان سے کہو کہ فلاں کام اس طرح کر دیا جائے اور پھر دو گھنٹہ کے بعد پوچھا جائے کہ کام ہو گیا ہے تو پرائیویٹ سیکرٹری جواب دے گا، میں نے فلاں کو کہہ دیا تھا اس سے پوچھ کر جواب دیتا ہوں کہ کام ہو گیا ہے یا نہیں۔ حالانکہ فلاں کو کہہ دینا یہ علم الیقین ہے بلکہ علم الیقین سے بھی پہلے کی چیز ہے اور اس پر اپنے کاموں کی بنیاد رکھ کر فرض کر لینا کہ کام ہو گیا ہے یا ہو رہا ہے بالکل ویسی ہی بات ہوتی ہے جیسے ہمارے ہاں مشہور ہے کہ کوئی شخص کسی کے گھر مہمان آیا۔ اُس نے اپنے نوکر کو ہر قسم کے ضروری آداب سکھائے ہوئے تھے جس کی وجہ سے وہ بروقت اور نہایت عمدگی سے کام کرنے کا عادی تھا۔ اتفاقاً مہمان کے سامنے میزبان کو کسی چیز کی ضرورت پیش آگئی مثلاً دہی کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس نے اپنے نوکر کو دہی لانے کے لئے بازار بھیج دیا اور اس دوست سے کہا کہ میرا نوکر بہت مؤدب اور فرض شناس ہے جو کام بھی اسے کرنے کے لئے کہا جائے ٹھیک وقت کے اندر اسے سرانجام دیتا ہے۔ چنانچہ کہنے لگا دیکھ لیجئے میں نے اسے دہی لینے کے لئے بازار بھیجا ہے اور دُکان تک دو چار منٹ کا راستہ ہے۔ اب چونکہ ایک منٹ گزر چکا ہے اس لئے مجھے یقین ہے کہ وہ فلاں جگہ تک پہنچ گیا ہو گا تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا اب مجھے یقین ہے کہ وہ دُکان تک پہنچ گیا ہو گا، پھر کچھ وقت انتظار کرنے کے بعد جو سودا خریدنے پر صرف ہو سکتا تھا اس نے کہا اب مجھے یقین ہے کہ وہ دہی لے کر وہاں سے چل پڑا ہو گا، تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا اب وہ فلاں نکڑ تک پہنچ گیا ہو گا، کچھ اور دیر گزری تو کہنے لگا مجھے یقین ہے کہ اب وہ ڈیوڑھی میں آ چکا ہے۔ چنانچہ اس نے آواز دی کہ کیوں میاں دہی لے آئے؟ نوکر نے جواب دیا حضور! حاضر ہے۔ یہ نمونہ ایسا اعلیٰ درجہ کا تھا کہ اسے دیکھ کر ہر شخص کی طبیعت خوشی محسوس کرتی تھی۔ چنانچہ مہمان بھی بہت خوش ہوا اور اس نے فیصلہ کیا کہ مَیں بھی اپنے نوکر کی ایسی ہی تربیت کروں گا مگر وہ مہمان خود اُجڈ اور جاہل تھا۔ اس نے اپنے نوکر (کو) تہذیب و شائستگی کے اصول کیا سکھانے تھے اس کے اپنے کاموں میں بھی کوئی باقاعدگی نہ پائی جاتی تھی مگر اُس کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے کہا اب میں بھی اپنے نوکر کو ایسی ہی تہذیب سکھاؤں گا۔ چنانچہ اس نے واپس جا کر اپنے نوکر کو سکھانا شروع کر دیا مگر وہ اُجڈ، اَن پڑھ اور جاہل تھا اُس پر اِن سبقوں کا کیا اثر ہو سکتا تھا پانچ چھ ماہ گزر گئے تو

اس نے اپنے شہری دوست کی دعوت کی اور اسے کہا کہ گاؤں کی آب و ہوا اچھی ہوتی ہے آپ میرے ہاں تشریف لائیں۔ چنانچہ وہ اس دعوت پر اس کے گاؤں میں گیا۔ جب دستر خوان بچھا تو اُس نے بھی نقل کرنی شروع کر دی۔ زمینداروں کے گھروں میں عام طور پر دہی ہوتا ہے مگر اس نے چونکہ اپنے دوست کو یہ بتانا تھا کہ میرا نوکر بھی بڑا ہوشیار اور فرض شناس ہے اس لئے اسے آواز دے کر کہنے لگا میاں! ذرا جانا اور فلاں دکاندار کے ہاں سے دہی تو لے آنا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا میرا نوکر بڑا ہوشیار اور مؤدب ہے اب وہ فلاں جگہ پر پہنچ چکا ہو گا، تھوڑی دیر کے بعد کہا مجھے یقین ہے کہ اب وہ دُکان تک پہنچ چکا ہو گا، پھر کچھ وقفے کے بعد کہا اب وہ دہی لے رہا ہو گا، تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا اب وہ دہی لے کر وہاں سے ضرور چل پڑا ہے، ایک منٹ کے بعد کہنے لگا اب وہ فلاں جگہ پہنچ چکا ہو گا، پھر کچھ وقت گزرا تو کہا اب مجھے یقین ہے کہ وہ دہی لے کر ڈیوڑھی میں پہنچ چکا ہے۔ چنانچہ اُسے آواز دے کر کہنے لگا کیوں میاں دہی لے آئے؟ نوکر کہنے لگا "تُسیں اینے کاہلے کیوں پے گئے ہو مَیں جتی تے لبھ لواں فیر دہی وی لے آواں گا"۔ یعنی آپ اتنی جلدی کیوں کرتے ہیں مَیں جوتی تو تلاش کر لوں پھر دہی بھی لے آؤں گا۔ دیکھو! یہ علم الیقین تھا جس پر اس نے اپنے کام کی بنیاد رکھی اور شرمندگی اور ندامت اسے حاصل ہوئی۔ اسی طرح ہندوستانی مینٹلیٹی (MENTALITY) ایسی ہے کہ جب کسی شخص کے سپرد کوئی کام ہو وہ کبھی حق الیقین پر اس کی بنیاد نہیں رکھتا اور یہ تو علم الیقین سے بھی پہلے کی بات ہے کہ جب انسان دوسرے سے دریافت کرے کہ کیا فلاں کام ہو گیا ہے؟ تو وہ جواب دے کہ جی! ابھی پوچھ کر بتاتا ہوں۔ پھر جب پوچھا جاتا ہے اور پتہ لگتا ہے کہ کام نہیں ہوا تو دفتر والے جواب دیتے ہیں کہ ہم نے تو فلاں سے کہہ دیا تھا مگر کمبخت گیا نہیں۔ چنانچہ پھر اُسے ڈانٹا جاتا ہے کہ کیوں تم نے یہ کام نہیں کیا؟ مَیں کہتا ہوں تم کیوں اپنے علم کو عین الیقین بلکہ حق الیقین سے نہیں بدل لیتے تا کہ یہاں تک نوبت ہی نہ پہنچے۔

یورپین قوموں کی تربیت اس لحاظ سے ایسی اعلیٰ درجہ کی ہے کہ افسرانِ بالا کی طرف سے جو کام بھی سپرد کیا جائے اسے پوری دیانت اور محنت کے ساتھ سرانجام دیتے ہیں اور کبھی اپنے فرائض کی بجا آوری میں کوتاہی کا ارتکاب نہیں کرتے بلکہ افسروں کو سکھایا جاتا ہے کہ جب تم کسی کو کوئی آرڈر دو تو پھر اُسے دُہراؤ کیونکہ بعض دفعہ آرڈر کچھ دیا جاتا ہے اور سمجھا کچھ جاتا ہے، اس کے بعد ماتحت کو ہدایت دی جاتی ہے کہ

جب تم کام کر چکو تو تمہارا فرض ہے کہ ہمیں اطلاع دو کہ کام ہو گیا ہے۔ مگر مَیں نے دیکھا ہے ہمارے کارکنوں کو اس بات کی عادت ہی نہیں کہ جب کوئی کام ان کے سپرد ہو تو وہ اس کے متعلق اپنے افسر کو یہ اطلاع دیں کہ کام ہو گیا ہے یا اس میں فلاں فلاں روکیں پیدا ہو گئی ہیں۔ اگر کارکنوں کو اس بات کی عادت ڈلوائی جائے کہ جب کسی کام کے لئے کہا جائے تو واپس آکر ہمیں بتانا ہو گا کہ کام ہو گیا ہے یا نہیں تو وہ نقائص پیدا نہ ہوں جو اَب ہمارے کاموں میں بعض دفعہ پیدا ہو جاتے ہیں اور جن کی وجہ سے بہت کچھ اُلجھنیں واقعہ ہو جاتی ہیں۔ مَیں نے دیکھا ہے بعض دفعہ ضروری کاغذات دفتر کے سپرد کئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ متعلقہ دفاتر میں پہنچا دیئے جائیں۔ تین چار منٹ کے بعد فون کیا جاتا ہے کہ کیا وہ کاغذ بھجوا دیئے گئے ہیں؟ تو کہا جاتا ہے ابھی دریافت کر کے اطلاع دی جاتی ہے۔ پھر دس منٹ کے بعد جواب آتا ہے کہ غلطی ہو گئی رجسٹر میں اور بھی بہت سی چِٹھیاں اس وقت نقل ہو رہی تھیں اس لئے ان کاغذات کو بھی کلرک نے رکھ لیا اور سمجھا کہ جب اور چِٹھیاں جائیں گی تو یہ بھی چلی جائے گی۔ اب ہدایت دے دی گئی ہے کہ ان کاغذات کو فوراً پہنچا دیا جائے۔ اگر آرڈر دینے کے بعد ہمیشہ اس کو دُہرایا جائے اور کارکن کو سمجھایا جائے کہ اسے کیا حکم دیا گیا ہے تو اس قسم کی غلطیاں کیوں واقعہ ہوں۔ اسی طرح اگر کہا جائے کہ کام کرنے کے بعد ہمیں آکر بتانا ہے کہ کام ہوا ہے یا نہیں تب بھی یہ نقائص واقعہ نہ ہوں اور یہ جواب نہ دینا پڑے کہ مَیں نے تو کہہ دیا تھا اب مَیں دریافت کر کے اطلاع دیتا ہوں کہ کام ہو گیا ہے یا نہیں۔

غرض پہلی چیز علم الیقین ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا کے بہت سے کام علم الیقین سے تعلق رکھتے ہیں مگر جب اہم کام پیش آئیں تو اس وقت علم الیقین کی بجائے عین الیقین بلکہ حقُّ الیقین پر اپنے کاموں کی بنیاد رکھنی چاہئے۔ علم الیقین کی مثال تو ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص ہمیں آکر یہ خبر دے کہ مَیں فلاں گھر میں گیا تھا وہاں آگ جل رہی تھی۔ جب وہ کہتا ہے آگ جل رہی تھی تو ہمیں اس کے ذریعہ سے ایک علم حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر یہ علم محض سماعی ہوتا ہے۔ کوئی شخص ہمارے پاس آتا اور ہمیں یہ خبر پہنچاتا ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ اُس نے سچائی سے کام لیا ہے یا کذب بیانی سے۔ لیکن اس کے بعد جب ہم اُس مکان کی طرف جاتے اور دور سے دُھواں اُٹھتے دیکھتے ہیں تو ہمارا علم عین الیقین سے بدل جاتا ہے۔ یا ہم آگ کو جلتا دیکھ لیتے ہیں تب بھی عین الیقین کا مقام ہم حاصل کر لیتے ہیں لیکن اب بھی آگ کی عام تاثیرات ہم پر

نہیں پڑتیں ہم صرف دور سے اس کا نظارہ دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ جب اس کے بعد ہم اُس آگ میں اپنا ہاتھ ڈال دیتے ہیں تب ہمیں پتہ لگتا ہے کہ اُس کی گرمی کیسی ہے یہ مقام حقّ الیقین کہلاتا ہے کہ ہم نے صرف آنکھوں سے آگ کو نہیں دیکھا بلکہ خود اُس آگ میں پڑ کر اس کی حقیقت کو پہچان لیا ہے۔ اسی طرح جب کسی شخص سے ہم نے کہا کہ فلاں کام تمہارے سپرد کیا جاتا ہے اور اُس نے ہمیں آکر کہہ دیا کہ مَیں نے وہ کام کر دیا ہے تو کام کے لحاظ سے یہ صرف علم الیقین کا مقام ہوگا اس کے بعد اگر وہ کوئی ثبوت بہم پہنچا دیتا ہے مثلاً ہمارے پاس رسید لے آتا ہے تو ہم عین الیقین کا مقام حاصل کر لیتے ہیں پھر آخر میں جب ہمیں ہر لحاظ سے کام کے متعلق اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ جو کام اس کے سپرد کیا گیا تھا وہ واقعہ میں ہو چکا ہے تو ہمیں حقّ الیقین حاصل ہو جاتا ہے۔

دنیا میں بہت سے لوگ اپنے کاموں کی بنیاد ابتدائی یقین پر رکھتے ہیں اور اس طرح کئی امور میں ٹھوکر کھاتے یا کام کو نقصان پہنچا دیتے ہیں۔ بہرحال جسے علم الیقین ہوتا ہے اُس سے بہت زیادہ جدوجہد اُس شخص کی ہوتی ہے جسے عین الیقین حاصل ہوتا ہے اور جسے حقّ الیقین حاصل ہو جائے وہ تو کمال درجہ کی جدوجہد سے کام لینا شروع کر دیتا ہے۔ حقّ الیقین سے اوپر جو مقام ہے وہ وہی ہے جو

من تو شدم تو من شدی
من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں
من دیگرم تو دیگری

میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں کوشش کا سوال نہیں ہوتا کیونکہ انسان کسی اور کے لئے کوشش نہیں کرتا بلکہ اپنے لئے کرتا ہے اس لئے اس کی جدوجہد دوسرے لوگوں کی جدوجہد کے مقابلہ میں بالکل نرالا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔

غرض انسانی علم اور یقین کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں جو مختلف لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ ایک متذبذب حالت ہوتی ہے۔ انسان کام تو کرتا ہے مگر کبھی خیال کرتا ہے کہ شاید ہو جائے اور کبھی خیال کرتا ہے کہ

شاید نہ ہو۔ مثلاً وہ کسی سے اپنے لئے رشتہ مانگنا چاہتا ہے اُس وقت اُس کی حالت متذبذب ہوتی ہے کبھی خیال کرتا ہے کہ شاید وہ شخص رشتہ دے دے اور کبھی خیال کرتا ہے کہ ممکن ہے نہ دے۔ آخر بہت کچھ سوچنے کے بعد وہ درخواست دے دیتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اگر اس نے درخواست کو ردّ کر دیا تو کسی اور جگہ کوشش کر دیکھوں گا۔ بہر حال اس کی حالت میں تذبذب ہوتا ہے اور ایک خلجان سا اس کی طبیعت میں پایا جاتا ہے۔ اس سے اوپر ایک اور مقام ہوتا ہے جس میں تذبذب تو نہیں ہوتا مگر یقین بھی نہیں ہوتا اس حالت کو ہم ''یقینی مگر قابلِ تذبذب حالت'' کہہ سکتے ہیں۔ وہ ظاہر میں سمجھتا ہے کہ مجھے یقین حاصل ہے مگر دراصل اُس کا یقین کمزور ہوتا ہے اور وہ جلد ہی اپنے اصل مقام سے اِدھر اُدھر ہو جاتا ہے۔ جیسے لَیَالٍ عَشْرَ کی تشریح میں مَیں نے بتایا تھا کہ حضرت ابن عمرؓ سے جب طلحہ بن عبد اللہؓ نے کہا کہ اس سے ذِی الحجہ کے ایامِ عرفہ و نحر مراد ہیں تو انہوں نے کہا تم کو کس طرح معلوم ہوا؟ وہ کہنے لگے مجھے یقین ہے۔ اس پر انہوں نے کہا اگر یقین ہے تو مَیں ابھی تم کو شک میں ڈال دیتا ہوں۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ جانتے تھے اس بارہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کوئی بات مروی نہیں جو کچھ کہا جاتا ہے۔ رواۃ کی اپنی رائے ہے اس لئے انہیں آسانی سے شبہ ڈالا جا سکتا ہے۔ گویا یہ مقام ایسا ہے جس میں انسان کو شک تو نہیں ہوتا مگر شک کا امکان ہوتا ہے اور گو وہ اپنے مقصد کے لئے زیادہ جدوجہد کرتا ہے مگر ابھی اس کا دائرہ محدود ہوتا ہے۔ دیوانہ وار جدوجہد کے لئے وہ تیار نہیں ہوتا۔ اس کے بعد ایک اور حالت ہوتی ہے جس میں انسان کو یقین تو ہوتا ہے مگر غیر معمولی حالات میں وہ ہِل جانے والا ہوتا ہے اور کبھی انسان کو ایسا مضبوط یقین حاصل ہوتا ہے کہ بیسیوں دلائل اس کے سامنے پیش کئے جائیں وہ گھبراتا نہیں وہ علیٰ وَجہِ البصیرت اپنے دعویٰ پر قائم ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ بات اس طرح نہیں جس طرح لوگ کہتے ہیں بلکہ اس طرح ہے جس طرح مَیں کہتا ہوں۔ ایسا شخص اپنے مقصد کے حصول کے لئے دوسروں سے بہت زیادہ کوشش کرتا ہے اور اس کے قدم کو غیر معمولی ثبات حاصل ہوتا ہے۔ وہ بسا اوقات مشکلات و حوادث کے طوفان میں گھر جاتا ہے مگر اُس کے قدم ڈگمگاتے نہیں اور وہ مضبوطی سے اپنے مقام پر کھڑا رہتا ہے۔

غرض جتنا جتنا یقین ہوتا ہے اتنی ہی اس کے مقابلہ میں کوشش کی جاتی ہے۔ جسے قطعی یقین حاصل ہوتا ہے وہ بالکل اور طرح کوشش کرتا ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ مجنونانہ وار اپنے کام کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے اور کسی بڑی سے بڑی روک کی بھی پرواہ نہیں کرتا وہ سمجھتا ہے کہ جس کام کے لئے میں کھڑا ہوا ہوں وہ بہر حال ہو جائے گا لیکن جو شخص سمجھتا ہے کہ کام ہو گا ہی نہیں وہ کوشش بھی نہیں کرتا اور اگر کچھ کرتا بھی ہے تو نہایت بے دِلی سے، کیونکہ یہ خیال اُس کے دل میں بیٹھ چکا ہوتا ہے کہ کام تو ہونا ہی نہیں۔ بہر حال ہر ایک کام اپنی اہمیت کے لحاظ سے یقین کا ایک درجہ چاہتا ہے۔ بعض کام متذبذب بھی کرلیتا ہے، بعض قابلِ تذبذب بھی کرلیتا ہے، بعض مضبوط مگر غیر معمولی حالات میں ہِل جانے والا بھی کرلیتا ہے لیکن جسے اپنے کام کے متعلق غیر معمولی یقین حاصل ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ جس کام کے لئے مَیں کھڑا ہوا ہوں وہ نہ ہو زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں مگر مَیں اپنے کام میں ناکام نہیں ہو سکتا اُس کے پاس چونکہ اپنے نفس کو تسلی دینے یا لوگوں کو خاموش کرانے کے لئے کوئی عُذر نہیں ہوتا اس لئے وہ سر توڑ کوشش شروع کر دیتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میری کانشنس بھی مجھے ناکامی پر ملامت کرے گی اور دنیا بھی مجھے ملامت کرے گی۔"

(الفضل قادیان 15/ اپریل 1946ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصائح پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۞۞۞۞

﴿50﴾ ﴿مشاہدات۔776﴾

ایمان بالغیب کیوں ضروری ہے؟

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

قُلۡ اِنۡ اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ اَمۡ یَجۡعَلُ لَہٗ رَبِّیۡۤ اَمَدًا ۔ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡہِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا

(الجن:26-27)

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا
چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں
ہر ستارے میں تماشا ہے تری چمکار کا
کیا عجب تو نے ہر اک ذرّہ میں رکھے ہیں خواص
کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر اُن اسرار کا

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ **"ایمان بالغیب کیوں ضروری ہے؟"**

ایمان بالغیب یعنی غیب پر ایمان لانا، اسلام کے بنیادی اساس میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر ایمان بالغیب کو بیان فرمایا ہے۔ اِن مَیں اِن آیات میں سے جس کو اپنی تقریر کی بنیاد بنا رہا ہوں وہ سورۃ الجن کی آیات 26-27 ہیں۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

تو کہہ دے کہ مَیں نہیں جانتا کہ تمہاری موعودہ گھڑی قریب ہے یا اللہ اس کے لیے کوئی لمبی مدّت مقرر کرے گا۔ غیب کا جاننے والا وہی ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو غالب نہیں کرتا۔

ان آیات میں انبیاء و رُسل کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ حضرت خلیفۃُ المسیح الثانیؓ نے ان آیات کے تحت فٹ نوٹ میں تحریر فرمایا ہے کہ وہ (اللہ) اُس (رسول) کو کرامت سے

علوم غیبیہ بخشتا ہے۔ انبیاء کے تتبّع میں مومن بھی غیب پر ایمان لاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۃ البقرۃ آیت 4 میں فرماتا ہے: الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرۃ:4)

یعنی جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم انہیں رزق دیتے ہیں اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

سامعین! ایمان بالغیب کی اہمیت، افادیت اور برکات بیان کرنے سے قبل ایمان اور غیب کے لُغوی معنوں کا جاننا ضروری ہے۔ ایمان کے معنی تصدیق کرنے کے ہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے یؤمنون کے درج ذیل تین معانی فرمائے ہیں۔ اوّل تصدیق کرتے ہیں۔ دوم اعتراف کرتے ہیں اور سوم پختہ یقین اور اعتماد رکھتے ہیں۔

(تفسیر کبیر جلد اول صفحہ 97 زیر لفظ یؤمنون)

غیب، غَابَ يَغِيْبُ کا مصدر ہے۔ اِس سے مراد ہر وہ چیز جو آنکھوں سے اوجھل اور پوشیدہ ہو نہ کہ وہ موہوم اور بے ثبوت ہو یا حواسِ ظاہری سے محسوس نہ ہو سکے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کے درج ذیل تین معانی کئے ہیں۔ اوّل ہر وہ چیز (امر) جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتی اور ظاہری حواس اُسے پانے سے قاصر ہیں لیکن وہ موجود ہے اور ایمانیات میں داخل ہے۔ اُس کے حق ہونے پر ہر پختہ یقین رکھتے ہیں اور اُس کا اعتراف کرتے اور اُس کی تصدیق کرتے ہیں۔ دوم اِس زندگی کے بعد پیش آنے ولے حالات پر بھی پختہ یقین رکھتے ہیں اور سوم یہ کہ وہ غیوبت کی حالت میں یعنی علیحدگی میں بھی ایمان رکھتے ہیں اور اِن میں منافقوں کی طرح دورنگی نہیں پائی جاتی۔

ایمان بالغیب کی اہمیت اِس امر سے عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے آغاز پر تین گروہوں کا ذکر درج ذیل ترتیب سے بیان فرمایا ہے نمبر 1 مؤمن۔ نمبر 2 کافر اور نمبر 3 منافق۔

یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو لوگوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے بھجواتا ہے تو علاقے کے موجود لوگوں میں سے کچھ لوگ تو نبی پر ایمان لاتے ہیں وہ مؤمن کہلاتے ہیں۔ کچھ لوگ جو اکثریت میں ہوتے ہیں اُس نبی کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں وہ کافر کہلاتے ہیں جبکہ کچھ لوگ جو تعداد میں تھوڑے ہوتے ہیں وہ نبی پر گو ایمان لے آتے ہیں لیکن سچے دل سے نہیں۔ وہ نبی کے سامنے ہوتے ہیں تو آمَنَّا وَصَدَّقْنَا کا نعرہ بلند

کرتے ہیں مگر جب نبی کی آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں تو نبی کے خلاف ریشہ دوانیاں کرنے لگتے ہیں۔ جہاں تک مؤمنوں کا تعلق ہے۔ اُن کے ایمان لانے اور فرمانبرداری کرنے کے مختلف پہلوؤں سے قرآن بھرا پڑا ہے لیکن قرآن کریم کے آغاز پر ہی سب سے پہلے غیب پر ایمان لانے کو بنیاد بنا کر ایمان کے مختلف پہلوؤں کو قرآن میں بیان فرمایا کیونکہ جب ہر غیب پر ایمان نہ ہو گا اُس نبی پر بھی ایمان مشکوک ہو جائے گا۔ نبی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور یقین رکھنے کی تعلیم دیتا ہے جو آنکھوں سے اوجھل رہتا ہے اور غیب کے زُمرہ میں آتا ہے۔ پھر اُس متعلقہ نبی سے قبل مبعوث ہونے والے تمام انبیاء، رسل اور اللہ کے فرستادوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اور یہ تمام انبیاء ورُسل غیب کے زُمرہ میں ہوتے ہیں۔ جو آنکھوں سے نظر نہیں آتے وہ وفات پا چکے ہوتے ہیں مگر اُن پر ایمان لانا بھی ایمان بالغیب کا حصہ ہے۔ اِسی طرح سابقہ کتب پر ایمان بھی ایمان بالغیب ہے۔ فرشتوں پر بھی ایمان لازمی ہے جو ایک مؤمن کی آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں جو کم نظر آتے ہیں۔ اُن پر ایمان لانا اور اُن کے مفوضّہ کاموں پر یقین رکھنا بھی ایمان بالغیب ہے۔

حضرت خلیفۃُ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ

”قرآن کریم میں غیب کا لفظ جن معنوں میں استعمال ہوتا ہے اُن سے بھی ثابت ہے کہ اِس سے مراد وہمی امور نہیں۔ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (الحجرات:19) اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کے غیب کو جانتا ہے۔ اِس جگہ غیب کا لفظ حقیقت کے لئے بولا گیا ہے کیونکہ اگر غیب کے معنے محض وہمی اور بے دلیل باتوں کے ہوں تو اِس آیت کے یہ معنے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ بے دلیل اور وہمی باتوں کو جانتا ہے اور یہ ترجمہ بالبداہت غلط ہے۔ اِسی طرح فرماتا ہے۔ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (السجدۃ:7) یعنی خدا ہی غیب اور ظاہر کو جانتا ہے۔ اس آیت میں غیب کا لفظ یقینی مگر نظروں سے پوشیدہ امور کے لئے بولا گیا ہے۔ اِسی طرح فرماتا ہے۔ وَعِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ (الانعام:60) اللہ تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ غیب وہمی باتوں کا نام نہیں بلکہ اُن تمام مخفی خزانوں کا نام ہے جو انسانوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اُن کو جانتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَيۡبِ کے یہ معنے ہرگز

نہیں کہ متقی وہ ہیں جو بغیر دلیل کے قرآنِ کریم کی باتوں کو مان لیتے ہیں کیونکہ یہ معنے قرآن کریم کی دوسری آیات کے خلاف ہیں۔"

(تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ 100)

پھر آپؓ فرماتے ہیں:

"خلاصہ یہ ہے ایمان بالغیب سے مراد، اُن سب صداقتوں پر ایمان لانا ہے جو حواسِ خمسہ سے معلوم نہیں کی جاسکتیں بلکہ اِن کا ثبوت اَور ذرائع سے معلوم ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ اُسے حواس خمسہ سے معلوم نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے جاننے کے اَور دلائل ہیں اور وہ دلائل ایسے یقینی اور قطعی ہیں کہ ظاہری حواس سے معلوم کی ہوئی باتوں سے کم نہیں بلکہ زیادہ یقین کے مقام پر انسان کو کھڑا کر دیتے ہیں۔ مثلاً خدا تعالیٰ کا کلام ہے جسے مؤمن سنتے ہیں اور اُس کے بتائے ہوئے علومِ غیبیہ ہیں جنہیں مؤمن پورا ہوتے دیکھتے ہیں اور اس کی زبردست قدرتیں ہیں جن کا ظہور مؤمن اپنے نفوس اور باقی دنیا میں دیکھتے ہیں مگر باوجود ان باتوں کے خدا تعالیٰ کی ہستی وراء الوراء ہے وہ حواسِ خمسہ سے محسوس نہیں کی جاسکتی۔
اسی طرح ملائکہ کا وجود ہے۔ ملائکہ ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتے نہ دوسرے حواس خمسہ سے معلوم کئے جاسکتے ہیں لیکن باوجود اِس کے اُن کا وجود وہمی نہیں ہے بلکہ اُن کے وجود پر قطعی دلائل ہیں جو قرآنِ کریم میں مختلف جگہوں پر بیان کئے گئے ہیں۔ یا مثلاً ایک غیب موت کے بعد کی زندگی ہے قرآنِ کریم اس پر بے دلیل ایمان لانے کا حکم نہیں دیتا بلکہ اس کے سچے ہونے پر زبردست دلائل دیتا ہے جو آئندہ مختلف مواقع پر بیان کئے جائیں گے۔"

(تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ 101)

سامعین! الغرض سب سے اوّل اِس دنیا کا خالق اللہ تعالیٰ غیب میں ہے جس پر ایمان لانا جزوِ ایمان ہے۔ اِس کی پہچان کے لئے اللہ نے فرشتوں کا نظام قائم فرمایا ہے۔ تمام گزشتہ انبیاء اور کتب غیب کا حصہ ہیں۔ زمین و آسمان کی پیدائش اور حواس خمسہ غیب میں شامل ہیں۔ ہاں ایک غیب جس کا تعلق سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات جن کا حوالہ خاکسار اوپر دے آیا ہے۔ وہ ہے کہ صحابہ، تابعین یا تبع تابعین جب تک رسول، نبی، فرستادہ یا خلیفہ کے سامنے ہوتے ہیں وہ اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہی ہیں۔ لیکن جب وہ اِن سے الگ

ہو کر اپنے گھروں میں جاتے ہیں۔ اپنے افرادِ خاندان سے ملتے ہیں اور نبی، رسول یا خلیفہ کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں تو یہ بھی غیب کے زُمرہ میں آتا ہے۔ اِن حالات میں بھی وہ رسول، نبی یا خلیفہ پر ایمان لاتے ہیں۔ اُن کے ارشادات اور ہدایات کو حرزِ جان جانتے ہیں۔ اُن کے ذہنوں کے خفیہ خانوں میں بھی یہ چیز نہیں آتی کہ اب کون سا رسول، نبی یا خلیفہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ وہ تب بھی اُس کی تمام ہدایات پر عمل پیرا ہوتے ہیں بلکہ اپنے اہل خانہ اور اولاد کو بھی اِن پر عمل کرنے کی طرف توجہ دلاتے رہتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تو ہمیں دیکھ ہی رہا ہے۔ ہمارا خلیفہ بھی اپنی روحانی آنکھ سے دیکھ رہا ہو گا۔

حضرت خلیفۃُ المسیح الثانیؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص مجھے ملنے آتا ہے تو مجھے یہ علم دے دیا جاتا ہے کہ یہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ اِس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔ حتّٰی کہ اُس کے کردار و افعال کی بھی اطلاع دے دی جاتی ہے۔ یہ غیب کا ایک الگ مفہوم ہے۔ اِس لئے خلیفۃُ المسیح کے پاس جانے سے قبل صدقہ ضرور دینا چاہیے۔ جہاں تک اوپر بیان شدہ غیب کا مضمون ہے۔

اُس کی تائید میں ایک حدیث بھی ملتی ہے کہ صحابہ کرامؓ جن میں حضرت ابو بکر صدیقؓ جیسے اجلّ صحابی بھی شامل تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم جب آپ کے ساتھ ہوتے ہیں اور آپؐ جنت و جہنم کی باتیں کرتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے اِنہیں دیکھ رہے ہیں لیکن جب ہم اپنے کاروبار میں مصروف ہوتے ہیں یا بال بچوں کے پاس ہوتے ہیں تو گویا ہم نفاق محسوس کرتے ہیں۔ اِس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

”اگر تم ہمیشہ اُسی کیفیت میں رہو جو میرے پاس رہنے سے ہوتی ہے تو یقین جانو کہ فرشتے تمہاری مجلسوں میں، تمہارے راستوں میں اور تمہارے بستروں پر تم سے مصافحہ کریں۔“

(ترمذی کتاب صفة القیامة حدیث نمبر 2514)

سامعین! ایمان بالغیب کا مضمون اُس وقت دلچسپی اختیار کر لیتا ہے جب ”الغیب“ کے مفہوم کو ہم مستقبل یعنی آنے والے دَور پر لاگو کرتے ہیں۔ جیسے آخرت پر یقین کامل ہونا کہ ایک دن ہم سب کا امتحان ہونا ہے۔ محاسبہ ہو گا۔ کامیاب ہونے والے جنت میں جائیں گے اور ناکام ہونے والے علاج کی غرض سے ایک ہسپتال میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ اِس ضمن میں ہم پھل دار درختوں، فصلوں اور سبزیوں کی مثال

دے سکتے ہیں کہ ہم سابقہ تجربہ کی بناء پر آئے روز پھل دار درخت لگاتے ہیں، سبزیاں بیجتے ہیں اور فصلیں اُگاتے ہیں اِس ایمان بالغیب کے ساتھ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ وقت آنے پر پھل دیں گے یا اناج مہیا کریں گے۔ یہی کیفیت مذہبی جماعتوں میں روحانی پھل یعنی روحانی اولاد کے متعلق ہے۔ ہمارے والدین، ہمارے بزرگ ہماری تعلیم وتربیت اور اصلاحِ احوال کی طرف اِس لئے توجہ دیتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اِس کے نتیجہ میں وہ ضرور ڈاکٹر، انجینئر، مربی وغیرہ بنیں گے۔ یونیورسٹیاں اور کالجز نوجوان نسل کو اِس لئے تعلیم سے آراستہ کر رہے ہوتے ہیں کہ مستقبل میں وہ ہماری قوم کے ہیرو بننے والے ہیں۔ یہی وہ خوشگوار نتائج ہوتے ہیں جو غیب میں ہوتے ہیں اور نظر میں نہیں آرہے ہوتے ہیں مگر ایک امید کو سامنے رکھ کر اِس غیب کو اپنے سامنے دیکھنے کے لئے جہد وجہد کی جاتی ہے۔ رمضان میں ہم روزے اس یقین کے ساتھ رکھتے ہیں کہ خدا ملے گا، اُس کی رضا ملے گی، اُس کی محبت ملے گی۔

اِس مضمون کو حضرت مصلح موعودؓ نے ذیل کے دو اقتباسات میں بیان فرمایا ہے۔

”حق یہ ہے کہ جس قدر شاندار کام ہیں وہ سب ایمان بالغیب کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوتے ہیں۔ تعلیم، صدقہ، خیرات، غرباء کے اُبھارنے کے لئے کوششیں، ملکی تنظیم سب ایمان بالغیب ہی کی اقسام ہیں۔ اگر انسان آئندہ نکلنے والے اچھے نتائج پر جو ظاہر نگاہ سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ یقین نہ رکھے تو کبھی ایسی قربانیاں نہ کر سکے۔ پس متقی کی علامت ایمان بالغیب بتا کر قرآنِ کریم نے یہ بتایا ہے کہ مومن ضروری دینی امور پر ایمان رکھنے کے علاوہ اعلیٰ درجہ کی اخلاقی قربانیاں کرتا ہے اور تاجرانہ ذہنیت سے بالا ہو جاتا ہے اور اس امر پر اصرار نہیں کرتا کہ مَیں وہی کام کروں گا جن کا نقد بہ نقد نتیجہ نکلے۔ بلکہ جب اُسے یقین ہو جائے کہ جو کام اُس کے سامنے پیش کیا گیا ہے اچھا اور نیک ہے تو وہ ظاہری حالات سے بے پرواہ ہو کر اِس یقین سے اِس کام کے کرنے میں لگ جاتا ہے کہ خواہ حالات کتنے ہی مخالف کیوں نہ ہوں نیک کام کا نتیجہ نیک ہی نکلے گا اور اِس امر کی بھی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ اس نتیجہ کو خود بھی دیکھے گا یا نہیں۔ اگر کوئی شخص تعصّب سے آزاد ہو کو غور کرے تو ایمان بالغیب کا یہ مفہوم ایسا اہم ہے کہ اس کے ذریعہ سے قرآن کریم نے تمام قومی، ملّی اور بنی نوع انسان کی ترقی کے لئے قربانیوں کی بنیاد رکھ دی ہے۔ یہ ایمان بالغیب ہی تھا کہ جس نے صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ قربانیاں کرائیں جنہوں نے عرب کی ہی نہیں بلکہ سب دنیا کی

حالت بدل دی۔ اگر وہ تاجرانہ ذہنیت دکھاتے اور ایمان بالغیب کے ماتحت کام نہ کرتے تو دنیا میں ایسے شاندار نتائج کس طرح پیدا ہو سکتے تھے ...اِس مضمون سے اُن مسلمان طلباء کو جو تعلیم کی خاطر کالجوں میں داخل ہوتے ہیں یا دوسرے ممالک میں جاتے ہیں سبق حاصل کرنا چاہیے اور اپنے ایمان کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ اگر وہ مومنوں کے ماحول سے جدا ہو کر کمزور ہو جاتا ہے تو اِس کے یہ معنے ہیں کہ انہوں نے اپنے مذہب کو سمجھ کر نہیں مانا تھا اور اُن کا ایمان ذاتی نہ تھا بلکہ صرف اپنے ماحول کی ایک صدائے باز گشت تھا۔"

(تفسیر کبیر جلد اول صفحہ 102-103)

پیارے بھائیو! مَیں اپنی تقریر کا اختتام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک ارشاد پر کرنا چاہوں گا۔ آپؑ فرماتے ہیں۔

"یاد رکھو کہ متقی کی صفات میں سے پہلی صفَت یہ بیان کی یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ یعنی غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ مؤمن کی ایک ابتدائی حالت کا اظہار ہے کہ جن چیزوں کو اُس نے نہیں دیکھا اُن کو مان لیا ہے۔ غیب اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور اِس غیب میں بہشت، دوزخ، حشرِ اجساد اور وہ تمام امور بھی جو ابھی تک پردۂ غیب میں ہیں، شامل ہیں۔ اب ابتدائی حالت میں تو مؤمن اِن پر ایمان لاتا ہے لیکن ہدایت یہ ہے کہ اِس حالت پر اُسے ایک انعام عطا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اُس کا علمِ غیب سے انتقال کر کے شہود کی طرف آجاتا ہے اور اس پر پھر ایسا زمانہ آجاتا ہے کہ جن باتوں پر وہ پہلے غائب کے طور پر ایمان لاتا تھا وہ ان کا عارف ہو جاتا ہے اور وہ امور جو ابھی تک مخفی تھے اس کے سامنے آجاتے ہیں اور حالتِ شہود میں انہیں دیکھتا ہے۔ پھر وہ خدا تعالیٰ کو غیب نہیں مانتا بلکہ اُسے دیکھتا ہے اور اُس کی تجلّی سامنے رہتی ہے۔ غرض اس غیب کے بعد شہود کا درجہ اُسے عطا کیا جاتا ہے۔ جیسے ایمان کے بعد عرفان کا مرتبہ ملتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کو اِسی عالم میں دیکھ لیتا ہے اور اگر اس کو یہ مرتبہ عطا نہ ہوتا تو پھر یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے مصداق کو کوئی ہدایت اور انعام عطا نہ ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہوتا اور اُس کے لئے ہدایت یہی ہے کہ اُس کے ایمان کو حالتِ غیب سے منتقل کر کے حالتِ شہود میں لے آتا ہے"

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 308 ایڈیشن 1984ء)

پھر آپؑ فرماتے ہیں:

”ایمان بالغیب کے یہ معنے ہیں کہ وہ خدا سے اَڑ نہیں باندھتے۔ بلکہ جو بات پردۂ غیب میں ہو۔ اس کو قرائنِ مرجّحہ کے لحاظ سے قبول کرتے ہیں اور دیکھ لیتے ہیں کہ صدق کے وجوہ کذب کے وجوہ پر غالب ہیں۔ یہ بڑی غلطی ہے کہ انسان یہ خیال رکھے کہ آفتاب کی طرح ہر ایک امر اُس پر منکشف ہو جاوے۔ اگر ایسا ہو تو پھر بتلاؤ کہ اس کے ثواب حاصل کرنے کا کونسا موقعہ ملا؟ کیا اگر آفتاب کو دیکھ کر کہیں کہ ہم اُس پر ایمان لائے تو ہم کو ثواب ملتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس میں غیب کا پہلو کوئی بھی نہیں۔ لیکن جب ملائکہ، خدا اور قیامت وغیرہ پر ایمان لاتے ہیں ثواب ملتا ہے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ ان ایمان لانے میں ایک پہلو غیب کا پڑا ہوا ہے۔ ایمان لانے کے لئے ضروری ہے کہ کچھ اخفاء بھی ہو اور طالبِ حق چند قرائنِ صدق کے لحاظ سے اِن باتوں کو مان لے۔“

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 218-219)

خوبرویوں میں ملاحت ہے ترے اس حسن کی
ہر گُل و گلشن میں ہے رنگ اُس ترے گلزار کا
آنکھ کے اندھوں کو حائل ہوگئے سو سو حجاب
ورنہ تھا قبلہ ترا رُخ کافر و دیندار کا
ہیں تری پیاری نگاہیں دلبرا اِک تیغِ تیز
جن سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اَغیار کا

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

✡✡✡✡